النحو فی الکلام کالملح فی الطعام
مختار النحو
شرح
ہدایۃ النحو
شارح
مولانا مفتی محمد شبیر نعیمی پورنوی
(بہار انڈیا)
مکتبہ اہلسنت
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور
0300-6346344,042-37634478

نام کتاب	مختار النحو شرح هداية النحو
شارح	علامہ مفتی محمد شبیر پورنوی
نظر ثانی	مولانا محمد نواز خان احمد خیل
باہتمام	حاجی امتیاز حسین
صفحات	275

ناشر: مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

ملنے کے پتے

مکتبہ اہلسنت مکہ سنٹر اُردو بازار لاہور 0345-2011235

مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور 0321-7226193

مکتبہ نصیریہ شرقپور شریف-0346-4293065

مکتبہ ابوحنیفہ اُردو بازار لاہور-0321-4318640

نظامیہ کتاب گھر اُردو بازار لاہور

شبیر برادرز اُردو بازار لاہور

کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور

المکتبۃ النظامیہ پشاور

مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا

تشریح: اَللّٰہُ ربُّ محمدٍ صَلّٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَا ☆ نَحۡنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَا۔ بِسۡمِ اللّٰہِ اس کتاب کو تسمیہ سے شروع چند وجہوں سے کیا گیا ہے۔ اوّل ابتداء میں اسم باری تعالیٰ سے برکت حاصل کرنے کے لئے، دوم کلامِ الٰہی کی اقتداء کی وجہ سے کہ تسمیہ سے اس کا آغاز کیا ہے، سوم: حدیث نبی علیہ التحیۃ والثناء کی اتباع کی وجہ سے کہ ابوداؤد وابن ماجہ کی روایت ہے: کُلُّ اَمۡرٍ ذِیۡ بَالٍ لم یبدأ فیه ببسم الله الرحمٰن الرحیم فهو اَقطعُ۔ چہارم: سیّدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ کی اس روایت پر عمل کرنے کی وجہ سے کہ کلمة بسم الله فاتقة للمرتوق ومسهلة للوعور ومجنة للشرور وشفاء لما فی الصدور وامان یوم النشور۔ پنجم: اس امر کی پیروی کی وجہ سے کہ جس پر سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ وہ تمام اپنی تصنیفات کو تسمیہ سے آغاز کرتے ہیں۔

بسم مرکب ہے باحرف جار اور اسم سے جو متعلق ہے فعل محذوف کے ساتھ اور فعل محذوف مقام وحال کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، چنانچہ تصنیف کے وقت اگر بسم اللہ کہا جائے تو اُصنِّفُ مقدر ہوگا اور سفر کے وقت بسم اللہ کہا جائے تو اَرۡتحِلُ مقدر ہوگا اور قرأت کے وقت بسم اللہ کہا جائے تو اقرأُ مقدر ہوگا اور کھاتے وقت بسم اللہ کہا جائے تو اٰکلُ مقدر ہوگا اور مقدر کبھی بسم اللہ سے پہلے مانا جاتا ہے اور کبھی اس کے بعد، لیکن بعد میں مقدر ماننا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ تاخیر سے اختصاص کا فائدہ ہوتا ہے، چونکہ قاعدہ ہے: کلُّ ما کانَ حقهٗ ان یوخر اذا قُدِّمَ فتقدیمهٗ یقتضی الاختصاص یعنی ہر وہ امر کہ جس کا حق یہ ہے کہ مؤخر کیا جائے جب اس کو مقدم کیا جائے تو اس کی تقدیم اختصاص کا مقتضی ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ بقیہ تفصیلات نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی میں درج ہیں، ان شئتها فلترجع الیها۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے عالم کا پروردگار ہے۔

تشریح: اَلۡحَمۡدُ وہ جزءِ قرآن ہے جس کو یہاں چند وجہوں سے بیان کیا گیا ہے: (۱) شروع کتاب کلامِ الٰہی سے برکت حاصل کرنے کیلئے کہ قرآن سے افضل کوئی کتاب نہیں کہ جس سے برکت حاصل کی جائے (۲) قرآن کریم کی اتباع کی وجہ سے کہ اس میں پہلے تسمیہ کو بیان کیا گیا ہے پھر تحمید کو (۳) حدیث نبی علیہ التحیۃ والثناء کی پیروی کی وجہ سے کہ جس کو ابوداؤد وابن ماجہ ابوعوانہ نے روایت کی ہے: کلُّ امرٍ ذی بالٍ لا یبدأ فیه بالحمد لله فهو اقطعُ (۴) مصنفین کی مخالفت سے اجتناب کی وجہ سے کہ وہ اپنی تصنیفات کو تسمیہ کے بعد تحمید سے بیان کرتے ہیں (۵) اللہ تعالیٰ کی عظمت وبزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے (۶) اس نعمت کو ظاہر کرنے کے لئے جو نعمت کہ بندہ تک پہنچی ہے۔

حمد پر الف لام چونکہ استغراق کا ہے اس لئے الحمد کا معنی یہ ہے: کلُّ فردٍ من افراد الحمدِ ثابتٌ لِلّٰہ یعنی ہر فرد افراد حمد

ئیں سے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور وہ مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے اور اس کی خبر لِلّٰہ ہے۔ وہ جملہ اسمیہ ہے جس کو جملہ فعلیہ سے عدول کیا گیا ہے۔ عدول کی وجہ حمد کے دوام وثبات پر دلالت کرنا ہے۔

حمد وہ وصف جمیل ہے جو تجبیل و تعظیم کے طور پر بیان کیا جائے استہزاء کے طور پر نہیں، شکر اور مدح کا معنی اور ان کے درمیان نسبت کی تفصیلات التشریح المنیب لحل شرح التہذیب میں ملاحظہ کیجئے۔

لِلّٰہ اللہ اسم ذات ہے اس ذات واجب الوجود کا جو جمیع صفات کمالیہ کا مستجمع ہو، اسی وجہ سے حمد کو اس اسم کے ساتھ خاص کیا گیا اور اس لئے بھی کہ وہ اسم اسمائے باری تعالیٰ میں اعظم ہے کہ جس کا اطلاق غیروں پر قطعاً نہیں ہوتا برخلاف دوسرے اسماء کہ وہ اسم صفت ہیں جن کا اطلاق غیروں پر بھی ممکن ہے اور اس لئے بھی کہ حمد کو اگر کسی اسم صفت کے ساتھ بیان کیا جائے تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ حمد جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے وہ صرف اس صفت کے اعتبار سے ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ بقیہ التشریح میں دیکھئے۔

ربّ رب مصدر ہے جو بمعنی پرورش کرنا، یعنی کسی چیز کو اس کے حد کمال کو پہونچانا ہے، اللہ تعالیٰ کو رب مبالغہ کے طور پر کہا جاتا ہے جیسے زیدٌ عَدْلٌ میں زید پر عدل کا اطلاق بطور مبالغہ، یہ بھی ممکن ہے ربّ اسم فاعل ہو جو بمعنی پرورش کرنے والا ہے، چنانچہ علماء نے کہا ہے: الربُّ هو الخالقُ ابتداءً والمربّي غذاءً والغافرُ انتهاءً یعنی رب ابتداء کے اعتبار سے بمعنی خالق ہے اور غذاء کے اعتبار سے بمعنی مُربی یعنی پرورش کرنے والا ہے اور انتہاء کے اعتبار سے غافر یعنی مغفرت کرنے والا ہے، لیکن ارباب لغت وتفسیر کا خیال ہے کہ رب بمعنی مصلح و مدبر ہے۔ صاحب مجمع البحار نے کہا کہ رب بمعنی مالک و سیّد و مربی و مدبر و اہتمام کرنے والا ہے، اس کا استعمال اضافت و بدونِ اضافت دونوں طرح ہوتا ہے لیکن بدون اضافت اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے بندوں پر بھی ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ربُّ الدارِ وربُّ السلمِ وربُّ النّاقةِ وغیرہ۔ رب کو مرفوع ومنصوب ومجرور تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مرفوع اس تقدیر پر کہ وہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی هو رب العالمین۔ منصوب اس تقدیر پر کہ وہ حال یا منادٰی ہے یا اعنی فعل مقدر کا مفعول ہے اور مجرور اس تقدیر پر کہ وہ اسم جلالت کی صفت یا بدل الکل یا عطف بیان ہوگا۔

اَلْعٰلَمِیْنَ عالمین جمع ہے عالم کی اور عالم لغت میں اس کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ شیئ جانی جائے، چنانچہ خاتم اس کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ مہر ماری جائے اور عالم عرف عام میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قَالَ فرعونُ وما ربُّ العلمینَ قَالَ رب السمٰوٰتِ والارضِ وَما بینهما اِن کنتم موقنین۔ عالم کے ہر جنس کو بھی عالم کہا جاتا ہے لیکن اس کے ہر فرد کو نہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: عالم افلاک و عالم عناصر جب کہ یہ نہیں کہا جاتا: زیدٌ عالَمٌ وخالدٌ عالَمٌ۔

عالم کو یہاں جمع کے ساتھ لایا گیا اس کی وجہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخصوص شیئ کا رب و پالنہار ہے جب کہ وہ ہر

شیئ کا پالنہار ہے اور اس کو واؤ ونون کے ساتھ جمع لایا گیا الف وتاء کے ساتھ اس لئے نہیں کہ واؤ ونون کے ساتھ جمع ذوی العقول کے لئے لائی جاتی ہے اور ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر شرافت حاصل ہے۔

وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ

ترجمہ: اور آخرت کی بہتری پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

تشریح: **وَالْعَاقِبَۃُ** عاقبۃ بمعنی انجام خواہ خیر ہو یا شر اور متقین کے لئے چونکہ انجام خیر تو ہو سکتا ہے لیکن انجام شر نہیں، اس لئے اس سے پہلے خیر یا حسن مضاف مقدر ہوگا یعنی **خیرُ العاقبۃِ یا حسن العاقبۃِ**۔

لِلْمُتَّقِیْنَ متقین جمع ہے متقی کی وہ مشتق ہے وقاہ فاتقی سے۔ وقاء وقایۃ بمعنی فرط صیانت یعنی پرہیزگاری۔ اس سے باب افتعال کے صیغۂ ماضی بنانے کے لئے اس کے واؤ کو تاء سے بدل کر تاء کو تاء میں ادغام کر دیا تو اتقی ہو گیا اور اسی سے متقی صیغہ اسم فاعل ہے اور وہ شخص ہے جو اپنے کو ان چیزوں سے دور رکھے جن کے ارتکاب سے عذاب وسزا مقرر ہوتا ہے اور صوفیوں کے نزدیک متقی وہ شخص ہے جو اپنے دل میں خطراتِ انسانی نہ آنے دے اور امراء وسلاطین سے قطع تعلق رکھے۔ اس جملہ کو غالباً اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ تصنیف ایک اہم کام ہے جس کو اگر خودنمائی کے لئے کیا جائے، تو کوئی اچھا کام نہیں بلکہ خوفِ خدا دل میں رکھ کر رضائے الٰہی ملحوظِ خاطر ہو تو بہترین اور عمدہ کام ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبی علیہ التحیۃ والثناء ہے: **لو کانَ للعلمِ شرفٌ بدونِ التقوٰی لکان الشیطانُ اعلٰی منزلۃً** یعنی علم کے لئے تقویٰ کے بغیر اگر کچھ شرف و بزرگی ہوتی تو شیطان سب سے بلند مرتبہ والا ہوتا۔

وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ

ترجمہ: اور صلوٰۃ نازل ہو اس کے رسول محمد ﷺ پر۔

تشریح: **وَالصَّلٰوۃُ** صلوٰۃ کو تحمید کے بعد چند وجہوں سے بیان کیا گیا ہے، اوّل اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلّموا تسلیمًا** اے ایمان والو! نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجو۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **قل الحمدُ للّٰہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی**۔ اس میں دو چیزوں کا حکم ہے: ایک حمد باری تعالیٰ اور دوسری اس کے نیک بندوں پر سلام! جس کو صلوٰۃ بھی کہا جاتا ہے۔ دوم اس وجہ سے کہ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھے چند کرامتوں سے نوازا ہے جن میں سے ایک یہ کہ جب بھی اس کا ذکر کیا جائے تو اس کے ساتھ میرا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ سوم اس وجہ سے کہ سرکارِ مدینہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تبلیغِ احکام میں بطور سفیر ہیں یعنی سعادتِ دارین کے وصول کا وہ وسیلہ وذریعہ ہیں تو جب خدا کی حمد کی جائے تو رسول پر بھی صلوٰۃ بھیجی جائے تا کہ ان کے ذریعہ حمد کا نذرانہ خدا تک پہونچ جائے۔ بقیہ تفصیل التشریح میں دیکھئے۔

عَلٰی رَسُوْلِہٖ رسول بمعنی مرسل ہے کیونکہ فعول کا صیغہ بمعنی مفعول آتا ہے، لغت میں اُس کا معنی ہے: بھیجا ہوا اور اصطلاح میں

رسول اس انسان کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف احکام پہونچانے کے لئے مبعوث کیا ہو اور اس کے ساتھ نئی کتاب ونئی شریعت ہو اور نبی عام ہے، یعنی اس کے مفہوم میں کتاب وشریعت کی شرط نہیں۔

مُحَمَّدٍ صیغہ اسم مفعول ہے باب تفعیل کا جو مبالغہ کے لئے آتا ہے، اس کا معنی ہے: بہت تعریف کیا ہوا۔ اطول میں ہے کہ حمد سے دو اسم مبالغہ ماخوذ ہیں، ایک محمد جو محمودیت کے مبالغہ کے لئے آتا ہے اور دوسرا احمد جو حامدیت کے مبالغہ کے لئے آتا ہے اور حمد میں جس طرح ربِ تعالیٰ کے نام اللہ اسم جلالت کو صراحۃً بیان کیا گیا، اسی طرح صلوٰۃ میں بھی نبی کریم کے نام محمد کو صراحۃً بیان کیا گیا۔

محمد ترکیب میں مجرور واقع ہے جو رسول سے بدل یا عطف بیان ہے جب کہ وہ مرفوع ومنصوب بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ مرفوع کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہوگا اور منصوب کی صورت میں اعنی فعل مقدر کا مفعول ہوگا۔

وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

ترجمہ: اور صلوٰۃ نازل ہو ان کے کل آل واصحاب پر۔

تشریح: وَآلِهٖ آلہ واصحابہ کی ضمیر مجرور کا مرجع لفظ محمد ہے۔ آل اسم جمع ہے جو قلیل وکثیر دونوں پر بولا جاتا ہے۔ آلِ نبی سے مراد مؤمن متقی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ گرامی ہے: **آلِيْ كُلُّ مؤمنٍ تقيٍ** اور اصحاب جمع ہے **صَحْبٌ** کی نہ کہ صاحب کی کیونکہ فاعل کی جمع افعال نہیں آتی۔ اصحابِ نبی سے مراد وہ انسان ہیں جو بحالت اسلام سرکارِ مدینہ کی زیارت سے مشرف ہو اور اس پر مداومت کے ساتھ خاتمہ ہو۔

اَجْمَعِيْنَ یہ تاکید ہے آل واصحاب دونوں کی یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی۔ اس کے ذکر سے روافض وخوارج دونوں کا ردّ ہے لیکن روافض کا بایں طور کہ وہ صلوٰۃ کے ساتھ صرف بعض اصحاب کو خاص کرتے ہیں، بعض کو نہیں کیونکہ وہ آل کی محبت میں غلو کرتے ہیں اور خوارج کا بایں طور کہ وہ آل کے ساتھ چونکہ عناد ودشمنی کرتے ہیں، اس لئے ان پر صلوٰۃ نہیں بھیجتے۔

اَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَّضْبُوْطٌ فِي النَّحْوِ

ترجمہ: لیکن حمد وصلوٰۃ کے بعد تو یہ چھوٹا سا رسالہ علم نحو میں ضبط کیا ہوا ہے۔

تشریح: اَمَّا بَعْدُ اما حرف شرط ہے جو دو امر کے لئے مستعمل ہوتا ہے، ایک استیناف کے لئے جب کہ اس سے پہلے اجمال نہ ذہناً ہو اور نہ خارجاً اور وہ شروع کتاب وبحث میں آتا ہے، مثلاً **امّا زيدٌ فمنطلقٌ** ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وامّا ان كان من المقربين** دوسرا اس امر کی تفصیل کے لئے کہ جس کو متکلم پہلے بطور اجمال ذہناً یا خارجاً بیان کرے، مثلاً **جاء في القوم امّا زيدٌ فاكرمتهٗ وامّا عمرٌو فاهنتهٗ وامّا خالدٌ فاعرضت عنه۔**

بَعْدُ مبنی علی الضم ہے کہ اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہوتا ہے، اصل عبارت یہ ہے: **امّا بعد البسملة والحمدلة والصلوٰة۔**

فَهٰذَا یہ جزاء ہے شرط مذکور کی۔ ہٰذا کا مشار الیہ وہ کتاب ہے جس کو مصنف نے تصنیف کیا ہے، اگر خطبہ الحاقیہ ہو یعنی خطبہ جب کہ تصنیف سے فارغ ہونے کے بعد ہو یا وہ کتاب ہے جو ذہن مصنف میں موجود ہے، اگر خطبہ ابتدائیہ ہو یعنی خطبہ جب کہ تصنیف سے پہلے ہو، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **واذ قال ابراهیم ربّ اجعلْ هذا الْبَلَدَ امنًا**۔ اس میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی طرف اشارہ فرمایا جب کہ عمارت کعبہ کی تیار نہ تھی تو انہوں نے اس کا تصور اپنے دل میں کر کے اشارہ فرمایا۔

مُخْتَصَرٌ وہ کلام ہے جس کی عبارت تھوڑی ہو اور مفہوم زیادہ ہو، برخلاف مقتصر کہ وہ کلام ہے جس کی عبارت زیادہ ہو اور مفہوم کم ہو۔

مَضْبُوْطٌ فِي النَّحْوِ مضبوط صفت ہے مختصر کی۔ مضبوط اس کلام کو کہا جاتا ہے جو حشو و تطویل سے مجرد و خالی ہو۔ حشو اس کلام زائد کو کہا جاتا ہے جو مقصود میں خلل اور بے فائدہ ہو اور تطویل وہ کلام زائد ہے جو مقصود نہ ہو اور مفید ہو۔

فِي النَّحْوِ ظرف مستقر ہے جو جار و مجرور مل کر ثابت مقدر کے ساتھ متعلق ہے اور وہ مرفوع ہے اس لئے کہ مختصر کی دوسری صفت ہے۔

جَمَعْتُ فِيْهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ عَلٰى تَرْتِيْبِ الْكَافِيَةِ مُبَوَّبًا وَّمُفَصَّلًا

ترجمہ: جمع کیا میں نے اس میں علم نحو کے مقصدوں کو کافیہ کی ترتیب پر دراں حالیکہ باب در باب کرنے والا اور فصل در فصل کرنے والا ہوں۔

تشریح: **جَمَعْتُ فِيْهِ** یہ جملہ بھی بتاویل مفرد ہو کر مختصر کی تیسری صفت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حال ہو جس کا عامل ہٰذا اسم اشارہ کا معنی ہے۔ فیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع لفظ مختصر ہے اور وہ جار و مجرور سے مل کر جمعت کے ساتھ متعلق ہے۔

مُهِمَّاتِ النَّحْوِ مہمات جمع ہے مہمۃ کی، وہ ماخوذ ہے ہمت بمعنی قصد سے۔ **هم** بمعنی رنج سے نہیں، اگرچہ یہ بھی ممکن ہے لیکن بہتر پہلا ہے۔ مہمات سے مراد نحو کے مقاصد جزئیہ و مسائل ہیں اور اگر وہ ماخوذ ہو **هم** سے تو بمعنی مشکلات ہوں گے، اس تقدیر پر اس سے مراد مشکل مسائل ہیں وہ جمعت کے مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب بکسرہ ہے، کیونکہ وہ جمع سالم ہے جس کا اعراب حالتِ نصبی میں کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔

عَلٰى تَرْتِيْبِ یہ متعلق ہے جمعت کے ساتھ، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مختصر کی صفت واقع ہو اور یہ بھی کہ وہ مہمات النحو سے حال واقع ہو۔ بتقدیر اول معنی یہ ہے کہ میں نے اس مختصر میں مقاصد نحو کو کافیہ کی ترتیب پر جمع کیا اور بتقدیر دوم معنی یہ ہے کہ اس مختصر میں جو کافیہ کی ترتیب پر ہے، بتقدیر سوم معنی یہ ہے کہ میں نے اس مختصر میں مقاصد نحو کو جمع کیا دراں حالیکہ اس کا بیان قواعد کافیہ کی ترتیب پر شامل ہے۔

الْكَافِيَةِ کافیہ نام ہے نحو کی مشہور کتاب کا جس کا مصنف شیخ جمال الدین بن حاجب علیہ الرحمہ ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ کافیہ سے

مراد اس کا لغوی معنی یعنی کفایت کرنے والی ہو، پس اس تقدیر پر وہ صفت ہوگا موصوف محذوف کی، یعنی القواعد الکافیۃ۔ بتقدیر اول دو سوال پیدا ہوں گے، ایک یہ کہ اس کتاب کو مصنف نے کافیہ کی ترتیب پر کیوں جمع کیا؟ دوسرا یہ کہ قارئین کو اس بات کی اطلاع کیوں دی؟ جواب سوال اول کا یہ کہ کافیہ کی ترتیب چونکہ ایسی ہے جس کو ہر طبع سلیم قبول کر لیتی ہے، نیز عند اللہ وہ بڑی مقبول کتاب ہے، اس وجہ سے مصنف نے چاہا کہ وہ اپنی اس مختصر کو بھی ایسی ترتیب پر رکھے جس سے ان کی کتاب بھی مقبول ہو جائے۔ جواب سوال دوم کا یہ کہ قارئین کو اس سے یہ اطلاع دینا مقصود ہے کہ ان کی کتاب بھی کافیہ کی ترتیب پر ہے جس سے طلبہ کے ذہنوں میں اس کی عظمت پیدا ہو جائے کیونکہ جب شئی کی نسبت کسی عظیم الشان کی طرف کی جائے تو اس سے اس کی عظمت و برتری پیدا ہو جاتی ہے۔

مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا ان دونوں صیغہ کو بکسر واؤ اور بکسر صاد اور بفتح واؤ اور بفتح صاد دونوں پڑھا گیا ہے۔ بتقدیر اول وہ دونوں صیغہ اسم فاعل کے ہوں گے، پس اس تقدیر پر وہ حال واقع ہوں گے **جمعتُ** کے اندر ضمیر مرفوع سے اور بتقدیر دوم وہ دونوں صیغہ اسم مفعول ہوں گے، پس اس تقدیر پر وہ دونوں **فیہ** کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہوں گے۔

مبوب ماخوذ ہے تبویب سے، جس کا معنی ہے: باب در باب کرنا۔ کسرہ کی صورت میں اس کا معنی ہے: باب در باب کرنے والا اور فتحہ کی صورت میں باب در باب کیا ہوا اور مفصل ماخوذ ہے تفصیل سے، جس کا معنی ہے: فصل در فصل کرنا۔ کسرہ کی صورت میں اس کا معنی ہے: فصل در فصل کرنے والا اور فتحہ کی صورت میں معنی ہے: فصل در فصل کیا ہوا۔ پس جب وہ جمعت کی ضمیر مرفوع سے حال واقع ہوں گے تو معنی یہ ہوگا کہ جمع کیا میں نے ایسی حالت میں کہ باب در باب اور فصل در فصل کرنے والا ہوں اور فیہ کی ضمیر سے حال واقع ہوں گے تو معنی یہ ہوگا کہ میں نے اس میں نحو کے مسائل کو جمع کیا دراں حالیکہ یہ مختصر باب در باب اور فصل در فصل کیا ہوا ہے، خلاصہ یہ کہ یہ مختصر کتاب ابواب و فصول پر مشتمل ہے۔

بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ مَعَ اِيْرَادِ الْاَمْثِلَةِ فِيْ جَمِيْعِ مَسَائِلِهَا

ترجمہ: واضح عبارت کے ساتھ، مثالوں کے لانے کے ساتھ ان مقاموں کے تمام مسائل میں۔

تشریح: **بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ** یہ متعلق ہے جمعت کے ساتھ۔ عبارت لغت میں خواب کی تعبیر بیان کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **عبرتها عبارةً ای فسّرتها** اور اصطلاح میں ان الفاظ کو کہا جاتا ہے جو معانی پر دلالت کرے کیونکہ وہ الفاظ ان معانی کے لئے جو کہ نفوسِ انسانیہ میں مضمر و مستتر ہیں، مفسّر ہوتے ہیں۔

واضحة صفت ہے عبارت کی۔ **واضحة** مشتق ہے وضاحت سے جو بمعنی روشن ہونا ہے۔ پس معنی یہ ہے کہ ایسی عبارت کے ساتھ جمع کیا جس کے معنی صاف و روشن ہیں اور اس سے معنی کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اس قول سے غالباً اس وہم کا ازالہ ہے کہ اس مختصر کی عبارت بھی کافیہ کی طرح معلق ہے، حاصل ازالہ یہ کہ اس مختصر کی عبارت واضح و روشن ہے، وہ کافیہ کی عبارت کی طرح دشوار نہیں۔

مَعَ اِيْرَادِ الْاَمْثِلَةِ مع مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ منصوب ہوا کرتا ہے باعتبار متعلق کے یا واضحہ کے متعلق ہے یا عبارت کی صفت ہے، ایراد مصدر ہے باب افعال کا جو بمعنی لانا ہے وہ مضاف ہے 'امثلۃ' کی طرف جو مفعول واقع ہے۔ امثلۃ جمع ہے مثال کی جیسے ائمہ جمع ہے امام کی۔ **مثال** اس کو کہا جاتا ہے جس سے مسئلہ کی وضاحت کی جاتی ہے اور شاہد اس کو کہا جاتا ہے جو اثبات قاعدہ کی غرض سے بیان کیا جائے اور نظیر مثال کو ہی کہا جاتا ہے لیکن مثال ممثل لہ کا فرد نہیں ہوتا اور نظیر کے لئے فرد ہونا ضروری ہے۔

فِیْ جَمِیْعِ مَسَائِلِهَا یہ متعلق ہے ایراد کے ساتھ۔ **مسائلها** میں ضمیر مؤنث کا مرجع مہمات النحو ہے۔ مسائل جمع مسئلہ اسم ظرف بمعنی جائے سوال و وقت سوال ہے۔ اصطلاحِ شرع میں مسئلہ کہا جاتا ہے کسی امر کی نسبت اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ یا مجتہدین کی آراء کی طرف کرنے کو، اور فن والوں کی اصطلاح میں اثبات محمول موضوع باندھنے یا بلا دلیل بیان کرنے کو کہا جاتا ہے۔

مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ بِالْاَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ

ترجمہ: بلا درپے ہونے دلیلوں اور علتوں کے۔

تشریح: **مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ** تعرض واعتراض دونوں کا معنی اقدام علی الشئی یعنی کسی شئی کے آگے آنا اور درپے ہونا ہے۔ ادلہ جمع ہے دلیل کی جس طرح اجنہ جمع ہے جن کی، دلیل کا معنی لغت میں راہنمائندہ یعنی راستہ دکھانے والا ہے اور عرف میں وہ شئی ہے جس کے جاننے سے دوسری شئی کا جاننا لازم آجائے اور مناطقہ کے نزدیک دلیل اس کو کہا جاتا ہے جو دو مقدموں سے مرکب ہو جس سے مطلوب حاصل ہو جائے۔

علل جمع ہے علت کی جیسے ھمم جمع ہے ہمت کی۔ علت لغت میں بمعنی مؤثر ہے اور اصطلاح میں وہ شئی ہے کہ جس پر شئی کا وجود موقوف ہو۔ علت و دلیل دونوں مترادف الفاظ ہیں اور مترادف الفاظ کا ذکر اگرچہ بہتر نہیں لیکن تحسین کلام کے لئے لایا جاتا ہے۔

لِئَلَّا يُشَوِّشَ ذِهْنَ الْمُبْتَدِئِ عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ

ترجمہ: تاکہ مبتدی کے ذہن کو مسائل کے سمجھنے سے پریشان نہ کرے۔

تشریح: **لِئَلَّا يُشَوِّشَ** یشوش کو معروف و مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ معروف کی صورت میں ذہن المبتدی مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور فاعل اس کا ضمیر مرفوع مستتر ہے جو ایراد ادلہ کی طرف راجع ہے اور مجہول کی صورت میں ذہن المبتدی مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس پر جو لام ہے وہ جمعت کے ساتھ متعلق ہے بتقدیر اول معنی یہ ہے کہ ایراد ادلہ ذہن مبتدی کو تشویش میں ڈال دیتا ہے کیونکہ ادلہ و علل کو اگر بیان کیا جائے تو مبتدی طلبہ اولاً مسائل میں مشغول ہوگا، پھر دلیلوں و علتوں میں الجھ جائے گا اور اس کا ذہن مسائل کے سمجھنے میں پریشان ہو جائے گا۔ بتقدیر دوم معنی یہ ہو

گا کہ میں نے مہمات نحو کو جمع کیا ان مثالوں و حالتوں و صفتوں میں تا کہ ذہن مبتدی کو پریشان نہ کیا جائے۔

اَلْمُبْتَدِئ مبتدی کی دو قسمیں ہیں: طبعی و اکتسابی۔ طبعی وہ مبتدی ہے جو مسائل کو اپنی طبیعت و سمجھ سے حاصل کرے۔ اور اکتسابی وہ مبتدی ہے جو غیر سے سیکھے، جیسے شاگرد استاذ سے سیکھتا ہے اور مبتدی سے یہاں مراد اکتسابی ہے طبعی نہیں۔

وَسَمَّيْتُهُ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ رَجَاءَ أَنْ يَهْدِيَ اللهُ تَعَالَى بِهِ الطَّالِبِيْنَ.

ترجمہ: اور میں نے اس مختصر کا نام ہدایۃ النحو رکھا یہ اُمید کرتے ہوئے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ علم نحو کے طلب کرنے والوں کو ہدایت بخشے۔

تشریح: **وَسَمَّيْتُهُ: سمیتُ** صیغہ واحد متکلم ہے باب تفعیل کا جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہاں اُس کا پہلا مفعول ضمیر متصل ہے جو مختصر کی طرف راجع ہے اور دوسرا ہدایۃ النحو ہے اور با ہدایۃ النحو پر زائد خلاف قیاس ہے کیونکہ با زائد قیاس کے طور پر نفی و استفہام کے تحت ہوتا ہے اور ظاہر ہے وہ یہاں ایسا نہیں۔

رِجَاءَ یہ مفعول لہٗ ہے، **سمیت** فعل کا جو مضاف ہے مصدر تاویلی کی طرف وہ بتقدیر فاعل مفعول بہ ہے **رجای** کا یعنی **لرجائی هداية الله** معنی یہ کہ ہدایۃ النحو نام اس وجہ سے رکھا کہ مجھے اُمید ہے اللہ کے رہبری فرمانے کی۔ پس اس مختصر کا نام ہدایۃ النحو تسمیۃ السبب باسم المسبب کے قبیل سے ہوا اور بہ میں ضمیر مجرور کا مرجع مختصر ہے۔ اور **الطالبین يهدی** فعل کا مفعول بہ ہے اور اس پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے، اصل عبارت یہ ہے: **يهدی الله بالمختصر طالبی علمِ النحوِ** یعنی اللہ تعالیٰ اس مختصر کے ذریعہ علم نحو کے طلب کرنے والے کو ہدایت بخشے۔ ہدایت سے یہاں مراد وہ دلالت ہے جو مطلوب کا موصل ہو، اس دلیل سے کہ اس کے مقابل ضلالت مذکور ہوتی ہے، چنانچہ ربِ تعالیٰ کا قول ہے: **اولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدٰى**۔

وَرَتَّبْتُهُ عَلٰى مُقَدَّمَةٍ وَثَلٰثَةِ أَقْسَامٍ وَخَاتِمَةٍ بِتَوْفِيْقِ الْمَلِكِ الْعَزِيْزِ الْعَلَّامِ

ترجمہ: اور میں نے اس مختصر کو ترتیب دیا ایک مقدمہ اور تین اقسام اور ایک خاتمہ پر مالک زبردست بہت جاننے والے کی توفیق سے۔

تشریح: **وَرَتَّبْتُهُ** صیغہ واحد متکلم ہے جو ماخوذ ہے ترتیب سے اور ترتیب نام ہے لغت میں ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنے کا اور اصطلاح میں اشیاءِ کثیرہ کو اس طرح کرنا کہ ان تمام پر ایک اسم کا اطلاق درست ہو اور تقدیم و تاخیر ان میں ملحوظ ہوں، اس کی ضمیر منصوب راجع ہے مختصر کی طرف۔

مُقَدَّمَةٍ اس عبارت سے اجزاءِ کتاب کا بیان ہے کہ اس کے پانچ جزء ہیں، ایک مقدمہ اور تین اقسام پہلی قسم بحث اسم اور دوسری بحث فعل اور تیسری بحث حرف ہے اور ایک خاتمہ۔ اصل نسخہ میں خاتمہ مذکور نہیں، یہ کاتبوں کا سہو ہے، اس لئے کہ اس کتاب کے اخیر میں خاتمۃ الکتاب مذکور نہیں۔

بِتَوْفِيْقِ ممکن ہے وہ جمعت کے ساتھ متعلق ہو اور یہ بھی کہ وہ رتبت کے ساتھ متعلق ہے۔ توفیق کہتے ہیں: اسباب کو مطلوب خیر کی طرف متوجہ کرنا۔ تفصیل التشریح المنیب میں درج ہے۔

توفیق کو جمع وترتیب کے بعد دو وجہ سے بیان کیا گیا ہے، ایک یہ کہ تصنیف وتالیف چونکہ اہم و دشوار کام ہے، اس لئے رب تعالیٰ کی توفیق سے مدد حاصل کی گئی۔ دوسری وجہ یہ کہ **جمعتُ و رتبتُ** دونوں صیغہ واحد متکلم ہیں جس میں فعل کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی گئی ہے اور فعل کی نسبت اپنے نفس کی طرف غرور ونخوت کی طرف مشیر ہے جب کہ یہ مقام عجز و کسر نفسی کا ہے لیکن جب بتوفیق الملک کہا گیا تو عجز و کسر نفسی کی طرف مشیر ہو گیا کہ جمع وترتیب بلکہ ان کے علاوہ سارے اُمور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتے ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے تین اسموں کو بیان کیا گیا کہ وہ بے جوڑ ہے اور بے جوڑ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ **کما قَالَ اللّٰہُ وِتْرٌ وَیُحِبُّ الْوِتْرَ** اور ایک و پانچ بھی اگرچہ بے جوڑ ہیں لیکن چونکہ حدیثِ رسول علیہ التحیۃ والثناء **خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا** پر عمل مقصود ہے کہ ایک اور پانچ میں تین اوسط ہیں، اس لئے تین کو اختیار کیا گیا۔

اَمَّا الْمُقَدَّمَۃُ فَفِی الْمَبَادِیِ الَّتِیْ یَجِبُ تَقْدِیْمُھَا لِتَوَقُّفِ الْمَسَائِلِ عَلَیْھَا وَفِیْھَا فُصُوْلٌ ثَلٰثَۃٌ۔

ترجمہ: لیکن مقدمہ تو وہ ایسے مبادی کے بیان میں ہے کہ واجب ہوتا ہے ان کا پہلے بیان کرنا بوجہ موقوف ہونے مسئلوں کے ان پر۔ اور اس مقدمہ میں تین فصلیں ہیں۔

تشریح: **اَمَّا الْمُقَدَّمَۃُ** ماقبل میں اجمال تھا، یہ اس کی تفصیل ہے کہ مقدمہ ایسے مبادی کے بیان میں ہے جن کی تقدیم ضروری ہے۔ مقدمہ ماخوذ ہے مقدمۃ الجیش سے اور وہ لشکر کا وہ حصہ ہے جو نظم وضبط کے لئے آگے جائے۔ مناسبت یہ ہے کہ مقاصد بمثل جیش ہے اور مقدمہ کے اندر جو اُمور مذکور ہوتے ہیں وہ انتظام کے لئے آگے جانے والوں کی طرح ہیں اور یہ اُمور چونکہ مقاصد میں امداد و معاونت کرتے ہیں جس طرح مقدمۃ الجیش، جیش کے اندر نصرت و معاونت کرتے ہیں، اس لئے ان کو مقدمہ کہا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں متاخرین نے بیان کی ہیں، ایک مقدمۃ العلم اور دوسری مقدمۃ الکتاب۔ مقدمۃ العلم وہ شئی ہے جس پر شروع فی العلم موقوف ہو اور مقدمۃ الکتاب وہ شئی ہے جو مقصود سے پہلے اس لئے بیان کیا جائے کہ وہ مقصود میں نفع بخشے۔

اَلْمَبَادِیْ جمع ہے مبدأ کی۔ مبدأ اسم ظرف ہے بدء کا، بمعنی شروع کی جگہ، اصطلاح میں مبدأ کا معنی بھی وہی ہے جو مقدمہ کا ہے، یعنی وہ چیز جس پر شروع کرنا موقوف ہو، اس صورت میں اگرچہ بظاہر ظرفیۃ الشئی لنفسہٖ لازم آتی ہے (کہ اس کا معنی یہ ہے وہ چیز جس پر شروع کرنا موقوف ہو) لیکن اس کی توجیہ یہ ہے کہ مقدمہ سے مراد مخصوص معانی ہیں جن پر شروع کرنا موقوف ہو، ان چیزوں میں ہے جن پر شروع فی العلم موقوف ہو اور مبادی سے مراد الفاظِ مخصوصہ ہیں۔ ظاہر ہے دونوں ایک دوسرے کا غیر ہیں۔

لِلتَّوَقُّفِ توقف کی دوقسمیں ہیں، ایک بمعنی امتناع یعنی موقوف کا تصور موقوف علیہ کے تصور کے بغیر ممتنع ہو جیسے نتیجہ کا توقف طرفین کے تصور پر، دوسری توقف بمعنی دخول فا یعنی موقوف علیہ موقوف میں من وجہ داخل ہو، اس طور پر کہ ان دونوں کے درمیان علاقہ ذاتی نہ ہو جیسے چھت کا توقف دیوار مخصوص یا ستون مخصوص پر اور توقف سے یہاں مراد یہی دوسری قسم ہے، اس لئے کہ شروع کیلئے اس علم وغرض کا تصور من وجہ کافی ہے، پس رسم علم وغرض شروع کے لئے موقوف علیہ تام ہیں، اس توقف کو مصحح دخول فا بھی کہا جاتا ہے۔

وَفِيْهَا ضمیر مجرور کا مرجع مقدمہ بھی ہوسکتا ہے اور مبادی بھی۔ معنی یہ ہے کہ مقدمہ یا مبادی میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل اس علم کی تعریف اور غرض کے بیان میں اور دوسری وتیسری فصل اس علم کے موضوع کلمہ وکلام کے بیان میں، یعنی دوسری فصل کلمہ کے بیان میں اور تیسری فصل کلام کے بیان میں۔

فُصُوْلٌ جمع فصل جس طرح اُصول جمع اصل ہے۔ ثلاثةٌ مرفوع ہے صفت ہے فصول کی۔ صفت اگرچہ بظاہر موصوف کے مطابق نہیں کہ موصوف جمع ہے اور صفت مفرد! لیکن چونکہ صفت یعنی ثلاثہ جمع کا معنی رکھتا ہے، اس لئے اس کا فصول کی صفت ہونا درست ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول او الطفل للذین لم یظھر وا علی عورات النساء میں الطفل اگرچہ بظاہر مفرد ہے لیکن چونکہ معنا جمع ہے، اس لئے اس کی صفت جمع للذین لم یظھروا بیان کی گئی۔

فَصْلٌ: اَلنَّحْوُ عِلْمٌ بِاُصُوْلٍ يُّعْرَفُ بِهَا اَحْوَالُ اَوَاخِرِ الْكَلِمِ الثَّلٰثِ مِنْ حَيْثُ الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيْبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ

ترجمہ: یہ فصل ہے نحو ایسے اصول کا جاننا ہے کہ جن کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں تینوں کلمہ کی آخری حالتیں، معرب و مبنی ہونے کی حیثیت سے اور بعض کلمہ بعض کے ساتھ مرکب ہونے کی کیفیت۔

تشریح: فَصْلٌ اس کو وصل اور فصل دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے یعنی مابعد کے ساتھ ملا یا بھی جاسکتا ہے اور الگ بھی کیا جاسکتا ہے، بتقدیر اول وہ مرفوع ہوگا اس بناء پر کہ وہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، یعنی ہٰذا فصل النحو اور منصوب بھی ہوگا، اس بناء پر کہ وہ فعل محذوف کا مفعول ہے یعنی خُذْ فصلَ النحوِ اور بتقدیر دوم اس پر اعراب نہ ہوگا بلکہ وہ اسمائے معدودہ سے مبنی بالسکون ہوگا۔ فصل لغت میں بمعنی قطع وجدا ہونا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: فصلتُ الثیابَ اذا قطعتھا اور اصطلاح میں حاجز بین الحکمین کو کہا جاتا ہے۔

نَحْوُ لغت میں بمعنی قصد ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: نحوتهٗ ونحيتهٗ ای قصدتهٗ اور اصطلاح میں فن ہے جیسا کہ متن میں مذکور ہے۔ اس علم کو لغوی معنی سے مناسبت یہ ہے کہ اس علم سے اس چیز کا قصد کیا جاتا ہے جس سے فصاحت کلام میں اہل زبان کی مانند ہو جائے اور اس کا جاننے والا اہل زبان کی طرح گفتگو کر سکے۔

عِلْمٌ بِاُصُوْلٍ یعنی نحو اصطلاح میں ان اصول کے جاننے کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ تینوں کلمہ یعنی اسم وفعل وحرف کی آخری

حالتیں معرب ومبنی ہونے کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور بعض کلمہ کو بعض کے ساتھ مرکب ہونے کی کیفیت بھی پہچانی جاتی ہے۔ چنانچہ **کلُّ فاعلٍ مرفوعٌ** وہ قانون ہے جس کے ذریعہ مثلاً **جاءنی زیدٌ** میں زید کی حالت پہچانی جاتی ہے کہ وہ مرفوع ہے کیونکہ وہ **جاء** فعل کا فاعل ہے۔ خلاصہ یہ کہ علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ دو چیزیں پہچانی جاتی ہیں، ایک تینوں کلمہ کی آخری حالتیں اور دوسری بعض کلمہ کو بعض کے ساتھ ملانے کی کیفیت۔

اصول جمع ہے اصل کی، جس طرح فصول جمع ہے فصل کی، لغت میں اُس کا معنی ہے: **ما یبتنی علیہ غیرہٗ** یعنی وہ ہے جس پر کوئی شئی قائم ہو اور اصطلاح میں اس قضیہ کلیہ کو کہا جاتا ہے جو اپنے موضوع لہٗ کے تمام جزئیات پر صادق ہو کہ جس سے جزئیات کے احکام جانے جائیں۔ جیسے **جاءنی زیدٌ** میں زید کی حالت **کلُّ فاعلٍ مرفوعٌ** سے جانی جاتی ہے۔

یُعْرَفُ بِھَا یہ جملہ صفت ہے اصول کی اس کو معروف ومجہول دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے معروف کی صورت میں، اس میں ضمیر مستتر ہوگی جو مبتداء کی طرف لوٹے گی اور احوال مفعولیت کی بناء پر منصوب ہوگا اور مجہول کی صورت میں اس میں ضمیر مستتر نہ ہوگی بلکہ احوال مفعول مالم یسم فاعلہٗ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور علم چونکہ کلیات میں مستعمل ہوتا ہے اور معرفت جزئیات میں اس لئے علم کو اصول میں استعمال کیا گیا کہ وہ اُمورِ کلیہ ہیں جیسا کہ گزرا اور معرفت کو احوال میں مستعمل کیا گیا کہ احوال سے مراد جزئی مادے ہیں کہ جس میں اصول استعمال کیا جاتا ہے۔ **بِھَا** میں ضمیر مجرور کا مرجع اصول ہے اور من حیث الاعراب والبناء بیان ہے احوال کا۔

کَیْفِیَّۃ ترکیب میں وہ معطوف ہے احوال پر، پس احوال اگر منصوب ہو تو وہ بھی منصوب ہوگا اور اگر احوال مرفوع ہو تو وہ بھی مرفوع ہوگا اور کیفیت ترکیب سے مراد بعض کلمہ کو بعض پر مقدم کرنا ہے، چنانچہ **جاءنی زیدٌ** میں زید اگر فاعل ہے تو اس پر فعل مثلاً **جاء** مقدم ہوگا۔

وَالْغَرَضُ مِنْهُ صِیَانَۃُ الذِّھْنِ عَنِ الْخَطَاءِ اللَّفْظِیِّ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ

ترجمہ: اور علم نحو سے غرض ذہن کو بچانا ہے خطاء لفظی سے جو کلام عرب میں واقع ہے۔

تشریح: **وَالْغَرَضُ** علم نحو کی تعریف کے بعد اب اس کی غرض بیان کی جاتی ہے کہ ذہن کو بچانا خطاءِ لفظی سے جو کلامِ عرب میں واقع ہوتی ہے، علم نحو کی غرض اور اسی کو غایت بھی کہا جاتا ہے۔

منہ کی ضمیر مجرور کا مرجع علم نحو ہے۔ **صیانت** مصدر ہے **صَانَ یصونُ** باب نصر ینصرُ سے بمعنی حفاظت کرنا۔ وہ مضاف ہے مفعول کی طرف۔ فاعل اس کا عمدہ ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اُس کا فاعل ذہن ہے جس کی طرف صیانت مضاف ہے۔ بتقدیر اول معنی یہ ہے: ذہن کو بچانا اور بتقدیر دوم معنی یہ ہے: ذہن کا بچنا۔

عَنِ الْخَطَاءِ اللَّفْظِیِّ خطاء کی یہاں پر دو صفتیں بیان کی گئی ہیں، ایک اللفظی اور دوسری فی کلام العرب جو جار مجرور سے مل کر **وَاقِعٌ** کے ساتھ متعلق ہے۔ صفت اول یعنی اللفظی کی قید سے خطاء صرفی ومعنوی وفکری سے اجتناب کیا گیا ہے۔ خطاء صرفی

سے اجتناب علم صرف میں ہوتا ہے اور خطاء معنوی سے اجتناب علم معانی و بیان میں ہوتا ہے اور خطاء فکری سے اجتناب علم منطق میں ہوتا ہے اور صفت دوم یعنی فی کلام العرب سے فی کلام غیر العرب سے اجتناب ہو گیا۔

وَمَوْضُوْعُهُ اَلْكَلِمَةُ وَالْكَلَامُ۔

ترجمہ: اور علم نحو کے موضوع کلمہ اور کلام ہیں۔

تشریح: وموضوعه علم نحو کے موضوع کلمہ اور کلام ہیں، اس لئے کہ علم نحو میں ان دونوں کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے اور جس علم میں اُس کے عوارضِ ذاتیہ سے بحث کی جائے وہ اس علم کا موضوع ہوتا ہے، لہٰذا کلمہ وکلام علم نحو کا موضوع ہوا۔

فَصْلٌ: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٌ

ترجمہ: یہ فصل ہے، کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے معنی مفرد کے لئے۔

تشریح: اَلْكَلِمَةُ کلمہ کو کلام پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ مفرد ہے اور مفرد طبعاً مرکب پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کلمہ کو کلام پر ذکر میں مقدم کیا گیا کہ ذکر طبع کے موافق ہو جائے۔

لَفْظٌ خبر ہے **الکلمۃ** کی وہ لغت میں مطلق رمی کو کہا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **اکلتُ التمرۃَ ولفظتُ النواۃَ** یعنی میں نے چھوہارہ کھایا اور اس کی گٹھلی پھینک دی اور **لفظت الرحٰی الدقیقَ** یعنی چکی نے آٹا پھینک دی اور اصطلاح میں لفظ **ما یتلفظ بہ الانسانُ** کو کہا جاتا ہے، یعنی وہ شئی ہے جس کا انسان تلفظ کرے خواہ وہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔ موضوع ہو یا مہمل اور موضوع بھی عام ہے کہ مفرد ہو یا مرکب۔

وُضِعَ صیغہ مجہول صفت ہے لفظ کی۔ وضع لغت میں **جعل الشئی فی حیز** یعنی شئی کو اس کے مکان میں رکھنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں **تخصیص شیئٍ بشیئٍ متی اُطلِق او اُحِسَّ الشیئُ الاولُ فُھِمَ منہ الشئی الثانی** کو کہا جاتا ہے، یعنی ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ اس طرح خاص کرنا ہے کہ جب شئی اول کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو اس سے شئی ثانی سمجھی جائے۔ اس قید سے مہملات جیسے جسق اور وہ الفاظ جو بالطبع دلالت کرتے ہیں جیسے **اُحْ اُحْ** خارج ہو گئے، اس لئے کہ اس کے اندر وضع و تخصیص نہیں پائی جاتی اور معنی کی قید سے مثلاً الف و باء وغیرہ خارج ہو گئے، اس لئے کہ ان کی وضع غرض ترکیب کے لئے ہوتی ہے معنی کے لئے نہیں۔

مُفْرَدٌ اس میں رفع ونصب و جر تینوں اعراب ممکن ہیں۔ اسی وجہ سے اس کو رسم الخط میں نصب کی صورت میں الف کے ساتھ مفرداً نہیں لکھا جاتا کیونکہ اس میں دوسرا احتمال بھی موجود ہے اور الف کے ساتھ اس وقت لکھا جاتا ہے جب کہ کوئی دوسرا احتمال نہ ہو، لیکن رفع اس وجہ سے کہ وہ لفظ کی دوسری صفت ہے اور معنی اس وقت مفرد کا یہ ہوگا کہ لفظ مفرد وہ ہے جس کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرے، لیکن جر اس وجہ سے کہ وہ معنی کی صفت ہے، پس اس وقت مفرد کا معنی یہ ہوگا کہ معنی مفرد وہ ہے جس کے جزء پر لفظ کا جزء دلالت نہ کرے اور نصب اس وجہ سے کہ وہ حال ہے۔ **وُضِعَ** کی ضمیر سے یا المعنی سے جو حقیقۃً بواسطۂ حرف جر

مفعول بہ واقع ہے۔

وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ

ترجمہ: اور وہ یعنی کلمہ منحصر ہے تین قسموں، اسم وفعل وحرف میں۔

تشریح: **وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ**: **هِيَ** ضمیر کا مرجع لفظ کلمہ باعتبار مفہوم ہے وہ ترکیب میں مبتداء واقع ہے اور **مُنْحَصِرَةٌ** اس کی خبر اور **فِي ثَلٰثَةِ اقسامٍ** اسی **منحصرة** کے ساتھ متعلق ہے۔

اِسْمٌ مجرور بھی پڑھا جاسکتا ہے اور مرفوع بھی! مجرور کی صورت میں وہ ثلاثۃ اقسام سے بدل واقع ہے اور مرفوع کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے لیکن اول زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ اس صورت میں حذف لازم نہیں آتا اور فعل وحرف میں سے ہر ایک معطوف ہے اسم پر۔ اسم کو یہاں پر پہلے بیان کیا گیا پھر فعل کو، اس کی وجہ یہ کہ اسم افادہ میں مستقل ہے۔ وہ فعل وحرف کا محتاج نہیں ہوتا۔ برخلاف فعل کے کہ وہ افادہ میں مستقل نہیں بلکہ اسم کا محتاج ہوتا ہے، لہٰذا اسم اصل ہوا اور فعل اس کی فرع اور ظاہر ہے اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسم کو فعل پر مقدم کیا گیا لیکن فعل کو حرف پر اس وجہ سے کہ فعل افادہ میں حرف کا محتاج نہیں برخلاف حرف کہ وہ دونوں کا محتاج ہے اور ظاہر ہے جو محتاج ہو وہ غیر محتاج کی فرع ہوتا ہے، اسی وجہ سے فعل کو حرف پر مقدم کیا گیا۔

لِاَنَّهَا اِمَّا اَنْ لَّا تَدُلَّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وَهُوَ الْحَرْفُ اَوْ تَدُلَّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وَيَقْتَرِنُ مَعْنَاهَا بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ وَهُوَ الْفِعْلُ اَوْ تَدُلَّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وَلَمْ يَقْتَرِنْ مَعْنَاهَا بِهٖ وَهُوَ الْاِسْمُ۔

ترجمہ: اس لئے کہ کلمہ یا تو دلالت نہیں کرتا ایسے معنی پر کہ وہ اس کلمہ کی ذات میں ہے اور وہ حرف ہے یا یہ کہ دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر کہ وہ اس کی ذات میں ہے اور مقترن ہے اس کا معنی تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اور وہ فعل ہے یا دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر کہ وہ اس کی ذات میں ہے اور مقترن نہ ہو، اس کا معنی اس زمانہ کے ساتھ اور وہ اسم ہے۔

تشریح: **لِاَنَّهَا** یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی کہ مفہوم کلمہ اقسامِ ثلاثہ میں منحصر ہے۔ دلیل کا حاصل یہ کہ کلمہ جو معنی مفرد کے لئے موضوع ہے، وہ دو حال سے خالی نہیں آیا، وہ دلالت معنی فی نفسہا پر کرتا ہے یا نہیں، اگر دلالت نہیں کرتا بلکہ محتاج ہوتا ہے، دوسرے کلمہ کا تو وہ حرف ہے جیسے **من والی** وغیرہ اور اگر معنی فی نفسہا پر دلالت کرتا ہے تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، آیا تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن ہے یا نہیں، اگر مقترن ہے تو وہ فعل ہے جیسے ضرب وکرم اور اگر کسی زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں تو وہ اسم ہے جیسے بکر وخالد۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ دلیل حصر عقلی ہے استقرائی نہیں کیونکہ حصر عقلی وہ ہوتا ہے جو اثبات ونفی کے درمیان محصور ہو اور وہ یہاں موجود ہے برخلاف حصر استقرائی کہ وہ اثبات ونفی کے درمیان محصور نہیں بلکہ اس میں تتبع وتلاش سے استدلال پیش کیا جاتا ہے۔

اَنْ لَّا تَدُلَّ یہ خبر ہے **اَنَّ** کی اور **اَنَّهَا** میں جو ضمیر ہے وہ اس کا اسم ہے اور خبر چونکہ اسم پر محمول ہوتی ہے، اس لئے یہاں پر یہ

سوال ہوتا ہے کہ امہا میں ضمیر کلمہ کی طرف راجع ہے جو ذات ہے اور ان لا تدل بتاویل مصدر ہے اور مصدر وصف محض ہوتا ہے اور وصف محض کا حمل ذات پر درست نہیں، چنانچہ زید ضرب نہیں کہا جاتا۔تو جواب اس کا یہ کہ اَنْ لا تدلَّ اَنَّ کی خبر نہیں بلکہ محذوف کی خبر ہے یعنی لا امہا من شانہا اَنْ لا تدل پس اس تقدیر پر وصف کا حمل ذات پر لازم نہیں آیا۔

معنًی مَعْنًی فِیْ نَفْسِھَا و ظرف لغو بھی ہوسکتا ہے اور ظرف مستقر بھی۔ظرف لغو کی صورت میں وہ تدل کے ساتھ متعلق ہوگا اور ظرف مستقر کی صورت میں اپنے متعلق کے ساتھ معنی کی صفت ہوگا اور لفظ فی بمعنی باء ہوگا۔تقدیر عبارت یہ ہے: ان لا تدل علی معنی بنفس الکلمۃ الا بضم ضمیمۃ۔

وَھُوَ الْحَرْفُ: ھو مبتداء ہے جس کا مرجع القسم الذی لا یدل علی معنی فی نفسہ ہے، الحرف اس کی خبر ہے۔ دلیل حصر میں حرف کو مقدم کیا گیا جب کہ اس کو تقسیم میں مؤخر کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ کہ حرف کا معنی لغت میں طرف بمعنی کنارہ ہے، اسی وجہ سے ایک اس کو طرف انتہا میں بیان کیا گیا اور ایک مرتبہ ابتداء میں۔ تقسیم کے اندر انتہاء میں اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مرتبہ مؤخر ہے اور دلیل حصر کے اندر پہلے اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ دلیل حصر میں قریب سے شروع کیا جائے، اگر برعکس کیا جائے تو وہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ حرف کا مفہوم عدمی ہے کہ اس کی دلالت نفس معنی پر نہیں ہوتی اور عدم وجود پر مقدم ہوتا ہے، اس وجہ سے دلیل حصر میں حرف کو مقدم کیا گیا، تیسری وجہ یہ کہ حرف جو کلمہ کی قسم ہے وہ غیر منقسم ہے اور اسم و فعل منقسم کہ وہ اقتران و عدم اقتران کی طرف متعدی ہوتے ہیں اور غیر منقسم چونکہ بمنزلہ مفرد ہوتا ہے، اس لئے اس کو دلیل حصر میں مقدم کیا گیا۔

وَھُوَ الْفِعْلُ یعنی وہ کلمہ کہ جس کی دلالت معنی فی نفسھا پر ہوتی ہے اور اس معنی کا اقتران تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ فعل ہے۔ اس کو یہاں اسم پر مقدم کیا گیا جب کہ وہ تقسیم میں مؤخر کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ کہ تقسیم میں اس کو اس لئے مؤخر کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ فعل مرتبہ میں اسم سے مؤخر ہے کیونکہ اسم محکوم و محکوم علیہ دونوں ہوتا ہے اور فعل صرف محکوم بہ ہوتا ہے محکوم علیہ نہیں اور دلیل حصر میں فعل کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ فعل کی تعریف وجودی ہے اور اسم کی عدمی اور چونکہ عدم کی معرفت ملکات سے ہوتی ہے، اس لئے فعل کو اسم پر مقدم کیا گیا۔

فَالْاِسْمُ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهَا غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ اَعْنِي الْمَاضِيَ وَالْحَالَ وَالْاِسْتِقْبَالَ كَرَجُلٍ وَعِلْمٍ.

ترجمہ: پس اسم کی تعریف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو کلمہ کی ذات میں ہے غیر مقترن ہے، تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مراد لیتا ہوں ماضی و حال و استقبال جیسے رجل و علم۔

تشریح: فَالْاِسْمُ حد پر فا فصیحیہ ہے جو شرط محذوف کی جزاء پر داخل ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فانفجرت یعنی اذا ضرب موسٰی الحجر بعصاہُ فانفجرت۔ پس یہاں تقدیر عبارت یہ ہے: اذا بینا دلیل

الحصر فحد الاسم یعنی جب ہم نے دلیل حصر بیان کر دی تو اسم کی حد ہے **کلمة تدل الخ**۔ حد لغت میں اگر چہ بمعنی منع ہے لیکن یہاں اس سے مراد وہ تعریف ہے جو جامع و مانع ہو، اس تقدیر پر وہ حد اصطلاحی اور رسم کو بھی شامل ہوگی۔

كَلِمَةٌ تَدُلُّ یعنی اس کلمہ کو کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو کلمہ کی ذات میں ہے اور وہ مقترن نہ ہو، تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ اس میں کلمہ موصوف ہے اور **تدل علی معنًی** اس کی صفت ہے اور **فی نفسها** معنی کی صفتِ اول ہے اور **غیر مقترن** معنی کی صفت ثانی ہے۔ **فی نفسها** میں **فی** بمعنی باء ہے یعنی **بنفسها** کیونکہ **فی** معنی کے لئے ظرف کی صلاحیت نہیں رکھتا جب کہ **فی** ظرفیت کا مقتضی ہے اور **فی** کو یہاں اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ کلمہ جب ایسے معنی پر دلالت کرے جو ذات کلمہ کے ساتھ بلا احتیاج دوسرے کلمہ کے ہو تو گویا وہ کلمہ اس معنی کو محیط ہوا جس طرح ظرف، مظروف کو محیط ہوتا ہے۔

غَيْرُ مُقْتَرِنٍ لفظ غیر مجرور بھی ہوسکتا ہے اور مرفوع و منصوب بھی۔ مجرور اس تقدیر پر کہ وہ معنی کی صفت ہے اور مرفوع اس تقدیر پر کہ وہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی **هو غير مقترنٍ** اور منصوب اس تقدیر پر کہ وہ معنی سے حال ہے زمانہ کے ساتھ مقترن نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ وضع اول کے اعتبار سے مقترن نہ ہو، بایں طور کہ اس کلمہ سے زمانہ کے ساتھ معنی کا اقتران مفہوم نہ ہو، یعنی جب کلمہ کا تلفظ کیا جائے اور اس سے معنی متصور ہو تو اس معنی کے ساتھ زمانہ متصور نہ ہو۔

أَعْنِي الْمَاضِي یہ بیان ہے ازمنہ ثلاثہ کا۔ ماضی گزرا ہوا زمانہ کو کہا جاتا ہے اور حال موجودہ زمانہ کو اور استقبال آئندہ زمانہ کو۔

كَرَجُلٍ وَعِلْمٍ وہ خبر ہے مبتداء محذوف کی یعنی **هو كرجلٍ وعلمٍ**۔ کاف اس میں بمعنی مثل ہے اور رجل وعلم یہ دونوں مثال ہیں اسم کی۔ اس کی دو مثالیں بیان کی گئیں جب کہ مثال وضاحت کیلئے ہوتی ہے جو ایک سے کافی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اسم دو طرح کا ہوتا ہے ایک از قبیل اعیان اور دوسرا از قبیل معانی۔ رجل مثال ہے اول کی اور علم مثال ہے دوم کی۔

وَعَلَامَتُهُ صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَالْإِضَافَةُ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ

ترجمہ: اور اسم کی علامت مخبر عنہ اور مخبر بہ کا صحیح ہونا ہے جیسے زیدٌ قائمٌ اور مضاف ہونا جیسے غلام زید۔

تشریح: **عَلَامَتُهُ** اس کی تعریف چونکہ اکثر مبتدی کے لئے فہم سے بعید ہے کہ اس کی تعریف استقلال وعدم استقلال سے کی جاتی ہے جو مبتدی طلبہ کے لئے دشوار کن ہے، اس لئے اس کی بعض علامتوں کو بیان کیا جاتا ہے جس سے معرفت اسم کے علاوہ غیروں سے امتیاز پیدا ہو جائے۔

علامت شئی وہ ہے جو شئی کے وجود پر دلالت کرے اور اس سے جدا نہ ہو اور یہی معنی خاصہ کا ہے لیکن یہاں علامت کو بیان کیا گیا خاصہ کو اس لئے نہیں کہ علامت کے مفہوم میں دلالت پر وجود شئی **مأخوذ** ہے جب کہ خاصہ کے مفہوم میں وہ معتبر نہیں کیونکہ شئی کا خاصہ وہ ہوتا ہے جس کا جو خاصہ ہو وہ اس میں پایا جائے اور اس کے غیر میں نہیں، علامت کو واحد بیان کیا گیا جب کہ وہ کثیر ہے، اس کی وجہ یہ کہ علامت اسم جنس ہے جو تمام انواع و افراد کو شامل ہے۔

الاخبار عنہ اسم کی علامت اخبار عنہ اور اخبار بہ کا صحیح ہونا ہے۔ اخبار عنہ کا معنی شئی کا مخبر عنہ ہونا ہے اور اخبار بہ کا معنی شئی کا مخبر بہ ہونا ہے۔ ان دونوں کے صحیح ہونے کا مطلب یہ کہ کلمۂ واحدہ مسند و مسند الیہ بننے کی قابل و لائق ہو، یعنی خود مسند الیہ ہو اور مسند بھی تو وہ اسم ہوتا ہے مثلاً زید قائم میں زید اسم ہے اور قائم بھی کیونکہ ان میں سے ہر ایک مسند الیہ اور مسند کی صلاحیت رکھتا ہے، چنانچہ زید مثال مذکور میں مسند الیہ ہے اور ھو زید میں مسند۔ اسی طرح قائم مثال مذکور میں مسند ہے اور القائم زید میں مسند الیہ بس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ مسند ہو سکتا ہے اور مسند الیہ نہیں تو وہ اسم نہیں بلکہ فعل ہے، اس لئے اسم کے لئے دونوں کے واسطے قابل ہونا ضروری ہے لیکن رہا یہ امر کہ دونوں کا قابل ہونا اسم کا خاصہ کیوں ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم مستقل معنی پر مطابقۃً دلالت کرتا ہے اور فعل و حرف دونوں ایسے نہیں ہوتے، اس وجہ سے اسم دونوں ہوتا ہے فعل و حرف نہیں۔

والاضافۃ ترکیب میں وہ مرفوع ہے اس لئے کہ وہ معطوف ہے صحت پر اور وہ مرفوع اس وجہ سے ہے کہ علامتہ کی خبر ہے، پس معنی عبارت کا یہ ہوا کہ اسم کی علامت بتقدیر حرف جر مضاف ہونا ہے جیسے غلام زید میں غلام کیونکہ اضافت کو تعریف وتخفیف وتخصیص لازم ہوتی ہیں اور وہ تینوں اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ تو اگر اضافت اسم کے علاوہ میں پائی جائے تو ملزوم یعنی اضافت کا بدون لازم یعنی تعریف وتخفیف وتخصیص ہونا لازم آئے گا اور یہ ناممکن ہے اور مضاف ہونے میں بتقدیر حرف جر کی شرط اس لئے ہے کہ مررت بزید میں جو مررت فعل مضاف ہے وہ خارج ہو جائے۔

وَدُخُولُ لَامِ التَّعْرِيْفِ كَالرَّجُلِ وَالْجَرِّ وَالتَّنْوِيْنِ نَحْوُ بِزَيْدٍ وَالتَّثْنِيَةُ وَالْجَمْعُ وَالنَّعْتُ وَالتَّصْغِيْرُ وَالنِّدَاءُ فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهٖ خَوَاصُّ الْاِسْمِ

ترجمہ: اور اسم کی علامت لام تعریف کا داخل ہونا ہے جیسے الرجل اور جر اور تنوین کا داخل ہونا ہے جیسے بزید اور مثنی ہونا اور مجموع ہونا اور مصغر ہونا اور نداء ہونا، پس یہ تمام اسم کے خواص ہیں۔

تشریح: دخول لام التعریف اسم کی علامتوں میں سے لام تعریف کا داخل ہونا بھی ہے جیسے الرجل میں رجل پر لام تعریف کا داخل ہونا اور وہ چونکہ معنی مستقل کے تعین پر دلالت کرتا ہے اور معنی مستقل پر دلالت صرف اسم کرتا ہے، اس لئے اس کو اسم کی علامت قرار دیا گیا کیونکہ حرف کا معنی تو مستقل نہیں ہوتا اور فعل کا معنی اگرچہ مستقل ہوتا ہے مگر تضمناً اس لئے کہ فعل مستقل باعتبار معنی تضمنی کے ہے جو اس کا جزء ہے۔

والجر ترکیب میں وہ مجرور ہے کیونکہ وہ معطوف ہے لام تعریف پر، تقدیر عبارت یہ ہے: علامۃ الاسم دخول الجر یعنی اسم کی علامت جر کا داخل ہونا بھی ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ جر کا معنی مصدری یعنی اسم کا مجرور ہونا مراد نہ ہو بلکہ اس سے مراد کسرہ ہو کیونکہ اگر معنی مصدری یعنی شئی کا مجرور ہونا مراد ہو تو اس کا عطف صحت یا دخول پر ہوگا، اس تقدیر پر وہ ترکیب میں مرفوع واقع ہوگا کیونکہ مصدری معنی مراد ہونے پر معنی غلط ہو جائے گا اس لئے کہ دخول کسی شئی کے اول میں لگنے یا آخر میں

لگنے کو کہا جاتا ہے اور شئی کا مجرور ہونا ظاہر ہے نہ اول میں لگتا ہے اور نہ آخر میں۔

وَالتَّنْوِيْنِ یہ بھی ماقبل کی طرح مجرور ہے کہ اس کا عطف بھی لام تعریف پر ہے یعنی **علامةُ الاسمِ** یعنی کسی شئی کا منون ہونا مراد ہو تو اس کا عطف صحت پر ہو کر مرفوع ہوگا۔ تنوین کی پانچ قسمیں ہیں: تمکن، تنکیر، عوض، مقابلہ، ترنم۔ اسم کا خاصہ مذکورہ چاروں قسموں میں سے آخری قسم تنوین ترنم کے علاوہ ہیں، کیونکہ تنوین ترنم اسم کے علاوہ فعل اور حرف میں بھی پائی جاتی ہے۔ تفصیل کتاب کے اخیر میں ملاحظہ کیجئے۔

وَالتَّثْنِيَةُ وَالْجَمْعُ دونوں کا عطف صحت پر ہے، پس وہ دونوں مرفوع ہوں گے اس بناء پر کہ وہ **علامتهٗ** کی خبر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **علامة الاسم التثنية والجمع** یعنی تثنیہ کا معنی ہے: اسم کا مثنی ہونا اور جمع کا معنی ہے: اسم کا مجموع ہونا۔ یہ دونوں اسم کی علامت اس لئے ہیں کہ وہ تعدد کو مستلزم ہیں اور تعدد تغایر کو اور فعل وحرف میں تغایر نہیں ہوتا اور جو مثنیٰ ومجموع ہوتا ہے وہ اسم یعنی فاعل کے اعتبار سے یعنی مثنیٰ ومجموع حقیقۃً فاعل ہوتا ہے اور فعل اسی کی وجہ سے مثنیٰ ومجموع کہلاتا ہے۔

وَالنَّعْتُ اس کا عطف بھی صحت پر ہے یعنی **علامتهٗ النعت** یعنی اسم کی علامت کلمہ کا نعت وصفت ہونا ہے جیسے **رجلٌ عالمٌ** میں **عالمٌ رجلٌ** کی صفت ونعت ہے، کیونکہ شئی کا صفت ہونا اس کے معنی زائد پر دلالت کرنے کے لئے ہوتا ہے اور فعل زیادتی کو قبول نہیں کرتا، اس وجہ سے وہ نعت وصفت نہیں ہوتا۔

وَالتَّصْغِيْرُ اس کا عطف بھی صحت پر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ تصغیر یعنی شئی کا مصغر ہونا جیسے **رجل** سے **رُجیل** بھی اسم کی علامت اس لئے ہے کہ تصغیر شئی کے وجود کے بعد اس کی تحقیر پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر ہے فعل وحرف تحقیر کو قبول نہیں کرتے۔

وَالنِّدَاءُ اس کا عطف بھی صحت پر ہے، پس وہ بھی ترکیب میں مرفوع واقع ہے اور نداء سے مراد شئی کا منادی ہونا ہے اور وہ اسم کی علامت اس لئے ہے کہ وہ حرف نداء کا اثر ہے اور حرف نداء اسم کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اس کے اثر کا بھی اسم کے ساتھ خاص ہونا ضروری ہوا، ورنہ اثر کا تخلف مؤثر سے لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔

فَاِنَّ كُلَّ یہ جزاء ہے شرط محذوف کی، تقدیر عبارت یہ ہے: **اذا علمتَ اَنَّ المعدودَ علاماتُ الاسمِ فقد علمت اَن جميعَ هٰذهِ المعدوداتِ خواصُّ الاسمِ** یعنی جب یہ معلوم ہوگیا کہ شمار کردہ اُمور اسم کی علامتیں ہیں تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ تمام شمار کردہ اُمور اسم کے خواص ہیں۔ کیونکہ علامت وخاصہ میں سے ہر ایک دوسرے کو لازم ہے اور علامت کو جان لیا گیا تو اس سے خاصہ کو بھی جان لیا گیا لیکن ضمناً اس لئے اب اس کو صراحۃً بیان کر دیا گیا اور اس بیان کو **اِنَّ** اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کرنے کی وجہ ان لوگوں کا ردّ ہے جو علامتوں کو اسم کی ذاتیات کہتے ہیں اور جب ان کو خواص کہہ دیا گیا تو اس کا ردّ ہوگیا کہ خاصۂ شئی چونکہ شئی کا عرضی ہوتا ہے اس لئے علامتیں اسم کی ذاتیات نہیں بلکہ عرضیات ہوں گی۔

وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ أَنْ يَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهِ لِكَوْنِهِ فَاعِلًا أَوْ مَفْعُوْلًا أَوْ مُبْتَدَأً

ترجمہ: اور اخبار عنہ کا معنی یہ ہے کہ وہ محکوم علیہ ہو بوجہ ہونے اس کے فاعل یا مفعول یا مبتداء کے۔

تشریح: **وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ** اسم کی علامتیں ماقبل میں اگر چہ متعدد گزریں لیکن اُن میں سے صرف اخبار عنہ کی تفسیر اس وجہ سے بیان کی گئی کہ اس کا معنی ظاہر نہیں، اس لئے اس کو واضح کیا گیا، دوسری وجہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ اخبار عنہ کا مطلب بظاہر فاعل ہونا ہے اور فاعل اخبارات میں اسم ہی ہوتا ہے اور انشاءات میں فاعل ہونے کے لئے اسم کا ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ فعل وحرف بھی ہو سکتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں، حاصل ازالہ یہ کہ اخبار عنہ سے مراد کسی شئی کا محکوم علیہ ہونا ہے اور محکوم علیہ مسند الیہ کو کہا جاتا ہے، ظاہر ہے وہ صرف اسم ہوتا ہے فعل وحرف نہیں اور مفعول سے یہاں مراد مفعول مالم یسم فاعلہٗ ہے کیونکہ وہ محکوم علیہ ہوتا ہے اور مفاعیل خمسہ میں سے کوئی بھی محکوم علیہ نہیں ہوتا۔

وَيُسَمّٰى اِسْمًا لِسُمُوِّهٖ عَلٰى قِسْمَيْهِ لَا لِكَوْنِهٖ وِسْمًا عَلَى الْمَعْنٰى۔

ترجمہ: اور نام رکھا جاتا ہے اس کا اسم بوجہ بلند ہونے اس کے اپنی دونوں قسموں پر نہ بوجہ ہونے اس کے وِسم بمعنی علامت معنی پر۔

تشریح: **وَيُسَمّٰى اِسْمًا** اسم کی اصلیت کے بارے میں بصریوں اور کوفیوں کے درمیان اختلاف ہے، بصریوں نے کہا کہ اسم کی اصل **سِمْوٌ** بکسر سین ناقص واوی ہے جو بمعنی علو و ارتفاع ہے۔ واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض شروع میں ہمزہ وصل کو لایا گیا اور کوفیوں نے کہا کہ اس کی اصل **وِسْمٌ** بکسر واؤ وسکون سین ہے جو بمعنی علامت ہے واؤ کو حذف کر کے ہمزۂ وصل کو اس کے عوض شروع میں لایا گیا۔ مصنف کے نزدیک چونکہ بصریوں کا مذہب مختار ہے، اس لئے انہوں نے **سموه** سے اس مسلک کو بیان کیا اور **لا لکونه** سے کوفیوں کے مسلک کو رڈ کر دیا۔

لِسُمُوِّهٖ یہ دلیل ہے بصریوں کی جس کا خلاصہ یہ کہ اسم کو اسم اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ مشتق ہے **سمو** بمعنی علو و ارتفاع سے اور وہ چونکہ اپنے دونوں قسیم یعنی فعل وحرف پر بلند ہوتا ہے یعنی مسند و مسند الیہ دونوں ہوتا ہے اور فعل صرف مسند ہوتا ہے مسند الیہ نہیں اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ اس وجہ سے اسم کو **سمو** سے مشتق مانا گیا برخلاف کوفیوں کے وہ اسم کو مشتق مانتے ہیں **وِسمٌ** بمعنی علامت سے اور اسم بھی چونکہ اپنے معنی ومسمّٰی پر علامت ہوتا ہے، اس لئے اس کو **وِسمٌ** سے مشتق مانا گیا۔

وَحَدُّ الْفِعْلِ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهَا دَلَالَةً مُقْتَرِنَةً
بِزَمَانٍ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى كَضَرَبَ يَضْرِبُ اِضْرِبْ

ترجمہ: اور فعل کی تعریف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے، ایسی دلالت کے اعتبار سے کہ مقترن ہو، وہ دلالت اس معنی کے زمانہ کے ساتھ جیسے ضرب (اس نے مارا) یضرب (وہ مارتا ہے یا مارے گا) اِضرِب (تو مار)۔

تشریح: **هٰذَا الْفِعْلُ** اسم کی تعریف اوراس کی علامتوں سے جب فارغ ہو چکے تو اب اس کی دوسری قسم فعل کو بیان کیا جا تا ہے کہ فعل وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے ایسی دلالت کے اعتبار سے جو اس معنی کے زمانہ کے ساتھ مقترن ہے۔ اس تعریف میں تین اُمور مذکور ہیں: اول کلمہ **تدل علی معنی** اور دوسرا **فی نفسها** اور تیسرا **دلالة مقترنة بزمان ذلك المعنی**۔ امر اول میں اگرچہ کلمہ کی تین قسمیں شامل ہیں لیکن امر دوم سے حرف نکل گیا کہ اس کی دلالت معنی فی نفسہا پر نہیں بلکہ معنی فی غیرہا پر ہوتی ہے اور امر سوم سے اسم نکل گیا کہ اسم کی دلالت زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہوتی۔

کَضَرَبَ فعل کی چونکہ تین قسمیں ہیں: ماضی، حال، مستقبل۔ اس لئے اس کی مثال بھی تین بیان کی گئیں۔ **ضرب** فعل ماضی کی مثال ہے جو اس نے مارا، زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اور **یضرب** فعل حال کی مثال ہے جو وہ مارتا ہے، زمانہ موجودہ پر دلالت کرتا ہے اور **اِضرب** فعل مستقبل کی مثال ہے جو تُو مار، زمانہ آئندہ پر دلالت کرتا ہے۔ استقبال کا معنی اگرچہ **یضرب** سے بھی حاصل ہے لیکن چونکہ اس سے حال کا معنی بھی مستفاد ہوتا ہے، اس لئے مستقل طور پر استقبال کے لئے مثال بیان کی گئی۔ خیال رہے کہ **یضرب** جو فعل مضارع ہے وہ حال واستقبال پر بر سبیل بدلیت دلالت کرتا ہے بر سبیل اجتماع نہیں، ورنہ وہ فعل ہونے سے خارج ہو جائے گا کیونکہ فعل وہ ہے جو ایک زمانہ پر دلالت کرتا ہے جب کہ اس کی دلالت دو زمانہ پر ہوتی ہے، تفصیل نوادر النعیمی میں درج ہے۔

وَعَلَامَتُهٗ اَنْ يَّصِحَّ الْاِخْبَارُ بِهٖ لَا عَنْهُ وَدُخُوْلُ قَدْ وَالسِّيْنِ وَسَوْفَ وَالْجَزْمِ وَالتَّصْرِيْفُ اِلَى الْمَاضِيْ وَالْمُضَارِعِ

ترجمہ: اور فعل کی علامت یہ ہے کہ صحیح ہو اخبار بہ نہ کہ اخبار عنہ اور قد کا داخل ہونا اور سین کا اور جزم کا داخل ہونا اور گردان کا ہونا ماضی ومضارع کی طرف۔

تشریح: **وَعَلَامَتُهٗ** فعل کی تعریف کے بعد اب اس کی علامتوں کو بیان کیا جاتا ہے کہ صحیح ہو اخبار بہ نہ کہ اخبار عنہ، یعنی کسی شئی کے مسند ہونے کی صحت دو طرح کی ہوتی ہے ایک مخبر عنہ کی صحت کے ساتھ اور دوسرا مخبر بہ کی صحت کے ساتھ، اول علامت اسم ہے اور دوم علامت فعل یعنی کلمہ اگر ایسا ہو کہ وہ مسند ہو سکتا ہے مسند الیہ نہیں تو وہ فعل ہے اور اگر وہ مسند و مسند الیہ دونوں ہو سکتا ہے تو اسم ہے۔

دُخُوْلُ قَدْ فعل کی علامت **قد** کا داخل ہونا بھی ہے کیونکہ اس کا دخول کبھی ماضی پر ہوتا ہے اور کبھی مضارع پر، پس اگر اس کا دخول ماضی پر ہو تو تقریب کا معنی دے گا یعنی ماضی کو حال سے قریب کر دے گا، چنانچہ **قد قامت الصلوٰة** کا معنی ہے: قریب ہے نماز قائم ہو گئی اور **قد** کا دخول اگر مضارع پر ہو تو تقلیل کا معنی دے گا جیسے **انّ کذوبًا قد یصدق** یعنی بے شک جھوٹے کبھی سچ بول لیتے ہیں۔ کبھی وہ تحقیق کا معنی بھی دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **قد یعلم اللہ المعوقین** یعنی

تحقیق کہ اللہ تعالیٰ اعمالِ خیر سے روکنے والے کو جانتا ہے۔ یہ تمام معنی صرف فعل میں پائے جاتے ہیں، اسم وحرف میں نہیں۔

وَالسِّیْنِ وَسَوْفَ وہ دونوں معطوف ہیں **قد** پر دخول پر نہیں، پس وہ ترکیب میں مجرور واقع ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **علامتہٗ دخول السین والسوف** یعنی فعل کی علامت سین وسوف کا داخل ہونا ہے، وہ دونوں چونکہ استقبال وضعی کے لئے موضوع ہیں اور استقبال وضعی فعل کے ساتھ خاص ہے، اس لئے ان کا دخول فعل کے ساتھ خاص کیا گیا اور سین معرف باللام اس لئے بیان کیا گیا کہ اس سے مراد سین معہود ہے اور وہ سین استقبال ہے نہ کہ سین استفعال جیسے استغفر اللہ اور نہ سین تحقیق جیسے ساطلب اور نہ سین تحول جیسے استحجر الطین اور نہ سین **اصابۃ شئی علی الصفۃ** جیسے استجارۃ اور نہ سین وقف جو کاف مؤنث کے بعد ہوتا ہے۔ اس سین کو سین سکتہ بھی کہا جاتا ہے جیسے اکرمتکس اور سین کو سوف پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ سین کی دلالت استقبال قریب پر ہوتی ہے اور سوف کی دلالت استقبال بعید پر اور ظاہر ہے قریب کو بعید پر شرافت حاصل ہے۔

وَالْجَزْمِ وہ بھی **قد** پر معطوف ہے، پس وہ مجرور ہے یعنی **علامتہٗ دخول الجزم** لیکن دخول سے یہاں مراد لحوق ہے کیونکہ دخول ضم فی الشروع کو کہا جاتا ہے اور لحوق ضم فی الآخر کو اور جزم کے لحوق کو فعل کی علامت اس لئے قرار دیا گیا چونکہ جازم فعل کے ساتھ خاص ہے، اس لئے جزم کو بھی فعل کے ساتھ خاص کیا گیا کہ اثر کا تخلف مؤثر سے لازم نہ آئے۔

وَالتَّصْرِیْفُ وہ معطوف ہے دخول پر نہ کہ مدخول پر، پس وہ ترکیب میں مرفوع واقع ہے، یعنی **علامتہٗ التصرف** اور **التصرف** میں الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے، اسی طرح الماضی میں بھی الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **تصرف الفعل الی صیغ الماضی والمضارع** یعنی فعل کی علامت اس کا ماضی ومضارع کے صیغوں کی طرف گردان ہے۔

وَ کَوْنِہٖ اَمْرًا اَوْ نَھْیًا وَاِتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَۃِ الْمَرْفُوْعَۃِ نَحْوُ ضَرَبْتُ وَتَاءِ التَّانِیْثِ السَّاکِنَۃِ نَحْوُ ضَرَبَتْ وَنُوْنَیِ التَّاکِیْدِ

ترجمہ: اور اس کا امر یا نہی ہونا اور بارز مرفوع ضمائر کا لگنا جیسے ضربت وضربنا اور تاء تانیث ساکنہ کا لگنا جیسے ضربت اور تاکید کے دونوں نون کا لگنا۔

تشریح: **وَ کَوْنِہٖ اَمْرًا** : **کون** مصدر مرفوع ہے جو مضاف ہے ضمیر کی طرف اور وہ ضمیر **کون** کا اسم ہے جو راجع ہے فعل کی طرف اور **امرًا** اس کا مفعول ہے جو خبر واقع ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **علامتہٗ کون الفعل امرًا یا نھیًا** یعنی فعل کی علامت اس کا امر یا نہی ہونا ہے اور ظاہر ہے امر یا نہی ہونا فعل کے ساتھ خاص ہے اسم کے ساتھ نہیں۔

اِتِّصَالُ الضَّمَائِرِ فعل کی علامت ضمیر بارز مرفوع کا لگنا ہے، یعنی جن کلموں میں بھی ضمیر بارز مرفوع لاحق ہو، ان کلموں کو فعل سمجھنا چاہیے جیسے **ضربت وضربنا** میں اس لئے کہ وہ ضمائر فاعل کی ہوتی ہیں اور فاعل صرف دو چیزوں کیلئے ہوتا ہے، ایک فعل اور دوسری اس کی فروع لیکن فروع فعل کو فعل سے درجہ میں کم کرنے کیلئے ان سے ضمائر بارزہ کو منع کر دیا گیا کہ بارز ضمیر

جس طرح فعل میں لگتی ہے، اسی طرح اس کے فروع میں بھی تو دونوں درجہ میں مساوی ہو جائیں گے، حالانکہ وہ ممنوع ہے، اس سے ضمیر بارز مرفوع کا فعل کے ساتھ لگنا خاص کر دیا گیا۔

تَاءِ التَّانِيْثِ السَّاكِنَةِ وہ معطوف ہے الضمائر پر، پس وہ ترکیب میں مجرور واقع ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **علامتہ اتصال تاء التانیث الساکنۃ** یعنی فعل کی علامت تاء تانیث الساکنہ کا لگنا بھی ہے۔ مطلب یہ کہ جس کلمہ میں بھی تاء تانیث ساکنہ لگی ہو، اس کو بھی فعل سمجھا جائے گا، اس لئے کہ تاء تانیث ساکنہ فاعل کی تانیث پر دلالت کرتی ہے جیسے **ضربت** میں تاء تانیث۔ ساکنہ صفت ہے تاء کی نہ کہ تانیث کی۔ تاء کو تانیث کے ساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ تاء متحرکہ سے احتراز ہو جائے کہ وہ اسم کے ساتھ خاص ہے۔

نُوْنَيِ التَّاكِيْدِ یہ بھی معطوف ہے ضمائر پر، پس وہ مجرور ہے اور نون ثنی ہے جو اصل میں نونین تھا، نون ثنی اضافت کی وجہ سے حذف ہو گیا، اصل عبارت یہ ہے: **علامتہ اتصال نونین التاکید** یعنی فعل کی علامت تاکید کے دونوں نونوں کا لگنا ہے، تاکید کے دونوں نون یعنی نون ثقیلہ و نون خفیفہ تاکید کیلئے مستعمل ہوتے ہیں، ان کو فعل کی علامت اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ دونوں طلب کی تاکید کیلئے آتے ہیں اور طلب چونکہ صرف فعل میں ہوتی ہے، اس لئے ان دونوں کو فعل کے ساتھ خاص کیا گیا۔

فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهٖ خَوَاصُّ الْفِعْلِ

ترجمہ: پس بے شک یہ تمام فعل کے خواص ہیں۔

تشریح: **فَإِنَّ كُلَّ** اس جملہ کی توضیح بعینہ وہی ہے جو ماقبل میں علامت اسم کے بیان میں گذری اور ممکن ہے یہ اس شبہ کا ازالہ بھی ہو کہ شئی کی علامت حقیقۃً وہ ہوتی ہے جو شئی سے کسی وقت بھی منفک وجدا نہ ہو اور مذکورہ چیزیں ایسی نہیں بلکہ بعض ان میں سے وہ ہے مثلاً نون تاکید کہ فعل کے بعض افراد کے ساتھ کبھی بھی لاحق نہیں ہوتی، پس ان کو علامت کہنا درست نہیں۔ حاصل ازالہ یہ کہ علامت یہاں بمعنی خاصہ ہے اور خاصہ کی دو قسمیں ہیں: ایک شاملہ اور دوسری غیر شاملہ۔ شاملہ وہ ہے جو شئی کے تمام افراد کو شامل ہو، جیسے کاتب بالقوہ انسان کیلئے اور غیر شاملہ وہ ہے جو شئی کے بعض افراد کو شامل ہو اور بعض کو نہیں، جیسے کاتب بالفعل انسان کیلئے اور وہ خواص جو یہاں مذکور ہیں غیر شاملہ ہیں۔

وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ بِهٖ أَنْ يَّكُوْنَ مَحْكُوْمًا بِهٖ

ترجمہ: اور اخبار بہ کا معنی یہ ہے کہ وہ محکوم بہ ہو۔

تشریح: **مَعْنَى الْإِخْبَارِ بِهٖ** اخبار بہ کا معنی بظاہر ہے اس کے ساتھ خبر دینا اور یہ معنی امر و نہی وغیرہ پر صادق نہیں آتا، اس لئے کہ ان کے ذریعہ خبر دینا درست نہیں جب کہ وہ خاصہ شاملہ ہے جو تمام افراد پر صادق آتا ہے، اس وجہ سے اس کا معنی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اخبار بہ کا معنی ہے: محکوم بہ ہونا۔ یعنی مسند ہونا اور ظاہر ہے اخبار بہ بایں معنی امر و نہی وغیرہ پر صادق ہے۔

وَيُسَمّٰى فِعْلًا بِاسْمِ اَصْلِهٖ وَهُوَ الْمَصْدَرُ لِاَنَّ الْمَصْدَرَ هُوَ فِعْلُ الْفَاعِلِ حَقِيْقَةً۔

ترجمہ: اور نام رکھا جاتا ہے اس کا فعل اپنے اصل کے نام کے ساتھ اور وہ مصدر ہے، اس لئے کہ مصدر وہ حقیقۃً فاعل کا فعل ہوتا ہے۔

تشریح: **یُسَمّٰی فِعْلًا** فعل کو فعل کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ اس کی وجہ تسمیہ کا بیان ہے۔ **یسمی** کا فاعل **الفعل** یا صفت ہے جو محذوف ہے، خلاصہ یہ کہ فعل اصطلاحی اصل میں مصدر ہے جو بمعنی کرنا ہے اور معنی مصدری حقیقۃً فاعل کا فعل ہوتا ہے، پس یہ مصدر کا نام فعل حقیقۃً ہوا، چنانچہ **ضَرْبٌ** مصدر **ضَرَبَ** فعل کا جزء ہے اور جزء وکل کے درمیان چونکہ تعلق وربط ہوتا ہے، اس لئے اس کا نام بھی **فعل تسمیۃ الکل باسم الجزء** کے قبیل سے رکھ دیا گیا۔

بِاسْمِ اَصْلِهٖ اس عبارت سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کے نزدیک بصریوں کا مذہب مختار و پسندیدہ ہے کیونکہ مصدر اصل ہے اور فعل اس کی فرع اور کوفیوں کا کہنا ہے کہ فعل اصل ہے اور مصدر اس کی فرع۔

وَحَدُّ الْحَرْفِ كَلِمَةٌ لَا تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهَا بَلْ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهَا نَحْوُ مِنْ

ترجمہ: اور حرف کی تعریف وہ کلمہ ہے جو دلالت نہ کرے ایسے معنی پر کہ وہ اس کی ذات میں ہے بلکہ دلالت کرے ایسے معنی پر کہ وہ اس کلمہ کے غیر میں ہے جیسے **مِنْ**۔

تشریح: **حَدُّ الْحَرْفِ** کلمہ کی تیسری اور آخری قسم جو حرف ہے، اس کی تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کلمہ ہے جو دلالت نہ کرے ایسے معنی پر کہ وہ اس کی ذات میں ہے بلکہ دلالت کرے ایسے معنی پر کہ وہ معنی اس کلمہ کے غیر میں ہے، مطلب یہ کہ حرف وہ کلمہ ہے جو معنی پر اپنی ذات کے اعتبار سے دلالت نہ کرے بلکہ وہ ہے جو معنی پر اپنے غیر کے اعتبار سے دلالت کرے، یعنی اس کلمہ کے معنی کا سمجھنا بلا انضمام کلمۂ اُخریٰ کے نہ ہو، جیسے **من والی** وغیرہ کہ اُن کا معنی ایسا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا، تاوقتیکہ دوسرا کلمہ مثلاً بصرہ وکوفہ وغیرہ کو اس کے ساتھ ملایا نہ جائے۔

فَاِنَّ مَعْنَاهَا الْاِبْتِدَاءُ وَهِيَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ اِلَّا بَعْدَ ذِكْرِ مَا مِنْهُ الْاِبْتِدَاءُ كَالْبَصْرَةِ وَالْكُوْفَةِ مَثَلًا تَقُوْلُ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَى الْكُوْفَةِ

ترجمہ: کیونکہ **مِنْ** کا معنی ابتداء ہے اور وہ یعنی من اس پر دلالت نہیں کرتا مگر اس چیز کے ذکر کرنے کے بعد کہ اس سے ابتداء ہے جیسے بصرہ وکوفہ، مثلاً آپ کہیں گے: **سرت من البصرة الی الکوفة** یعنی میں چلا بصرہ سے کوفہ تک۔

تشریح: **فَاِنَّ مَعْنَاهَا** یہ دلیل اس امر کی دی جاتی ہے کہ من کی دلالت **معنی فی نفسها** نہیں ہے، خلاصہ دلیل کا یہ کہ **مِنْ** کی دلالت معنی پر نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کو ذکر نہ کیا جائے جس سے ابتداء یا شروع کیا جائے، مثلاً بصرہ وکوفہ کو ذکر کے بعد ہی **مِنْ** کا معنی سمجھ میں آتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **سرتُ من البصرةِ الی الکوفةِ** یعنی میں نے سیر کی بصرہ سے کوفہ تک۔

وَعَلَامَتُهُ اَنْ لَّا يَصِحَّ الْاِخْبَارُ عَنْهُ وَلَا بِهٖ وَاَنْ لَّا تَقْبَلَ عَلَامَاتِ الْاَسْمَاءِ وَلَا عَلَامَاتِ الْاَفْعَالِ۔

ترجمہ: اور حرف کی علامت یہ ہے کہ صحیح نہ ہو اخبار عنہ اور نہ اخبار بہ اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ قبول نہ کرے گا۔ اسموں کی علامتون اور فعلوں کی علامتوں کو۔

تشریح: عَلَامَتُهُ حرف کی تعریف کے بعد اب اس کی علامت کو بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی علامت اخبار عنہ کا صحیح نہ ہونا ہے اور نہ اخبار بہ کا۔ مطلب یہ کہ وہ نہ مبتداء ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ خبر ہونے کی اور نہ فاعل یا مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کی کیونکہ ان کے لئے مستقل بالمفہوم ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے حرف مستقل بالمفہوم نہیں بلکہ غیر مستقل بالمفہوم ہوتا ہے۔

اَنْ لَّا تَقْبَلَ حرف کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ نہ اسموں کی علامتوں کو قبول کرتا ہے اور نہ فعلوں کی، کیونکہ اسموں کی علامتیں مثلاً لام تعریف اور حروف جر و تنوین وغیرہ کا داخل ہونا اور فعلوں کی علامتیں مثلاً جوازم و قد و سوف و سین وغیرہ کا داخل ہونا ہیں اور ظاہر ہے حرف ان کو قبول نہیں کرتا کیونکہ ان کے لئے مستقل بالمفہوم ہونا ضروری ہے اور حرف غیر مستقل بالمفہوم ہوتا ہے۔ حرف کی یہ دوسری علامت پہلی علامت سے عام ہے۔ پس یہ از قبیل تعمیم بعد تخصیص ہے اگرچہ مشہور اُس کا برعکس ہے۔

وَلِلْحَرْفِ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ فَوَائِدُ كَالرَّبْطِ بَيْنَ الْاِسْمَيْنِ نَحْوُ زَيْدٌ فِي الدَّارِ اَوِ الْفِعْلَيْنِ نَحْوُ اُرِيْدُ اَنْ تَضْرِبَ اَوْ اِسْمٍ وَفِعْلٍ كَضَرَبْتُ بِالْخَشَبَةِ اَوِ الْجُمْلَتَيْنِ نَحْوُ اِنْ جَاءَنِيْ زَيْدٌ اَكْرَمْتُهُ وَغَيْرِ ذَالِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ الَّتِيْ تَعْرِفُهَا فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

ترجمہ: اور حرف کے لئے کلام عرب میں بہت سارے فوائد ہیں جیسے تعلق کر دینا دو اسموں کے درمیان جیسے زید فی الدار یا دو فعلوں کے درمیان جیسے اُرید ان تضرب یا ایک اسم اور ایک فعل کے درمیان جیسے ضربتُ بالخشبۃ یا دو جملوں کے درمیان جیسے ان جاءنی زید لا کرمتہٗ اور اس کے علاوہ ایسے فائدے ہیں کہ آپ اُن کو تیسری قسم میں جانیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

تشریح: وَلِلْحَرْفِ: للحرف مبتداء ہے اور فوائد اس کی خبر ہے، چنانچہ صاحب کشاف نے اللہ تعالیٰ کے قول: ومن الناس من یقول آمنا باللہ میں من الناس کو مبتداء قرار دیا ہے اور فی کلام العرب صفت ہے للحرف کی یا حال ہے۔ بتقدیر اول عبارت یہ ہے: وللحرف الکائن فی الکلام اور بتقدیر دوم عبارت یہ ہے: وللحرف کائنًا فی کلام العرب بعض لوگوں نے اس کی ترکیب یہ بیان کی ہے کہ للحرف خبر مقدم ہے اور فی الکلام العرب صفت یا حال اور فوائد مبتداء مؤخر فوائد جمع فائدۃ بمثل قواعد جمع قاعدۃ بمعنی مستفادۃ یا بمعنی مفیدۃ یا بمعنی ثابت، خلاصہ یہ کہ حرف کے لئے کلام عرب میں بہت سارے اُمور ثابت ہیں یا مستفادات یا مفیدات ہیں۔ یہ گویا جواب ہے اس سوال کا یہ کہ گذشتہ بیان سے یہ معلوم ہوا کہ حرف کی وضع مقصود اصلی اور استقلال بالمفہوم کے لئے نہیں ہوتی جب کہ الفاظ کی وضع معانی و مقاصد کے لئے ہوا

کرتی ہے۔اور جو چیز مفید و مقصود نہ ہو اس میں مشغول ہونا بیکار و فضول کام ہے۔ جواب یہ کہ حرف کے واسطے کلام عرب میں بہت سارے فوائد ہیں جن میں سے بعض دو اسموں کے درمیان تعلق پیدا کرنا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

کَالرَّبْطِ بَیْنَ الْاِسْمَیْنِ یعنی حرف کے فوائد میں سے ایک فائدہ دو متغایر چیزوں کے درمیان تعلق پیدا کرنا ہے، وہ دو متغایر چیز عام ہیں کہ دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل یا ایک اسم اور ایک فعل یا دونوں جملہ ہوں، اول جیسے **زید فی الدار** میں زید اور دار، دو الگ الگ اسم ہیں جن دونوں کو حرف فی نے ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔ دوم جیسے **اُرید ان تضرب** میں اُرید اور تضرب دو الگ الگ فعل ہیں، جن دونوں کو حرف اَنْ نے ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔ سوم جیسے **ضربت بالخشبۃ** میں **ضربتُ** اور **خشبۃ** دو الگ الگ کلمہ ہیں جن میں سے پہلا فعل ہے اور دوسرا اسم، ان دونوں کو با حرف جار نے ملا دیا ہے۔ چہارم جیسے **اِن جاء نی زید اکرمتہٗ** میں **جاء نی زید** اور **اکرمتہٗ** دو الگ الگ جملہ ہیں، جن دونوں کو **اِنْ** حرف شرط نے ملا دیا ہے۔

وَغَیْرِ ذٰلِكَ ذٰلک کا مشار الیہ ربط مذکور ہے اور قسم ثالث سے مراد حرف کا بیان ہے جس طرح قسم ثانی سے مراد فعل اور قسم اول سے مراد اسم کا بیان ہے، خلاصہ یہ کہ حرف کا فائدہ جو مذکور ہوا صرف وہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بہت سارے فائدے ہیں جن کو بحث حرف میں بیان کیا جائے گا، مثلاً تنبیہ جو حرف تنبیہ کا مفاد ہے اور کلام سابق کا اثبات جو حرف ایجاب کا مفاد ہے اور مخاطب کو برانگیختہ کرنا جو حرف تخصیص کا مفاد ہے، وغیرہ وغیرہ۔

وَیُسَمّٰی حَرْفًا لِوُقُوْعِہٖ فِی الْکَلَامِ حَرْفًا اَیْ طَرْفًا اِذْ لَیْسَ مَقْصُوْدًا بِالذَّاتِ مِثْلُ الْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ اِلَیْہِ۔

ترجمہ: اور حرف نام رکھا جاتا ہے بوجہ واقع ہونے اس کے کلام میں حرف یعنی طرف کے اس لئے کہ وہ مسند و مسند الیہ کی مانند مقصود بالذات نہیں۔

تشریح: **وَیُسَمّٰی حَرْفًا** اس عبارت سے حرف کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ چونکہ کلام میں حرف یعنی طرف میں واقع ہوتا ہے، اس لئے اس کو حرف کہا جاتا ہے۔

لِوُقُوْعِہٖ وقوع پر لام علت ہے حرف نام ہونے کی اور وقوع مصدر مضاف ہے اور ضمیر مجرور فاعل مضاف الیہ راجع بسوئے حرف اور حرفاً منصوب بر بنائے حال ہے۔ اور **اَیْ** حرف تفسیر ہے اور **طرفاً** حرف کا معنی ہے: خلاصہ یہ ہے کہ حرف چونکہ لغت میں بمعنی طرف ہے اور وہ بھی کلام میں طرف واقع ہوتا ہے، اس لئے اس کو حرف یعنی طرف کہا جاتا ہے، جیسے **ان جاء نی زیدٌ اکرمتہٗ** میں **اِنْ** حرف طرف کلام میں واقع ہے۔

اِذْ لَیْسَ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حرف کلام کے طرف میں نہیں بلکہ وسط میں واقع ہوتا ہے، چنانچہ مثال مذکور **زید فی الدار** میں فی حرف جار ہے جو وسط میں واقع ہے، اسی طرح **ارید ان تضرب** میں **اَنْ** وسط کلام میں واقع ہے۔ جواب یہ کہ

حرف کے طرف کلام میں واقع ہونے کا مطلب یہ کہ حرف، اسم وفعل کے جانب مقابل میں واقع ہوتا ہے، اس طور پر کہ وہ مقصود بالذات نہیں ہوتا جس طرح اسم وفعل مقصود بالذات اور مستقل بالمفہوم اور مسند ومسند الیہ ہوتے ہیں۔ پس اس اعتبار سے حرف، اسم وفعل کے بالمقابل ہوا۔ اب رہا یہ سوال کہ اسم وفعل کو حرف کیوں نہیں کہا جاتا؟ جب کہ وہ بھی حرف کے مقابل واقع ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ کہ وجہ تسمیہ کے لئے علتِ مجوزہ یعنی **من وجہ** مناسبت کافی ہے۔ اس میں طرد وعکس کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔

مِثْلُ الْمُسْنَدِ مثل مرفوع ہے اس لئے کہ وہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **نظیرہٗ** یعنی نظیر المقصود بالذات مثل المسند الخ، مسند کو یہاں مسند الیہ پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس کے مقصود بالذات ہونے پر تنبیہ ہو کہ وہ مسند الیہ کا ادنیٰ ہے اور جب ادنیٰ مقصود بالذات ہوسکتا ہے تو مسند الیہ بدرجۂ اولیٰ مقصود بالذات ہوگا، وہ اس سے اعلیٰ ہے اور اس لئے بھی کہ مسند اسم بھی ہوتا ہے اور فعل بھی اور مسند الیہ صرف اسم ہوتا ہے اور ظاہر ہے عام کو خاص پر فضیلت حاصل ہے۔

فصل: اَلْکَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ کَلِمَتَیْنِ بِالْاِسْنَادِ وَالْاِسْنَادُ نِسْبَۃُ اِحْدَی الْکَلِمَتَیْنِ اِلَی الْاُخْرٰی بِحَیْثُ تُفِیْدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَۃً تَامَّۃً یَصِحُّ السُّکُوْتُ عَلَیْھَا نَحْوُ زَیْدٌ قَائِمٌ وَقَامَ زَیْدٌ وَیُسَمّٰی جُمْلَۃً

ترجمہ: یہ فصل ہے کلام ایسا لفظ ہے کہ شامل ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ اور اسناد دو کلموں میں سے ایک کی نسبت دوسرے کلمہ کی طرف ہے، اس حیثیت سے کہ فائدہ دے مخاطب کو پورا پورا فائدہ کہ اس پر سکوت صحیح ہو جیسے **زید قائم** یعنی زید کھڑا ہے اور **قام زیدٌ** یعنی کھڑا ہوا زید، اس کو جملہ بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: **اَلْکَلَامُ** علم نحو کے موضوع چونکہ دو ہیں: کلمہ اور کلام اور جب کلمہ کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب کلام کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ لغت میں بات کو کہا جاتا ہے خواہ وہ ایک لفظ ہو یا اس سے زائد۔ موضوع ہو یا مہمل اور اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو شامل ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ۔ اس تعریف میں لفظ مذکور ہے جو عام ہے اور وہ مفردات ومرکبات کلامیہ وغیر کلامیہ کو شامل ہے۔ اور تضمن کلمتین سے مفردات خارج ہو گئے اور بالاسناد سے مرکبات غیر کلامیہ مثلاً **غلامُ زیدٍ ورجلٌ عالمٌ** وغیرہ خارج ہو گئے۔ اس میں صرف مرکبات کلامیہ داخل رہ گئے۔ خواہ وہ خبریہ ہوں یا انشائیہ اول، جیسے **زیدٌ قائمٌ** کے وہ دو کلموں ایک زید اور دوسرا قائم کو شامل ہے۔ اس طور پر کہ قائم کی اسناد زید کے ساتھ ہے۔ دوم جیسے **اِضْرِبْ** کہ وہ بھی دو کلموں ایک اضرب اور دوسرا اس میں پوشیدہ **انت** کو شامل ہے اسناد کے ساتھ۔

وَالْاِسْنَادُ تعریف مذکور میں اسناد چونکہ محتاج بیان تھا، اس لئے یہاں اس کو واضح کیا جاتا ہے کہ وہ نسبت ہے دو کلموں میں سے ایک کی دوسرے کلمہ کی طرف اس طور پر کہ فائدہ دے مخاطب کو پورا پورا فائدہ کہ اس پر سکوت صحیح ہو جائے۔ یعنی وہ تعلق ہے دو کلموں کا اس طرح پر کہ مخاطب کو وہ تعلق ایسے فائدہ تامہ کا افادہ کرے کہ متکلم کا سکوت اس فائدہ پر صحیح ہو جائے۔ مطلب یہ کہ متکلم اگر اس نسبت پر سکوت کرے تو مخاطب کے واسطے کوئی ایسی حالت باقی نہ رہے گی کہ نفس مقصود اصلی کے سمجھنے کے لئے

اس کو متکلم کی طرف مشتاق ہونا پڑے، چنانچہ **قَامَ زَيْدٌ** میں قیام کی نسبت زید کی طرف ہے کہ جب اس کو متکلم نے بولا تو مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو گیا، اس طرح پر کہ متکلم کا سکوت اس پر صحیح ہو جائے۔

وَيُسَمّٰى جُمْلَةً یعنی کلام کو جملہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس امر میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ کلام کیا جملہ کا مرادف ہے یا اُس کا مبائن؟ صاحب مفصل اور صاحب لباب مرادف ہونے کا قول کرتے ہیں اور اسی طرف مصنف اور علامہ ابن حاجب بھی گئے ہیں کیوں کہ انہوں نے کلام کو مطلق اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کو مقصود بالذات کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ کلام جملہ سے خاص ہے، ان کے نزدیک کلام کی تعریف میں اسناد سے مراد اسناد مقصود بالذات ہے۔

فَعُلِمَ اَنَّ الْكَلَامَ لَا يَحْصُلُ اِلَّا مِنْ اِسْمَيْنِ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَيُسَمّٰى جُمْلَةً اِسْمِيَّةً اَوْ مِنْ فِعْلٍ وَاِسْمٍ نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ وَيُسَمّٰى جُمْلَةً فِعْلِيَّةً اِذْ لَا يُوْجَدُ الْمُسْنَدُ وَالْمُسْنَدُ اِلَيْهِ مَعًا فِيْ غَيْرِهِمَا وَلَا بُدَّ لِلْكَلَامِ مِنْهُمَا

ترجمہ: پس جانا گیا کہ بے شک کلام حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں سے جیسے **زَيْدٌ قَائِمٌ** یعنی زید کھڑا ہونے والا ہے اور اس کا نام جملہ فعلیہ رکھا جاتا ہے اور یا ایک فعل اور ایک اسم سے جیسے **قَامَ زَيْدٌ** یعنی زید کھڑا ہوا اور اس کا نام جملہ فعلیہ رکھا جاتا ہے، اس لئے کہ مسند و مسند الیہ ان دونوں کے علاوہ میں ایک ساتھ نہیں پائے جاتے حالانکہ کلام کے لئے ان دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح: **فَعُلِمَ** یہ جزا ہے شرط محذوف کی اصل عبارت یہ ہے: **اذ كان الاسناد معتبرًا فی الكلامِ فعُلِمَ بذلك** یعنی اسناد جب کہ کلام کی تعریف میں معتبر ماخوذ ہے تو اس سے یہ جان لیا گیا کہ کلام کا حصول دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل سے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اسناد کیلئے ایسے دو امر کا ہونا ضروری ہے، جن میں سے ایک مسند الیہ اور دوسرا مسند اور وہ صرف مذکورہ دونوں صورتوں میں ہی ہو سکتا ہے کیونکہ مسند، مسند الیہ صرف اسم میں ہوتے ہیں اور فعل صرف مسند ہوتا ہے مسند الیہ نہیں اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ لہٰذا کلام یا تو دو اسموں سے حاصل ہوگا جیسے **زَيْدٌ قَائِمٌ** اس کو جملہ اسمیہ کہا جائے گا کیونکہ اس کا جزء اول اسم واقع ہے یا کلام حاصل ہوگا، ایک فعل اور ایک اسم سے جیسے **قَامَ زَيْدٌ** اس کو جملہ فعلیہ کہا جائے گا کیونکہ اُس کا جزء اول فعل واقع ہے۔

اِذْ لَا يُوْجَدُ یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی کہ کلام حاصل ہوتا ہے صرف دو اسموں یا ایک فعل اور ایک اسم سے، خلاصہ یہ کہ کلام میں باعتبار عقل کے چھ صورتیں نکلتی ہیں کیونکہ کلام کے مفہوم لفظ تضمن کلمتین میں کلمتین کا واحد کلمہ ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں: اسم و فعل و حرف، تو جب ان تین قسموں سے دو دو کلموں کو ملایا جائے تو چھ صورتیں نکلتی ہیں، یعنی (۱) اسم و اسم (۲) فعل و فعل (۳) حرف و حرف (۴) اسم و فعل (۵) اسم و حرف (۶) فعل و حرف۔ ان میں صرف پہلی اور چوتھی دو صورتیں اسناد کے سبب صحیح و درست ہیں اور باقی چار صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ دوسری صورت میں صرف مسند ہے مسند الیہ نہیں اور تیسری صورت میں نہ مسند ہے اور نہ مسند الیہ اور پانچویں صورت میں صرف مسند الیہ ہے مسند نہیں اور چھٹی صورت میں صرف مسند ہے مسند الیہ نہیں

جب کہ کلام کے لئے دونوں کا ہونا ضروری ہے لیکن پہلی اور چوتھی صورت میں مسند الیہ بھی ہے اور مسند بھی۔

فَاِنْ قِيْلَ قَدْ نُوْقِضَ بِالنِّدَاءِ نَحْوُ يَا زَيْدُ قُلْنَا حَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَّقَامَ اَدْعُوْ وَاَطْلُبُ وَهُوَ الْفِعْلُ فَلَا نَقْضَ عَلَيْهِ

ترجمہ: پس اگر کہا جائے کہ حکم مذکور ندا سے منقوض ہے جیسے **یا زید** تو ہم کہیں گے کہ حرف نداء ادعو واطلب کے قائم مقام ہے اور وہ فعل ہے پس اس پر کوئی نقض نہیں۔

تشریح: **فَاِنْ قِيْلَ** یہ اعتراض حصر مذکور پر ہے کہ کلام صرف دو اسموں یا ایک فعل اور ایک اسم سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایک اسم اور ایک حرف سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **یا زیدُ** یعنی اے زید! یہ کلام ہے جب کہ اس میں یا حرف ندا ہے اور زید اسم ہے جو اس کا منادی ہے۔

قُلْنَا یہ جواب ہے اعتراض مذکور کا جس کا حاصل یہ ہے کہ حصر مذکور برقرار ہے کیونکہ **یا زیدٌ** کی ترکیب حرف اور اسم سے نہیں بلکہ ایک اسم اور ایک فعل سے ہے کیونکہ اس میں جو یاء ہے وہ قائم مقام ادعو واطلب ہے اور ظاہر ہے وہ فعل ہے جس میں **انا** پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ سوال اس تقدیر پر کلام صرف یا ہوا نہ کہ یا زید کا مجموعہ؟ جواب: کلام "یا" نہیں بلکہ وہ ہے جس جگہ پر یا ہے یعنی **ادعوا یا اطلبُ**۔

وَاِذْ فَرَغْنَا مِنَ الْمُقَدَّمَةِ فَلْنَشْرَعْ فِي الْاَقْسَامِ الثَّلٰثَةِ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ۔

ترجمہ: اور جب ہم مقدمہ سے فارغ ہو چکے تو چاہیے کہ ہم تینوں اقسام کے بیان میں لگ جائیں اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

تشریح: **وَاِذْ فَرَغْنَا** یعنی مصنف نے کہا کہ گذشتہ جو ہم نے بیان کیا وہ مقدمہ ہے اور جب اس کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب تینوں اقسام کے بیان کو شروع کر رہے ہیں۔ سوال **اذ فرغنا** شرط ہے اور **فلنشرع** اس کی جزا و مشروط اور قاعدہ ہے، جب شرط پائی جائے تو مشروط کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ **اذا کانت الشمسُ طالعۃً فالنھارُ موجودٌ** میں آفتاب اگر طلوع ہو تو دن کا وجود ضروری ہوتا ہے، جب کہ کسی ایک شئی سے فارغ ہونے کے بعد دوسری شئی کا آغاز لازم نہیں آتا بلکہ کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے۔ پھر کسی دوسری شئی کا آغاز کیا جاتا ہے۔ جواب مشروط یہاں حقیقۃً شروع نہیں بلکہ اُس کا ارادہ ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: **اذ فرغنا من المقدمۃ اردنا الشروع** یعنی جب ہم مقدمہ سے فارغ ہو چکے تو اب تینوں اقسام کے بیان کے شروع کا ارادہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کسی ایک شئی سے فارغ ہونے کے بعد عادۃً کسی دوسری شئی کا ارادہ کیا جاتا ہے، پس ارادہ شئی کو فعل شئی سے مجازاً تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم **اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا الخ** میں **قیام الی الصلوۃ** سے مراد ارادۂ قیام صلوٰۃ ہے کیونکہ قیام صلوٰۃ کے وقت غسل بوجہ وغیرہ یعنی وضو کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، البتہ ارادۂ قیام کے وقت وضو کیا جاتا ہے۔

اَلْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ موفق اسم فاعل کا صیغہ ہے جو مشتق ہے، توفیق باب تفعیل سے، اُس کا معنی ہے: اسباب خیر کو مطلوب خیر کیلئے متوجہ کر دینا۔ **مُعِین** بھی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو مشتق ہے، اعانت باب افعال سے ہے، جس کا معنی ہے: مدد کرنا۔ اس جملہ کو اس امر کی طرف تنبیہ کے لئے بیان کیا گیا کہ کتاب کی تصنیف امر اہم ہے اور ایسے امر اہم میں رب کریم سے استعانت و توفیق لازم وضروری ہوتی ہے۔

اَلْقِسْمُ الْاَوَّلُ فِی الْاِسْمِ وَقَدْ مَرَّ تَعْرِیْفُهٗ وَهُوَ یَنْقَسِمُ اِلَی الْمُعْرَبِ وَالْمَبْنِیِّ فَلْنَذْکُرْ اَحْکَامَهٗ فِیْ بَابَیْنِ وَخَاتِمَةٍ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

ترجمہ: پہلی قسم اسم کے بیان میں اور تحقیق کہ اس کی تعریف گذری اور وہ یعنی اسم معرب و مبنی کی طرف منقسم ہوتا ہے تو ہم اس کے احکام کو دو باب اور ایک خاتمہ پر بیان کرنا چاہیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)

تشریح: **اَلْقِسْمُ الْاَوَّلُ** پہلی قسم اسم کے بیان میں۔ اس کو پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ اسم کو فعل وحرف پر شرافت حاصل ہے کہ وہ مسند ومسند الیہ دونوں ہوتا ہے اور فعل صرف مسند ہوتا ہے اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ، اس لئے فعل کو دوسری قسم میں بیان کیا گیا اور حرف کو تیسری قسم میں۔

وَقَدْ مَرَّ تَعْرِیْفُهٗ یہ گویا جواب ہے اس سوال کا کہ اسم کی یہاں دو قسمیں بیان کی گئیں جب کہ تقسم سے پہلے اس کی تعریف ضروری ہے۔ جواب یہ کہ اسم کی تعریف چونکہ ماقبل میں تفصیل سے گذر چکی ہے، اس لئے یہاں اس کو دوبارہ بیان نہیں کیا جاتا اور اس کی قسموں کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دو ہیں معرب ومبنی دونوں کو دو باب اور ایک خاتمہ میں بیان کیا جائے گا۔

فِیْ بَابَیْنِ دو باب میں پہلا اسم معرب کے بیان میں ہے اور دوسرا اسم مبنی کے بیان میں اور خاتمہ اسم کے ان احکام کے بیان میں جو معرب ومبنی میں شریک ہیں۔ خاتمہ لغت میں ختم کرنے والی شئی کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس بحث کو کہا جاتا ہے جس میں وہ احکام بیان کئے جائیں جو مقصود سے زائد ہوں اور وہ اس کیلئے موقوف علیہ کے طور پر ہوں۔

اِنْشَاءَ اللّٰهُ اکثر نسخوں میں وہ مذکور نہیں اور جس نسخہ میں مذکور ہے اس میں یہ جملہ **فلنذکر** کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اس قید کی وجہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کسی شئی کا ذکر یا ترک انسان کی قدرت واختیار سے بالاتر ہے کہ جب تک اس میں رب کی مشیت شامل نہ ہوگی۔ وہ منصہ شہود میں نہیں آ سکتی۔

اَلْبَابُ الْاَوَّلُ فِی الْاِسْمِ الْمُعْرَبِ وَفِیْهِ مُقَدِّمَةٌ وَثَلٰثَةُ مَقَاصِدَ وَخَاتِمَةٌ اَمَّا الْمُقَدِّمَةُ فَفِیْهَا فُصُوْلٌ۔

ترجمہ: پہلا باب اسم معرب کے بیان میں اور اس میں ایک مقدمہ اور تین مقاصد اور ایک خاتمہ ہیں لیکن مقدمہ تو اس میں چند فصلیں ہیں۔

تشریح: **اَلْبَابُ الْاَوَّلُ** ماقبل میں یہ گذرا کہ اسم کے احکام دو باب میں ہیں لیکن یہ معلوم نہ ہوا کہ کون باب کس چیز کے بیان میں ہے؟ اس عبارت سے اس کو واضح کیا گیا کہ پہلا باب اسم معرب کے بیان میں ہے اور دوسرا باب اسم مبنی کے بیان میں،

[illegible]

وَقَدَّمْنَا مُقَدِّمَةً [illegible] **وفی ھذا الباب مقدمۃ** [illegible]

[illegible]

اَمَّا الْمُقَدِّمَةُ [illegible]

[illegible]

فصل: فِیْ تَعْرِیْفِ اِسْمِ الْمُعْرَبِ وَھُوَ کُلُّ اِسْمٍ رُکِّبَ مَعَ غَیْرِہٖ وَلَا یُشْبِهُ مَبْنِیَّ الْاَصْلِ اَعْنِی الْحَرْفَ وَالْاَمْرَ الْحَاضِرَ وَالْمَاضِیَ نَحْوُ زَیْدٌ فِیْ قَامَ زَیْدٌ لَا زَیْدٌ وَحْدَہٗ لِعَدَمِ التَّرْکِیْبِ وَلَا ھٰؤُلَاءِ فِیْ قَامَ ھٰؤُلَاءِ لِوُجُوْدِ الشِّبْهِ وَیُسَمّٰی مُتَمَکِّنًا

ترجمہ: یہ فصل ہے اسم معرب کے بیان میں اور وہ ایسا اسم ہے جو مرکب ہوا پنے غیر کے ساتھ مشابہ نہ ہو مبنی اصل سے مراد لیتا ہوں حرف اور امر حاضر اور ماضی جیسے زید کہ وہ واقع ہے قام زید میں نہ تنہا زید بوجہ ترکیب نہ ہونے اور نہ ھؤلاء جو واقع ہے قام ھؤلاء میں بوجہ پائے جانے مشابہت کے اور اس کا نام متمکن رکھا جاتا ہے۔

تشریح: فصل: **فِیْ تَعْرِیْفِ** فصل خبر ہے مبتداء محذوف کی تقدیری عبارت یہ ہے: **ھذا فصل فی تعریف الاسم المعرب** یعنی یہ فصل ہے اسم معرب کی تعریف کے بیان میں۔ اس کو اسم مبنی پر چند وجہ سے مقدم کیا گیا ایک یہ کہ معرب اعراب لفظی وتقدیری دونوں کا محل ہوتا ہے اور مبنی صرف اعراب محلی کا محل ہوتا ہے اور اعراب محلی سے اعراب لفظی وتقدیری اصل ہیں اور چونکہ جو اصل کا محل ہو وہ بھی اصل ہوتا ہے اس لئے معرب کو مبنی پر مقدم کیا دوسری وجہ یہ کہ الفاظ کی وضع سے مقصود مافی الضمیر کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اور یہ اعراب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ اعراب سے لفظ کا فاعل ومفعول ہونا معلوم ہوتا ہے اور اعراب اسم معرب کے ساتھ خاص ہے، پس یہ مقصود جس طرح اسم معرب سے حاصل ہوگا اسم مبنی سے نہیں، اس لئے اسم معرب کو مقدم کیا گیا۔

وَھُوَ کُلُّ لفظ کل سے چونکہ اسم معرب کی تعریف بیان کی جاتی ہے، اس لئے ھو ضمیر مرفوع کا مرجع اسم معرب قرار دیا گیا ہے، خلاصہ یہ کہ اسم معرب ہر وہ اسم ہے جو مرکب ہوا پنے غیر کے ساتھ اور مشابہ نہ ہو مبنی اصل کے ساتھ جیسے زید جو **قام زید** میں واقع ہے کہ وہ ایسا اسم ہے جو قام فعل کے ساتھ واقع ہے، مبنی اصل جو تین ہیں یعنی حرف، امر حاضر، فعل ماضی کے ساتھ مشابہ بھی نہیں۔

مَبْنِیَّ الْاَصْلِ مبنی کی اضافت جو اصل کی طرف ہے اس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بیانیہ ہے یعنی **المبنی الذی ھو الاصل** یعنی اسم ترکیب کے بعد اس مبنی کے مشابہ نہ ہو کہ وہ اصل ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ اضافت نائب فاعل کی طرف

ہے یعنی مبنی الاصل مطلب یہ کہ معرب وہ اسم ہے جو اس چیز کے مشابہ نہ ہو جس کی اصل برقرار رکھی گئی ہے۔

الامر الحاضر امر کو حاضر کے ساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ امر غائب بالاتفاق معرب ہے اور امر حاضر میں اختلاف ہے معرب ہے یا مبنی۔ صحیح یہ ہے کہ امر حاضر مبنی ہے اور یہی مصنف کے نزدیک مختار ہے۔

نحو زید وہ خبر ہے مبتداء محذوف کی یعنی **هو نحو زيد**۔ ھو ضمیر اسم معرب کی طرف راجع ہے اور **فی قام زید** جار مجرور مل کر صفت ہے یا حال۔ بتقدیر اول عبارت یہ ہے: **هو الاسم المعرب نحو زيد الكائن في قام زيد** اور بتقدیر دوم عبارت یہ ہے: **هو الاسم المعرب نحو زيد كائناً في قام زيدٌ** اور **لا زيدٌ وحدهٗ** معطوف ہے **نحو زيد** پر اور **وحدهٗ** بتاویل حال ہے یعنی منفرداً یا متوحداً کی تاویل میں یا وہ مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا اور فعل حال ہے، یعنی **يتوحد وحدهٗ** ی **ينفرد انفرادهٗ** اور لعدم التركيب علت ہے فعل محذوف کی، یعنی **لا يكون زيد وحدهٗ اسمًا معربًا لعدم التركيب**۔

ولا هؤلاء اس کا عطف **لا زيدٌ** پر ہے اور **في قام هؤلاء** میں بعینہ وہی صورت ہے جو ماقبل میں گذری مطلب یہ کہ **هؤلاء** جو **قام هؤلاء** میں ہے مبنی ہے۔ معرب نہیں باوجودیکہ وہ عامل کے ساتھ ہے اس لئے کہ وہ مبنی اصل کے مشابہ ہے اور مشابہ نہ ہونا معرب ہونے کیلئے شرط ہے۔

يُسَمّٰى مُتَمَكِّنًا یعنی اسم معرب کو اسم متمکن بھی کہا جاتا ہے۔ متمکن اسم فاعل ہے تمکن باب تفعل کا، جس کا معنی ہے جاۓ دہندہ اور اسم معرب چونکہ اعراب کو جگہ دیتا ہے، اس لئے اس کو متمکن کہا جاتا ہے۔

فصل: حُكْمُهٗ اَنْ يَّخْتَلِفَ اٰخِرُهٗ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ اِخْتِلَافًا لَفْظِيًّا نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَرَاَيْتُ زَيْدًا وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ اَوْ تَقْدِيْرِيًّا نَحْوُ جَاءَنِيْ مُوْسٰى وَرَاَيْتُ مُوْسٰى وَمَرَرْتُ بِمُوْسٰى۔

ترجمہ: یہ فصل ہے۔ اسم معرب کا حکم یہ ہے کہ مختلف ہوگا اس کا آخر عوامل کے اختلاف کے سبب اختلاف لفظی جیسے **جاءنی زیدٌ ورئیت زیدًا ومررت بزیدٍ** یا اختلاف تقدیری جیسے **جاءنی موسٰی ورئیت موسٰی ومررت بموسٰی**۔

تشریح: **حُكْمُهٗ** ضمیر مجرور کا مرجع اسم معرب ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **حكم اسم المعرب** یعنی اسم معرب کا حکم۔ حکم سے مراد اثر مرتب ہے اور وہ یہاں یہ ہے کہ معرب کا آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہو، یعنی معرب کا آخر حرف بدل جاۓ خواہ ذاتاً ہو یا صفۃً۔ ذاتاً تبدیل سے مراد یہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے عام ہے لفظاً ہو یا تقدیراً۔ لفظاً سے مراد یہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے لفظ میں بدل جاۓ۔ چنانچہ **جاء نی ابوك ورئيت اباك ومررت بأبيك** میں واو ایک مرتبہ الف سے بدلا ہے اور دوسری بار یٓ سے بدل گیا ہے۔ تقدیراً سے مراد یہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے لفظ میں نہ بدلے بلکہ اس کو بدل جانے کا حکم دے دیا گیا ہو۔ چنانچہ **جاء نی مسلمون ورئيت مسلمين ومررت بمسلمين** میں حالت نصبی و جری میں یا ماقبل مفتوح ہے لیکن حالت جری میں جو یاء ہے غیر ہے اُس یاء کے جو

حالتِ نصبی میں ہے اور یہ تغیر یت تقدیراً او اعتباراً ہے، اسی طرح صفتی تبدیل سے مراد یہ ہے کہ ایک حرکت دوسری حرکت سے لفظاً یا تقدیراً بدل جائے۔ لفظاً سے مراد یہ ہے کہ ایک حرکت دوسری حرکت سے واقعۃً بدل جائے جیسے جاءنی زیدٌ ورئیت زیدًا ومررت بزیدٍ میں زید کی حرکت واقعۃً بدل گئی ہے، تقدیراً سے مراد یہ ہے کہ ایک حرکت دوسری حرکت سے اعتباراً بدل جائے جیسے جاءنی موسٰی ورئیت موسٰی ومررت بموسٰی میں موسیٰ کی حرکت اعتباراً بدل گئی ہے۔

اَلْاِعْرَابُ مَا بِهٖ یَخْتَلِفُ اٰخِرُ الْمُعْرَبِ کَالضَّمَّةِ وَالْفَتْحَةِ وَالْکَسْرَةِ وَالْوَاوِ وَالْاَلِفِ وَالْیَاءِ

ترجمہ: اعراب وہ ہے جس کے سبب سے معرب کے آخر مختلف ہو جیسے ضمہ وفتحہ وکسرہ اور واؤ والف و یاء۔

تشریح: **اَلْاِعْرَابُ** معرب چونکہ ذات ہے اور اعراب اس کی صفت، اس لئے ذات کے بعد اس کی صفت اعراب کو بیان کیا گیا کہ اعراب وہ ہے جس کے سبب سے معرب کے آخر مختلف ہو، مثلاً جاءنی زیدٌ میں زید معرب ہے اور ضمہ اعراب اور دال محل اعراب ہے۔

مَا بِهٖ ما بمعنی شئی اور بہ میں باء برائے سببیت اور ضمیر مجرور راجع بسوئے اعراب تقدیر عبارت یہ ہے: **الاعراب شئی بسبب ذلك الشئی**۔ سبب سے یہاں مراد سبب قریب ہے، اس لئے کہ عامل اور معنی مقتضی اور اسناد بھی اگرچہ سبب ہیں لیکن سبب بعید۔ کیونکہ عامل سبب قریب ہے معنی مقتضی کا اور معنی مقتضی سبب قریب ہے اعراب کا اور وہ سبب قریب ہے اختلاف کا، لہٰذا عامل سبب ہوا بوسائط اور اسناد، اس کا سبب ہوا بواسطین اور معنی مقتضی اُس کا سبب ہوا بواسطۂ واحد اور اعراب اُس کا سبب بلاواسطہ ہے۔

اٰخِرُ الْمُعْرَبِ اس قید سے مثل غلامی کی میم کی حرکت اعراب ہونے سے خارج ہوگئی کیونکہ اس میم پر جو حرکت ہے وہ اعراب نہیں، اس لئے کہ اس حرکت سے معرب کا آخر مختلف نہیں ہوتا۔ کیونکہ غلام مضاف ہے اسم مبنی کی طرف اور مضاف پر اعراب نہیں آتا، اس وجہ سے بھی کہ یہ حرکت عامل کی اقتضاء کی وجہ سے نہیں بلکہ یاء کی اقتضاء کی وجہ سے ہے حالانکہ اختلاف آخر معرب من حیث الاعراب کے ساتھ مقید ہے۔

اختلاف کے لئے آخر معرب ہی کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ اعراب صفت کلمہ ہے اور کلمہ خود ذات اور صفت چونکہ ذات سے مؤخر ہوتی ہے، اس لئے آخر معرب اختلاف کے لئے معین کیا گیا۔

کَالضَّمَّةِ اعراب کی چونکہ دو قسمیں ہیں، ایک اعراب بالحرکت اور وہ یہ ہے: ضمہ، فتحہ، کسرہ اور دوسری اعراب بالحرف اور وہ یہ ہے: واؤ، الف، یاء۔ اس لئے یہاں اس کی دونوں قسموں کو بیان کیا گیا اور بالحرکت چونکہ اعراب بالحرف سے اصل ہے، اس لئے اعراب بالحرکت کو پہلے بیان کیا گیا۔

وَاِعْرَابُ الْاِسْمِ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَنْوَاعٍ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ

ترجمہ: اور اسم معرب کے اعراب تین قسموں پر ہے، رفع اور نصب اور جر۔

تشریح: اِعْرَابُ الْاِسْمِ اسم پر الف لام عہد خارجی کا ہے، اس سے مراد اسم معرب ہے کیونکہ وہی زیر بحث ہے۔
عَلٰی ثَلٰثَةِ اَنْوَاعٍ اسم معرب کے اعراب تین قسموں پر ہے کیونکہ وہ علامت ہے ان معانی پر جو ... اور وہ معانی ... بعد دیگرے اسم معرب پر آتے ہیں، وہ تین ہیں: فاعلیت، مفعولیت، اضافت۔ لہذا ضروری ہے کہ ان معانی پر دلالت کرنے والے بھی تین ہوں گی تاکہ دال مدلول کے مطابق ہوجائے۔ یہاں پر انواع کہا گیا اقسام یا اس سے ... الفاظ اس لئے نہیں ... کے اختیار میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رفع ونصب وجر میں سے ہر ایک کے تحت افراد متعدد ہیں، چنانچہ رفع کے تحت ... واو وعلی ھذا القیاس۔ تو اگر انواع کے علاوہ دوسرے الفاظ کو ذکر کیا جاتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ نوع اس کلی کو کہا جاتا ہے جو افراد مختلفۃ الحقائق پر بولی جائے۔

رَفْعٌ وَ نَصْبٌ وَ جَرٌّ تینوں مجرور بھی ہو سکتے ہیں اور مرفوع ومنصوب بھی۔ مجرور انواع سے بدلیت کی بناء پر اور مرفوع مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر اور منصوب اعنی فعل محذوف کی تقدیر پر۔

رفع لغت میں بلند کرنے کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے ضمہ اور جو اس کے قائم مقام ہو، اس کو کہا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ کہ اس کے تلفظ کے وقت لب زیریں اوپر کو اٹھ جاتا ہے۔ اور نصب لغت میں قائم کرنے کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے فتحہ اور جو اس کے قائم مقام ہو اس کو کہا جاتا ہے۔ وجہ تسمیہ یہ کہ اس کے تلفظ کے وقت دونوں لب اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں یا یہ کہ فضلہ کو کلام کے اندر قائم کرتا ہے اور جر لغت میں بمعنی کھینچنا اور اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے کسرہ اور جو اس کے قائم مقام ہو اس کو کہا جاتا ہے۔ وجہ تسمیہ یہ کہ اس کے تلفظ کے وقت لب زیریں نیچے کی طرف کھینچتا ہے۔

وَالْعَامِلُ مَا بِهٖ رَفْعٌ اَوْ نَصْبٌ اَوْ جَرٌّ وَمَحَلُّ الْاِعْرَابِ مِنَ الْاِسْمِ هُوَ الْحَرْفُ الْاٰخِرُ مِثَالُ الْكُلِّ نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ فَقَامَ عَامِلٌ وَزَيْدٌ مُعْرَبٌ وَالضَّمَّةُ اِعْرَابٌ وَالدَّالُ مَحَلُّ الْاِعْرَابِ

ترجمہ: اور عامل وہ ہے جس کے سبب سے رفع یا نصب یا جر ہو اور اسم معرب کے اعراب کی جگہ اسم سے وہ حرف اخیر ہے۔ کل کی مثال جیسے **قَامَ زَيْدٌ** تو قام عامل ہے اور زید معرب اور ضمہ اعراب اور دال محل اعراب ہے۔

تشریح: **وَالْعَامِلُ** اختلاف کا سبب قریب چونکہ اعراب ہے اور جب اس کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب اس کے سبب بعید جو عامل ہے اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ عامل وہ ہے جس کے سبب سے رفع یا نصب یا جر ہو۔ واؤ حرف جمع کے بجائے **اَوْ** حرف تردید کو بیان کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دخول عامل سے ایک وقت میں ایک ہی اعراب رفع یا نصب یا جر ہو سکتا ہے دو نہیں۔

مَحَلُّ الْاِعْرَابِ مِنَ الْاِسْمِ اس میں **من الاسم** محل کی صفت ہے یا اس کا حال بتقدیر اول عبارت یہ ہے: **المحل الکائن من الاسم** اور بتقدیر دوم عبارت یہ ہے: **المحل کائنا من الاسم ای حال کونہ من الاسم** مطلب یہ کہ

اسم کے اعراب کا محل حرف اخیر ہے اول یا اوسط نہیں۔ اس لئے کہ اعراب معرب کے لئے بمنزلہ صفت ہے اور صفت چونکہ موصوف کے بعد ہی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے اعراب کا محل حرف اخیر قرار دیا گیا اول یا اوسط نہیں اور اس وجہ سے بھی کہ اعراب سے مقصود رفع اشتباہ وازالہ فساد ہے اور وہ حرف اخیر ہی ہو سکتا ہے اوسط یا اول نہیں۔

خیال رہے کہ **من الاسم** میں اس کا ذکر یہاں اتفاقیہ ہے کیونکہ فعل کا محل اعراب بھی حرف اخیر ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اسم معرب کا حرف اخیر مثلاً **جاء زیدٌ** میں زید کی دال ہے یا اسم مفرد میں ہے لیکن مثنیٰ و مجموع میں حرف اخیر الف اور واو ہے، نون حرف اخیر نہیں بلکہ وہ تنوین کے عوض ہے۔

مِثَالُ الْکُلِّ ماقبل میں چونکہ معرب و عامل و اعراب و محل اعراب کا ذکر ہوا، اس لئے یہاں سے ان تمام کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں کہ مثلاً **قَامَ زیدٌ** میں **قَامَ** فعل عامل ہے اور زید معرب اور اس کا ضمہ اعراب اور دال محل اعراب ہے **فقامَ** میں فا برائے تفسیر ہے، **فقام** بتاویل لفظ مبتداء اور عامل اس کی خبر ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا يُعْرَبُ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ اِلَّا الْاِسْمُ الْمُتَمَكِّنُ وَالْفِعْلُ الْمُضَارِعُ وَسَيَجِيْءُ حُكْمُهٗ فِي الْقِسْمِ الثَّانِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ کلام عرب میں اعراب نہیں دیا جاتا مگر اسم متمکن اور فعل مضارع کو اور اُس کا حکم عنقریب دوسری قسم میں آئے گا، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

تشریح: **واعلم** اس کا استعمال تین جگہوں پر ہوتا ہے، اول جب کہ متکلم اپنا کلام مکمل کر چکا ہو اور اسی سے متعلق کوئی بات بھول گیا ہو تو اس کے ذریعہ الگ سے اس کو بیان کرے۔ دوم جبکہ کسی سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہو۔ سوم جب کہ کلام جاری ہو اور مخاطب و سامع میں بے توجہی پیدا ہو جائے اور کسی امر اہم کو بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے ذریعہ تنبیہ کی جائے اور یہاں یہی تیسری صورت ہے کہ اس کے ذریعہ سامع کو امر اہم کی طرف شوق دلانا اور تنبیہ کرنا مقصود ہے۔

اس مقام پر **اعلم** کے بجائے **اقرء** بھی بیان کیا جا سکتا ہے اور افہم اور اعرف بھی مگر مقصود چوں کہ درایت ہے قرأت نہیں، اس لئے **اقرء** نہیں کہا گیا اور افہم کا تعلق کلام سابق سے ہوتا ہے اور یہاں تعلق کلام لاحق سے ہے اور اعرف اگر چہ درایت مابعد سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کا استعمال جزئیات میں ہوتا ہے اور یہاں امر کلی ہے، اس لئے اعلم ہی مناسب معلوم ہوا کہ وہ کلیات میں مستعمل ہوتا ہے۔

اَنَّهٗ لَا يُعْرَبُ عرب کے کلام میں صرف دو ہی شئی معرب ہوتی ہے، ایک اسم متمکن اور دوسری فعل مضارع۔ اسم متمکن کو یہاں پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ اہم اعراب میں اصل ہے اور اسم کے ساتھ متمکن کی قید سے یہ اشارہ ہے کہ جو اسم متمکن نہ ہو وہ معرب نہیں ہوتا، اسی طرح وہ فعل بھی معرب نہ ہوگا جو مضارع نہ ہو بلکہ فعل کے معرب ہونے کے لئے مضارع ہونا ضروری ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ فعل مضارع متصل بہ نون جمع مؤنث نہ ہو اور نہ نون تاکید ہو۔ اس آخری قید کو یہاں اس

لئے بیان نہیں کیا گیا کہ اُس کا بیان بحث فعل میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

فصل: فِیْ اَصْنَافِ اِعْرَابِ الْاِسْمِ وَھِیَ تِسْعَۃُ اَصْنَافٍ اَلْاَوَّلُ اَنْ یَّکُوْنَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّۃِ وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَۃِ وَالْجَرُّ بِالْکَسْرَۃِ وَیَخْتَصُّ بِالْمُفْرَدِ الْمُنْصَرِفِ الصَّحِیْحِ وَھُوَ عِنْدَ النُّحَاۃِ مَا لَا یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِہٖ حَرْفُ عِلَّۃٍ کَزَیْدٍ

ترجمہ: یہ فصل ہے اعراب اسم کی قسموں کے بیان میں اور وہ نو قسمیں ہیں، اول یہ کہ رفع ہوگا ضمہ کے ساتھ اور نصب ہوگا فتحہ کے ساتھ اور جر ہوگا کسرہ کے ساتھ وہ اعراب خاص ہوگا اسم مفرد منصرف صحیح کے ساتھ اور وہ یعنی نحویوں کے نزدیک یہ ہے کہ اُس کے اخیر میں حرف علت نہ ہو جیسے زید۔

تشریح: فِیْ اَصْنَافِ اِعْرَابِ اعراب اسم کی تعریف کے بعد اب اس کی قسموں کو بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی نو قسمیں ہیں۔ اصناف جمع صنف اور نوع آپس میں متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہیں۔ صنف باعتبار امر خارج کے بولا جاتا ہے اور نوع باعتبار ذات کے اور قسم دونوں کو عام ہے اور ظاہر ہے یہاں اعراب اسم کے اقسام کو باعتبار خارج یعنی باعتبار استحقاق کے بیان کیا گیا ہے برخلاف اس کے جو ماقبل میں مذکور ہوا کہ وہ اعراب اسم تین نوعوں پر ہے۔

اَلْاَوَّلُ یعنی نو اقسام میں سے پہلی قسم وہ ہے کہ رفع کی حالت میں ضمہ کے ساتھ اور نصب کی حالت میں فتحہ کے ساتھ اور جر کی حالت میں کسرہ کے ساتھ ہوگا، اس قسم کو چونکہ دوسری قسموں پر شرافت حاصل ہے اس لئے اس کو سب سے پہلے بیان کیا گیا اور شرافت کی وجہ یہ کہ وہ بدو طریقہ اصل ہے، اول یہ کہ اس کا اعراب بالحرکات ہیں اور ظاہر ہے اعراب بالحرکات اعراب بالحروف سے اصل ہے۔ دوم یہ کہ اس کے حرکات تین حالتوں میں تین طرح سے ہوتے ہیں برخلاف دوسری قسمیں کہ وہ دو حرکتوں یا صرف ایک حرکت کے ساتھ ہیں۔

یَخْتَصُّ وہ ماخوذ ہے اختصاص سے۔ وہ معروف بھی پڑھا جا سکتا ہے اور مجہول بھی کیونکہ اختصاص لازم و متعدی دونوں مستعمل ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ اعراب کی یہ قسم تین محلوں کے ساتھ خاص ہے ایک مفرد منصرف صحیح اور دوسرا مفرد منصرف قائم مقام صحیح اور تیسرا جمع مکسر منصرف۔ ان تینوں کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہے۔

بِالْمُفْرَدِ الْمُنْصَرِفِ مفرد کا اطلاق کئی چیزوں پر ہوتا ہے۔ کبھی اس سے مراد جملہ کا مقابل ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: ھذا مفرد ای لیس بجملۃ۔ بحث تمیز میں مفرد سے یہی مراد ہے اور کبھی اس سے مراد مضاف و مشابہ مضاف کے مقابل ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: ھذا مفرد ای لیس بمضاف ولا بمشابۃ مضاف۔ بحث منادیٰ میں مفرد سے یہی مراد ہے اور کبھی اس سے مراد مثنیٰ یا مجموع کے مقابل ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ھذا مفرد ای لیس بمثنی ولا بمجموع اور یہاں مفرد سے یہی معنی مراد ہے۔ منصرف کی قید سے غیر منصرف خارج ہو گیا کیونکہ اس کا اعراب یہ نہیں بلکہ دوسرا ہے جو

آگے مذکور ہے۔صحیح کی قید سے غیر صحیح مثلاً معتل یعنی قاضی وغیرہ خارج ہوگیا۔

وَهُوَ عِنْدَ النُّحَاةِ ھو کا مرجع صحیح ہے۔نحاۃ جمع ہے ناح کی، جیسے قُضاۃ جمع ہے قاض کی۔ناح اس شخص کو کہا جاتا ہے جو علم نحو کے مسائل کو جانتا ہو۔مطلب یہ کہ صحیح نحویوں کے نزدیک وہ ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو جیسے زید وبکر وغیرہ، لیکن صرفیوں کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے حروفِ اصلیہ کی جگہ کوئی حرف علّت اور ہمزہ نہ ہو اور دوحرف ایک جنس کے بھی نہ ہوں۔سالم کی تعریف میں اختلاف ہے،بعض کہتے ہیں: سالم وصحیح دونوں مترادف ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ سالم وہ ہے جس کے حروفِ اصلیہ کی جگہ صرف حرفِ علّت نہ ہوخواہ ہمزہ وتضعیف ہو یا نہ ہو۔اس اعتبار سے صحیح وسالم کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر صحیح، سالم ہے اور ہر سالم، صحیح نہیں بلکہ بعض سالم صحیح ہے اور بعض نہیں۔

حَرْفُ عِلَّةٍ حروفِ علّت تین ہیں: واوٗ، الف، یاء کہ جن کا مجموعہ **وای** ہوتا ہے۔ چنانچہ شعر میں ہے۔حرفِ علّت نام دارم واوٗ، الف یاء را، ہر کرا درد ے رسد ناچار گو یدوائے را۔حرفِ علّت کوحرفِ علّت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں تغیر وتبدل پیدا ہوتے رہنا ہے گویا وہ علیل وبیمار کی مانند ہیں جس کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔

وَبِالْجَارِيْ مَجْرَى الصَّحِيْحِ وَهُوَ مَا يَكُوْنُ فِيْ آخِرِهٖ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ مَا قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ كَدَلْوٍ وَظَبْيٍ

ترجمہ: اور خاص ہے اس اسم کے ساتھ جو قائم ہے صحیح کی جگہ میں اور وہ وہ ہے کہ اس کے آخر میں واوٗ ہوگا یا یاء کہ ان دونوں کے پہلے جو حرف ہے ساکن ہو جیسے دلو بمعنی ڈول اور ظبی بمعنی ہرن۔

تشریح: **وَبِالْجَارِيْ** اس کا عطف صحیح پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **يختص بالمفرد المنصرف الجاری مجری الصحيح** یعنی اعراب مذکور خاص ہوگا، مفرد منصرف جاری مجری صحیح کے ساتھ۔جاری بمعنی قائم اور مجری اسم ظرف بمعنی مقام یعنی مفرد منصرف قائم مقام صحیح کا اعراب وہی مذکور ہے۔مفرد منصرف قائم مقام صحیح وہ اسم مفرد منصرف ہے جس کے اخیر میں واوٗ یا یاء حرفِ علّت ہو اور اس کا ماقبل ساکن ہو جیسے **دلوٌ وظبیٌ**۔یہ قسم صحیح کے ساتھ اس لئے لاحق ہے کہ حرفِ علّت پر سکون کے بعد حرکت ثقیل نہیں ہوتی، اس لئے کہ سکون کی خفت حرکت کے ثقل کے مقابل ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ حرفِ علّت سکون کے بعد اس حرفِ علّت کی مانند ہے جو ابتداء میں واقع ہو اور وہ ثقیل نہیں رہتا کیونکہ سکون کی وجہ سے زبان کو استراحت حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا وہ ثقیل نہ ہوگا۔اگرچہ حرکاتِ ثلاثہ میں سے کوئی بھی حرکت اس پر واقع ہو۔

وَبِالْجَمْعِ الْمُكَسَّرِ الْمُنْصَرِفِ كَرِجَالٍ

ترجمہ: اور خاص ہے جمع مکسر منصرف کے ساتھ جیسے رجال۔

تشریح: **وَبِالْجَمْعِ الْمُكَسَّرِ** اس کا عطف بالمفرد المنصرف پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **يختص بالجمع المكسر المنصرف** یعنی اعراب مذکور جمع مکسر منصرف کے ساتھ خاص ہے۔جمع کو مکسر کے ساتھ اس وجہ سے مقید کیا گیا کہ اس سے جمع سالم خارج ہوجائے۔جمع سالم خواہ الف وتاء کے ساتھ ہو یا واوٗ ونون کے ساتھ۔خواہ یاء اور نون کے ساتھ۔منصرف جمع

کی صفت ثانیہ ہے۔ اس قید سے جمع مکسر غیر منصرف خارج ہو گیا کیونکہ اس کا اعراب دوسرا ہے۔
خیال رہے کہ جمع کو اعراب حرکتی دیا گیا جب کہ وہ فرع ہے مفرد کی، اس کی وجہ یہ کہ اس کے اخیر میں ایسا حرف نہیں جو اعراب حرفی کے متقاضی ہو اور مفرد منصرف کو اعراب بالحرکت اس لئے دیا گیا کہ مفرد بمقابلہ مثنیٰ و مجموع کے اصل ہے اور منصرف بمقابلہ غیر منصرف کے اصل ہے اور اعراب بالحرکت بھی اصل تو اصل اعراب دیا گیا۔ لیکن اعراب بالحرکت اصل اس لئے ہے کہ اعراب حرکتی سے اعراب حرفی مستنبط ہے، اس لئے کہ واؤ دو ضمہ سے اور یاء دو کسرہ سے اور الف دو فتحہ سے مستنبط ہے کیونکہ مشہور ہے: الف کے ادائیگی کی مقدار دو فتحہ کے برابر ہو اور واؤ کے ادائیگی کی مقدار دو ضمہ کے برابر ہو، اسی طرح یاء کے ادائیگی کی مقدار دو کسرہ کے برابر ہو۔

تَقُوْلُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَدَلْوٌ وَظَبْيٌ وَرِجَالٌ وَرَاَيْتُ زَيْدًا وَدَلْوًا وَظَبْيًا وَرِجَالًا وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَدَلْوٍ وَظَبْيٍ وَرِجَالٍ

ترجمہ: آپ کہیں گے **جاء نی زیدٌ** یعنی آیا میرے پاس زید اور ڈول اور ہرن اور مرد اور میں نے دیکھا زید کو اور ڈول کو اور ہرن کو اور مردوں کو اور میں گذرا زید کے ساتھ اور ڈول اور ہرن اور مردوں کے ساتھ۔

تشریح: **تَقُوْلُ** اعراب مذکور کے چونکہ تین محل ماقبل میں گذرے مفرد منصرف۔ جاری مجرای صحیح، جمع مکسر منصرف۔ اس لئے یہاں اس کی تین مثالیں بر سبیل بدلیت بیان کی گئیں اول جیسے **جاء نی زیدٌ ورئیتُ زیدًا ومررتُ بزیدٍ** دوم جیسے **جاء نی دلوٌ وظبیٌ ورئیتُ دلوًا وظبیًا ومررتُ بدلوٍ وظبیٍ** اور سوم جیسے **جاء نی رجالٌ ورئیتُ رجالًا ومررت برجالٍ**۔

اَلثَّانِيْ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْكَسْرَةِ وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ تَقُوْلُ هُنَّ مُسْلِمَاتٌ وَرَاَيْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ

ترجمہ: اعراب کی دوسری قسم یہ ہے کہ رفع ہوگا ضمہ کے ساتھ اور نصب و جر ہوگا کسرہ کے ساتھ اور وہ اعراب خاص ہے جمع مؤنث سالم کے ساتھ۔ آپ کہیں گے: **ھن مسلمات** یعنی وہ مسلمان عورتیں ہیں اور میں نے دیکھا مسلمان عورتوں کو اور میں گذرا مسلمان عورتوں کے ساتھ۔

تشریح: **اَلثَّانِيْ اَنْ يَّكُوْنَ** اعراب کی دوسری قسم وہ ہے کہ رفع ہو ضمہ کے ساتھ اور نصب و جر ہو کسرہ کے ساتھ اور یہ اعراب خاص ہے جمع مؤنث سالم کے ساتھ جیسے **ھن مسلماتٌ ورئیتُ مسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ**۔ اس میں نصب کو جر کے تابع اس لئے کیا گیا کہ وہ جمع مذکر سالم کی فرع ہے اور جمع مذکر سالم میں نصب کو جر کے تابع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آگے مذکور ہے، اس لئے اس میں بھی نصب کو تابع کیا گیا تا کہ فرع، اصل کے مطابق و موافق رہے۔
اَلسَّالِمِ وہ رفع کے ساتھ جمع کی صفت ہے مؤنث کی نہیں۔ جمع مؤنث سالم سے مراد ہر وہ جمع ہے جو الف تا کے ساتھ بنائی

گئی ہو، خواہ اُس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث، للہذا قلون جمع قلۃ اور ثبون جمع ثبۃ، جمع مؤنث سالم سے خارج ہو گئے کیونکہ وہ الف و تاء کے ساتھ نہیں آتے، اگر چہ مفرد مؤنث ہے اور سجلات جمع سجل اور سفر جلات جمع سفرجل داخل ہو گئے اگر چہ اُن کا مفرد مذکر ہے۔ سالم کی قید سے مکسر سے احتراز ہو گیا کیونکہ وہ مفرد کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ گذرا کوفیوں نے جمع مؤنث سالم کا اعراب نصبی فتحہ کے ساتھ جائز رکھا ہے اور ہشام صرف معتل میں جواز کے قائل ہیں۔

اَلثَّالِثُ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْفَتْحَةِ وَيُخْتَصُّ بِغَيْرِ الْمُنْصَرِفِ كَعُمَرَ تَقُوْلُ جَاءَنِيْ عُمَرُ وَرَاَيْتُ عُمَرَ وَمَرَرْتُ بِعُمَرَ۔

ترجمہ: اعراب کی تیسری قسم یہ ہے کہ رفع ہو گا ضمہ کے ساتھ اور نصب و جر ہو گا فتحہ کے ساتھ اور وہ اعراب خاص ہے غیر منصرف جیسے عمر کے ساتھ، آپ کہیں گے: جاءنی عمر و رئیت عمر و مررت بعمر۔

تشریح: **اَلثَّالِثُ** اعراب کی تیسری قسم وہ ہے کہ رفع ہو گا ضمہ کے ساتھ اور نصب و جر ہو گا فتحہ کے ساتھ اور وہ اعراب خاص ہے غیر منصرف، مثلاً عمر کے ساتھ، چنانچہ کہا جائے گا: **جَاءَنِيْ عُمَرُ وَرَئَيْتُ عُمَرَ وَمَرَرْتُ بِعُمَرَ۔**

بِغَيْرِ الْمُنْصَرِفِ غیر منصرف چونکہ فرع ہے منصرف کی اس لئے اس کو فرعی اعراب دیا گیا کیونکہ وہ اعراب جو تین حالتوں میں دو حرکتوں کے ساتھ آئے فرع ہے اس اعراب کی جو تین حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ آئے۔ غیر منصرف میں جر کو نصب کے تابع اس لئے کیا جاتا ہے کہ غیر منصرف فعل کے مشابہ ہے اور فعل پر کسرہ و تنوین نہیں آتی۔

اَلرَّابِعُ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ وَالنَّصْبُ بِالْاَلِفِ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ وَيُخْتَصُّ بِالْاَسْمَاءِ السِّتَّةِ مُكَبَّرَةً مُّوَحَّدَةً مُضَافَةً اِلٰى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ وَهِيَ اَبُوْكَ وَاَخُوْكَ وَهَنُوْكَ وَحَمُوْكِ وَفُوْكَ وَذُوْ مَالٍ تَقُوْلُ جَاءَنِيْ اَخُوْكَ وَرَاَيْتُ اَخَاكَ وَمَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَكَذَا الْبَوَاقِيْ۔

ترجمہ: اور اعراب کی چوتھی قسم یہ ہے کہ رفع ہو گا واؤ کے ساتھ اور نصب ہو گا الف کے ساتھ اور جر ہو گا یاء کے ساتھ اور وہ اعراب خاص ہوتا ہے اسمائے ستہ مکبرہ مؤحدہ کے ساتھ دراں حالیکہ وہ مضاف ہو یاء متکلم کے علاوہ کی طرف اور وہ **ابوك و اخوك و هنوك** یعنی تیرا باپ اور تیرا بھائی اور تیری شرمگاہ اور تیرے شوہر کا رشتہ دار اور تیرا مونہہ اور مال والا۔ آپ کہیں گے: **جاءنی اخوك ورئیت اخاك ومررت باخیك** اور اسی طرح باقی اسماء ہیں۔

تشریح: **اَلرَّابِعُ اَنْ يَّكُوْنَ** اعراب بالحرکات کے بعد یہ اعراب بالحروف کا بیان ہے کہ وہ حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ ہو گا اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالتِ جری میں یاء کے ساتھ اور وہ خاص ہو گا اسماء ستہ مذکورہ کے ساتھ مگر یہ اس وقت ہے جب کہ ان میں چار شرطیں پائی جائیں جن میں سے تین تو وجودی ہیں اور ایک عدمی، وہ چاروں شرطیں یہ ہیں: (۱) وہ اسماء مکبرہ ہوں یعنی مصغر نہ ہوں (۲) مؤحدہ ہوں یعنی مثنیٰ و مجموع نہ ہوں (۳) مضاف ہوں (۴) مضاف ہوں یاء متکلم کے علاوہ کی طرف۔ پس جب یہ چاروں شرطیں موجود ہوں گی تو ان کا اعراب مذکور ہو گا ورنہ نہیں، چنانچہ کہا جائے گا: **جاءنی**

اخوك ورئیت اخاك ومررتُ باخیك اور اگر مصغر ہوں خواہ مضاف بسوئے غیر یاءِ متکلم ہوں یا مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاء نی اُخَیَّ واخیّك ورئیتُ اُخیًّا واخیك ومررتُ بأخیّ وباخیّك اور اگر مضاف بسوئے یاءِ متکلم ہوں تو اعراب تقدیری ہوگا جیسے جاء نی اُخی ورئیت اخی ومررت باخی اور اگر مؤحدہ نہ ہوں بلکہ مثنیٰ ومجموع ہوں تو ان کا اعراب وہی ہوگا جو مثنیٰ ومجموع کا ہوتا ہے جیسے جاء نی اخوان ورئیت اخوین ومررت باخوین اور اگر مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت ہوگا مفرد کی مانند جیسے جاء نی اَخٌ ورئیتُ اَخًا ومررتُ باخٍ۔

حَمُوكِ بکسر کاف مؤنث کی طرف مضاف ہے اس لئے کہ حم شوہر کے بھائی یعنی دیور کو کہا جاتا ہے، پس اس کی اضافت مؤنث ہی کی طرف ہوگی۔ ذو کی اضافت مال اسم ظاہر کی طرف سے یہ اشارہ ہے کہ وہ صرف اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوگا برخلاف مذکورہ اسماء کہ اس کی اضافت عام ہے، اسم ظاہر کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور اسم مضمر کی طرف بھی۔

اَلْخَامِسُ اَنْ یَّكُوْنَ الرَّفْعُ بِالْاَلِفِ وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْیَاءِ الْمَفْتُوْحِ مَا قَبْلَهَا وَیُخْتَصُّ بِالْمُثَنّٰی وَكِلَا مُضَافًا اِلٰی مُضْمَرٍ وَاثْنَانِ وَاثْنَتَانِ تَقُوْلُ جَاءَنِی الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا وَاثْنَانِ وَاثْنَتَانِ وَرَاَیْتُ الرَّجُلَیْنِ كِلَیْهِمَا وَاثْنَیْنِ وَاثْنَتَیْنِ وَمَرَرْتُ بِالرَّجُلَیْنِ كِلَیْهِمَا وَاثْنَیْنِ وَاثْنَتَیْنِ۔

ترجمہ: اعراب کی پانچویں قسم یہ ہے کہ رفع ہوگا الف کے ساتھ اور نصب وجر ہوگا ایسی یاء کے ساتھ کہ اُس کا ماقبل مفتوح ہے اور وہ اعراب خاص ہوتا ہے مثنیٰ کے ساتھ اور ایسے کلا کے ساتھ جو مضاف ہے مضمر کی طرف اور خاص ہوتا ہے اثنان واثنتان کے ساتھ، آپ کہیں گے: جاء نی الرجلان وکلاھما واثنان واثنتان ورئیت الرجلین وکلیھما واثنین واثنتین ومررتُ الرجلین وکلیھما واثنین واثنتین۔

تشریح: **اَلْخَامِسُ** اعراب کی پانچویں قسم وہ ہے کہ رفع کی حالت میں الف کے ساتھ ہوگا اور نصب وجر کی حالت میں یاء ماقبل مفتوح ہوگا۔ وہ اعراب خاص ہوگا مثنیٰ کے ساتھ اور کلا کے ساتھ بھی جب کہ مضاف ہو مضمر کی طرف اور اثنان واثنتان کے ساتھ بھی اول جیسے جاء نی الرجلان ورئیتُ الرجلین ومررتُ برجلین اور دوم جیسے جاءَنی کلاھما ورائیتُ کلیھما ومررتُ بکلیھما سوم جیسے جاء نی اثنانِ واثنتانِ ورئیتُ اثنین واثنتینِ ومررتُ باثنینِ واثنتینِ۔

یہاں پر تین مثالیں بیان کی گئیں، اول مثال مثنیٰ حقیقی کی ہے اور دوم وسوم مثنیٰ مجازی کی۔ مثنیٰ حقیقی وہ ہے جس کے واحد کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح ونون مکسور لاحق کیا گیا ہو جیسے رجلانِ ورجلینِ اور مثنیٰ مجازی وہ ہے جس کا کوئی واحد نہ ہو، البتہ صورت ومعنی مثنیٰ جیسی ہو جیسے کلا و کلتا کہ اس کا کوئی واحد نہیں کیونکہ اس کا واحد کل نہیں کہ دونوں کے معنی میں مغایرت ہے، اسی طرح اثنان واثنتان کا کوئی واحد نہیں، اس لئے کہ اس کا واحد اثنین واثنتن نہیں کہ دونوں کے معنی میں مغایرت ہے۔

کِلَا جو حکم کلا کا ہے وہی حکم کلتا کا ہے اور وہ چونکہ فرع ہے کلا کا، اس لئے کلا کے بعد کلتا کو چھوڑ دیا گیا کہ اصل کا ذکر فرع کے لئے

کافی ہے۔ لیکن اثنان کے بعد اثنتان کو بھی بیان نہیں کرنا چاہیے جب کہ وہ بھی اثنان کی فرع ہے لیکن اس کو بیان کیا گیا وجہ یہ کہ معلوم ہو جائے جو حکم مذکر کا ہے وہی مؤنث کا ہے۔

اِثْنَانِ وَاِثْنَتَانِ دونوں ترکیب میں مرفوع ہیں اس بناء پر کہ وہ خبر ہیں مبتداء محذوف کی۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **یختص بالمثنی وما الحق بہ وھو کلا واثنان واثنتان** یہی حال آنے والی عبارت **أولو وعشرون مع اخواتھا** کا ہے۔

اَلسَّادِسُ اَنْ یَّکُوْنَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ الْمَضْمُوْمِ مَا قَبْلَهَا وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْیَاءِ الْمَکْسُوْرِ مَا قَبْلَهَا وَیَخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَکَّرِ السَّالِمِ نَحْوُ مُسْلِمُوْنَ وَاُولُوْ وَعِشْرُوْنَ مَعَ اَخَوَاتِهَا تَقُوْلُ جَاءَنِیْ مُسْلِمُوْنَ وَعِشْرُوْنَ وَاُولُوْ مَالٍ وَرَاَیْتُ مُسْلِمِیْنَ وَعِشْرِیْنَ وَاُولِیْ مَالٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِیْنَ وَعِشْرِیْنَ وَاُولِیْ مَالٍ

ترجمہ: اعراب کی چھٹی قسم یہ ہے کہ رفع واؤ کے ساتھ ہوگا کہ اس کا ماقبل مضموم ہوگا اور نصب و جر یاء کے ساتھ ہوگا کہ اس کا ماقبل مکسور ہوگا اور وہ خاص ہوتا ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ، جیسے **مسلمان واولو وعشرون** اس کی نظائر کے ساتھ۔ آپ کہیں گے: **جاء نی مسلمان الخ** یعنی آئے میرے پاس مسلمان اور بیس اور مال والے اور دیکھا میں نے مسلمانوں کو اور بیس کو اور مال والوں کو اور گزرا میں مسلمانوں کے ساتھ اور بیس کے ساتھ اور مال والوں کے ساتھ۔

تشریح: **اَلسَّادِسُ** اعراب کی چھٹی قسم وہ ہے کہ رفع کی حالت میں واؤ ماقبل مضموم کے ساتھ ہوگا اور نصب و جر کی حالت میں یاء ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگا اور وہ خاص ہوتا ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ جیسے **مسلمون واولوا وعشرون** وغیرہ، چنانچہ کہا جاتا ہے: **جاء نی مسلمون ورئیت مسلمین ومررت بمسلمین** اسی طرح **جاء نی عشرون واولو مالٍ ورئیتُ عشرین واولی مالٍ ومررتُ بمسلمین واولی مالٍ**۔

بِجَمْعِ الْمُذَکَّرِ السَّالِمِ مذکر کے ساتھ سالم کی قید سے جمع مکسر خارج ہو گیا کہ اس کا اعراب دوسرا ہے جیسا کہ گزرا اور جمع مذکر سالم سے مراد وہ جمع ہے جو واؤ و نون یا یاء اور نون سے بنائی گئی ہو خواہ اُسکا واحد مذکر ہو یا مؤنث ہو اول جیسے **مسلمون** کہ اس کا واحد مسلم مذکر ہے اور دوم جیسے سنون کہ اس کا واحد سنۃ مؤنث ہے۔

اُولُوْ وَعِشْرُوْنَ تین مثالیں یہاں پر بیان کی گئیں جن میں سے پہلی مثال جمع مذکر سالم حقیقی کی ہے اور اخیر دونوں مثالیں جمع مذکر سالم مجازی کی ہیں۔ جمع مذکر سالم حقیقی وہ ہے کہ جس کے واحد کے اخیر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح لاحق کیا گیا ہو، جیسے مسلمون و مسلمین اور جمع مذکر سالم مجازی وہ ہے جس کا کوئی واحد نہ ہو یا واحد ہو لیکن اس کے لفظ سے نہ ہو، البتہ صورت و معنی جمع جیسی ہو جیسے **اولو** جمع **ذو** بغیر لفظہ اور عشرون اس کے نظائر کے ساتھ اس کا واحد نہیں کیونکہ اس کا واحد عشرۃ نہیں آتا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ نُوْنَ التَّثْنِیَةِ مَکْسُوْرَةٌ اَبَدًا وَنُوْنَ جَمْعِ السَّلَامَةِ مَفْتُوْحَةٌ اَبَدًا وَکِلَاهُمَا تَسْقُطَانِ عِنْدَ الْاِضَافَةِ تَقُوْلُ جَاءَنِیْ غُلَامَا زَیْدٍ وَمُسْلِمُوْ مِصْرَ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ تثنیہ کا نون ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور جمع مذکر سالم کا نون ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور دونوں نون اضافت

کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں۔آپ کہیں گے: جاء نی غلاما زید و مسلمو مصر یعنی میرے پاس زید کے دو غلام آئے اور مصر کے مسلمان آئے۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّ نُوْنَ یہ چونکہ بحث مثنی و مجموع ہے، اس لئے اس کے متعلق دو مسئلہ بیان کیا جاتا ہے، ایک یہ کہ تثنیہ کا نون ہمیشہ مکسور ہو گا اور جمع کا ہمیشہ مفتوح۔ ہمیشہ یعنی تینوں حالتوں میں مکسور ہو گا یا مفتوح، اس کی وجہ یہ کہ نون اصل میں مبنی ہے کہ وہ حرف ہے اور بناء میں اصل سکون ہوتا ہے اور ساکن کو جب بر بنائے التقاء ساکنین حرکت دیا جائے تو کسرہ سے اذا حرك حرك بالكسر اور تثنیہ چونکہ جمع سے پہلے ہوتا ہے اس لئے اس کو اصل یعنی کسرہ دیا گیا اور جمع کے نون کو فتحہ اس لئے دیا گیا کہ تثنیہ کے نون سے احتراز ہو جائے اور اگر حرکت ضمہ دیا جائے تو وہ چونکہ ثقیل ہے اس لئے جمع کے نون کو فتحہ ہی زیادہ مناسب سمجھا گیا۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ تثنیہ و جمع مذکر سالم جب کسی شئی کی طرف مضاف ہوں تو ان دونوں کا نون ہمیشہ ساقط ہو جایا کرتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: جاء نی غلاما زید و مسلمو مصر کہ اصل میں غلامانِ زید اور مسلمونَ مصر تھا۔ اس میں نون اضافت کی وجہ سے اس لئے ساقط ہو جاتا ہے کہ دونوں نون تنوین کے عوض ہے اور ظاہر ہے تنوین بوقت اضافت ساقط ہو جاتی ہے۔

اَبَدًا دو جگہ مذکور ہے۔ وہ بر بنائے ظرفیت منصوب ہے اور جمع السلامۃ میں سلامۃ منصوب ہے، اس لئے کہ وہ صفت ہے نون کی اور نون معطوف ہے نون التثنیہ پر جو اَنَّ کا اسم واقع ہے سلامت کی قید سے جمع مکسر کے نون سے احتراز ہو گیا جیسے شیاطین جمع شیطان جمع مکسر ہے وہ مرفوع و منصوب دونوں پڑھا جا سکتا ہے اور اضافت کے وقت ساقط نہیں ہوتا۔

اَلسَّابِعُ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيْرِ الضَّمَّةِ وَالنَّصْبُ بِتَقْدِيْرِ الْفَتْحَةِ وَالْجَرُّ بِتَقْدِيْرِ الْكَسْرَةِ وَيُخْتَصُّ بِالْمَقْصُوْرِ وَهُوَ مَا فِيْ اٰخِرِهٖ اَلِفٌ مَّقْصُوْرَةٌ كَعَصًا وَبِالْمُضَافِ اِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ غَيْرَ جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ كَغُلَامِيْ تَقُوْلُ جَاءَنِيْ عَصًا وَغُلَامِيْ وَرَاَيْتُ عَصًا وَغُلَامِيْ وَمَرَرْتُ بِعَصًا وَغُلَامِيْ۔

ترجمہ: اعراب کی ساتویں قسم یہ ہے کہ رفع ہو گا تقدیر ضمہ کے ساتھ اور نصب ہو گا تقدیر فتحہ کے ساتھ اور جر ہو گا تقدیر کسرہ کے ساتھ اور وہ خاص ہوتا ہے اسم مقصور کے ساتھ اور وہ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے عصا اور خاص ہوتا ہے ایسے اسم کے ساتھ جو مضاف ہے یاء متکلم کی طرف دراں حالیکہ وہ اسم جمع مذکر سالم کا غیر ہو جیسے غلامی، آپ کہیں گے: هذا عصا و غلامی یعنی یہ چھڑی ہے اور میرا غلام ہے اور میں نے دیکھا چھڑی کو اور اپنے غلام کو اور میں گذرا چھڑی کے ساتھ اور اپنے غلام کے ساتھ۔

تشریح: اَلسَّابِعُ اس سے قبل اعراب کی چھ قسمیں گذریں جن میں سے تین تو اعراب لفظی حرکتی ہیں اور تین اعراب لفظی حرفی اور اعراب لفظی حرکتی میں پہلا حقیقی ہے اور دوسرا اور تیسرا حکمی ہیں۔ اسی طرح اعراب لفظی حرفی میں بھی پہلا حقیقی ہے اور دوسرا و تیسرا حکمی ہیں اور یہاں جو اعراب بیان کیا جاتا ہے وہ اعرابِ تقدیری ہے اور اعراب تقدیری بھی کبھی اعرابِ تقدیری حرکتی

ہوتا ہے اور کبھی اعراب تقدیری حرفی اور تقدیری حرکتی چونکہ تقدیری حرکتی سے اصل ہے، اس لئے تقدیر حرکتی کو پہلے بیان کیا گیا اور اس میں بھی اس کو جو تینوں حالتوں میں تقدیری ہو اصل ہے اس سے جو دو حالتوں یا ایک حالت میں تقدیری ہو۔

اَنْ يَّكُوْنَ الرَّفْعُ یعنی اعراب کی ساتویں قسم یہ ہے کہ وہ رفع کی حالت میں تقدیر ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب کی حالت میں تقدیر فتحہ کے ساتھ اور جر کی حالت میں تقدیر کسرہ کے ساتھ اور وہ خاص ہوگا دو اسموں کے ساتھ، یعنی ایک اسم مقصور جیسے عصا اور دوسرا وہ اسم جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف دراں حالیکہ وہ اسم جمع مذکر سالم کا غیر ہو، جیسے غلامی چنانچہ اول کے لئے کہا جائے گا: **هذا عصًا ورئيتُ عصًا ومررتُ بعصًا** اور دوم کے لئے کہا جائے گا: **هذا غلامي ورئيتُ غلامي ومررتُ بغلامي۔**

بِالْمَقْصُوْرِ وَهُوَ مقصور سے پہلے موصوف محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **الاسمُ المقصود** اور ھو ضمیر مرفوع کا مرجع مقصور ہے، اس سے اسم مقصور کا معنیٰ بیان کیا گیا ہے کہ اسم مقصور ہر وہ اسم معرب ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ وہ تلفظ میں موجود ہے جیسے **العصا** یا **عصایَ** یا محذوف ہو تنوین کے ساتھ التقاء ساکنین کی وجہ سے جیسے **عصًا**۔ اسم مقصور پر اعراب لفظی اس لئے متعذر ہے کہ اس کے آخر میں الف ہوتا ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرتا کیونکہ جب اس پر حرکت آ جائے تو وہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہو جاتا ہے۔

بِالْمُضَافِ اِلٰى يَاءٍ وہ معطوف ہے بالمقصور پر اور مضاف سے پہلے موصوف محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **يختصُّ باسمِ المضافِ** یعنی اعراب کی یہ قسم ایسے اسم کے ساتھ خاص ہوگی جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف خواہ وہ اسم مفرد ہو یا جمع مکسر یا جمع مؤنث سالم ہو لیکن جمع مذکر سالم نہ ہو کیونکہ وہ جمع مذکر سالم جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف اس کا اعراب دوسرا ہے جو آگے مذکور ہے اور وہ اسم جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف اس پر اعراب لفظی اس لئے متعذر ہے کہ ماقبل یاء عامل کے دخول سے پہلے کسرہ کا مستحق ہو گیا ہے کیونکہ کسرہ یاء کے موافق ہوتا ہے ماقبل یاء عامل کے دخول سے پہلے کسرہ کا مستحق اس وجہ سے ہو گیا ہے کہ اضافت دخول عامل سے پہلے ہے۔

اَلثَّامِنُ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيْرِ الضَّمَّةِ وَالْجَرُّ بِتَقْدِيْرِ الْكَسْرَةِ وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ لَفْظًا وَيُخْتَصُّ بِالْمَنْقُوْصِ وَهُوَ مَا فِيْ آخِرِهٖ يَاءٌ مَّا قَبْلَهَا مَكْسُوْرٌ كَالْقَاضِيْ تَقُوْلُ جَاءَ نِي الْقَاضِيْ وَرَاَيْتُ الْقَاضِيَ وَمَرَرْتُ بِالْقَاضِيْ۔

ترجمہ: اعراب کی آٹھویں قسم یہ ہے کہ رفع ہوگا تقدیر ضمہ کے ساتھ اور جر ہوگا تقدیر کسرہ کے ساتھ اور نصب ہوگا فتحہ لفظی کے ساتھ اور وہ خاص ہوتا ہے اسم منقوص کے ساتھ اور اسم منقوص وہ اسم ہے جس کے آخر میں ایسی یاء ہو کہ اس کا ماقبل مکسور ہو جیسے قاضی، آپ کہیں گے: **جاءَنی القاضی ورئیتُ القاضِیَ ومررتُ بالقاضِی** یعنی آیا میرے پاس قاضی اور میں نے دیکھا قاضی کو اور میں گذرا قاضی کے ساتھ۔

اَلثَّامِنُ تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری حرکتی سے فارغ ہونے کے بعد اب اس اعراب کو بیان کیا جاتا ہے جو دو حالتوں میں اعراب تقدیری حرکتی ہوتا ہے اور وہ آٹھویں قسم ہے اور وہ یہ کہ حالت رفعی میں تقدیر ضمہ کے ساتھ ہوگا اور حالت جری میں تقدیر کسرہ کے ساتھ اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی کے ساتھ اور وہ اعراب خاص ہوتا ہے اسم منقوص مثلاً قاضی کے ساتھ، چنانچہ کہا جاتا ہے: **جاء نی القاضی ورئیت القاضی ومررت بالقاضی** یعنی آیا میرے پاس قاضی اور میں نے دیکھا قاضی کو اور مین گذرا قاضی کے ساتھ۔

بِالْمَنْقُوْصِ وَهُوَ منقوص سے پہلے موصوف محذوف ہے یعنی باسم المنقوص اور ھو ضمیر مرفوع کا مرجع اسم منقوص ہے۔ اس سے اسم منقوص کی تعریف بیان کی جاتی ہے کہ اسم منقوص وہ اسم معرب ہے جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو جیسے قاضی۔ اس میں حالت رفعی وجری میں اعراب تقدیری ہونے کی وجہ سے استثقال پیدا ہو گیا ہے، اس لئے کہ یاء پر ضمہ وکسرہ کا تلفظ زبان پر ثقیل ہوتا ہے برخلاف حالت نصبی میں کہ اس کا اعراب فتحہ لفظی کے ساتھ ہوتا ہے اور فتحہ چونکہ اخف حرکات ہوتا ہے، اس لئے وہ یاء پر ثقیل نہیں۔

اَلتَّاسِعُ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيْرِ الْوَاوِ وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ لَفْظًا وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ مُضَافًا اِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ تَقُوْلُ جَاءَنِيْ مُسْلِمِيَّ تَقْدِيْرُهٗ مُسْلِمُوْيَ اِجْتَمَعَتِ الْوَاوُ وَالْيَاءُ وَالْاُوْلٰى مِنْهُمَا سَاكِنَةٌ فَقُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً وَاُدْغِمَتِ الْيَاءُ فِي الْيَاءِ وَاُبْدِلَتِ الضَّمَّةُ بِالْكَسْرَةِ لِمُنَاسَبَةِ الْيَاءِ فَصَارَ مُسْلِمِيَّ وَرَاَيْتُ مُسْلِمِيَّ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ۔

ترجمہ: اعراب کی نویں قسم یہ ہے کہ رفع ہوگا تقدیر واؤ کے ساتھ اور نصب وجر ہوگا یاء لفظی کے ساتھ اور وہ خاص ہوتا ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ دراں حالیکہ وہ مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسے **جاء نی مسلمی** اس کی تقدیر **مسلموی** ہے واؤ اور یاء جمع ہوئے اور ان دونوں میں سے پہلا ساکن ہے تو واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا اور ضمہ کو کسرہ سے یاء کی مناسبت سے بدل دیا گیا تو **مسلمیَّ** ہوا اور **رئیتُ مسلمیَّ ومررتُ بمسلمیَّ**۔

تشریح: **اَلتَّاسِعُ** اعراب تقدیری حرکتی کے بعد اب اعراب تقدیری حرفی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ اعراب کی نویں قسم ہے وہ یہ کہ رفع کی حالت میں تقدیر واؤ کے ساتھ ہوگا اور نصب وجر کی حالت میں یاء لفظی کے ساتھ اور وہ اعراب خاص ہوتا ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ جب کہ مضاف ہو یاء متکلم کی طرف، چنانچہ کہا جاتا ہے: **جاء نی مسلمیَّ ورئیت مسلمیَّ ومررت بمسلمیَّ** یعنی آئے میرے پاس مسلمان اور میں نے دیکھا اپنے مسلمانوں کو اور گذرا میں اپنے مسلمانوں کے ساتھ۔

یہاں پر حالتِ رفعی میں اعراب لفظی اس وجہ سے ثقیل ہے کہ حالت رفعی میں جمع مذکر سالم کا اعراب واؤ ہوتا ہے اور واؤ کا تلفظ بوقت اضافت ثقیل ہے کیونکہ واؤ اخت ضمہ ہے اور یاء اخت کسرہ، پس اگر واؤ کا تلفظ کیا جائے تو ضمہ سے کسرہ کی طرف عدول لازم آئے گا جو ثقیل ہے اس لئے واؤ یاء ہو کر یاء میں مدغم ہو گیا برخلاف جب کہ نصب وجر کی حالت ہو کہ ان کی علامت یاء

ہے اور یاء کو اگر یاء میں ادغام کیا جائے تو اس میں کوئی ثقل پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ضمہ سے کسرہ کی طرف عدول لازم نہیں آتا بلکہ کسرہ سے کسرہ کی طرف لازم آتا ہے، پس یاء جو علامت ہے وہ اپنی حالت پر قائم رہ کر یاءِ متکلم میں مدغم ہوگئی اور ادغام سے چونکہ حقیقت میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اس لئے حالت نصبی وجری میں اعراب لفظی ہی رہے گا لیکن حالتِ رفعی میں چونکہ ثقل کی وجہ سے واؤ یاء سے بدل گیا اس لئے وہ اپنی حقیقت سے خارج ہوگیا اور اس کا اعراب تقدیری ہوگیا۔

تَقْدِیْرُہٗ یعنی مسلمی کی تقدیر عبارت **مسلموئَ** ہے یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے نون ساقط ہوگئی تو **مسلموئَ** ہوا اور واؤ و یاء چونکہ ایک کلمہ میں جمع ہیں جن میں سے پہلا ساکن ہے اس لئے واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیا گیا تو **مسلمیَّ** ہوگیا اور یاء چونکہ کسرہ کا مقتضی ہوتا ہے جب کہ اس کے ماقبل ضمہ ہے اس لئے ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا تو **مسلمیَّ** ہوا۔

فصل: اَلْاِسْمُ الْمُعْرَبُ عَلٰی نَوْعَیْنِ مُنْصَرِفٌ وَھُوَ مَا لَیْسَ فِیْہِ سَبَبَانِ اَوْ وَاحِدٌ یَّقُوْلُ مَقَامَھُمَا مِنَ الْاَسْبَابِ التِّسْعَۃِ کَزَیْدٍ وَیُسَمّٰی الْاِسْمَ الْمُتَمَکِّنَ

ترجمہ: اسم معرب دو قسموں پر ہے ایک منصرف ہے اور وہ ایسا اسم ہے کہ نہ ہوں اس میں دو سبب یا ایک سبب جو قائم مقام دو سبب کے ہو نو اسباب میں سے جیسے زید اور اس کا نام اسم متمکن رکھا جاتا ہے۔

تشریح: **اَلْاِسْمُ الْمُعْرَبُ** اعراب اسم معرب کی تقسیم میں منصرف وغیر منصرف کا ذکر ضمناً ہوا اور ان دونوں کا معنی چونکہ اب تک معلوم نہ ہوا، اس لئے یہاں ان دونوں کے معنی کو بیان کیا جاتا ہے۔ الاسم المعرب، موصوف صفت مل کر مبتداء ہے اور علی ضربین اپنے متعلق کے ساتھ اس کی خبر ہے۔ ضرب لغت میں اگرچہ بمعنی مارنا ہے لیکن یہاں اس سے مراد نوع وقسم ہے۔

مُنْصَرِفٌ وَھُوَ وہ ترکیب میں مجرور بھی ہوسکتا ہے اور مرفوع بھی۔ مجرور اس تقدیر پر کہ وہ بدل واقع ہے اور مرفوع اس تقدیر پر کہ وہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اول بہتر ہے کیونکہ اس تقدیر پر حذف کی طرف احتیاج لازم نہیں آئے گا۔ اور **وھو ما** میں ھو کا مرجع منصرف ہے اور ما سے مراد اسم معرب ہے کیونکہ وہ مقسم ہے اور اقسام کی تعریف میں مقسم معتبر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسم منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں دو سبب یا ایک سبب جو قائم مقام دو سبب کے ہو، اس میں نہ پایا جائے جیسے زید و بکر وغیرہ منصرف کو غیر منصرف پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ منصرف اصل ہے اور اس کے افراد بھی غیر منصرف کے افراد سے زیادہ ہیں۔

منصرف کو منصرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ماخوذ ہے صرف سے اور صرف لغت میں بمعنی متغیر ہونا اور زیادہ ہونا بھی ہے۔ بتقدیر اول منصرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ منصرف کے مفہوم کے محل میں چونکہ کافی تغیر پیدا ہوتا ہے یعنی تینوں حالتوں میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کو منصرف کہا جاتا ہے اور غیر منصرف میں صرف دو حالتوں میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے، اس لئے

اس میں تغیر کامل نہیں ہوتا، بتقدیر دوم منصرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے مفہوم کا محل امرزائد یعنی کسرہ وتنوین کو شامل ہوتا ہے اور غیر منصرف کسرہ وتنوین کو شامل نہیں۔

وَحُکْمُہٗ اَنْ یَّدْخُلَہُ الْحَرَکَاتُ الثَّلٰثُ مَعَ التَّنْوِیْنِ تَقُوْلُ جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَرَاَیْتُ زَیْدًا وَمَرَرْتُ بِزَیْدٍ

ترجمہ: اور منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر تینوں حرکتیں تنوین کے ساتھ داخل ہوں گی، آپ کہیں گے: **جاء نی زیدٌ ورئیتُ زیدًا ومررتُ بزیدٍ۔**

تشریح: **وَحُکْمُہٗ** منصرف کی تعریف کے بعد اب اس کے حکم کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اثر جو اسم منصرف پر بحیثیت اسم منصرف ہونے کے مرتب ہو، یہ ہے کہ اس پر تینوں حرکتیں، تنوین کے ساتھ داخل ہوتی ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **جاء نی زیدٌ ورئیتُ زیدًا ومررت بزیدٍ**۔ اس کے اندر زید میں ضمہ وفتحہ وکسرہ تینوں حرکتیں تنوین کے ساتھ داخل ہیں۔

وَغَیْرُ مُنْصَرِفٍ وَھُوَ مَا فِیْہِ سَبَبَانِ اَوْ وَاحِدٌ مِّنْھَا یَقُوْمُ مَقَامَھُمَا وَالْاَسْبَابُ التِّسْعَۃُ ھِیَ الْعَدْلُ وَالْوَصْفُ وَالتَّاْنِیْثُ وَالْمَعْرِفَۃُ وَالْعُجْمَۃُ وَالْجَمْعُ وَالتَّرْکِیْبُ وَالْاَلِفُ وَالنُّوْنُ الزَّائِدَتَانِ وَوَزْنُ الْفِعْلِ وَحُکْمُہٗ اَنْ لَّا یَدْخُلَہُ الْکَسْرَۃُ وَالتَّنْوِیْنُ وَیَکُوْنُ فِیْ مَوْضِعِ الْجَرِّ مَفْتُوْحًا اَبَدًا تَقُوْلُ جَاءَنِیْ اَحْمَدُ وَرَاَیْتُ اَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِاَحْمَدَ۔

ترجمہ: اور غیر منصرف اور وہ ایسا اسم ہے کہ اس میں دو سبب ہوں یا ایک سبب اُن نو سببوں میں سے جو دو سبب کے قائم مقام ہو اور نو اسباب وہ ہیں: عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ اور جمع اور ترکیب اور الف ونون زائدتان اور وزن فعل اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ وتنوین داخل نہ ہوں گے اور جر کی جگہ میں ہمیشہ مفتوح ہوگا، آپ کہیں گے: **جاء نی احمدُ ورئیتُ احمدَ ومررتُ باحمدَ۔**

تشریح: **غَیْرُ مُنْصَرِفٍ وَھُوَ مَا فِیْہِ** اس میں بھی ما سے مراد اسم معرب ہے اور فیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع ما ہے اور منہا میں ضمیر واحد مؤنث کا مرجع اسباب تسعہ ہے۔ خلاصہ تعریف کا یہ ہے کہ غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں نو اسباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جائیں یا ایک سبب جو قائم مقام دو سبب کے ہو۔ حکم اس کا یہ ہے کہ اس پر کسرہ وتنوین داخل نہ ہوں گے اور جر کی جگہ پر ہمیشہ فتحہ ہوگا کیونکہ وہ فعل کے مشابہ ہے جیسا کہ نوادر النعیمی میں مذکور ہے اور فعل پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتے۔ اس لئے غیر منصرف پر بھی کسرہ وتنوین داخل نہ ہوں گے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **جاء نی احمدُ ورئیتُ احمدَ ومررتُ باحمدَ۔**

وَالْاَسْبَابُ التِّسْعَۃُ نو اسباب کہ جن دو کی وجہ سے اسم معرب غیر منصرف ہوتا ہے، وہ یہ ہیں: (۱) عدل جیسے عمر (۲) وصف جیسے احمر (۳) تانیث جیسے طلحۃ (۴) معرفہ جیسے زینب (۵) عجمہ جیسے ابراہیم (۶) جمع جیسے مساجد (۷) ترکیب جیسے معدیکرب (۸) وزن فعل جیسے احمد (۹) الف ونون زائدتان جیسے عمران۔

4 أَمَّا الْعَدْلُ فَهُوَ تَغَيُّرُ اللَّفْظِ مِنْ صِيْغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ إِلٰى صِيْغَةٍ أُخْرٰى تَحْقِيْقًا أَوْ تَقْدِيْرًا وَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ وَزْنِ الْفِعْلِ أَصْلًا وَيَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ كَعُمَرَ وَزُفَرَ وَمَعَ الْوَصْفِ كَثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأُخَرَ وَجُمَعَ

ترجمہ: لیکن عدل تو وہ متغیر ہونا ہے لفظ کا اس کے اصلی صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف تحقیقاً یا تقدیراً اور وہ وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور جمع ہوتا ہے علمیت کے ساتھ جیسے عمر وزفر اور وصف کے ساتھ جیسے ثلاث ومثلث واُخر وجمع۔

تشریح: **اَمَّا الْعَدْلُ**۔ اما اجمال کی تفصیل کے لئے آتا ہے اور وہ چونکہ تمام اسباب میں بلاشرط مؤثر ہے اس کے بیان کو سب سے پہلے بیان کیا گیا کہ عدل وہ لفظ کا اس کے اصلی صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف حقیقۃً یا فرضاً واعتباراً متغیر ہونا ہے جیسے عمر کی طرف عامر سے اور زفر کی طرف زافر سے۔ تغیر کو صیغہ کے ساتھ مقید کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ تغیر صرف صیغہ میں ہو اور مادہ بدستور برقرار رہے۔ پس اس قید سے وہ اسماء عدل ہونے سے خارج ہو گئے جن میں مادہ بدل جاتا ہے اور جب صیغہ کو ضمیر کی طرف مضاف کیا تو اس سے مشتقات خارج ہو گئے اس لئے کہ وہ اپنی صورت وہیئت سے نہیں نکالے جاتے ہیں بلکہ مصدر کی ہیئت سے نکالے جاتے ہیں اور صیغہ کو چونکہ یہاں صفت اصلیہ کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جس سے اقوس وانیب جیسے مغیّرات شاذہ خارج ہو گئے، اس لئے کہ وہ خلاف قیاس قوس وناب کی جمع ہیں۔

تَحْقِيْقًا أَوْ تَقْدِيْرًا ترکیب کے اعتبار سے وہ دونوں مفعول مطلق ہیں فعل محذوف کے **اى حقق العدل تحقيقًا وقدر العدلُ تقديرًا** یا وہ مفعول مطلق ہیں تغیر اللفظ کی صفت سے اور وہ دونوں بمعنی اسم مفعول ہیں **اى تغيرًا محققًا او مقدرًا** یا مفعول مطلق مضاف محذوف کے اعتبار سے ہیں **اى تغير تحقيقي او تقديري** اس عبارت میں عدل کی دو قسمیں بیان کی ہیں: تحقیقی وتقدیری۔ عدل تحقیقی وہ ہے کہ جس میں لفظ کا تغیر ایسے معدول عنہ سے اعتبار کیا جائے کہ جو خارج میں موجود و محقق ہو اور خارج میں موجود و محقق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل معدول عنہ کے وجود پر دلالت کرے اور عدل تقدیری وہ ہے کہ جس میں لفظ کا تغیر ایسے معدول عنہ سے اعتبار کیا جائے جو مفروض ومقدر ہو اور معدول عنہ کے مفروض ومقدر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ معدول عنہ کے وجود پر کوئی دوسری دلیل خارجی دلالت نہ کرے۔ اول جیسے ثلاث ومثلث کہ وہ ثلاثۃ ثلاثۃ سے معدول ہے۔ اس کے وجود پر غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ معنی کی تکرار ہے اور دوم جیسے عمر وزفر کہ وہ عامر وزافر سے معدول ہیں، اس کے وجود پر غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل خارجی موجود نہیں۔

وَلَا يَجْتَمِعُ یعنی عدل، وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا یعنی ایسا کوئی اسم نہ ہوگا جو معدول بھی ہو اور فعل کے وزن پر بھی اس لئے کہ عدل کے جو اوزان چھ ہیں۔ ان میں سے کوئی وزن ایسا نہیں آتا کیونکہ دونوں کے اوزان جدا جدا ہیں۔ عدل کے وزن جو چھ ہیں، وہ یہ ہیں: **فُعَالُ** جیسے **ثُلَاثُ**، **مَفْعَلُ** جیسے **مَثْلَثُ**، **فُعَلُ** جیسے **عُمَرُ** و **اُخَر** **فَعَلُ** جیسے **اَمْسِ**، **فِعَلُ** جیسے **سِحَرُ**، **فَعَالِ** جیسے **قَطَامِ**

وَیَجْتَمِعُ یعنی عدل جمع ہوتا ہے علمیت کے ساتھ اور وصف کے ساتھ اول جیسے عمر و زفر کہ اس میں عدل تقدیری ہے، اس لئے کہ عرب کے کلام میں وہ غیر منصرف مستعمل ہوتا ہے اور غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس میں کوئی دوسرا سبب موجود نہیں، لہٰذا اس میں دوسرا سبب عدل مان لیا گیا اور عدل کا اعتبار چونکہ وجود اصل یعنی معدول عنہ پر موقوف ہے اور غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس کے وجود پر کوئی دوسری دلیل نہیں اس لئے عمر کو عامر سے اور زفر کو زافر سے مان لیا گیا اور دوم جیسے ثلاث و مثلث کے کہ اس میں عدل تحقیقی ہے، عرب میں وہ دونوں غیر منصرف پڑھے جاتے ہیں اور غیر منصرف ہونے کے لئے دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور یہاں صرف ایک سبب وصف اصلی موجود ہے اور دوسرا سبب عدل تحقیقی ہے کہ ان دونوں کے معنی میں تکرار ہے اور تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا ثلث و مثلث کہ جن کے معنی تین تین ہیں اصل میں وہ ثلاثۃ ثلاثۃ تھے جن سے معدول ہوکر ثلاث و مثلث ہوگئے ہیں۔

اُخَرَ وَجُمَعَ۔ **اُخر** کہ وہ عدل تحقیقی کی دوسری مثال ہے، وہ جمع ہے **اُخرٰی** کی اور **اُخرٰی** اسم تفضیل کی مؤنث ہے کیونکہ **آخر** کا معنی **اَشَدُّ تَاَخُّرًا** ہے اس کو غیر کے معنی کی طرف نقل کر لیا گیا اور قاعدہ ہے اسم تفضیل مؤنث کا استعمال الف لام اور اضافت اور لفظ من سے ہوتا ہے اور یہاں ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ مستعمل نہیں، جس سے یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے اسی طرح **جُمَعُ** کہ وہ عدل تحقیقی کی تیسری مثال ہے کیونکہ وہ جمع ہے جمعاء۔ جو مؤنث ہے **اَجمَعُ** کی اور قاعدہ ہے فعلاء افعل صفت کی مؤنث ہو تو اس کی جمع **فُعْلٌ** کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع **حُمرٌ** آتی ہے اور فعلاء اسم ذات ہو تو اس کی جمع فعالیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحاریٰ وصحراوات! پس اس قاعدہ کے اعتبار سے جمعاء کی جمع آیا **جُمَعَ** ہو گی یا جماعیٰ یا جمعاوات! اور یہاں چونکہ ان اوزان میں سے کوئی وزن نہیں جس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک سے ضرور معدول ہے۔

اَمَّا الْوَصْفُ فَلَا یَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِیَّۃِ اَصْلًا وَشَرْطُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ وَصْفًا فِیْ اَصْلِ الْوَضْعِ فَاَسْوَدُ وَاَرْقَمُ غَیْرُ مُنْصَرِفٍ وَاِنْ صَارَا اِسْمَیْنِ لِلْحَیَّۃِ لِاَصَالَتِہِمَا فِی الْوَصْفِیَّۃِ وَاَرْبَعٌ فِیْ مَرَرْتُ بِنِسْوَۃٍ اَرْبَعٍ مُنْصَرِفٌ مَعَ اَنَّہٗ صِفَۃٌ وَوَزْنُ الْفِعْلِ لِعَدَمِ الْاَصَالَۃِ فِی الْوَصْفِیَّۃِ۔

ترجمہ: لیکن وصف تو وہ علمیت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوتا اور اس وصف کی شرط یہ ہے کہ وہ اصل وضع میں وصف ہو، پس اسود و ارقم غیر منصرف ہیں اگرچہ دونوں سانپ کا نام ہو گئے ہیں بوجہ وصفیت میں اصل ہونے کے اور اربع دراں حالیکہ وہ **مررت بنسوۃٍ اربعٍ** میں ہے منصرف ہے۔ باوجودیکہ وہ وصف ہے اور وزن فعل بوجہ وصفیت میں اصل نہ ہونے کے۔

تشریح: **اَمَّا الْوَصْفُ** اسباب منع صرف میں عدل کے بعد وصف کو اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ بعض اسمائے معدولہ مثلاً ثلث و مثلث میں مؤثر ہے اور وصف کے بعد تانیث کو اس لئے بیان کیا گیا کہ دونوں وصفی و عارضی کی طرف منقسم ہونے میں شریک ہیں اور ان دونوں میں مؤثر صرف وضعی ہے عارضی نہیں اور تانیث کے بعد معرفہ کو اس لئے بیان کیا گیا کہ تانیث کے لئے معرفہ

یعنی علمیت شرط ہوتی ہے پھر معرفہ کے بعد عجمہ کو اس لئے بیان کیا گیا کہ عجمہ کی شرائط میں سے تعریف علمی کا ہونا ہے اور تانیث کا ذکر اپنی شرائط یعنی عجمہ ومعرفہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد جمع کو بیان کیا گیا کہ وہ تانیث کے مشابہ قائم مقام دوسبب ہونے میں ہے اور جمع کے بعد ترکیب کو بیان کرنے کی وجہ یہ کہ دونوں مفرد کی فرع ہونے میں شریک ہیں اور ترکیب کے بعد الف ونون زائدتان کو اس لئے بیان کیا گیا کہ جس اسم میں الف ونون زائدتان ہوں وہ مرکب کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں ترکیب زیادت مذکورہ اور مزید علیہ کے درمیان ہے اور جب کوئی سبب نو اسباب میں سے وزن فعل کے علاوہ باقی نہ رہا تو اب اخیر میں وزن فعل کو بیان کیا گیا۔

فَلَا يَجْتَمِعُ وصف خواہ وضعی ہو یا عارضی علمیت کے ساتھ بالکل جمع نہیں ہوتا اس لئے کہ دونوں میں تضاد ہے وصف کی دلالت ذات مبہم پر ہوتی ہے اور علمیت کی دلالت ذات معین پر اور ظاہر ہے ابہام وتعین میں تضاد ہے اول عموم کا متقاضی ہے اور دوم خصوص کا اور دونوں ایک جگہ میں ایک جہت سے ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔

شَرْطُهٗ شرط سے یہاں مراد تاثیر ہے وہ لغت میں علامت کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جو شئی سے خارج اور اس سے شئی کا وجود ہو اور رکن وہ ہے جو شئی میں داخل اور اس کا شئی کے وجود میں دخل ہو اور فرض دونوں کو عام ہے یعنی اس کا اطلاق شرط اور رکن دونوں پر ہوتا ہے۔

اَنْ يَّكُوْنَ وَصْفًا وصف کہتے ہیں اسم کا ایسی ذاتِ مبہمہ پر دلالت کرنے والا ہونا کہ جس میں بعض صفات ملحوظ ہوں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: وضعی وعارضی۔ وضعی وہ ذاتِ مبہمہ ہے جو بعض صفت پر اس وجہ سے دلالت کرے کہ واضع نے اس کے لئے وضع کیا ہے خواہ وہ وصف باقی رہے جیسے احمر وابیض وغیرہ یا وہ وصف علمیت کی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے اسود وارقم۔ وصف عارضی وہ ہے کہ اسم کو واضع نے ذاتِ معین پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا ہے لیکن استعمال کی وجہ سے وصفیت عارض ہو گئی ہے جیسے اربع جو **مررتُ بنسوةٍ اربعٍ** میں ہے اور غیر منصرف میں چونکہ مذکورہ دونوں وصفوں میں صرف وصف وضعی کا اعتبار ہے وصف عارضی کا نہیں، اس لئے یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ وصف کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے ضروری ہے وصف وضعی یعنی اصل وضع میں ہو جیسے اسود کہ واضع نے اس کو ہر اس ذات پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا ہے جو وصف سواد کے ساتھ متصف ہو اسی طرح اَرْقم کو ہر اس ذات پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا ہے جو وصف چتکبری پن یعنی سیاہی وسفیدی دونوں سے متصف ہو، وصف اصلی کا اعتبار اس لئے کیا گیا کہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے اور وصف اصلی میں یہ طاقت ہے کہ وہ اصل کو غیر اصل یعنی منصرف کو غیر منصرف کی طرف رجوع کرا دے اور یہ وصف عارضی میں نہیں۔

لِاَصَالَتِهِمَا ماقبل میں اسود وارقم کو غیر منصرف کہا گیا جب کہ غیر منصرف کے لئے دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور ان کے اندر دو سبب کہاں ہیں؟ اس عبارت سے اس کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کے اندر ایک سبب وزن فعل ہونا تو ظاہر ہے لیکن دوسرا سبب وصف بھی ہے کیونکہ ان دونوں کا نام اگرچہ غلبہ اسمیت کی وجہ سے اول کا نام کالا سانپ اور دوم کا نام چتکبری سانپ نام ہو گیا

ہے یعنی ان کے اندر وصفیت اصلیہ اب بھی موجود ہے کیونکہ اسود جو کالا سانپ کا نام ہے اس میں سواد یعنی کالاپن موجود ہے، اور ارقم جو چتکبرے سانپ کا نام ہے، اس میں بھی چتکبری پن موجود ہے۔

وصفیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اسم جو معنی وصفی پر دال ہے اپنے بعض افراد کے ساتھ اس طرح خاص ہو جائے کہ ان بعض افراد پر اس کی دلالت قرینہ کی محتاج نہ ہو۔

وَمَنَعَ صَرْفَ مَرَرْتُ یعنی **اربع** میں جو **مررت بنسوۃ اربع** کے اندر ہے، اگرچہ دو سبب موجود ہیں، ایک وزن فعل اور دوسرا وصف یعنی وصف چونکہ اصلی وضعی نہیں بلکہ عارضی ہے اس لئے وہ منصرف ہے وصفیت عارضی اس لئے ہے کہ اس ترکیب میں اربع صفت ہے اور نسوۃ موصوف جب کہ صفت وہ ہونی چاہیے جو موصوف پر محمول ہو اور یہاں محمول ہونے کی صلاحیت نہیں، اس لئے کہ اربع کا نسوۃ پر حمل کرنے سے عدد و معدود میں اتحاد لازم آتا ہے جو باطل ہے، اس لئے لفظ **موصوفۃ** محذوف ہوگا یعنی **مررت بنسوۃ موصوفۃ باربع** تو **موصوفۃ** کو حذف کر کے اربع کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

اَمَّا التَّانِيْثُ بِالتَّاءِ فَشَرْطُهُ اَنْ يَّكُوْنَ عَلَمًا كَطَلْحَةَ وَكَذٰلِكَ الْمَعْنَوِيُّ ثُمَّ الْمَعْنَوِيُّ اِنْ كَانَ ثُلَاثِيًّا سَاكِنَ الْاَوْسَطِ غَيْرَ اَعْجَمِيٍّ يَجُوْزُ صَرْفُهُ وَتَرْكُهُ لِاَجْلِ الْخِفَّةِ وَوُجُوْدِ السَّبَبَيْنِ كَهِنْدٍ وَاِلَّا يَجِبُ مَنْعُهُ كَزَيْنَبَ وَسَقَرَ وَمَاهَ وَجُوْرَ

ترجمہ: یعنی تانیث بالتاء تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو جیسے طلحۃ اور اسی طرح معنوی ہے پھر معنوی اگر ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہو تو جائز ہے، اس کا منصرف وغیر منصرف پڑھنا خفت اور دو سبب پائے جانے کی وجہ سے جیسے ھند، ورنہ ضروری ہے اس کا منع صرف یعنی غیر منصرف پڑھنا جیسے **زینب وسقر وماہ وجور**۔

تشریح: **اَمَّا التَّانِيْثُ** اسباب منع صرف میں تیسرا سبب تانیث یعنی اسم کا مؤنث ہونا ہے اور وہ عام ہے کہ اس کی دلالت تر پر ہو یا مادہ پر اول جیسے طلحہ رسول گرامی ﷺ کے ایک صحابی کا نام ہے اور دوم جیسے اشرفیہ ورشیدیہ ورضویہ وغیرہ۔

واضح ہو کہ تانیث کبھی تاء کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی تاء کے بغیر اور جو تانیث تاء کے بغیر ہو وہ کبھی الف مقصورہ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے حُبلیٰ اور کبھی الف ممدودہ کے ساتھ جیسے حمراء اور جو تانیث تاء کے ساتھ ہو وہ بھی کبھی تاء ملفوظ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے قادریہ اور کبھی تاء مقدرہ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے **اَرْضٌ** کہ اس کی اصل ادضۃ ہے **اُرَيْضَةٌ** کی دلیل سے۔

فَشَرْطُهُ شرط بمعنی تاثیر ہے اور اس کی ضمیر مجرور کا مرجع تانیث بالتاء ہے، معنی یہ ہے کہ تانیث بالتاء کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے علم ہونا شرط ہے، یعنی یہ ضروری ہے کہ اسم مؤنث کسی کا علم ہو خواہ مذکر کا ہو، جیسے طلحۃ یا مؤنث کا جیسے فاطمہ۔ علمیت کی شرط کی وجہ یہ ہے کہ علمیت لفظ کے حق میں بمنزلہ وضع ثانی ہے اور کلمہ اس کی وجہ سے تغیر وتصرف سے حتی الامکان محفوظ و مامون رہتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ الْمَعْنَوِيُّ یعنی تانیث بالتاء جس طرح علمیت کی شرط ہے اسی طرح تانیث معنوی میں علمیت کی شرط ہے، فرق یہ

ہے کہ تانیث بالتاء میں علمیت کی شرط بطور وجوب ہے اور تانیث معنوی میں بطور جواز مطلب یہ کہ تانیث معنوی میں اگر علمیت پائی جائے تو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے یعنی غیر منصرف بھی پڑھا جا سکتا ہے اور منصرف بھی کیونکہ اس کے وجوب تاثیر کے لئے دوسری دو شرطیں ہیں جو آگے مذکور ہیں۔

ثُمَّ الْمَعْنَوِیُّ یعنی مؤنث معنوی جس میں علمیت کی شرط پائی جائے اگر وہ تین حرف پر زائد ہو جیسے زینب یا تین حرف ہو لیکن بیچ والا حرف متحرک ہو جیسے سقر اور اگر بیچ والا حرف متحرک نہ ہو بلکہ ساکن ہو تو عجمہ ہو جیسے ماہ و جور تو اس کا غیر منصرف پڑھنا لازم وضروری ہے لیکن اگر تین حرف پر زائد نہ ہو بلکہ تین ہی حرف ہو اور وہ متحرک الاوسط یعنی بیچ والا حرف متحرک ہو اور اگر وہ بھی نہ ہو تو عجمہ ہو اگر وہ بھی نہ ہو تو اس کو منصرف وغیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، چنانچہ ہند کہ وہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی یعنی عربی ہے، اس لئے اس کو منصرف وغیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ غیر منصرف اس لئے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں ایک تانیث معنوی اور دوسرا علمیت اور منصرف اس لئے کہ اس میں تانیث کے اثر کرنے کی شرط وجوبی مفقود ہے اور وہ چونکہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے، اس لئے اس کو اس خفت کی وجہ سے منصرف پڑھا جاتا ہے۔

لِاَجْلِ الْخِفَّةِ ماقبل میں چونکہ دو دعوے ہیں ایک **یجوز صرفہٗ** اور دوسرا **یجوزُ ترکہٗ** اول کی دلیل **لاجل الخفۃ** سے بیان کی جاتی ہے اور دوم کی دلیل **لاجل وجود السببین** سے۔ خلاصہ یہ کہ اسم مؤنث معنوی میں اگر مذکورہ تینوں شرطوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو اس کو منصرف پڑھنا جائز ہو جائے گا اور غیر منصرف بھی، منصرف اس لئے کہ تانیث کے اثر کرنے کی شرط وجوبی مفقود ہونے کی وجہ سے اس اسم میں خفت پیدا ہو جاتی ہے اور غیر منصرف اس لئے کہ اس میں اب بھی دو سبب موجود ہیں، ایک تانیث معنوی اور دوسرا علمیت جیسے ہند میں۔

وَاِلَّا یَجِبُ لفظ **اِلَّا** ترکیب کے اعتبار سے شرط ہے اور **یجب منعہٗ** اس کی جزاء، اصل عبارت یہ ہے: **وان لم یکن الاسم المعنوی ثلاثیا** ساکن الاوسط غیر عجمی **یجب منعہٗ** فعل شرط کو اپنے معمول کے ساتھ ماقبل کو اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تو **وان لم یجب** ہوا اور قاعدہ یرملون سے ان لم، الم ہو گیا پھر اس میم کو خلاف قیاس الف سے بدل کر الا کر دیا گیا۔ معنی پورے جملہ کا یہ ہوا کہ اسم معنوی اگر ثلاثی، ساکن الاوسط اور غیر عجمی نہ ہو بلکہ رباعی یا ثلاثی ہو لیکن متحرک الاوسط ہو یا ثلاثی ساکن الاوسط ہو غیر عجمی نہیں بلکہ عجمی ہو تو اسکو منع صرف پڑھنا واجب وضروری ہے، اول یعنی رباعی کی مثال زینب ہے جو ایک صحابیہ عورت کا نام ہے اور دوم یعنی ثلاثی متحرک الاوسط کی مثال سقر ہے جو دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے اور دوم یعنی ثلاثی ساکن الاوسط عجمی کی مثال ماہ و جور ہے جو دونوں ملک عجم کے دو شہروں کے نام ہیں۔

وَالتَّانِیْثُ بِالْاَلِفِ الْمَقْصُوْرَةِ کَحُبْلٰی وَالْمَمْدُوْدَةِ کَحَمْرَاءَ مُمْتَنِعٌ صَرْفُهُمَا لِاَنَّ الْاَلِفَ قَائِمٌ مَّقَامَ السَّبَبَیْنِ التَّانِیْثُ وَلُزُوْمُهٗ

ترجمہ: اور وہ تانیث جو الف مقصورہ کے ساتھ ہو جیسے حبلیٰ اور الف ممدودہ کے ساتھ ہو، جیسے حمراء ان دونوں کا منصرف ہونا قطعی

طور پر ممنوع ہے کیونکہ الف قائم مقام دو سبب کے ہے ایک تانیث اور دوسرا لزوم تانیث۔

تشریح: وَالتَّانِيْثُ بِالْاَلِفِ یعنی وہ اسم جس میں الف مقصورہ یا الف ممدودہ پایا جائے وہ غیر منصرف ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ اس میں تانیث بالالف دو سبب کے قائم مقام ہے اور وہ دونوں یعنی تانیث بالف مقصورہ و بالف ممدودہ دو سبب کے قائم مقام اس لئے ہے کہ وہ دونوں وضع کے اعتبار سے کلمہ کو لازم ہیں، یعنی وہ اپنے مدخول سے کبھی جدا نہیں ہوتے تو وہ دونوں لزوم کی وجہ سے بمنزلہ تانیث آخر ہوئے، پس اس میں گویا تانیث کی تکرار ہوئی تو وہ ایک سبب قائم مقام دو سبب کے ہوا۔ ایک تانیث اور دوسرا لزوم تانیث برخلاف تانیث بالتاء کہ وہ کلمہ کو وضع کے اعتبار سے لازم نہیں اور علم ہونے کی وجہ سے وہ لازم بھی ہو جائے تو اس کا لزوم بھی عارضی ہوگا جو لزوم وضعی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

كَحُبْلٰى وہ خبر ہے مبتداء محذوف کی یعنی مثالہٗ كحبلى اسی طرح كحمراء ہے اور البتہ مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا یعنی بت البته بتہ کا معنی ہے: قطع ویقین۔

اَمَّا الْمَعْرِفَةُ فَلَا يُعْتَبَرُ فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ مِنْهَا اِلَّا الْعَلَمِيَّةُ وَيَجْتَمِعُ مَعَ غَيْرِ الْوَصْفِ

ترجمہ: لیکن معرفہ منع صرف میں علمیت کے علاوہ کسی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور وہ جمع ہوتا ہے غیر وصف کے ساتھ۔

تشریح: اَمَّا الْمَعْرِفَةُ معرفہ چونکہ ذات ہے یعنی وہ اسم ہے جو ذات معین کے لئے موضوع ہے اور وہ غیر منصرف کا سبب اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ معرفہ سے یہاں مراد تعریف ہے ذات معرفہ نہیں جو نکرہ کا مقابل ہے۔ معرفہ کہا گیا تعریف اس لئے نہیں کہ اجمال میں معرفہ مذکور ہے، اس لئے تفصیل میں بھی معرفہ کہا گیا۔

فَلَا يُعْتَبَرُ یعنی معرفہ کی جو سات قسمیں ہیں، غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے ان میں سے صرف علمیت کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ بعض قسمیں تو مبنی ہیں جیسے مضمرات و مبہمات، پس وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکے گا کیونکہ غیر منصرف معرب ہے اور معرب، مبنی کی ضد ہے اور شئی اپنی ضد کا سبب نہیں بن سکتی اور بعض قسمیں مثلاً اضافت و معرفہ بہ نداء وہ ہیں جو اسم کو منصرف یا اس کے حکم میں کر دیتی ہیں، لہٰذا شئی اپنے موافق کا سبب تو بن سکتی ہے لیکن اپنے ضد کا نہیں۔

يَجْتَمِعُ معرفہ اسباب منع صرف میں سے تمام اسباب کے ساتھ جمع تو ہو سکتا ہے لیکن وصف کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ وصف عموم کا مقتضی ہے اور علمیت خصوص کا کیونکہ وصف ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور علم ذات معین پر، ظاہر ہے ذات مبہم ذات معین کا غیر ہوتا ہے۔

اَمَّا الْعُجْمَةُ فَشَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ عَلَمًا فِي الْعُجْمَةِ وَزَائِدَةً عَلٰى ثَلٰثَةِ اَحْرُفٍ كَاِبْرَاهِيْمَ اَوْ ثُلَاثِيًّا مُتَحَرِّكَ الْاَوْسَطِ كَشَتَرَ فَلِجَامٌ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ وَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ لِسُكُوْنِ الْاَوْسَطِ۔

ترجمہ: لیکن عجمہ تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ لغت عجم میں علم ہو اور تین حرف پر زائد ہو جیسے ابراہیم یا ثلاثی متحرک الاوسط ہو جیسے شتر تو لجام منصرف ہے کیونکہ اس میں علمیت نہیں اور نوح منصرف ہے، اس لئے کہ بیچ والا حرف ساکن ہے۔

تشریح: اَمَّا الْعُجْمَةُ عجمہ لغت میں بمعنی گونگا ہونا اور اصطلاح میں اسم کا ان الفاظ سے ہونا ہے کہ جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہو۔اس کے غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو چونکہ جو لفظ عربی نہ ہو، اہل عرب کے لئے اس کا استعمال دشوار ومشکل ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے وہ اس کے ثقل کو دور کرنے کے لئے تصرف کرے، اسی وجہ سے یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو۔ چنانچہ لفظ ابراہیم کہ وہ لغت عجم میں ایک پیغمبر اسلام کا نام ہے تو جب عرب اس کا استعمال کرنے لگتا ہے تو اُسی الفاظ وعبارات کے ساتھ اس میں کوئی تغیر وتصرف نہیں کرتا کیونکہ تغیر وتصرف سے نام متصور نہیں ہوتا۔

اَنْ تَكُوْنَ عَلَمًا عجمہ کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ لغت عجم میں علم ہو اور دوسری شرط احد الامرین ہے، یعنی دو امروں میں سے ایک کا ہونا ہے: (۱) تین حرف پر زائد ہونا جیسے ابراہیم کہ وہ لغت عجم میں علم ہے اور تین حرف پر زائد بھی، پس وہ غیر منصرف ہے (۲) تین حرف پر اگر زائد نہ ہو بلکہ تین ہی حرف ہو تو بیچ والا متحرک ہو جیسے شتر بفتح شین وتاء کہ وہ لغت عجم میں دیارِ بکر کے ایک قلعہ کا نام ہے اور بیچ والا حرف متحرک ہے پس وہ غیر منصرف ہے۔ احد الامرین کی شرط کی وجہ یہ کہ اسم عجمہ جب کہ ثلاثی اور ساکن الاوسط ہو تو کافی اس میں خفت پیدا ہو جاتی ہے جب کہ اس کو غیر منصرف کا سبب ثقل کی وجہ سے قرار دیا گیا ہے۔

فَلِجَامٌ ماقبل میں چونکہ دو شرطیں گذریں ایک یہ کہ وہ لغت عجم میں علم اور دوسری شرط احد الامرین ہے۔ یعنی تین حرف پر زائد ہو یا تین حرفی ہو تو متحرک الاوسط ہو، اس لئے یہاں دونوں کی تفریع بیان کی جاتی ہے۔ لجام جو معرب ہے لگام کا وہ شرط اول پر تفریع ہے کہ وہ چونکہ علم نہیں اس لئے منصرف ہے اور نوح ایک پیغمبر کا نام ہے وہ شرط دوم پر تفریع ہے کہ وہ اگرچہ علم ہے لیکن چونکہ متحرک الاوسط نہیں بلکہ ساکن الاوسط ہے اس لئے وہ بھی منصرف ہے۔

اَمَّا الْجَمْعُ فَشَرْطُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ عَلٰى صِيْغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوْعِ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ بَعْدَ اَلِفِ الْجَمْعِ حَرْفَانِ كَمَسَاجِدَ اَوْ حَرْفٌ مُشَدَّدٌ مِثْلُ دَوَابَّ اَوْ ثَلٰثَةُ اَحْرُفٍ اَوْسَطُهَا سَاكِنٌ غَيْرُ قَابِلٍ لِلْهَاءِ كَمَصَابِيْحَ فَصَيَاقِلَةٌ وَفَرَازِنَةٌ مُنْصَرِفٌ لِقَبُوْلِهِمَا الْهَاءَ

ترجمہ: لیکن جمع تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کے صیغہ پر ہو اور وہ یہ ہے کہ الف جمع کے بعد دو حرف ہوں جیسے مساجد یا ایک حرف مشدد ہو جیسے دوابّ یا تین حرف ہو کہ جن کا بیچ والا حرف ساکن ہو، دراں حالیکہ وہ ھاء کو قبول کرنے والا نہ ہو جیسے مصابیح پس صیاقلۃ وفرازنۃ منصرف ہیں بوجہ قبول کرنے ان دونوں کے ھاء کو۔

تشریح: اَمَّا الْجَمْعُ جمع لغت میں بمعنی اکٹھا کرنا اور اصطلاح میں وہ اسم ہے جو احاد پر دلالت کرے اور احاد پر دلالت مفرد کے حروف میں تغیر کے ساتھ ہوتا ہے، یہاں مراد معنی اسمی نہیں جو مفرد و مثنیٰ کے مقابل ہے بلکہ معنیٔ وصفی ہے کیونکہ اسباب از قبیل اوصاف ہوتے ہیں از قبیل ذوات نہیں۔

فَشَرْطُهٗ جمع کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ منتہی الجموع کے صیغہ و وزن پر ہو اور منتہی الجموع کا وزن یہ ہے کہ اس کا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف متحرک ہوں یا ایک حرف مشدد ہو یا تین حرف ہوں تو بیچ والا حرف ساکن ہو جیسے مساجد و دوابّ و مصابیح، اول جمع ہے مسجد کی اور دوم جمع ہے دابۃ کی اور سوم جمع ہے مصباح کی۔ اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی تغیر واقع نہ ہوگا کیونکہ اس کی دوبارہ جمع تکسیر نہیں ہوتی، اسی وجہ سے اس میں ایک طرح کا استحکام پیدا ہوکر دوسبب کی تاثیر کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔

صِیْغَۃُ مُنْتَھٰی صیغہ بمعنی وزن اور وہ وہ ہیئت ہے جو حروف وحرکات وسکنات کے مجموع سے حاصل ہو اور منتہی مصدر میمی بمعنی انتہاء ہے جو مضاف ہے اپنے فاعل کی طرف اور جموع جمع ہے جمع کی، تقدیر عبارت یہ ہے: **علی وزن انتھاء الجموع** اور **ھُوَ اَنْ یَکُوْنَ** میں ھو ضمیر مرفوع کا مرجع جمع مذکور ہے یا **مَا ذُکِرَ مِنْ صِیغۃِ منتھی الجموع** ہے۔

غَیْرُ قَابِلٍ لِلْھَاءِ بھی پڑھا جاسکتا ہے اور مرفوع بھی۔ منصوب اس تقدیر پر کہ ماقبل میں دو یکونُ مذکور ہیں وہ یکون اول کی دوسری خبر ہے یا اس تقدیر پر کہ وہ حال ہے اس کی ضمیر سے اور مرفوع اس تقدیر پر کہ وہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اور جملہ حالیہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **وذلك الجمع غیرُ قابلٍ للھاءِ** اور ھاء سے مراد تاء تانیث ہے یعنی غیر قابل التاء التانیث۔ تاء کو ھاء اس لئے کہا گیا کہ وہ چونکہ حالت وقف میں ھاء ہوجاتا ہے اس لئے مایؤول کے اعتبار سے اس کو ھاء کہہ دیا گیا۔ مطلب عبارت کا یہ ہوا کہ جمع جو غیر منصرف کا سبب ہوتا ہے، اس کا منتہی الجموع کے وزن پر ہونے کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کے آخر میں تاء تانیث نہ ہو جو حالت وقف میں ھاء ہوجائے، کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس کا التباس مفرد کے ساتھ لازم آئے گا جس سے جمعیت میں فتور پیدا ہوجائے گا۔

فَصَیَاقِلَۃٌ ماقبل میں جو دو امر گذرے (ایک منتہی الجموع کے وزن پر ہونا اور دوسرا ھاء کو قبول نہ کرنا) یہ ان میں سے دوسرے امر پر تفریع ہے کہ **صیاقلۃ** جمع صیقل اور **فرازنۃ** جمع فرزین اگرچہ منتہی الجموع کے وزن پر ہے لیکن چونکہ اس کے اخیر میں تاء ہے جو حالت وقف میں ھاء ہوجاتا ہے، اس لئے وہ منصرف ہے کیونکہ وہ طواعیۃ جو مفرد ہے اس کے وزن پر ہونے کی وجہ سے ان کی جمعیت میں فتور پیدا ہوجاتا ہے۔

وَھُوَ اَیْضًا قَائِمٌ مَّقَامَ السَّبَبَیْنِ الْجَمْعِیَّۃُ وَلُزُوْمُھَا وَاِمْتِنَاعُ اَنْ یُّجْمَعَ مَرَّۃً اُخْرٰی جَمْعُ التَّکْسِیْرِ فَکَاَنَّہٗ جُمِعَ مَرَّتَیْنِ

ترجمہ: اور وہ جمع بھی قائم مقام دوسبب کے ہے۔ جمعیت اور اس کا لزوم اور یہ ممتنع ہونا کہ دوسری مرتبہ جمع بنایا جائے جمع تکسیر گویا کہ وہ دو مرتبہ جمع بنایا گیا ہے۔

تشریح: **وَھُوَ اَیْضًا** ھو کا مرجع جمع مذکور ہے اور ایضًا منصوب اس بناء پر ہے کہ وہ مصدر یعنی مفعول مطلق ہے یعنی **آضَ ایضًا** ای رجع رجوعًا یعنی **رجع الکلامُ رجوعًا ای ان الجمعَ کالتانیث بالالفِ** خلاصہ یہ کہ جمع مذکور بھی تانیث بالف

مثلاً سورہ وصدرہ وہ کی طرح دو سبب کے قائم مقام ہے جس میں سے ایک جمعیت ہے اور دوسرا لزوم جمعیت اور لزوم جمعیت سے مراد کیا ہے؟ اس کو امتناع الخ سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جمع ہے جو جمعیت کی بناء پر غیر منصرف ہے، اس طرح ہو کہ اس کی دوبارہ جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو، پس اس اعتبار سے جمعیت لازم ہو جائے گی، یعنی اس کو مفرد فرض کر کے دوبارہ اس کی جمع تکسیر نہ بنائی جائے گی، البتہ جمع صحیح بنائی جا سکتی ہے۔

اَمَّا التَّرْكِيْبُ فَشَرْطُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ عَلَمًا بِلَا اِضَافَةٍ وَّلَا اِسْنَادٍ كَبَعْلَبَكَّ فَعَبْدُ اللّٰهِ مُنْصَرِفٌ وَمَعْدِيْكَرِبَ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ وَشَابَ قَرْنَاهَا مَبْنِيٌّ.

ترجمہ: لیکن ترکیب تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو بغیر اضافت اور بغیر اسناد کے جیسے بعلبک تو عبداللہ منصرف ہے اور معدیکرب غیر منصرف ہے اور شاب قرناہا مبنی ہے۔

تشریح: **اَمَّا التَّرْكِيْبُ** اسباب منع صرف میں سے ترکیب بھی ہے اور وہ لغت میں بمعنی جوڑنا ہے اور ایک شئ کو دوسری شئ سے ملانا ہے اور اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ کلموں کو بغیر کسی حرف کے جزء بنائے ایک ہونے کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس قید سے النجم اور بصری جیسے کلمات سے احتراز ہو گیا کہ ان دونوں میں حرف جزء ہوا کرتا ہے، اول میں لام اور دوم میں یاء۔

فَشَرْطُهٗ ترکیب کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے تین شرطیں بیان کی جاتی ہیں، ایک شرط وجودی اور دو شرط عدمی۔ شرط وجودی یہ کہ وہ علم ہو اس لئے کہ ترکیب اس وقت متصور ہوتی ہے جب کہ اجزائے ترکیب میں ایک دوسرے کے ساتھ ارتباط و احتیاط ہو، لانکہ ہر جزء میں اصل یہ ہے کہ وہ مستقلاً بغیر ارتباط و احتیاج کے پایا جائے تو اجزاء کا باہمی احتیاج و ارتباط عارض کی وجہ سے ہوگا اور عارض چونکہ زوال پذیر ہوتا ہے اس لئے عارض کے زائل ہونے کے بعد ممکن ہے ترکیب زائل ہو جائے اس لئے علیت کی شرط لگائی گئی کہ ترکیب زوال سے محفوظ ہو کر منع صرف میں مؤثر ہو سکے۔

بِلَا اِضَافَةٍ ترکیب کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے جو دو شرطیں عدمی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ اضافت کے ساتھ نہ ہو کیونکہ اضافت، مضاف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کر دیتی ہے اور دوسری یہ کہ اسناد کے ساتھ نہ ہو کیونکہ جس اسم میں اسناد ہوگا وہ مبنی ہو جاتا ہے۔

كَبَعْلَبَكَّ بعلبک غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو سبب ایک علیت اور دوسرا ترکیب موجود ہیں، اس لئے کہ وہ مرکب ہے بعل اور بک سے۔ بعل ایک بت کا نام ہے اور بک بادشاہ کسریٰ کا نام ہے پھر دونوں کو شام کے ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا بغیر یہ کہ اس میں نسبت اضافی یا اسنادی ملحوظ ہو۔ اسی طرح معدیکرب غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں ترکیب کے علاوہ علیت بھی ہے وہ ایک مرد کا نام ہے جس میں نہ اضافت ملحوظ ہے اور نہ اسناد۔ لیکن عبداللہ اگر کسی کا علم رکھ دیا جائے تو بھی منصرف ہے کیونکہ اس کی ترکیب اضافت کے ساتھ ہے اور **شاب قرناھا** مبنی ہے کیونکہ وہ مرکب ہے **شاب** بمعنی سفید ہونے اور **قرناھا** تثنیہ قرن بمعنی گیسو سے وہ ایک عورت کا نام ہے جس کے دونوں گیسو سفید ہو گئے تھے۔ اس میں چونکہ اسناد ملحوظ ہے

اس لئے وہ مبنی ہے۔

اَمَّا الْاَلِفُ وَالنُّوْنُ الزَّائِدَتَانِ اِنْ کَانَتَا فِیْ اِسْمٍ فَشَرْطُهٗ اَنْ یَّکُوْنَ عَلَمًا کَعِمْرَانَ وَعُثْمَانَ فَسَعْدَانُ اِسْمُ نَبْتٍ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِیَّةِ

ترجمہ: لیکن الف ونون زائدتان اگر دونوں اسم میں ہوں تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو جیسے عمران اور عثمان پس سعدان گھاس کا نام ہے وہ منصرف ہے بوجہ علمیت نہ ہونے کے۔

تشریح: **اَمَّا الْاَلِفُ وَالنُّوْنُ** اسباب منع صرف میں الف ونون زائدتان ہیں وہ کبھی اسم ذات میں ہوتے ہیں اور کبھی اسم صفت میں، اگر وہ اسم ذات میں ہوں تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو جیسے عمران وعثمان کہ دونوں علم ہیں اور سعدان میں بھی اگرچہ الف ونون زائدتان موجود ہیں لیکن وہ چونکہ علم نہیں بلکہ ایک گھاس کا نام ہے اس لئے وہ منصرف ہے۔ دو مثالیں اس لئے بیان کی گئی کہ اول مکسور الفاء ہے اور دوم مضموم الفاء۔ اس لئے مناسب ہے ایک تیسری مثال بھی بیان کر دی جائے جو مفتوح الفاء ہو جیسے سلمان۔

فَسَعْدَانُ سعدان ترکیب میں مبتداء ہے پس وہ مرفوع ہے اور اسم نبت بھی مرفوع ہے کہ وہ اس سے بدل واقع ہے اور **منصرفٌ** خبر ہے یا **اسمُ نبتٍ** خبر اول ہے اور **منصرفٌ** خبر دوم، یا **اسمُ نبتٍ** مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ ممکن ہے اسم نبت منصوب ہو اس بناء پر کہ وہ مبتداء سے حال واقع ہے یا اس بناء پر کہ وہ منصرف کی ضمیر سے حال واقع ہے۔ **فسعدان** میں فا فصیحہ ہے اس کی شرط محذوف ہے یعنی جب کہ ایسے الف ونون کی شرط جو اسم میں زائد ہوتے ہیں، یہ ہے کہ وہ علم ہو تو سعدان جو کہ گھاس کا نام ہے علم نہ ہونے کی وجہ سے منصرف قرار دیا گیا۔

وَاِنْ کَانَتَا فِیْ صِفَةٍ فَشَرْطُهٗ اَنْ لَّا یَکُوْنَ مُؤَنَّثُهٗ عَلٰی فَعْلَانَةٍ کَسَکْرَانَ فَنَدْمَانُ مُنْصَرِفٌ لِوُجُوْدِ نَدْمَانَةٍ

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں صفت میں ہوں تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو جیسے سکران تو ندمان منصرف ہے بوجہ پائے جانے ندمانۃ کے۔

تشریح: **وَاِنْ کَانَتَا** یعنی الف ونون زائدتان اگر اسم صفت میں ہوں تو اس کی شرط غیر منصرف ہونے کے لئے یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو جیسے سکران بفتح فا کہ اس کی مؤنث سکرانۃ نہیں آتی، اس لئے وہ غیر منصرف ہے جس میں ایک سبب وصف ہے اور دوسرا الف ونون زائدتان انتفاء فعلانہ کے ساتھ اور ندمان منصرف ہے کیونکہ اسکی مؤنث ندمانۃ آتی ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ ندمان سے مراد ندیم بمعنی ہم نشیں ہو اور اس سے مراد اگر نادم بمعنی شرمندہ ہو تو اس کی مؤنث ندمیٰ آتی ہے نہ کہ ندمانۃ تو وہ باتفاق غیر منصرف ہوگا اسی طرح حسّان اگر وہ ماخوذ ہو حسن بمعنی خوبی سے تو وہ منصرف ہوگا کیونکہ وہ فعال کے وزن پر ہے اور اگر ماخوذ ہے حس سے تو وہ غیر منصرف ہوگا کیونکہ وہ فعلان کے وزن پر ہے۔

اَمَّا وَزْنُ الْفِعْلِ فَشَرْطُهٗ اَنْ يَّخْتَصَّ بِالْفِعْلِ وَلَا يُوْجَدُ فِي الْاِسْمِ اِلَّا مَنْقُوْلًا عَنِ الْفِعْلِ كَشَمَّرَ وَضُرِبَ وَاِنْ لَّمْ يُخْتَصَّ بِهٖ فَيَجِبُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ اَوَّلِهٖ اِحْدٰى حُرُوْفِ الْمُضَارِعَةِ وَلَا يَدْخُلُهُ الْهَاءُ كَاَحْمَدَ وَيَشْكُرَ وَتَغْلِبَ وَنَرْجِسَ فَيَعْمَلٌ مُنْصَرِفٌ لِقَبُوْلِهَا الْهَاءَ كَقَوْلِهِمْ نَاقَةٌ يَعْمَلَةٌ۔

ترجمہ: لیکن وزن فعل تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ خاص ہوگا اور اسم میں فعل سے منقول ہوکر ہی پایا جائے گا جیسے **شمرّ** اور **ضُرِبَ** اور اگر فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو ضروری ہے اس کے شروع میں حروف مضارع میں سے ایک حرف ہو اور اس میں ھاء داخل نہ ہو جیسے احمد ویشکر وتغلب ونرجس پس **یعملٌ** منصرف ہے بوجہ قبول کرنے ھاء کو جیسے نحویوں کا قول **ناقةٌ یعملةٌ**۔

تشریح: **اَمَّا وَزْنُ الْفِعْلِ** اسباب منع صرف میں سے وزن فعل ہے اور وہ اسم کا ایسے وزن پر ہونا ہے کہ جس کو اوزان فعل سے شمار کیا جائے۔ اس کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو، یعنی اسم ایسے وزن پر پایا جائے کہ جو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہے اور فعل کے ساتھ خاص ہے اس شرط کی وجہ یہ کہ یہ وزن اس میں خلاف عادت پائے جانے کی وجہ سے ثقیل ہو جاتا ہے تو اس کو فعل کے ساتھ خاص ہونا چاہیے تاکہ اس کا ثقل فعل کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے اس منزل میں پہنچ جائے کہ اس کی تاثیر غیر منصرف میں ہو سکے۔

وَلَا يُوْجَدُ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ شرط بیان کرنا کہ اسم میں پایا جائے اور فعل کے ساتھ خاص ہو، درست نہیں کیونکہ فعل کے ساتھ خاص ہونے کا مطلب یہ کہ وہ صرف فعل میں پایا جائے اسم میں نہیں جواب یہ کہ خاص ہونے سے مراد یہ ہے کہ باعتبار وضع ہو یعنی فعل کے ساتھ باعتبار وضع خاص ہو اور اسم میں فعل سے منقول ہوکر پایا جائے۔

كَشَمَّرَ وَضُرِبَ شمّر بروزن **صرّف** ماضی کا صیغہ ہے جو فعل کے وزن کے ساتھ خاص ہے وہ ماخوذ ہے تشمیر بمعنی دامن سمیٹنے سے۔ اس کو فعل سے اسم کی طرف تیز رفتار گھوڑے کے معنی میں نقل کیا گیا ہے وہ غیر منصرف ہے وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے۔ **ضُرِبَ** فعل ماضی کا صیغہ ہے جب کہ اس کو کسی کا نام رکھ دیا جائے تو وہ غیر منصرف ہوگا وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے۔ مثال میں **ضُرِبَ** ماضی معروف کے بجائے ماضی مجہول کے صیغہ کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ **ضَرَبَ** ماضی معروف کا وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے شجر وحجر۔

وَاِنْ لَّمْ يُخْتَصَّ فعل کا وزن اگر فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو اس کی شرط غیر منصرف کے سبب ہونے کیلئے یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروف مضارع میں سے کوئی ایک حرف داخل ہو اور حروف مضارع چار ہیں جس کا مجموعہ اَتین ہے یعنی الف۔ تا۔ یا۔ نون۔ اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس شرط کی بناء پر فعل کے ساتھ اس وزن کی خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے کیونکہ حروف مضارع خواص فعل سے ہیں تو جب وہ حروف مضارع میں پائے جائیں گے تو وہ وزن اشتراک سے اختصاص کی طرف رجوع کر جائے گا گو یا وہ وزن بھی ایسا ہو جائے گا کہ جو فعل کے ساتھ خاص ہے۔

وَلَا يَدْخُلُهُ الْهَاءُ يدخله میں ضمیر منصوب راجع ہے وزن فعل کی طرف یا موزون کی طرف یعنی اس موزون پر تانیث کی تاء۔ جو حالت وقف میں ھاء ہو جاتی ہے، وضع کے اعتبار سے داخل نہ ہو، اس لئے کہ اس میں اگر تاء داخل ہو تو اسم فعل کے

وزن سے خارج ہو جائے گا، اسلئے کہ تاء اسم کے ساتھ خاص ہے، پس اس کو فعل کے ساتھ مشابہت حاصل نہ ہوگی۔
کَاَحْمَدَ وَیَشْکُرُ احمد ویشکر وتغلب تینوں مردوں کے نام ہیں، اسی طرح نرجس بھی ایک شخص کا نام ہے اور مثالیں چار اس لئے بیان کی گئیں کہ حروف مضارع چار ہیں تو ہر ایک حرف مضارع سے ایک ایک مثال بیان کی گئی۔
فَیَعْمَلٌ یہ متفرع ہے شرط کے انعدام پر جس کا حاصل یہ کہ یعمل چونکہ تاء تانیث کو قبول کرتا ہے، چنانچہ قوی اونٹنی کو کہا جاتا ہے: ناقۃ یعملۃ تو وہ منصرف ہے بوجہ تاء قبول کرنے کے اگر چہ اس میں وزن فعل و وصف اصلی موجود ہیں۔ لیکن اگر یعمل کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو وہ غیر منصرف ہو جائے گا کیونکہ وہ اس تقدیر پر تاء کو قبول نہیں کرتا جو حالت وقف میں ھاء ہو جائے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ کُلَّ مَا شُرِطَ فِیْهِ الْعَلَمِیَّةُ وَهُوَ الْمُؤَنَّثُ بِالتَّاءِ وَالْمَعْنَوِیُّ وَالْعُجْمَةُ وَالتَّرْکِیْبُ وَالْاِسْمُ الَّذِیْ فِیْهِ الْاَلِفُ وَالنُّوْنُ الزَّائِدَتَانِ اَوْلَمْ یُشْتَرَطْ فِیْهِ ذٰلِكَ وَلٰکِنِ اجْتَمَعَ مَعَ سَبَبٍ وَاحِدٍ فَقَطْ وَهُوَ الْعَلَمُ الْمَعْدُوْلُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ اِذَا نُکِّرَ صُرِفَ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ ہر اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت کی شرط لگائی گئی ہے اور وہ مؤنث بالتاء اور مؤنث معنوی اور عجمہ اور ترکیب اور وہ اسم ہے کہ جس میں الف ونون زائدتان ہو یا اس میں شرط نہیں لگائی گئی ہے اور لیکن وہ صرف ایک سبب کے ساتھ جمع ہے اور وہ علم معدول ہے اور وزن فعل، پس جب وہ نکرہ کر دیا جائے تو منصرف ہو جائے گا۔
تشریح: وَاعْلَمْ منع صرف کے اسباب دو طرح کے ہیں، ایک وہ جو علمیت کے ساتھ جمع ہیں اور دوسرے وہ جو علمیت کے ساتھ جمع نہیں اور وہ جو علمیت کے ساتھ جمع نہیں وہ صرف جمع ہے اور وہ جو علمیت کے ساتھ جمع ہیں وہ بھی دو طرح کے ہیں، ایک وہ جس میں علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے اور دوسرا وہ جس میں علمیت بلا مؤثر جمع ہوتی ہے۔ دوسری صورت جس میں علمیت بلا مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے وہ ہیں مؤنث الف ممدودہ ومقصورہ اور جمع منتہی الجموع اور وہ جس میں علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے، اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک وہ جس کے اثر کے واسطے علمیت شرط ہے اور دوسرا وہ جس کے اثر کے واسطے علمیت شرط نہیں۔
اول چار ہیں: (۱) مطلق مؤنث خواہ وہ تاء کے ساتھ ہو یا بلا تاء یعنی معنوی ہو (۲) عجمہ (۳) ترکیب (۴) وہ اسم جس میں الف ونون زائدتان ہوں۔ دوم دو ہیں: (۱) اسم معدول (۲) وزن فعل۔ نقشۂ ذیل میں دیکھئے:
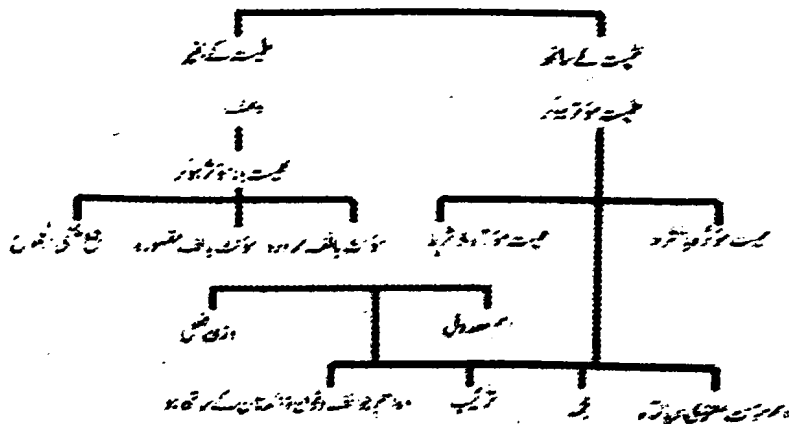
فَقَطْ وہ دولفظ سے مرکب ہے، ایک فا اور دوسرا قط سے۔ فا اس میں برائے تزیین ہے یا برائے فصیحہ جو شرط محذوف کی جزاء پر دلالت کرتا ہے اور قط اسم فعل بمعنی **انتہ** ہے اور بعض کے نزدیک وہ بمعنی **حسبك** اور بعض کے نزدیک بمعنی **یکفیك** ہے۔ بتقدیر اول عبارت یہ ہے: **اذا لم یشترط العلمیۃ فی الاسم الغیر المنصرف واجتمعت مع سبب آخر فیہ بالسببیۃ فقط ای فانتہ من ان تشرطھا لہٗ** یعنی علمیت جب کہ غیر منصرف میں شرط نہ ہو اور وہ علمیت دوسرے ایک سبب کے ساتھ اس غیر منصرف میں جمع ہو جائے سببیت کے طور پر تو اس کو سبب کے اثر کے واسطے شرط کرنے سے روکے۔

اِذَا نُکِّرَ صُرِفَ علم کو نکرہ کردینے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ علم سے مراد وصف مشتہر لیا جائے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **لکلِّ فرعونٍ موسٰی** بمعنی **لکل مبطلٍ محقٌّ**۔ دوسری یہ کہ اس نام کی جماعت کا ایک فرد مراد لیا جائے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **ھذا زیدٌ ورئیتُ زیدًا آخرَ**۔ زید سے یہاں مراد اس نام کے بہت سارے آدمیوں میں ایک فرد غیر معین ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ہر وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے، جب اس کو نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا، اس لئے کہ علمیت کے مؤثر ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک وہ جو سبب و شرط کے طور پر مؤثر ہو اور دوسری وہ کہ صرف سبب محض بن کر ہو، اول وہ ہے جو سبب و شرط بن کر مؤثر ہوتی ہے جیسے عجمہ، تانیث بالتاء، تانیث معنوی۔ پس اگر اس سے علمیت زائل کر دی جائے تو اسم بلاسبب باقی رہ جائے گا، اس لئے کہ اس میں ایک سبب جو علم تھا وہ زائل ہو گیا اور دوسرا وہ سبب کہ جس میں علمیت شرط تھی تو جب شرط زائل ہو گئی تو مشروط بھی جاتا رہا اور دوم وہ ہے جس میں علمیت سبب محض بن کر مؤثر ہوتی ہے جیسا کہ عدل و وزن فعل میں کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ سبب ہو کر مؤثر ہوتی ہے شرط ہو کر نہیں۔

اَمَّا فِی الْقِسْمِ الْاَوَّلِ فَلِبَقَاءِ الْاِسْمِ بِلَا سَبَبٍ وَاَمَّا فِی الثَّانِیْ فَلِبَقَائِہٖ عَلٰی سَبَبٍ وَاحِدٍ تَقُوْلُ جَاءَنِیْ طَلْحَۃُ وَطَلْحَۃٌ آخَرُ وَقَامَ عُمَرُ وَعُمَرٌ آخَرُ وَضَرَبَ اَحْمَدُ وَاَحْمَدٌ آخَرُ

ترجمہ: لیکن قسم اول میں تو بوجہ باقی رہنے اسم کے بلاسبب اور لیکن قسم دوم میں تو بوجہ باقی رہنے اسم کے سبب واحد پر آپ کہیں گے: **جاءنی طلحۃُ وطلحۃٌ آخرُ** یعنی آیا میرے پاس طلحہ اور دوسرا طلحہ اور کھڑا ہوا عمر اور دوسرا عمر اور مارا احمد نے اور دوسرے احمد نے۔

تشریح: **اَمَّا فِی الْقِسْمِ الْاَوَّلِ** یہ تفریع ہے اذا نکر صرف پر کہ وہ اسم جو غیر منصرف ہو اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا، دو وجہ سے ایک اس وجہ سے کہ اسم بلاسبب باقی رہ جائے گا اور دوسرا اس وجہ سے کہ اسم میں صرف ایک سبب باقی رہ جائے گا جب کہ غیر منصرف ہونے کے لئے دو سبب کا ہونا ضروری ہے۔ ماقبل میں چوں کہ دو صورتیں مذکور ہوئیں، ایک **کل ما شرط فیہ الخ** اور دوسری **او لم یشترط** پہلی صورت کو قسم اول سے تعبیر کیا گیا اور دوسری صورت کو قسم ثانی سے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: **امّا حصولُ الصرفِ عند التنکیرِ فی الاسمِ الذی لم یشترط فیہ العلمیۃ وامّا حصولُ الصرفِ عند التنکیرِ فی الاسمِ الذی لم یشترط فیہ العلمیۃُ ویکون فیہ سببًا محضًا** یعنی اس اسم کا جس

میں علیت شرط قرار دی گئی ہے نکرہ کر دینے کے بعد منصرف اس وجہ سے ہو جائے گا کہ وہ اسم بلا سبب باقی رہ جائے گا کیونکہ فقد ان شرط کے وقت مشروط مفقود ہو جاتا ہے پس اس میں کوئی سبب باقی نہ رہے گا اور لیکن اس اسم میں جس میں علیت شرط نہیں تنکیر کے وقت منصرف اس وجہ سے ہو جائے گا کہ اسم صرف ایک سبب پر باقی رہ جاتا ہے اور وہ عدل یا وزن فعل ہے اور ظاہر ہے ایک سبب سے اسم غیر منصرف نہیں ہوتا۔

تقُوْلُ اس عبارت سے مذکورہ بالا دونوں قسموں کی مثالیں تعریف وتنکیر سے بیان کی جاتی ہیں، چنانچہ قسم اول مثلاً مؤنث بالتاء کی مثال میں کہا جاتا ہے: **جَاءَ نِی طَلحَةُ** بلاتنوین اور تنکیر سے جب منصرف پڑھا جائے تو **طَلحَةٌ آخَرُ** تنوین کے ساتھ۔ اسی پر تانیث معنوی اور عجمہ اور ترکیب اور الف ونون زائدتان کی مثالوں کو بھی قیاس کیا جاتا ہے۔ اور قسم دوم میں ایک مثال عدل اور دوسری مثال وزن فعل کی جو کہ دونوں علم کے ساتھ ہیں، چنانچہ علم معدول کی مثال میں کہا جاتا ہے: **قَامَ عُمَرُ** بلاتنوین اور تنکیر سے جب اس کو منصرف پڑھا جائے تو **قَامَ عُمَرٌ آخَرُ** آخر تنوین کے ساتھ اور اس علم کی مثال میں کہا جاتا ہے جو وزن فعل کے ساتھ ہے **ضَرَبَ اَحمَدُ** بلاتنوین اور تنکیر سے جب اس کو منصرف پڑھا جائے تو **ضَرَبَ اَحمَدٌ آخَرُ** تنوین کے ساتھ۔

وَكُلُّ مَا لَا يَنْصَرِفُ إِذَا أُضِيفَ أَوْ دَخَلَهُ اللَّامُ فَدَخَلَهُ الْكَسْرَةُ نَحْوُ مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكُمْ وَبِالْأَحْمَدِ۔

ترجمہ: اور ہر وہ اسم جو غیر منصرف ہوتا ہے جب کہ وہ مضاف ہو یا اس پر لام داخل ہو تو اس پر کسرہ داخل ہو گا جیسے **مَرَرتُ بِأَحْمَدِكُمْ وَبِالْأَحْمَدِ** یعنی میں گزرا تمہارے احمد کے پاس سے اور میں گزرا اس احمد کے پاس سے۔

تشریح: **كُلُّ مَا لَا يَنْصَرِفُ** لفظ **كُلّ** منصوب بھی پڑھا جا سکتا ہے اور مرفوع بھی۔ منصوب اس لئے کہ وہ معطوف ہے کل سابق پر اور کل سابق منصوب اس لئے ہے کہ وہ اِنَّ حرف مشبہ کا اسم ہے اور مرفوع اس لئے کہ وہ مبتداء ہے اور **اُضِيفَ** فعل مجہول ہے جس کا نائب فاعل **ذٰلِكَ** ہے، اس کا مشار الیہ الاسم الغیر المنصرف ہے اور اضافت کا صلہ الیٰ اسم آخر ہے، خلاصہ یہ کہ جو اسم غیر منصرف مضاف ہو دوسرے اسم کی طرف یا اس پر لام داخل ہو تو اس اسم پر کسرہ داخل ہو گا جیسا کہ مثال آگے مذکور ہے۔ بعض نے کہا کہ اس پر تنوین داخل ہو سکتی ہے لیکن وہ لفظوں میں ظاہر نہ ہو گی اس لئے کہ لام واضافت مانع تنوین ہیں۔ لیکن غیر منصرف پر دخول لام اور اضافت کی وجہ سے کسرہ وتنوین کا دخول اس لئے ہوتا ہے کہ غیر منصرف پر چونکہ کسرہ وتنوین اس لئے ممنوع تھا کہ وہ فعل کے مشابہ ہے اور جب اس پر لام داخل ہوا اور وہ مضاف ہو تو وہ دونوں چونکہ اسم کے خواص سے ہیں اس لئے اس کی مشابہت فعل سے ضعیف ہو کر اسمیت غالب ہو جائے گی۔ اور اس پر کسرہ وتنوین کا دخول جو احکام اسم سے ہے جائز ہو جائے گا۔

مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكُمْ ماقبل میں چونکہ دو صورتیں مذکور ہوئیں، ایک اضافت اور دوسری دخول لام، اس لئے یہاں اس کی دو مثالیں بیان کی گئیں۔ پہلی مثال **مَرَرتُ بِأَحْمَدِكُمْ** اس غیر منصرف کی ہے جو مضاف ہے، پس اس پر کسرہ داخل ہو گا اور دوسری مثال **مَرَرْتُ بِالْأَحْمَدِ** اس غیر منصرف کی ہے جس پر الف لام داخل ہے۔ پس اس پر بھی کسرہ داخل ہو گا۔

اَلْمَقْصَدُ الْاَوَّلُ فِی الْمَرْفُوْعَاتِ اَلْاَسْمَاءُ الْمَرْفُوْعَاتُ ثَمَانِيَةُ اَقْسَامٍ اَلْفَاعِلُ وَمَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ وَالْمُبْتَدَاءُ وَالْخَبَرُ وَخَبَرُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا وَاِسْمُ كَانَ وَاَخَوَاتِهَا وَاِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ وَخَبَرُ لَا الَّتِیْ لِنَفْیِ الْجِنْسِ۔

ترجمہ: پہلا مقصد مرفوعات کے بیان میں۔ اسمائے مرفوعہ کی آٹھ قسمیں ہیں۔ فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہٗ اور مبتداء ورخبر اورخبر انّ واخواتھا اوراسم کان واخواتھا اوراسم ما ولا المشبھتین بلیس اورخبر لا التی لنفی الجنس۔

تشریح: **اَلْمَقْصَدُ الْاَوَّلُ** علم نحو کے مقاصد تین ہیں۔ مقصد اول مرفوعات کے بیان میں اور مقصد ثانی منصوبات کے بیان میں او رمقصد ثالث مجرورات کے بیان میں، مرفوعات کومنصوبات ومجرورات پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ اصل ہے اور ترکیب اسنادی میں مقصود بھی کیونکہ جملہ صرف اسی سے تام ہوجاتا ہے۔ منصوبات ومجرورات سے نہیں کیونکہ وہ اکثر مسند الیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے مسند الیہ کلام میں عمدہ ہے۔ مرفوعات کو بصیغۂ جمع اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ تعدد پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی آٹھ قسمیں آگے مذکور ہیں جب کہ مرفوع بصیغۂ واحد سے وحدت مستفاد ہوتی ہے۔

اَلْاَسْمَاءُ الْمَرْفُوْعَاتُ مرفوع کی تعریف کوذکر نہ کرکے اس کے افراد کواس لئے بیان کیا گیا کہ یہ کتاب مبتدی طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے اور مبتدی طلبہ شئی کی معرفت بالوضاحت چاہتے ہیں۔ مرفوع کی تعریف یہ ہے کہ وہ فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے اور فاعلیت کی علامت ضمہ، واؤ، الف ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **جاء نی رجلٌ۔ جاء نی اخوہٗ۔ جاء نی الرجلان۔**

اَلْفَاعِلُ وَمَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ یہ تمام آٹھوں قسمیں لفظ ثمانیۃ اقسام سے بدل واقع ہیں یا ہر ایک خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **احدھا الفاعل وثانیھا مفعول مالم یسم فاعلہٗ وثالثھا المبتدا** اسی طرح آخیر تک یعنی مرفوعات کی آٹھ قسمیں یہ ہیں: (۱) فاعل (۲) مفعول مالم یسم فاعلہٗ (۳) مبتداء (۴) خبر (۵) خبر ان واخواتہا (۶) اسم کان واخواتہا (۷) اسم ماولا المشبہتین بلیس (۸) خبر لا التی لنفی الجنس۔ آگے ہر ایک کا تفصیلی بیان مذکور ہے۔

فصل: اَلْفَاعِلُ كُلُّ اِسْمٍ قَبْلَهٗ فِعْلٌ اَوْ صِفَةٌ اُسْنِدَ اِلَيْهِ عَلٰی مَعْنٰی اَنَّهٗ قَامَ بِهٖ لَا وَقَعَ عَلَيْهِ نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ وَزَيْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْهُ عَمْرًوا وَمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا

ترجمہ: یہ فصل ہے، فاعل ہروہ اسم ہے کہ اس کے پہلے فعل یا صیغۂ صفت اسناد کیا گیا ہو، وہ فعل یا صیغۂ صفت اس اسم پر واقع ہو جیسے **قَامَ زَيْدٌ** یعنی زید کھڑا ہوا۔ اور **زيد ضَارِبٌ اَبُوْهُ عَمْرًوا** یعنی زید مارنے والا ہے اس کے باپ عمرو کو اور **ما ضرب زيدٌ عمرًوا** یعنی زید نے عمرو کونہیں مارا۔

تشریح: **اَلْفَاعِلُ** فاعل چونکہ تمام مرفوعات کی اصل ہے کہ وہ جملہ فعلیہ کا جزء ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے اس لئے کہ جملہ سے مقصود مخاطب کوفائدہ پہنچانا ہے اور وہ بہ نسبت جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جملہ فعلیہ

زوائد مثلاً زمان وغیرہ پر دلالت کرتا ہے، اس لئے فاعل کو دوسرے مرفوعات پر مقدم کیا گیا۔

کُلُّ اِسْمٍ یہ تعریف ہے فاعل کی جس کا حاصل یہ کہ ہر وہ اسم کہ جس سے پہلے فعل ہو یا صیغۂ صفت اس کی طرف مسند ہو اس طور پر کہ وہ فعل یا صیغۂ صفت اس اسم کے ساتھ قائم ہو، یعنی مسند بلا تبعیت ہو جیسے **قَامَ زَیْدٌ** میں زید اور **زَیْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْہُ** میں **اَبُوْہُ**۔ قبل کی قید سے وہ اسم، فاعل ہونے سے خارج ہو گیا جس سے پہلے فعل یا صیغۂ صفت نہ ہو بلکہ اس کے بعد ہو جیسے **زَیْدٌ ضَرَبَ** میں زید سے پہلے فعل یا صیغۂ صفت نہیں بلکہ اس کے بعد فعل ہے اور مسند ہونے کی قید سے وہ اسم، فاعل ہونے سے نکل گیا کہ جس سے پہلے فعل یا صیغۂ صفت ہو لیکن وہ اس اسم کی طرف مسند نہ ہو اور اگر مسند ہو تو بالتبع جیسے **جَاءَ زَیْدٌ زَیْدٌ** میں زید دوم کی طرف آنا بالاصالت مسند نہیں بلکہ بالتبع ہے اور قائم ہونے کی قید سے وہ اسم، فاعل ہونے سے نکل گیا جو فعل یا صیغۂ صفت اس اسم کے ساتھ قائم نہ ہو بلکہ اس پر واقع ہو، چنانچہ مفعول مالم یسم فاعلہٗ مثلاً **ضُرِبَ زَیْدٌ** میں زید سے پہلے فعل ہے اور اس کی طرف مسند بھی لیکن وہ بطور قیام نہیں بلکہ بطور وقوع ہے۔

قَامَ زَیْدٌ یہاں پر تین مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ اول **قَامَ زَیْدٌ** اس فاعل کی مثال ہے جس سے پہلے فعل لازم ہے جو اس کی طرف مسند ہے اور دوم **زَیْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْہُ عَمْرًوا** اس فاعل کی مثال ہے جس سے پہلے صیغۂ صفت ہے جو اس کی طرف مسند ہے اور سوم **مَا ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا** اس فاعل کی مثال ہے جس کی طرف فعل متعدی مسند ہے۔ یہ دوسرا فعل مسند سلبی ہے اور پہلا مسند ثبوتی ہے۔

وَکُلُّ فِعْلٍ لَا بُدَّ لَہٗ مِنْ فَاعِلٍ مَّرْفُوْعٍ مُظْهَرٍ کَذَهَبَ زَیْدٌ اَوْ مُضْمَرٍ بَارِزٍ کَضَرَبْتُ زَیْدًا اَوْ مُسْتَتِرٍ کَزَیْدٌ ذَهَبَ وَاِنْ کَانَ الْفِعْلُ مُتَعَدِّیًا کَانَ لَہٗ مَفْعُوْلٌ بِہٖ اَیْضًا نَحْوُ ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا

ترجمہ: اور ہر فعل ضروری ہے اس کے لئے فاعل مرفوع مظہر کا ہونا جیسے **ذَهَبَ زَیْدٌ** یعنی گیا زید یا مضمر بارز کا ہونا جیسے **ضَرَبْتُ زَیْدًا** یعنی میں نے مارا زید کو یا مضمر مستتر کا ہونا جیسے **زَیْدٌ ذَهَبَ** یعنی زید گیا۔

تشریح: **کُلُّ فِعْلٍ لَا بُدَّ لَہٗ** لہٗ میں ضمیر مجرور کا مرجع فعل مذکور ہے اور لفظ مرفوع فاعل کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور اس کو فاعل کے ساتھ متصف زیادت تقریر کی وجہ سے کیا گیا ہے تخصیص یا احتراز کے لئے نہیں۔ کیونکہ فاعل صرف مرفوع ہوتا ہے اور مظہر فاعل کی صفت ثانیہ ہے اور مضمر و مستتر معطوف ہے مظہر پر، پس ترکیب میں ہر ایک مجرور واقع ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر فعل خواہ لازم ہو یا متعدی اس کیلئے فاعل مرفوع کا ہونا ضروری ہے اور فاعل مرفوع عام ہے کہ وہ اسم ظاہر ہو جیسے **ذَهَبَ زَیْدٌ** میں زید اسم ظاہر فاعل ہے۔ یا اسم مضمر ہو اور وہ بھی عام ہے کہ بارز ہو یا مستتر اول جیسے **ضَرَبْتُ زَیْدًا** کے اندر **ضَرَبْتُ** میں انا اور دوم جیسے **زَیْدٌ ذَهَبَ** کے اندر **ذَهَبَ** میں ھو ضمیر پوشیدہ فاعل ہے۔

مِنْ فَاعِلٍ ہر فعل کے لئے فاعل کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ فعل عرض اور وصف ہوتا ہے اور اعراض و اوصاف کے لئے اس چیز کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہوں اور ظاہر ہے وہ صرف فاعل ہوگا اور اس لئے بھی کہ فعل حدث ہے اور حدث

کے لئے چونکہ محدث کا ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے محدث فاعل ہوتا ہے اس لئے ہر فعل کے لئے فاعل کا ہونا ضروری ہے۔

وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ یعنی فعل کا فاعل اگر متعدی ہو جو فاعل پر تمام نہیں ہوتا تو اس فعل متعدی کے لئے مفعول بہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فعل متعدی کا سمجھنا مفعول بہ پر موقوف ہوتا ہے جس طرح فعل متعدی کا سمجھنا فاعل پر موقوف ہے جیسے ضرب زیدٌ عمرًوا میں ضرب فعل متعدی ہے جو صرف زید سے تام نہیں بلکہ عمرًوا پر موقوف ہے اور کان لہ میں کان کا اسم مفعول بہ ہے اور لہ جار مجرور مل کر خبر مقدم اس لئے کہ اسم جو مفعول بہ ہے نکرہ ہے جس پر خبر کی تقدیم ضروری ہوتی ہے۔

وَاِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُظْهَرًا وُحِّدَ الْفِعْلُ اَبَدًا نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ وَضَرَبَ الزَّيْدَانِ وَضَرَبَ الزَّيْدُوْنَ وَاِنْ كَانَ مُضْمَرًا وُحِّدَ لِلْوَاحِدِ نَحْوُ زَيْدٌ ضَرَبَ وَثُنِّيَ لِلْمُثَنّٰى نَحْوُ الزَّيْدَانِ ضَرَبَا وَجُمِعَ لِلْجَمْعِ نَحْوُ الزَّيْدُوْنَ ضَرَبُوْا

ترجمہ: اور فاعل اگر مظہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد لایا جائے گا جیسے ضرب زیدٌ وضرب الزیدان وضرب الزیدون یعنی مارا زید نے اور مارا دو زیدوں نے اور مارا بہت سے زیدوں نے اور اگر فاعل مضمر ہو تو واحد لایا جائے گا فعل واحد کے لئے جیسے زیدٌ ضرب اور فعل مثنیٰ لایا جائے گا فاعل مثنیٰ کے لئے جیسے الزیدان ضربا اور فعل جمع لایا جائے گا فاعل جمع کے لئے جیسے الزیدون ضربوا۔

تشریح: وَاِنْ كَانَ الْفَاعِلُ یعنی فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد لایا جائے گا فاعل خواہ مفرد ہو یا مثنیٰ یا مجموع۔ جیسے ضربَ زیدٌ وضرب الزیدان وضرب الزیدون اور فعل اس تقدیر پر ہمیشہ واحد لایا جائے گا کیونکہ فعل کو تثنیہ وجمع اس لئے لایا جاتا ہے تاکہ اس سے فاعل کی حالت معلوم ہو جائے اور جب فاعل ظاہر ہو اور فعل کو تثنیہ وجمع لایا جائے تو فاعل میں تعدد اور اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو کہ دونوں ممنوع ہیں۔

وَاِنْ كَانَ مُضْمَرًا یعنی فعل اگر اسم ظاہر نہ ہو بلکہ اسم مضمر ہو تو فعل، فاعل کے موافق ہوگا یعنی فاعل اگر اسم ضمیر واحد ہو تو فعل واحد لایا جائے گا جیسے زیدٌ ضرب اور اگر فاعل ضمیر مثنیٰ ہو تو فعل مثنیٰ لایا جائے گا جیسے الزیدان ضربا اور اگر فاعل ضمیر جمع ہو تو فعل جمع لایا جائے گا جیسے الزیدون ضربوا تاکہ فعل، فاعل کی حالت وحدت وتثنیہ وجمع پر دلالت کرے۔

وَاِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيْقِيًّا وَهُوَ مَا بِاِزَائِهٖ ذَكَرٌ مِّنَ الْحَيَوَانِ اُنِّثَ الْفِعْلُ اَبَدًا اِنْ لَّمْ تَفْصِلْ بَيْنَ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ نَحْوُ قَامَتْ هِنْدٌ وَاِنْ فَصَلْتَ فَلَكَ الْخِيَارُ فِي التَّذْكِيْرِ وَالتَّانِيْثِ نَحْوُ ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ وَكَذٰلِكَ فِي الْمُؤَنَّثِ الْغَيْرِ الْحَقِيْقِيِّ نَحْوُ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ طَلَعَ الشَّمْسُ

ترجمہ: اور فاعل اگر مؤنث حقیقی ہو اور ایسا مؤنث ہے کہ اس کے مقابل میں حیوان مذکر ہو تو فعل ہمیشہ مؤنث لایا جائے گا اگر فعل اور فاعل کے درمیان آپ فصل نہ کریں جیسے قامت ھند اور اگر فصل کریں تو تذکیر وتانیث میں آپ کو اختیار ہے جیسے ضرب الیوم ھندٌ اور اگر چاہیں تو کہیں: ضربت الیوم ھندٌ اور اسی طرح مؤنث غیر حقیقی میں جیسے طلعت

الشمس اور اگر چاہیں تو کہیں: **طلع الشمس**۔

تشریح: **وَاِنْ كَانَ الْفَاعِلُ** یعنی فاعل اگر مؤنث حقیقی مظہر ہو عام ہے وہ واحد ہو یا مثنیٰ یا مجموع بہر تقدیر فعل کو ہمیشہ مؤنث لایا جائے گا بشرطیکہ فاعل وفعل کے درمیان کسی شئی کی فصل واقع نہ ہو۔ فعل کو مؤنث لانے کا معنی یہ ہے کہ فعل اگر ماضی ہو تو اس کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ آئے گی جیسے **قامت ھند** اور اگر مضارع ہو تو مؤنث کا صیغہ لایا جائے گا جیسے **تقوم ھند** اور فعل کو مؤنث لانا بوقت مؤنث حقیقی اس لئے ضروری ہے کہ فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کرتی ہے اس لئے کہ فاعل کی تانیث قوی ہے اور برخلاف غیر حقیقی مظہر کہ اس کی تانیث میں کمی ہے اسی وجہ سے فعل میں سرایت کا ہونا لازم نہیں، البتہ وہ سرایت جائز ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر فعل کی تذکیر وتانیث دونوں جائز ہیں، چنانچہ **طلعت الشمس** بھی کہا جاتا ہے اور **طلع الشمس** بھی۔

وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ مؤنث کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی اور دوسری غیر حقیقی۔ مؤنث حقیقی وہ ہے جس کے مسمّٰی کے مقابل جنس حیوان سے کوئی مذکر ہو اور مذکر سے مراد عام ہے کہ انسان سے ہو یا فرس وحمار وغیرہ سے اور حیوان کی قید سے ان اسماء مؤنثہ سے اجتناب ہو گیا کہ جن کے مسمّٰی نباتات کے قبیل سے ہیں جیسے **نخلۃ** کہ نخل کی مادہ پر بولا جاتا ہے، اس مؤنث میں وہ شرط نہیں کہ علامت تانیث اس میں لفظاً ہو بلکہ عام ہے کہ لفظاً ہو یا نہ ہو اور مؤنث غیر حقیقی اس کے برخلاف ہے، یعنی وہ ہے جس کے مقابل میں جنس حیوان سے کوئی مذکر نہ ہو۔ عام ہے اس کے مقابل بالکل مذکر نہ ہو جیسے عین یا مذکر ہو لیکن جنس حیوان سے نہ ہو جیسے **نخلۃ** کہ اس کے مقابل نخل مذکر ہے لیکن وہ جنس حیوان سے نہیں۔

وَاِنْ فَصَلْتَ یعنی فاعل اگر اسم مظہر مؤنث حقیقی ہو اور اس کے اور فعل کے درمیان فصل ہو تو فعل کو مذکر ومؤنث دونوں لانے میں اختیار ہے یعنی فعل کو مذکر بھی لایا جا سکتا ہے اور مؤنث بھی، اس لئے کہ فاعل کی تانیث کی سرایت فعل میں لازم نہیں رہی کہ دونوں کے درمیان فصل واقع ہو چکا ہے۔ چنانچہ **ضرب الیوم ھند** تاء کے بغیر اور **ضربت الیوم ھند** تاء کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

كَذٰلِكَ فِي الْمُؤَنَّثِ یعنی مؤنث حقیقی میں جس طرح فاعل وفعل کے درمیان فصل کی صورت میں فعل کی تذکیر وتانیث میں اختیار ہے اسی طرح فاعل جب کہ مؤنث غیر حقیقی ہو جیسے شمس وقمر وغیرہ، درمیان میں خواہ فصل ہو یا فصل نہ ہو بہر دو صورت فعل کو مذکر ومؤنث دونوں لانا اختیار ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **طلع الشمس** اور **طلعت الشمس** بھی۔

هٰذَا اِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُسْنَدًا اِلَى الْمُظْهَرِ وَاِنْ كَانَ مُسْنَدًا اِلَى الْمُضْمَرِ اُنِّثَ اَبَدًا نَحْوُ اَلشَّمْسُ طَلَعَتْ وَجَمْعُ التَّكْسِيْرِ كَالْمُؤَنَّثِ الْغَيْرِ الْحَقِيْقِيِّ تَقُوْلُ قَامَ الرِّجَالُ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ قَامَتِ الرِّجَالُ ۔

ترجمہ: یہ اس وقت ہے جب کہ فعل مسند ہو اسم مظہر کی طرف اور اگر فعل مسند ہو اسم مضمر کی طرف تو فعل ہمیشہ مؤنث لایا جائے

گا جیسے الشمسُ طلعت اور جمع تکسیر مؤنث غیر حقیقی کی مانند ہے آپ کہیں گے: قام الرجال اور اگر چاہیں تو کہیں: قامت الرجالُ۔

تشریح: هٰذَا اِذَا کَانَ یعنی ماقبل میں جو حکم گزرا وہ اس تقدیر پر ہے کہ فعل مسند ہو اسم مظہر کی طرف اور اگر مسند ہو اسم مضمر کی طرف تو وہ ہمیشہ مؤنث لایا جائے گا اور وہ مضمر عام ہے راجع ہو مؤنث حقیقی کی طرف یا مؤنث غیر حقیقی کی طرف، جیسے هند قامت والشمس طلعت پس اس وقت فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کرے گی کہ فاعل کا اتصال فعل کے ساتھ شدید ہونے کی وجہ سے سرایت کو لازم کرتا ہے۔

جَمْعُ التَّکْسِیْرِ یعنی فاعل اگر جمع تکسیر ہو خواہ جمع، مذکر یعقل کی ہو جیسے رجال یا مذکر لا یعقل کی جیسے جمال و ایام وغیرہ تو اس کا حکم مؤنث غیر حقیقی کے حکم کی مانند ہے یعنی فاعل اگر جمع مظہر جمع مکسر ہو تو فعل کو مذکر و مؤنث دونوں لانا جائز ہے، چنانچہ جائز ہے قام الرجالُ تاء کے بغیر اور یہ بھی جائز ہے قامت الرجال تاء کے ساتھ۔

وَیَجِبُ تَقْدِیْمُ الْفَاعِلِ عَلَی الْمَفْعُوْلِ اِذَا کَانَا مَقْصُوْرَیْنِ وَخِفْتَ اللَّبْسَ نَحْوُ ضَرَبَ مُوْسٰی عِیْسٰی وَیَجُوْزُ تَقْدِیْمُ الْمَفْعُوْلِ عَلَی الْفَاعِلِ اِنْ لَّمْ تَخِفِ اللَّبْسَ نَحْوُ اَکَلَ الْکُمَّثْرٰی یَحْیٰی وَضَرَبَ عَمْرًوا زَیْدٌ

ترجمہ: اور فاعل کو مقدم کرنا مفعول پر واجب ہوتا ہے جب کہ فاعل و مفعول دونوں اسم مقصور ہوں اور آپ التباس سے خوف کھائیں جیسے ضرب موسیٰ عیسیٰ اور مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا جائز ہے، اگر آپ التباس سے خوف نہ کھائیں جیسے اکل الکمثرٰی یحیٰی وضرب عمرًوا زیدٌ یعنی یحیٰی نے ناشپاتی کھائی اور زید نے عمرو کو مارا۔

تشریح: وَیَجِبُ تَقْدِیْمُ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ مفعول پر مقدم ہو کیونکہ وہ ارکان میں قوی تر ہے اور فاعل بوجہ شدت احتیاج کے فعل کی طرف اس کے جزء کی مانند ہے جو شئی کا اس شئی سے متصل ہونا زیادہ مناسب ہے، اس لئے فاعل کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ فعل سے متصل ہو لیکن اگر فاعل و مفعول دونوں اسم مقصور ہوں اور دونوں میں التباس کا خطرہ ہو یعنی یہ قرینہ نہ ہو کہ ان میں سے کون فاعل ہے اور کون مفعول تو فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا ضروری ہے، چنانچہ ضرب موسٰی عیسٰی میں موسیٰ و عیسیٰ چونکہ دونوں اسم مقصور ہیں اور فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی نہیں، اس لئے فاعل یعنی موسیٰ کو مفعول یعنی عیسیٰ پر مقدم کرنا ضروری ہے۔

وَیَجُوْزُ تَقْدِیْمُ یعنی قرینہ کی وجہ سے اگر التباس کا خوف نہ ہو تو مفعول کی تقدیم فاعل پر جائز ہے جیسے اکل الکمثرٰی یحیٰی یعنی یحیٰی نے ناشپاتی کھائی۔ اس میں قرینہ یہ ہے کہ ناشپاتی میں ماکولیت کی صلاحیت موجود ہے اور یحیٰی میں اکلیت کی۔ اس کا برعکس نہیں ہوسکتا۔ اور مفعول کی تقدیم فاعل پر اس وقت جائز ہے جب کہ اعراب لفظی دونوں میں موجود ہو جیسے ضرب عمرًوا زیدٌ میں یا ایک میں موجود ہو، جیسے ضرب زیدًا یحیٰی میں۔

وَيَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ حَيْثُ كَانَتْ قَرِيْنَةٌ نَحْوُ زَيْدٌ فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ مَنْ ضَرَبَ وَكَذَا يَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ مَعًا كَنَعَمْ فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ اَقَامَ زَيْدٌ وَقَدْ يُحْذَفُ الْفَاعِلُ وَيُقَامُ الْمَفْعُوْلُ مَقَامَهٗ اِذَا كَانَ الْفِعْلُ مَجْهُوْلًا نَحْوُ ضُرِبَ زَيْدٌ وَهُوَ الْقِسْمُ الثَّانِيْ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ۔

ترجمہ: اور فعل کا حذف جائز ہے جہاں کوئی قرینہ ہو جیسے زید اس شخص کے جواب میں جس نے کہا: مَنْ ضَرَبَ اور اسی طرح جائز ہے فعل اور فاعل دونوں کا ایک ساتھ حذف کرنا جیسے نعم اس شخص کے جواب میں جس نے کہا: اَقَامَ زَيْدٌ اور کبھی فاعل کو حذف کیا جاتا ہے اور مفعول کو اس کی جگہ پر قائم کیا جاتا ہے جب کہ فعل مجہول ہو جیسے ضُرِبَ زَيْدٌ اور وہ یعنی مفعول کو فاعل کی جگہ پر قائم کیا جانا مرفوعات کی دوسری قسم ہے۔

تشریح: يَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ فعل کو محذوف کہ حذف پر کوئی قرینہ ہو تو فاعل کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے، چنانچہ جب کوئی کہے: مَنْ ضَرَبَ تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے: زید تو یہاں ضرب فعل محذوف ہے جس پر قرینہ سوال مذکور ہے، اصل میں یہ ہے: ضرب زيدٌ۔

مَنْ ضَرَبَ لفظ مَنْ استفہامیہ ہے جو مبتداء ہے اور ضرب اس کی خبر اور جملہ استفہامیہ مقولہ ہے قال کا اور زید جو جواب میں واقع ہے وہ فاعل ہے فعل محذوف کا یعنی ضرب زيدٌ۔

وَكَذَا يَجُوْزُ یعنی جس طرح صرف فعل کو قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کرنا جائز ہے اسی طرح فعل کے ساتھ فاعل کو بھی قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کرنا جائز ہے، چنانچہ جب کوئی کہے: اقام زيدٌ تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے: نعم، تو یہاں قام زيدٌ فعل و فاعل دونوں محذوف ہیں جس پر قرینہ سوال مذکور ہے، اصل عبارت یہ ہے: نعم قام زيدٌ۔ اس مقام پر جواب میں جملہ فعلیہ کو اس لئے مقدر مانا گیا کہ جواب، سوال کے موافق ہو جائے اس لئے کہ سوال جملہ فعلیہ سے ہے۔

قَدْ يُحْذَفُ الْفَاعِلُ یعنی فعل متعدی معروف کو اگر فعل مجہول بنایا جائے تو فاعل کو حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ پر مفعول کو رکھ دیا جاتا ہے، چنانچہ ضرب زيدٌ عمروًا میں ضرب فعل متعدی معروف ہے، اس کو جب فعل مجہول کیا جائے تو فاعل کو حذف کر دیا جائے گا اور مفعول کو اس کی جگہ پر رکھ کر ضُرِبَ عمروٌ ہو جائے گا۔

وَهُوَ الْقِسْمُ الثَّانِيْ فاعل کی آخری صورت جو حذف فاعل ہے وہ اگرچہ احوال فاعل سے ہے لیکن وہ حقیقۃً مرفوعات کی دوسری قسم مفعول مالم یسم فاعلہٗ ہے اس کو یہاں ضمناً بیان کر دیا گیا ہے۔

فصل: اِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ فِيْ اِسْمٍ ظَاهِرٍ بَعْدَهُمَا اَيْ اَرَادَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الْفِعْلَيْنِ اَنْ يَّعْمَلَ فِيْ ذٰلِكَ الْاِسْمِ فَهٰذَا اِنَّمَا يَكُوْنُ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَقْسَامٍ

ترجمہ: یہ فصل ہے جب دو فعل تنازع کریں ایک ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں کے بعد ہے یعنی دونوں فعلوں میں سے ہر ایک یہ چاہے کہ وہ اس اسم میں عمل کرے، پس یہ تنازع جز ایں نیست کہ چار قسموں پر ہے۔

تشریح: اِذَا تَنَازَعَ بحث تنازع بھی چونکہ احوال فاعل سے ہے اس لئے اس کا ذکر یہاں اپنے محل پر ہے۔ خلاصہ یہ کہ دو فعل جب کہ تنازع کریں۔ ایک ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں فعلوں کے بعد واقع ہے تو اس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔ جس کی دلیل حصر یہ کہ تنازع دو حال سے خالی نہیں آیا تنازع صرف فاعلیت میں ہے یا صرف مفعولیت میں یا فاعلیت و مفعولیت دونوں میں یا مفعولیت و فاعلیت دونوں میں، لہٰذا ان ہی چار میں منحصر ہوگا اور وہ ایک یہ کہ دونوں فعل صرف فاعلیت میں تنازع کریں، دوم یہ کہ دونوں فعل صرف مفعولیت میں تنازع کریں۔ سوم یہ کہ دونوں فعلوں میں سے پہلا فعل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے اور دوسرا مفعول۔ چہارم اُس کا برعکس ہے یعنی پہلا فعل، مفعول بنانا چاہے اور دوسرا فاعل۔ تفصیل آگے ملاحظہ کریں۔

فِي اِسْمٍ ظَاهِرٍ اسم کی صفت لفظ ظاہر ہے تمام مضمرات خارج ہو گئے کیونکہ لفظ ظاہر سے نحوی حضرات اسم ظاہر مراد لیتے ہیں اور ضمیر بارز اگر چہ ظاہر ہے لیکن اس کو اسم ظاہر نہیں بلکہ مضمر کہا جاتا ہے اور اسم کی دوسری صفت بعد ہما ہے یعنی تنازع دو فعلوں میں اس وقت ہوگا جب کہ اسم ظاہر دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو، لہٰذا اسم ظاہر اگر دونوں فعلوں سے پہلے واقع ہو یا دونوں فعلوں کے وسط میں واقع ہو تو تنازع نہ ہوگا بلکہ پہلا فعل اس میں عمل کرے گا اس لئے کہ دوسرے فعل کے تکلم سے پہلے اول فعل مستحق عمل ہے تو جب وہ عمل کر چکا تو اب دوسرا فعل اس کی طرف عمل کے لئے متوجہ نہ ہوگا۔

اَيْ اَرَادَ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع کا معنی چونکہ جھگڑنا و جنگ کرنا ہے۔ اس لئے اس کو فعل کی طرف منسوب کرنا درست نہیں کیونکہ وہ ذی روح کی صفت ہے اور ظاہر ہے فعل غیر ذی روح ہے۔ جواب یہ کہ تنازع سے مراد اس کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ارادہ کرنا ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک یہ ارادہ کرے کہ وہ میرا معمول ہے یعنی وہ اس اسم میں عمل کرے۔

فَهٰذَا اِنَّ ہذا کا مشار الیہ تنازع فعلان ہے اور وہ مبتداء ہے اور اس کی خبر انما یکون الخ ہے، یہ جملہ شرط مذکور کی جزا ہے اگر اس میں فا جزائیہ ہے اور اگر تفسیر یا عطف کے لئے ہے تو جزا شرط مذکور کی محذوف ہے، اس تقدیر پر عبارت یہ ہوئی: اذا تنازع الفعلانِ فی اسمٍ ظاھرٍ بعدھما یجوزُ اعمال کلّ واحدٍ منھما لکن الاختلاف فی الاختیار یعنی دونوں فعل جب کہ ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان کے بعد واقع ہے تو ان میں سے ہر ایک فعل کو عمل دینا جائز ہے لیکن کس فعل کو عمل دینا مختار ہے؟ اس میں بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف ہے۔

اَلْاَوَّلُ اَنْ يَّتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ فَقَطْ نَحْوُ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ اَلثَّانِيْ اَنْ يَّتَنَازَعَا فِي الْمَفْعُوْلِيَّةِ فَقَطْ نَحْوُ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا اَلثَّالِثُ اَنْ يَّتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُوْلِيَّةِ وَيَقْتَضِي الْاَوَّلُ الْفَاعِلَ وَالثَّانِي الْمَفْعُوْلَ نَحْوُ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا اَلرَّابِعُ عَكْسُهُ نَحْوُ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ

ترجمہ: پہلی قسم یہ کہ وہ دونوں فعل تنازع کریں صرف فاعلیت میں جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ دوسری قسم یہ کہ وہ دونوں فعل تنازع کریں صرف مفعولیت میں جیسے ضربت واکرمت زیدًا تیسری قسم یہ کہ وہ دونوں فعل تنازع کریں فاعلیت و

مفعولیت میں اول فعل چاہے فاعل کو اور دوسرا فعل چاہے مفعول کو جیسے ضربنی واکرمت زیدًا چوتھی قسم اُس کا برعکس ہے جیسے ضربت واکرمنی زیدٌ۔

تشریح: اَلْاَوَّلُ اَنْ یَّتَنَازَعَا ماقبل میں جو دلیل حصر گزری کہ تنازع چار قسموں پر منحصر ہے اس عبارت سے اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ پہلی وہ جو کہ دونوں فعل صرف فاعلیت میں تنازع کرتے ہیں، وہ مثلاً ضربنی واکرمنی زیدٌ میں ہے۔ ضربنی واکرمنی دونوں فعل زید جو اسم ظاہر ہے اس کو فاعل بنانا چاہتے ہیں۔ فاعلیت میں یاء نسبت کی ہے اور تاء مصدری بمعنی کونہٗ فاعلاً ہے یعنی اسم ظاہر کا فاعل ہونا۔ فقط کی قید سے مفعولیت سے احتراز مقصود ہے۔

اَلثَّانِیْ یعنی تنازع کی دوسری قسم وہ ہے کہ دونوں فعل صرف مفعولیت میں تنازع کریں چنانچہ ضربت واکرمت زیدًا میں ضربت اور اکرمت دونوں فعل زید جو اسم ظاہر ہے اس کو مفعول بنانا چاہتے ہیں۔ اس میں بھی مفعولیۃ کے اندر یاء نسبتی اور تاء مصدری بمعنی کونہٗ مفعولاً ہے۔ یعنی اسم ظاہر کا مفعول ہونا ہے۔ فقط کی قید سے فاعلیت سے احتراز مقصود ہے۔

اَلثَّالِثُ اَنْ یَّتَنَازَعَا یعنی تنازع کی تیسری قسم وہ کہ دونوں فعل تنازع کریں فاعلیت ومفعولیت میں یعنی پہلا فعل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہے اور دوسرا مفعول چنانچہ ضربنی واکرمت زیدًا میں ضربنی اور اکرمت میں تنازع ہے کہ زید جو اسم ظاہر ہے اس کو پہلا فعل، فاعل بنانا چاہتا ہے اور دوسرا فعل مفعول بنانا چاہتا ہے۔

اَلرَّابِعُ عَکْسُہٗ تنازع کی چوتھی قسم تیسری قسم کا برعکس ہے یعنی پہلا فعل اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہتا ہے اور دوسرا فاعل، چنانچہ ضربتُ واکرمنی زیدٌ میں ضربتُ واکرمنی میں زید جو اسم ظاہر ہے اس کو پہلا فعل مفعول بنانا چاہتا ہے اور دوسرا فاعل۔

وَاعْلَمْ اَنَّ فِیْ جَمِیْعِ هٰذِهِ الْاَقْسَامِ یَجُوْزُ اِعْمَالُ الْفِعْلِ الْاَوَّلِ وَاِعْمَالُ الْفِعْلِ الثَّانِیْ خِلَافًا لِّلْفَرَّاءِ فِی الصُّوْرَةِ الْاُوْلٰی وَالثَّالِثَةِ اَنْ یُّعْمَلَ الثَّانِیْ وَدَلِیْلُهٗ لُزُوْمُ اَحَدِ الْاَمْرَیْنِ اِمَّا حَذْفُ الْفَاعِلِ اَوِ الْاِضْمَارُ قَبْلَ الذِّکْرِ وَکِلَاهُمَا مَحْظُوْرَانِ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ ان تمام اقسام میں فعل اول اور فعل ثانی کو عامل قرار دینا جائز ہوتا ہے مخالفت کی فراء نے پہلی اور تیسری صورت میں اس امر میں کہ عامل قرار دیا جائے دوسرے فعل کو اور فراء کی دلیل دو امروں میں سے ایک امر کا لازم ہونا ہے آیا فاعل کو حذف کرنا یا فاعل کو ذکر کرنے سے پہلے اس کی ضمیر کو لانا اور حالانکہ دونوں ممنوع ہیں۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّ اس سے آنے والے کلام کی طرف شوق دلانا اور تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس کو اچھی طرح یاد کر لینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ تنازع کی اگرچہ چار صورتیں مذکور ہوئیں لیکن ان کے دونوں فعلوں میں سے جس کو بھی عامل قرار دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ جائز دونوں صورتوں میں ہے یعنی فعل اول کو بھی عامل قرار دینا جائز ہے اور فعل ثانی کو بھی، البتہ امام فراء پہلی اور تیسری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دوسری اور چوتھی صورت میں دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کو عامل

قرار دینا جائز ہے لیکن پہلی اور تیسری صورت میں نہیں، یعنی اس صورت میں صرف فعل اول کو عمل دینا جائز ہے فعل ثانی کو نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے کہ فعل اول کو اسم ظاہر میں عامل قرار دیا جائے اور فعل ثانی کو لغو قرار دیا جائے یعنی دوسرا فعل اس اسم ظاہر میں عمل نہ کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے یعنی فعل ثانی اس اسم میں عمل کرے۔ اور فعل اول کو اسم ظاہر میں عمل کرنے سے ملغیٰ قرار دیا جائے۔ امام فراء اس حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ وہ فعل ثانی کے عمل دینے کو ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اس تقدیر پر فعل اول کے لئے یا تو فاعل کی ضمیر لائی جائے گی یا فاعل کو حذف کیا جائے گا۔ دونوں ممنوع ہیں کیونکہ ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر عمدہ میں لازم آتا ہے اور حذف کی صورت میں عمدہ میں حذف لازم آتا ہے جو کہ دونوں ممنوع ہیں۔

خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ منصوب ہے اس بناء پر کہ وہ مفعول مطلق ہے یعنی **یخالف القول بالجواز خلافًا** ۔ فراء کا اصل نام یحییٰ بن زیاد ہے اور کنیت ابوذکریا ہے۔ ان کو فراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ فراء بروزن فعلان ہے جو **فریٌ** بمعنی **قطع و برید** بجہت اصلاح سے ماخوذ ہے اور وہ چونکہ کلام میں بجہت اصلاح کافی ترمیم کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ علم نحو ولغت میں و دیگر فنون وادب میں امام کہے جاتے تھے اور امام محمد علیہ الرحمۃ شاگرد امام اعظم علیہ الرحمۃ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے۔ آپ کا انتقال تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰۷ھ کو مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں ہوا۔

کِلَاهُمَا مَحْظُوْرَانِ اس میں **کلاهما** مبتداء ہے اور **محظوران** اس کی خبر اور **محظوران** کو مثنیٰ اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ **کلا** معناً مثنیٰ ہے کیونکہ **کلا** اگرچہ لفظاً مفرد ہے لیکن معناً مثنیٰ قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ گذرا۔ **محظوران** مثنیٰ ہے **محظور** کا۔ وہ ماخوذ ہے حظر بمعنی منع کرنے سے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **حظر الشئی وحظر علیه الشئی** بمعنی منع کرنا اور روکنا، **واحتظر به** بمعنی بچنا اور **کلاهما** میں واؤ حالیہ ہے اور جملہ حال واقع ہے۔

وَهٰذَا فِي الْجَوَازِ وَاَمَّا فِي الْاِخْتِيَارِ فَفِيْهِ خِلَافُ الْبَصْرِيِّيْنَ فَاِنَّهُمْ يَخْتَارُوْنَ اِعْمَالَ الْفِعْلِ الثَّانِيْ اِعْتِبَارًا لِلْقُرْبِ وَالْجِوَارِ وَالْكُوْفِيُّوْنَ يَخْتَارُوْنَ اِعْمَالَ الْفِعْلِ الْاَوَّلِ مُرَاعَاةً لِلتَّقْدِيْمِ وَالْاِسْتِحْقَاقِ

ترجمہ: اور یہ اختلاف فراء کا جائز ہونے میں ہے اور لیکن اختیار و پسندیدہ ہونے میں تو اس میں بصریوں کا اختلاف ہے کیونکہ وہ فعل ثانی کے عامل قرار دینے کو پسند کرتے ہیں اقرب اور پڑوسی کی وجہ سے اور کوفی پسند کرتے ہیں فعل اول کے عامل قرار دینے کو تقدیم و استحقاق کی مراعات کی وجہ سے۔

تشریح: **وَهٰذَا فِي الْجَوَازِ** ہذا کا مشار الیہ اعمال کل واحد ہے اور ہو سکتا ہے خلاف الفراء بھی ہو۔ بتقدیر اول عبارت یہ ہو گی: **هذا اعمال كلّ واحدٍ من الفعلِ الاولِ والثانی عند منازعهما بلا خلافٍ فیه بین البصریین والکوفیین فی الاقسام الاربعةِ سواء الفراء فی الصورتین المذکورتین علی تقدیرِ اعمالِ الثانی ثابتٌ** ۔ یعنی دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کو عمل دینا جب کہ اسم ظاہر میں تنازع ہو بصریوں اور کوفیوں کے درمیان

بالاتفاق چار قسموں میں جائز ہے مگر فراء مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں خلاف کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں بلکہ فعل اول کو عمل دینا ثابت ہے۔ بتقدیر دوم عبارت یہ ہوگی: **ھذا اشارۃٌ الی خلاف الفراء ثابتٌ فی الجواز۔**

وَاَمَّا الْاِخْتِیَارُ مذکورہ اختلاف جمہور نحات اور فراء کے درمیان جواز میں تھا اور یہ اختلاف بصریوں و کوفیوں کے درمیان اختیار و پسندیدہ ہونے میں ہے۔ بصریین فعل ثانی کے عامل قرار دینے کو اختیار کرتے ہیں اور کوفیین فعل اول کے عامل قرار دینے کو اختیار کرتے ہیں۔ بصریوں کی دلیل یہ ہے کہ فعل ثانی اسم ظاہر سے زیادہ قریب ہے اور **الاقرب فالاقرب** یعنی جو قریب ہوتا ہے اس کو حق قربت زیادہ حاصل ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ فعل ثانی اسم ظاہر کے پڑوس میں ہے اور پڑوسی کا حق بہ نسبت غیر پڑوسی کے زیادہ رہتا ہے۔ کوفیوں کی دلیل یہ ہے کہ فعل اول کا ذکر پہلے ہوتا ہے اور فعل ثانی کا بعد میں۔ اور ظاہر ہے جس کا ذکر پہلے ہو وہ عامل قرار دیئے جانے میں مقدم ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ فعل اول کا ذکر چونکہ پہلے ہے اور فعل ثانی کا بعد میں اس لئے جس کا ذکر پہلے ہو وہ زیادہ مستحق ہے اس امر کا کہ اس کو عامل قرار دیا جائے۔

خِلَافُ الْبِصْرِیِّیْنَ بصریین جمع ہے **بصریؔ** کی۔ باء کے کسرہ کے ساتھ اگرچہ قیاس باء کے فتح ہونے میں ہے، بصریوں سے مراد وہ نحوی ہیں جو بصرہ کی طرف منسوب ہیں اور کوفیوں سے مراد وہ نحوی ہیں جو کوفہ کی طرف منسوب ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ امام فراء کا اختلاف پہلی اور تیسری صورت کے اندر جواز میں ہے کہ وہ فعل ثانی کو عامل قرار دینے کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور جمہور نحات یعنی بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف اختیار و پسندیدہ ہونے میں ہے۔ جمہور نحات کا اختلاف مذکورہ چاروں صورتوں میں ہے بصریوں کے مسلک کو پہلے بیان کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کے نزدیک ان کا مذہب پسندیدہ ہے، اس کی وجہ یہ کہ اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے اور بصریین فعل ثانی کو عامل اس لئے قرار دیتے ہیں کہ اسم ظاہر فعل ثانی کے قرب و جوار میں ہونے کے علاوہ کلام باری تعالیٰ کے موافق بھی ہے، چنانچہ ارشاد ہے: **ھاؤم اقروا کتابیہ** ۔ اس میں **اقروا** فعل ثانی کو عمل دیا ہے کیونکہ فعل اول کو عمل دینے کی صورت میں **اقرواہ** ہونا چاہیے تھا اور اس لئے بھی کہ فعل اول کو عامل قرار دینے کی صورت میں عامل و معمول کے درمیان فصل لازم آتی ہے جو کہ معمول میں خلاف اصل ہے۔ اس لئے کہ معمول میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے عامل سے متصل ہو، وہ اس امر کا مقتضی ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے۔

وَالْکُوْفِیُّوْنَ کوفیین جو فعل اول کو عامل قرار دیتے ہیں، ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ فعل اول کو عامل بنانے کی صورت میں تقدیم و استحقاق کی رعایت ہوتی ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ فعل ثانی کو اگر عامل بنایا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اسی وجہ سے فعل اول کو عامل بنایا جاتا ہے فعل ثانی کو نہیں۔

وَإِنْ أَعْمَلْتَ الثَّانِيَ فَانْظُرْ إِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْأَوَّلُ يَقْتَضِي الْفَاعِلَ أَضْمَرْتَهُ فِي الْأَوَّلِ كَمَا تَقُوْلُ فِي
الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ وَضَرَبَانِيْ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ وَضَرَبُوْنِيْ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُوْنَ وَفِي
الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا وَضَرَبَانِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبُوْنِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِيْنَ

ترجمہ: اور اگر آپ نے ثانی کو عمل دیا تو دیکھیں اگر فعل اول اگر فاعل کا مقتضی ہے تو فعل اول میں آپ ضمیر لائیں، چنانچہ دو متوافق فعلوں میں آپ کہیں گے: ضربني واكرمني زيدٌ وضرباني واكرمني الزيدان اور ضربوني واكرمني الزيدون اور دو مختلف فعلوں میں کہیں گے: ضربني واكرمتُ زيدًا اور ضرباني واكرمتُ الزيدين وضربوني واكرمت الزيدين۔

تشریح: قوله: فان اعملت: یہاں سے چونکہ بصریوں کا مذہب پہلے گزرا اس لئے تفصیل میں بھی اس کو پہلے بیان کیا جاتا ہے کہ دو فعلوں میں اگر اسم ظاہر میں ثانی کو عمل دیں اور دوسرے فعل کو عامل قرار دیا جائے تو فعل اول پر نظر کی جائے کہ وہ فاعل کا مقتضی ہے یا مفعول کا، اگر فاعل کا مقتضی ہے یعنی فعل اول اگر اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لائی جائے یعنی اسم ظاہر اگر مفرد ہو تو مفرد کی ضمیر لائی جائے جیسے ضربني واكرمني زيدٌ اور اگر تثنیہ یا جمع ہو تو تثنیہ یا جمع کی ضمیر لائی جائے جیسے ضرباني واكرمني الزيدان وضربوني واكرمني الزيدون اسی طرح مذکر و مؤنث میں بھی موافقت ضروری ہے کیونکہ اسم ظاہر اس ضمیر کا مرجع ہے اور مرجع وضمیر کے درمیان موافقت لازم وضروری ہوتی ہے۔ مذکر کی مثالیں گزر گئیں اور مؤنث کی مثالیں یہ ہیں: ضربتني واكرمني هندٌ وضربتاني واكرمني هندان وضربنني واكرمني هندات یہ مثالیں تو اس وقت ہیں جب کہ دونوں فعل تقاضے میں موافق ہوں اور اگر مخالف ہوں تو کہا جائے گا جیسے ضربني واكرمت زيدًا وضرباني واكرمت الزيدين وضربوني واكرمت الزيدين وضربتني واكرمت هندًا وضربتاني واكرمت هندين وضربنني واكرمت هنداتٍ۔ اسم ظاہر جو فعل ثانی کا معمول ہے اس کے موافق فعل اول میں ضمیر لانا ضروری ہے، اس کو حذف کرنا جائز نہیں جیسا کہ کسائی کا مذہب ہے کہ فعل اول اگر فاعل کا مقتضی ہے اور فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول کے فاعل کو حذف کر دیا جائے گا اور اس کی ضمیر نہیں لائی جائے گی کیونکہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو ممنوع ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک کہا جائے گا: ضرباني واكرمني الزيدان وضربوني واكرمني الزيدون اور کسائی کے نزدیک کہا جائے گا: ضربني واكرمني الزيدان اور ضربني واكرمني الزيدون۔

خلاصہ یہ ہے کہ فعل ثانی کو اگر عامل قرار دیا جائے اور فعل اول فاعل کا مقتضی ہو تو تین صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ فاعل کو حذف کر دیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ فاعل کو ذکر کیا جائے، تیسری یہ کہ اسم ظاہر کے موافق فعل اول میں ضمیر لائی جائے۔ ذکر تو تکرار ممنوع ہے۔ کیونکہ اس سے تکرار لازم ہوتی ہے جو مخل فصاحت ہونے کی وجہ سے نادرست ہے اور حذف کے لئے قائم

مقام ہونا ضروری ہے اور اس کا یہاں کوئی قائم مقام نہیں، لہٰذا وہ بھی ممنوع ہے۔ رہ گیا ضمیر لانا تو اس صورت میں اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن وہ ممنوع نہیں کیونکہ عمدہ میں بشرط تفسیر اضمار قبل الذکر جائز ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول قُلْ هُوَ اللّٰهُ احد اور نعم رجلًا میں ہے۔

وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْاَوَّلُ يَقْتَضِي الْمَفْعُوْلَ وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ حَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ مِنَ الْفِعْلِ كَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدِيْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِي الزَّيْدُوْنَ

ترجمہ: اور فعل اول اگر مفعول کا مقتضی ہو اور دونوں فعل افعال قلوب سے نہ ہوں تو فعل اول کے مفعول کو آپ حذف کر دیں چنانچہ دو متوافقین فعلوں میں کہیں گے: ضربت واکرمت زیدًا وضربتُ واکرمتُ الزیدین وضربت واکرمت الزیدین اور دو متخالف فعلوں میں کہیں گے: ضربت واکرمنی زیدٌ وضربت واکرمنی الزیدان وضربت واکرمنی الزیدون۔

تشریح: وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ یعنی فعل ثانی کو عامل قرار دینے کی صورت میں جب کہ فعل اول مفعول کا مقتضی ہو اور دونوں فعل افعال قلوب سے نہ ہوں تو مفعول کو حذف کر دیا جائے گا اس لئے کہ وہ کلام میں فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف کلام عرب میں واقع ہے اور مفعول کے ذکر سے پہلے اس کی ضمیر کا ذکر روا نہیں۔ اس وجہ سے اس کی ضمیر نہیں لائی جائے گی۔ چنانچہ دو متوافق فعلوں میں کہا جائے گا: ضربتُ واکرمتُ زیدًا وضربتُ واکرمتُ الزیدَینِ وضربتُ واکرمتُ الزیدِینَ اور دو متخالف فعلوں میں کہا جائے گا: ضربتُ واکرمنی زیدٌ وضربتُ واکرمنی الزیدانِ وضربتُ واکرمنی الزیدون۔

وَاِنْ كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ يَجِبُ اِظْهَارُ الْمَفْعُوْلِ لِلْفِعْلِ الْاَوَّلِ كَمَا تَقُوْلُ حَسِبَنِيْ مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا اِذْ لَا يَجُوْزُ حَذْفُ الْمَفْعُوْلِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ وَاِضْمَارُ الْمَفْعُوْلِ قَبْلَ الذِّكْرِ هٰذَا هُوَ مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّيْنَ

ترجمہ: اور اگر دونوں فعل افعال قلوب سے ہوں تو فعل اول کے مفعول کو ظاہر کرنا واجب ہوگا چنانچہ آپ کہیں گے: حسبنی منطلقًا وحسبتُ زیدًا منطلقًا اس لئے کہ افعالِ قلوب کے مفعول کا حذف کرنا اور ذکر سے پہلے مفعول کی ضمیر لانا جائز نہیں، یہ وہ بصریوں کا مذہب ہے۔

تشریح: وَاِنْ كَانَ الْفِعْلَانِ یعنی فعل ثانی کو عامل قرار دینے کی صورت میں اگر دونوں فعل افعالِ قلوب سے ہوں تو فعل اول کے لئے مفعول کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔ جیسے حسبنی وحسبتُ زیدًا منطلقًا میں حسبنی اور حسبتُ دونوں

تنازع کرتے ہیں ایک زید کے متعلق اور دوسرا **منطلقًا** سے متعلق۔ تنازع اول میں فعل اول زید کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے اور فعل ثانی مفعول، تو مذہب بصریوں کے موافق فعل ثانی کو عمل دیا گیا اور فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائی گئی کہ فاعل عمدہ ہے اور عمدہ میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے۔ تنازع دوم میں ہر ایک فعل **منطلقًا** کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے تو مذہب بصریوں کے موافق فعل ثانی کو عمل دیا گیا اور فعل اول کے لئے مفعول کو ظاہر کیا گیا، چنانچہ کہا جاتا ہے: **حسبنی منطلقًا وحسبتُ زیدًا منطلقًا** کیونکہ فعل اول کے مفعول کو اگر حذف کیا جائے تو افعالِ قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار لازم آئے گا جو جائز نہیں اور اگر ضمیر لائی جائے تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو ممنوع ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ فعل اول کے مفعول کو ذکر کیا جائے۔

وَاَمَّا اِنْ اَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْاَوَّلَ عَلٰی مَذْهَبِ الْكُوْفِيِّيْنَ فَانْظُرْ اِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِيْ يَقْتَضِي الْفَاعِلَ اَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الثَّانِيْ كَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ وَضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ وَضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمُوْنِي الزَّيْدُوْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدًا وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمَانِي الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمُوْنِي الزَّيْدِيْنَ

ترجمہ: اور لیکن اگر فعل اول کو کوفیوں کے مذہب پر عامل قرار دیں تو نظر کریں کہ فعل ثانی اگر فاعل کا مقتضی ہے تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لائیں، چنانچہ آپ کہیں گے: دو متوافق فعلوں میں **ضربنی واکرمنی زیدٌ وضربنی واکرمانی الزیدان وضربنی واکرمونی الزیدون** اور دو متخالف فعلوں میں **ضربت واکرمنی زیدًا وضربت واکرمانی الزیدین وضربت واکرمونی الزیدین**۔

تشریح: **وَاَمَّا اِنْ اَعْمَلْتَ** یعنی کوفیوں کے مذہب پر فعل اول کو اگر عامل قرار دیا جائے تو فعل ثانی میں نظر کریں کہ وہ فاعل کا مقتضی ہے یا مفعول کا، اگر فاعل کا مقتضی ہے تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لائیں اور اس صورت میں اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن لفظاً رتبۃً نہیں۔ اور نا جائز وہ اضمار قبل الذکر ہے جو لفظاً اور رتبۃً دونوں ہوں۔ چنانچہ دو متوافق فعلوں میں کہا جائے گا: **ضربنی واکرمنی زیدٌ وضربنی واکرمانی الزیدان وضربنی واکرمونی الزیدون** اور دو متخالف فعلوں میں کہا جائے گا: **ضربتُ واکرمنی زیدًا وضربتُ واکرمانی الزیدینِ وضربتُ واکرمونی الزیدونَ**۔

وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِيْ يَقْتَضِي الْمَفْعُوْلَ وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ جَازَ فِيْهِ الْوَجْهَانِ حَذْفُ الْمَفْعُوْلِ وَالْاِضْمَارِ وَالثَّانِيْ هُوَ الْمُخْتَارُ لِيَكُوْنَ الْمَلْفُوْظُ مُطَابِقًا لِّلْمُرَادِ اَمَّا الْحَذْفُ فَكَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدِيْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ زَيْدٌ وَضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ وَضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ وَاَمَّا الْاِضْمَارُ فَكَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُهٗ زَيْدًا وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبْتُ

وَاَكْرَمْتُهُمُ الزَّيْدِيْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبَنِي وَاَكْرَمْتُهُ زَيْدٌ وَضَرَبَنِي وَاَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَانِ وَضَرَبَنِي وَاَكْرَمْتُهُمُ الزَّيْدُوْنَ.

ترجمہ: فعل ثانی اگر مفعول کا متقضی ہو اور دونوں فعل افعالِ قلوب سے نہ ہوں تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں۔ حذفِ مفعول اور اضمار اور دوم زیادہ بہتر ہے تاکہ ملفوظ، مراد کے مطابق ہو جائے لیکن حذف جیسے دو متوافق فعلوں میں آپ کہیں گے: ضربت واکرمت زیدًا وضربت واکرمت الزیدین اور دو متخالف فعلوں میں کہیں گے: ضربنی واکرمت زیدٌ وضربنی واکرمت الزیدان وضربنی واکرمت الزیدون اور لیکن اضمار تو جیسے دو متوافق فعلوں میں کہیں گے: ضربت واکرمتہ زیدًا وضربت واکرمتھما الزیدین وضربت واکرمتھم الزیدین اور دو متخالف فعلوں میں کہیں گے: ضربنی واکرمتہ زیدٌ وضربنی واکرمتھما الزیدان وضربنی واکرمتھم الزیدون۔

تشریح: وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِي یعنی فعل اول کو عامل قرار دینے کی صورت میں فعل ثانی اگر اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہے اور دونوں فعل افعالِ قلوب سے نہ ہوں تو اس میں دو صورتین جائز ہیں: ایک حذفِ مفعول اور دوسرا اضمار، لیکن اضمار یعنی ضمیر لانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس تقدیر پر ملفوظ، مطابق مقصود ہو جاتا ہے اس لئے کہ اسم ظاہر دونوں فعلوں کا مفعول ہے تو جب فعل ثانی میں ضمیر نہ لا کر حذف کیا جائے تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ فعل ثانی کا مفعول فعل اول کے مفعول کا مغایر ہو جب کہ وہ مقصود نہیں، اسی وجہ سے ضمیر لانا زیادہ بہتر ہے۔

اَمَّا الْحَذْفُ فعل اول کو عامل قرار دینے کی صورت میں فعل ثانی مفعول کا متقضی ہو تو اس فعل ثانی میں حذف جائز ہے اور اضمار بھی لیکن حذف دو متوافق فعلوں میں کہا جائے گا۔ ضربتُ واکرمتُ زیدًا وضربتُ اکرمتُ الزیدَیْنِ وضربتُ واکرمتُ الزیدَیْنَ اور دو متخالف فعلوں میں کہا جائے گا: ضربنی واکرمتُ زیدٌ وضربنی واکرمتُ الزیدانِ وضربنی واکرمتُ الزیدون۔ اور لیکن اضمار جو زیادہ پسندیدہ ہے وہ چنانچہ دو متوافق فعلوں میں کہا جائے گا ضربتُ واکرمتہٗ زیدًا وضربتُ واکرمتھما الزیدَیْنِ وضربت واکرمتھم الزیدِیْنَ، اور دو متخالف فعلوں میں کہا جائے گا: ضربنی واکرمتہٗ زیدٌ وضربنی واکرمتھما الزیدان وضربنی واکرمتھم الزیدون۔

وَاَمَّا اِذَا كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِظْهَارِ الْمَفْعُوْلِ كَمَا تَقُوْلُ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا وَذٰلِكَ لِاَنَّ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا تَنَازَعَا فِيْ مُنْطَلِقًا وَاَعْمَلْتَ الْاَوَّلَ وَهُوَ حَسِبَنِيْ وَاَظْهَرْتَ الْمَفْعُوْلَ فِي الثَّانِيْ فَاِنْ حَذَفْتَ مُنْطَلِقَيْنِ وَقُلْتَ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا يَلْزَمُ الْاِقْتِصَارُ عَلٰى اَحَدِ الْمَفْعُوْلَيْنِ فِيْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ وَهُوَ غَيْرُ جَائِزٍ وَاِنْ اَضْمَرْتَ فَلَا يَخْلُوْ مِنْ اَنْ تُضْمِرَ مُفْرَدًا وَتَقُوْلُ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا اِيَّاهُ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا وَحِيْنَئِذٍ لَا يَكُوْنُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ مُطَابِقًا لِلْمَفْعُوْلِ الْاَوَّلِ وَهُوَ هُمَا فِيْ قَوْلِكَ حَسِبْتُهُمَا وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ اَوْ اَنْ تُضْمِرَ مُثَنًّى وَتَقُوْلُ

حَسِبَنِیْ وَحَسِبْتُھُمَا اِیَّاھُمَا الزَّیْدَانِ مُنْطَلِقًا وَحِیْنَئِذٍ یَلْزَمُ عَوْدُ الضَّمِیْرِ الْمُثَنّٰی اِلَی اللَّفْظِ الْمُفْرَدِ وَھُوَ مُنْطَلِقًا الَّذِیْ وَقَعَ فِیْهِ التَّنَازُعُ وَھٰذَا اَیْضًا لَا یَجُوْزُ وَاِذَا لَمْ یَجُزِ الْحَذْفُ وَالْاِضْمَارُ کَمَا عَرَفْتَ وَجَبَ الْاِظْھَارُ۔

ترجمہ: اور لیکن جب کہ دونوں فعل افعال قلوب سے ہوں تو ضروری ہے مفعول کو ظاہر کرنا چنانچہ آپ کہیں گے: حسبنی وحسبتھما منطلقین الزیدان منطلقا اور وہ اس لئے کہ حسبنی اور حسبتھما دونوں منطلقا میں تنازع کرتے ہیں اور آپ نے فعل اول یعنی حسبنی کو عامل قرار دیا اور فعل ثانی میں مفعول کو ظاہر کیا تو اگر آپ منطلقین کو حذف کریں اور کہیں: حسبنی وحسبتھما الزیدانِ منطلقا تو افعالِ قلوب میں دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار لازم آئے گا۔ اور وہ جائز نہیں اور اگر آپ ضمیر لائیں تو خالی نہیں یہ کہ مفرد کی ضمیر لائیں۔ اور کہیں: حسبنی وحسبتھما ایاہُ الزیدان منطلقا اور اس وقت مفعول ثانی مفعول اول کے مطابق نہ ہوگا اور وہ ھما ہے آپ کے قول حسبتھما میں اور وہ جائز نہیں یا یہ کہ تثنیہ کی ضمیر لائی جائے اور آپ کہیں: حسبنی وحسبتھما ایاھما الزیدان منطلقا اور اس وقت ضمیر تثنیہ کا لفظ مفرد کی طرف عود کرنا لازم آئے گا اور وہ منطلقا ہے جس میں تنازع واقع ہے اور یہ بھی جائز نہیں اور جب حذف و اضمار جائز نہیں جیسا کہ آپ نے پہچانا تو ظاہر کرنا واجب ہوگا۔

تشریح: وَاَمَّا اِذَا کَانَ کوفیوں کے مسلک پر جب کہ فعل اول کو عامل قرار دیا جائے اور دونوں فعل افعال قلوب سے ہوں تو فعل ثانی کے لئے مفعول کو ظاہر کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ اضمار و حذف اگر ممنوع ہوں تو اظہار ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ حسبنی وحسبتھما الزیدان منطلقا میں دونوں فعل جو افعالِ قلوب سے ہیں الزیدان میں تنازع کرتے ہیں، فعل اول اس کو فاعل کا مقتضی ہے اور فعل ثانی مفعول کا تو جب فعل اول کو عامل قرار دیا جائے تو فعل ثانی کے لئے مفعول کی ضمیر لائی جائے گی، لہٰذا حسبتھما کہا جائے گا پھر دونوں کا تنازع منطلقا میں ہوا، ایک اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے کوفیوں کے مسلک پر فعل اول کو عامل قرار دیا جائے اور فعل ثانی کے مفعول کو ظاہر کیا جائے تو حسبنی وحسبتھما الزیدان منطلقا ہو جائے گا۔ کیونکہ فعل ثانی کے مفعول ثانی کو اگر حذف کر دیا جائے تو افعالِ قلوب کے فعل کا اختصار دو مفعولوں میں سے صرف ایک پر لازم آئے گا جو ممنوع ہے اور اگر ضمیر لائی جائے تو دو حال سے خالی نہیں، آیا مفرد کی ضمیر لائی جائے گی یا مثنیٰ کی، بتقدیر اول حسبت کے دونوں مفعولوں میں مخالفت لازم آئے گی جب کہ موافقت ضروری ہے اس لئے کہ اس کا مفعول اول در حقیقت مبتداء ہوتا ہے اور مفعول ثانی خبر اور ظاہر ہے مبتداء و خبر کے درمیان، مفرد و مثنیٰ ہونے میں مطابقت ضروری ہے اور بر تقدیر دوم یعنی مثنیٰ کی ضمیر لائی جائے تو ضمیر و مرجع کے درمیان موافقت نہ رہے گی، اس لئے کہ ضمیر کا مرجع منطلقا ہے جو مفرد ہے تو جب اضمار و حذف دونوں ممنوع ہوئے تو فعل ثانی کے مفعول ثانی کا اظہار لازم ہوگیا۔

وَھُوَ غَیْرُ جَائِزٍ ھو ضمیر مرفوع کا مرجع حذف مفعول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: وھو ای حذف المفعول من افعال

القلوب غیر جائز یعنی افعال قلوب کے مفعول کا حذف جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ حذف مفعول افعال قلوب کے فعل کا دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار کو لازم کرتا ہے جو ممنوع ہے۔

وحینئذٍ وہ یہاں دو ہیں: ایک یہ ہے اور دوسرا آگے مذکور ہے؛ ہر ایک کی مراد الگ ہے۔ یہاں جو حینئذٍ ہے اس سے مراد یہ ہے: حین اضمرت المفعول مفرداً یعنی جب کہ مفعول کی ضمیر مفرد لائی جائے اور آگے مراد ہے: حین اضمرت المفعول مثنّی یعنی جب کہ مفعول کی ضمیر مثنی لائی جائے اور آگے ھذا ایضًا میں ھذا کا مشار الیہ ہے: عود الضمیر المثنی الی اللفظ المفرد۔

فصل: مَفْعُوْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهٗ وَهُوَ كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهٗ وَاُقِیْمَ هُوَ مَقَامَهٗ نَحْوُ ضُرِبَ زَیْدٌ وَحُكْمُهٗ فِیْ تَوْحِیْدِ فِعْلِهٖ وَتَثْنِیَتِهٖ وَجَمْعِهٖ وَتَذْكِیْرِهٖ وَتَاْنِیْثِهٖ عَلٰی قِیَاسِ مَا عَرَفْتَ فِی الْفَاعِلِ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے مفعول مالم یسم فاعلہ اور وہ ہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل حذف کیا گیا ہو اور اس کو فاعل کی جگہ پر قائم کیا گیا ہو جیسے ضُرِبَ زیدٌ یعنی مارا گیا زید اور اس مفعول کا حکم اس کے فعل کے واحد لانے اور تثنیہ لانے اور جمع لانے اور مذکر و مؤنث لانے میں اس شئی کے قیاس پر ہے جو آپ نے بحث فاعل میں پہچانا۔

تشریح: مَفْعُوْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهٗ مرفوعات کی دوسری قسم مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور اس کو بحث فاعل کے بعد اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ فاعل کے قائم مقام ہوتا ہے؛ اس وجہ سے بعض نحویوں نے اس کو فاعل میں شمار کیا ہے اور اس کا نام چونکہ مفعول ہے اس لئے اس کو مرفوعات کی ایک مستقل قسم قرار دے کر الگ بیان کیا گیا۔

وَهُوَ كُلُّ یہ تعریف ہے مفعول مالم یسم فاعلہ کی اور وہ ہر وہ مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا ہو۔ چنانچہ ضُرِبَ زیدٌ کہ اس کی اصل ضربتُ زیدًا ہے فاعل کو حذف کر کے زید مفعول بہ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف اس کے معنی ہی سے حاصل ہے۔ اس لئے کہ لم یسم بمعنی لم یذکر ہے، یعنی ایسے فعل یا شبہ فعل کا مفعول کہ جس کا فاعل مذکور نہ ہو۔ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف اس لئے ہے کہ وہ فاعل اسی فعل یا شبہ فعل کا ہے یعنی دونوں ایک فعل یا شبہ فعل کے معمول ہونے میں شریک ہوں، پس معمولیت کی شرکت کا جو تعلق ہے اس کی بناء پر اضافت کر دی گئی ہے۔ فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کی جگہ پر رکھنے کی دو شرطیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ صیغہ معروف، صیغہ مجہول کی طرف متغیر کیا گیا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ جس مفعول کو فاعل کا قائم مقام کیا جائے وہ مفعول باب علمت کا مفعول ثانی اور باب اعلمت کا مفعول ثالث نہ ہو کیونکہ باب علمت کا مفعول ثانی مفعول اول کی طرف مسند ہوتا ہے۔ اسی طرح مفعول ثالث باب اعلمت کا مفعول ثانی کی طرف مسند ہوتا ہے تو اگر ان دونوں مفعولوں کو فاعل کی جگہ پر رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ ایک چیز، اسناد تام کے ساتھ مسند بھی ہو اور مسند الیہ بھی اور وہ ممنوع ہے۔

حُذِفَ فَاعِلُهٗ حذف فاعل چند وجوں سے ہوتا ہے: (۱) عدم علم کی وجہ سے جیسے سُرِقَ المتاعُ (۲) خساست کی وجہ سے

جیسے شُتِمَ الخلیفۃُ (۳) معظم ہونے کی وجہ سے جیسے قُطِعَ اللصُ (۴) غرض سامع کے اختیار کی وجہ سے جیسے قُتِلَ علاوك (۵) ابہام کی وجہ سے جیسے ضُرِبَ زیدٌ (۶) اختصار کی وجہ سے جیسے اُقیمت الصلوۃُ (۷) قافیہ کی موافقت کی وجہ سے، چنانچہ کہا جاتا ہے: شعر ما المالُ والاهل الا ودائع۔ ولا بد یومًا ان یرد الودائع (۸) رعایت سجع کی وجہ سے جیسے وما لاحد عندہٗ من نعمۃ تجزی (۹) علم مخاطب کی وجہ سے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اذا بُعثِرَ ما فی القبور۔

اُقِیْمَ هُوَمَقَامَهٗ ھوضمیر مرفوع کا مرجع ذلک المفعول ہے اور مقامہٗ میں ضمیر مجرور کا مرجع فاعل ہے اور ھو تاکید ہے اس ضمیر کی جو اقیم میں مستتر ہے اور ضمیر متصل کی تاکید منفصل سے اس لئے بیان کی گئی کہ یہ وہم دور ہو جائے کہ اقیم کا نائب فاعل مقامہٗ ہے جب کہ اُس کا نائب فاعل اُقیم میں ضمیر ہے جو اس میں مستتر ہے۔

وَحُكْمُهٗ فِیْ تَوْحِیْدِ یعنی اس مفعول کا حکم اس کے فعل کے واحد و تثنیہ و جمع و مذکر و مؤنث لانے میں اس طور پر ہے جو فاعل میں گزرا یعنی جب کہ مظہر ہو تو فعل کو واحد لایا جائے گا خواہ وہ مفعول واحد ہو یا تثنیہ یا جمع، جیسے ضُرِبَ زیدٌ ضُرِبَ الزیدان۔ وضُرِب الزیدون اور اگر مضمر ہو تو مثنیٰ کیلئے مثنیٰ اور مجموع کے لئے مجموع لایا جائے گا جیسے الزیدان ضُربا والزیدون ضربوا اور اگر مؤنث حقیقی ہو تو فعل کو مؤنث لایا جائے گا۔ مؤنث خواہ مظہر ہو یا مضمر اگر مفعول و فعل کے درمیان فصل نہ ہو۔ جیسے ضربت ھندٌ وھند ضُربت اور اگر فصل نہ ہو تو فعل کو مؤنث و مذکر لانے میں اختیار ہے جیسے ضُرِبت الیوم ھندٌ وضُرِبَ الیوم ھندٌ اور اسی طرح مؤنث اگر غیر حقیقی ہو تو اگر مظہر ہے جیسے طَلعَت الشمسُ وطَلعَ الشمسُ اور اگر مضمر ہو تو فعل کو مؤنث لایا جائے گا جیسے الشمسُ طَلعَتْ۔

فصل: اَلْمُبْتَدَاءُ وَالْخَبَرُهُمَا اِسْمَانِ مُجَرَّدَانِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِیَّةِ اَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ اِلَیْهِ وَیُسَمَّی الْمُبْتَدَاءَ وَالثَّانِیْ مُسْنَدٌ بِهٖ وَیُسَمَّی الْخَبَرَ نَحْوُ زَیْدٌ قَائِمٌ وَالْعَامِلُ فِیْهِمَا مَعْنَوِیٌّ وَهُوَ الْاِبْتِدَاءُ

ترجمہ: یہ فصل ہے مبتداء و خبر وہ دونوں ایسے ہیں کہ مجرد ہوں عواملِ لفظیہ سے ان دونوں میں سے ایک مسند الیہ ہو جس کا نام مبتداء رکھا جاتا ہے اور دوسرا مسند بہ ہو جس کا نام خبر رکھا جاتا ہے جیسے زیدٌ عالمٌ اور ان دونوں میں عامل معنوی ہے اور وہ مبتداء ہے۔

تشریح: اَلْمُبْتَدَاءُ وَالْخَبَرُ مرفوعات کی تیسری و چوتھی قسم مبتداء و خبر ہیں، وہ دونوں اگرچہ دو مستقل صنف ہیں۔ لیکن چونکہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں کہ جب ایک کو بیان کیا جائے تو دوسرے کو بھی بیان کرنا ضروری ہے اور اس لئے بھی کہ دونوں عامل میں شریک ہیں کہ دونوں کا عامل معنوی اور وہ ابتدا ہے۔

هُمَا اِسْمَانِ یعنی مبتداء و خبر وہ اسم ہیں خواہ وہ حقیقی ہو یا حکمی۔ پس اس تعمیم سے قولِ باری تعالیٰ وانْ تصدقوا خیرٌ لکم میں ان تصدقوا مبتداء میں داخل ہو گیا کیونکہ وہ تصدقکم کی تاویل میں ہے، اسی طرح وانْ تسمع بالمعیدی خیر

من أنّ تراهُ میں أن تسمع بالمعیدی بھی داخل ہو گیا کہ وہ سماعك بالمعیدی کی تاویل میں ہے، اسی طرح وہ جملہ جو خبر واقع ہو، اس لئے کہ وہ اسم کی تاویل میں ہے، چنانچہ زیدٌ ضرب کا تاویل میں زید ضارب ہے۔

مُجَرَّدَانِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِیَّۃِ یعنی وہ دونوں اسم عوامل لفظیہ سے خالی ہوں خواہ وہ عوامل سماعیہ ہوں یا قیاسیہ اور لفظا عن متعلق ہے مجردان کے ساتھ اور اللفظیۃ صفت ہے عوامل کی اور ان دونوں کے درمیان مطابقت تقدیراً ثابت ہے، اس لئے کہ عوامل مفرد کی تاویل میں ہے، یعنی مجردان عن جماعۃ العوامل اللفظیۃ اور مجرد ہونے سے مراد عام ہے کہ لفظاً ہو یا معناً، بایں طور کہ عامل معنی میں مؤثر نہ ہو، اگر چہ لفظ میں مؤثر ہو، پس اس کے اندر بحسبك درھم میں بحسبك داخل ہو جائے گا کیونکہ با اس میں زائد ہے جو معنی میں مؤثر نہیں، اگر چہ لفظ میں جر کے ساتھ مؤثر ہے۔

اَحَدُھُمَا یعنی وہ دونوں اسم جو تجرید کے ساتھ موصوف ہوں۔ ان میں سے ایک اسم مسند الیہ ہو جس کو مبتداء کہا جاتا ہے اور دوسرا اسم مسند ہو جس کو خبر کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مبتداء وہ اسم ہے جو عامل لفظی قیاسی وسماعی سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو، چنانچہ زیدٌ قائمٌ میں زید مبتداء ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی اور مسند الیہ ہے۔ تعریف میں المجردان کی قید سے وہ اسماء خارج ہو گئے کہ جن میں عامل پایا جاتا ہے۔ جیسے إنّ اور کانّ کا اسم اور مسند الیہ کی قید سے خبر اور مبتداء کی قسم ثانی سے احتراز ہو گیا کہ وہ مسند ہیں مسند الیہ نہیں اور خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند ہو مبتداء کی طرح اور مجرد عن العوامل کی قید سے وہ اسماء خارج ہو گئے جو مجرد نہیں جیسے إنّ وغیرہ کی خبر جو کہ مرفوع ہوتی ہے اور مسند بہ کی قید سے مبتداء اور خبر اور مبتداء کی قسم ثانی نکل گئے کیونکہ وہ مبتداء کی طرف مسند نہیں ہوتے۔

وَالْعَامِلُ فِیْھِمَا یعنی مبتداء وخبر دونوں میں عامل معنوی ہے اور وہ ابتدا ہے نحویوں کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ مبتداء وخبر میں عامل کون ہے؟ بصریوں کا کہنا ہے کہ ان دونوں کا عامل معنوی ہے اور وہ ابتداء یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ابتداء بایں معنی مبتداء میں عامل ہے اور خبر میں مبتداء۔ بعض کا کہنا ہے کہ مبتداء وخبر میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہے یعنی مبتداء، خبر میں عامل ہے اور خبر، مبتداء میں۔ اخیر دونوں قول کے پیش نظر مبتداء وخبر عوامل لفظیہ سے مجرد نہ ہوں گے۔

وَاَصْلُ الْمُبْتَدَاءِ اَنْ یَّکُوْنَ مَعْرِفَۃً وَاَصْلُ الْخَبَرِ اَنْ یَّکُوْنَ نَکِرَۃً وَالنَّکِرَۃُ اِذَا وُصِفَتْ جَازَ اَنْ تَقَعَ مُبْتَدَاءً نَحْوُ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَ کَذَا اِذَا تُخُصِّصَتْ بِوَجْہٍ اٰخَرَ نَحْوُ اَرَجُلٌ فِی الدَّارِ اَمِ امْرَاَۃٌ وَمَا اَحَدٌ خَیْرٌ مِّنْكَ وَشَرٌّ اَھَرَّ ذَانَابٍ وَفِی الدَّارِ رَجُلٌ وَسَلَامٌ عَلَیْكَ۔

ترجمہ: اور مبتداء کی اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو اور خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اور نکرہ جب کہ موصوف ہو تو جائز ہے، وہ مبتداء واقع ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ولعبدٌ مومنٌ خیرٌ من مشرك یعنی البتہ مؤمن بندہ بہتر ہے مشرک بندے سے اور اسی طرح جب کہ خاص کیا جائے کسی دوسرے طریقہ سے جیسے أرجلٌ فی الدار ام امراۃٌ یعنی کیا مرد گھر میں ہے یا عورت اور ما

احدٌ خیرٌ منک یعنی کوئی بہتر نہیں ہے تجھ سے اور شرٌ اھر ذا ناب یعنی شر ہی نے بھونکا یا دانت والے کو اور فی الدار رجلٌ یعنی گھر میں مرد موجود ہے اور سلامٌ علیک یعنی سلام ہو تجھ پر۔

تشریح: اَصْلُ الْمُبْتَدَاءِ یعنی مبتداء کی اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو کیونکہ حکم کا مدار افادہ پر ہے اور وہ اکثر معرفہ پر حکم کرنے کے ساتھ وابستہ ہے جس طرح خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو کیونکہ خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور اصل محکوم بہ میں نکرہ ہوتا ہے۔

وَالنَّکِرَۃُ یعنی مبتداء کے لئے ضروری ہے معرفہ ہو اور اگر نکرہ ہو تو مخصصہ ہو کیونکہ نکرہ تخصیص سے معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مبتداء کے لئے معرفہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو تو ضروری ہے وہ وجوہ تخصیص میں سے کسی امر کے ذریعہ خاص کر دیا جائے وجوہ تخصیص میں سے ایک وجہ مثلاً یہ کہ ایسا نکرہ ہو جس کی صفت ذکر کی گئی ہو تو جب نکرہ موصوف ہوگا تو اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہو جائے گا، چنانچہ قول باری تعالیٰ: ولعبدٌ مومنٌ خیرٌ من مشرکٍ میں عبد مبتداء ہے جو نکرہ ہے کہ وہ مؤمن و کافر دونوں کو شامل ہے تو جب اس کی صفت مومن بیان کی گئی تو عبد کا مبتداء ہونا صحیح ہو جائے گا کہ اس میں تخصیص پیدا ہو گئی یعنی تقلیل اشتراک ہو کر اس کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہو گیا۔

کَذَا اِذَا تَخَصَّصَتْ یعنی وہ نکرہ بھی مبتداء واقع ہو جاتا ہے جو کسی دوسری وجہ مثلاً ہمزہ اور اَم سے خاص کر دیا جائے، چنانچہ اَرجلٌ فی الدار اَم امرأۃٌ میں رجل مبتداء ہے جو نکرہ ہے لیکن ہمزۂ استفہام اور اَم حرف تردید سے علم متکلم میں تخصیص حاصل ہے کیونکہ متکلم یہ جانتا ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی نہ کوئی گھر میں ضرور ہے اور استفہام صرف اس کی تعیین سے متعلق ہے کہ مرد ہے یا عورت، تو مثال مذکور میں احدھما فی الدار کی صفت سے خاص ہو کر مبتداء واقع ہونا صحیح ہو جائے گا۔

وَمَا اَحَدٌ خَیْرٌ مِّنْکَ یہ مثال ہے تیسرے طریقہ کی جس میں نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست ہے کہ لفظ احد نکرہ ہے جو تحت نفی واقع ہونے کی وجہ سے عموم افراد مستفاد ہوتا ہے اور ظاہر ہے محکوم علیہ من حیث العموم متعین ومخصوص ہے کیونکہ جمیع افراد میں تعدد نہیں بلکہ وہ امر واحد ہے، پس اس میں اس حیثیت کی قید سے تخصیص پیدا ہو گئی ہے۔

شَرٌّ اَھَرَّ ذَانَابٍ یہ مثال ہے فاعل سے مشابہ ہونے کی۔ وجہ فاعل کے مخصص سے تخصیص کی وہ ہے جس کی توضیح دو امر کی تمہید پر موقوف ہے، ایک وہ کہ فاعل کا مخصص کیا ہے دوسرا وہ کہ مبتداء فاعل سے مشابہ ہوتا ہے، اول کا حاصل یہ کہ فاعل مذکور ہونے سے پہلے ہی اس میں فعل مذکور کے محکوم بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، چنانچہ جب کہا جائے: قامَ تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے بعد وہ چیز مذکور ہوگی جس کے اندر قائم ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے تو جب اس کے بعد رجل کہا جائے تو یہ معنی پیدا ہو جائے گا: رجلٌ صالحٌ للقیام۔ لہٰذا فاعل میں فعل مذکور کا محکوم علیہ بننے کی صلاحیت فاعل کا مخصص ہونا ہے۔ امر دوم کا حاصل یہ کہ جو مبتداء اصل میں فاعل لفظی یا معنوی ہو وہ مبتداء فاعل کے مشابہ ہوتا ہے، پس شرٌّ اھرّ ذا ناب اصل میں اَھرّ ذا نابٍ شرٌّ ہے۔ جملہ فعلیہ میں اھرّ کا فاعل لفظی ضمیر ھو ہے جو اس میں مستتر ہے اور اس کا بدل ہے اور فاعل بدل کو فاعل معنوی کہا جاتا ہے پھر حصر کے طور پر شرٌّ کو مقدم کر دیا گیا تو شرٌّ اھرّ ذا ناب ہوا۔ پس اس میں جو مبتداء ہے وہ اصل میں فاعل معنوی تھا تو اس کا

مخصص بھی وہی ہے جو فاعل کا مخصص ہے تو اس کا معنی یہ ہوا: شرٌ صَالحٌ للاھرار اھرَّ ذا ناب۔
وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ اس مثال میں تقدیم خبر کی وجہ سے رجل جو نکرہ ہے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہے کیونکہ فی الدار کہنے سے یہ معلوم ہوا کہ جو فی الدار کے بعد واقع ہوگا وہ صفت استقرار سے متصف ہوگا تو تقدیم خبر بمنزلہ تخصیص صفت کے ہے، پس وہ نکرہ بھی مبتداء واقع ہو جائے گا۔

سَلَامٌ عَلَيْكَ یہ مثال ہے فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے تخصیص کی کیونکہ اس میں سلامٌ مبتداء ہے جو نکرہ ہے اور وہ فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے مخصوص ہو گیا ہے کیونکہ اس جملہ کی اصل ہے: سلّمتُ سلامًا علیك۔ مفعول مطلق کا فاعل چونکہ وہی ہے جو سَلَّمتُ کا فاعل ہے اس لئے اختصار کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا جو سلامًا علیك باقی رہ گیا۔ پھر دوام واستمرار پر دلالت کرنے کیلئے نصب کو زائل کر کے رفع دیا گیا کیونکہ نصب حذف فعل پر دال ہے اور فعل حدوث پر دال ہے جو مقام دعاء کے غیر مناسب ہے تو سلامٌ علیك ہو گیا لیکن سلام چونکہ فعل مقدر یعنی سلمت کے فاعل کی طرف منسوب ہے اس لیے سلام علیك گویا سلامی علیك ہے۔

وَإِنْ كَانَ اَحَدُ الْاِسْمَيْنِ مَعْرِفَةً وَالْاٰخَرُ نَكِرَةً فَاجْعَلِ الْمَعْرِفَةَ مُبْتَدَاً وَالنَّكِرَةَ خَبَرًا اَلْبَتَّةَ كَمَا مَرَّ وَاِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ فَاجْعَلْ اَيَّهُمَا شِئْتَ مُبْتَدَاً وَالْاٰخَرَ خَبَرًا نَحْوُ اَللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰهُنَا وَمُحَمَّدٌ نَّبِيُّنَا وَاٰدَمُ اَبُوْنَا

ترجمہ: اور اگر دو اسموں میں سے ایک معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ تو معرفہ کو مبتداء بنائیں اور نکرہ کو خبر۔ وہ قطعی ہونا جیسا کہ گذرا۔ اور اگر وہ دونوں اسم معرفہ ہوں تو جس کو چاہیں مبتداء بنائیں اور دوسرے کو خبر جیسے اللہ الھنا یعنی اللہ ہمارا معبود ہے اور محمد نبینا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نبی ہیں اور آدم ابونا یعنی آدم علیہ السلام ہمارے باپ ہیں۔

تشریح: وَاِنْ كَانَ اَحَدُ الْاِسْمَيْنِ یعنی دو اسموں میں سے ایک اگر معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ تو جو معرفہ ہے اس کو مبتداء بنایا جائے گا چنانچہ زیدٌ قائمٌ میں زید چونکہ معرفہ ہے اور قائمٌ نکرہ اس لئے زید مبتداء ہونے کے لئے متعین ہو گیا اور قائمٌ خبر، کیونکہ مبتداء میں اصل معرفہ ہے اور خبر میں اصل نکرہ۔

وَاِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ یعنی دونوں اسم اگر معرفہ ہوں خواہ دونوں معرفہ ہونے میں مساوی ہوں یا مساوی نہ ہوں تو اختیار ہے۔ ان میں سے جس کو بھی مبتداء بنانا چاہیں مقدم کر کے اس کو مبتداء بنایا جا سکتا ہے، اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک مبتداء ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اگر ایک کو مبتداء بنایا جائے تو دوسرے کو خبر بنانا متعین ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ دونوں اسم اگر معرفہ ہوں تو ان میں سے جس کو چاہیں مقدم کر کے اس کو مبتداء بنایا جائے اور جس کو چاہیں مؤخر کر کے خبر بنایا جائے۔ اس تقدیر پر مبتداء کی تقدیم خبر پر واجب ہو جائے گی، اس لئے کہ اگر مؤخر کیا جائے تو التباس کا خطرہ ہے، البتہ اگر اس امر پر قرینہ ہو کہ فلاں اسم مبتداء ہے اور فلاں خبر تو مبتداء کی تاخیر درست ہو جائے گی۔ چنانچہ بنو نا بنو ابنائنا میں بنو ابنائنا مبتداء ہونے اور بنونا خبر ہونے کے لئے متعین ہے کہ اگر اس کو برعکس کیا جائے تو معنی میں فساد لازم آئے گا، اس لئے کہ

یہاں پوتوں کو بمنزلۂ بیٹوں کے قرار دیا گیا ہے کہ بیٹوں کو بمنزلۂ پوتوں کے تو اگر بنونا کو مبتداء اور بنو ابنائنا کو خبر قرار دیا جائے تو بیٹوں کو بمنزلۂ پوتوں کے ہونا لازم آئے گا۔ جو مقصود کے خلاف ہے، اسی طرح ابوحنیفہ، ابویوسف کہ ابویوسف مبتداء ہے اور ابوحنیفہ خبر! کیونکہ اس سے مقصود ابویوسف کو ابوحنیفہ کے ساتھ تشبیہ دینا ہے نہ کہ ابوحنیفہ کو ابویوسف کے ساتھ تشبیہ دینا۔

وَقَدْ يَكُوْنُ الْخَبَرُ جُمْلَةً إِسْمِيَّةً نَحْوُ زَيْدٌ اَبُوْهُ قَائِمٌ اَوْ فِعْلِيَّةً نَحْوُ زَيْدٌ قَامَ اَبُوْهُ اَوْ شَرْطِيَّةً نَحْوُ زَيْدٌ اِنْ جَاءَنِيْ فَاَكْرِمْتُهُ اَوْ ظَرْفِيَّةً نَحْوُ زَيْدٌ خَلْفَكَ وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقٌ بِجُمْلَةٍ عِنْدَ الْاَكْثَرِ وَهِيَ اِسْتَقَرَّ مَثَلًا تَقُوْلُ زَيْدٌ فِي الدَّارِ تَقْدِيْرُهُ زَيْدٌ اِسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ

ترجمہ: اور خبر کبھی جملہ اسمیہ ہوتی ہے جیسے **زیدٌ ابوہٗ قائمٌ** یا فعلیہ ہوتی ہے جیسے **زیدٌ قام ابوہٗ** یا شرطیہ ہوتی ہے جیسے **زیدٌ اِن جاءنی فاکرمتہٗ** یا ظرفیہ ہوتی ہے جیسے **زیدٌ خلفك وعمرو فی الدار** اور ظرف اکثر نحویوں کے نزدیک جملہ کے ساتھ متعلق ہے اور وہ استقر ہے، مثلاً آپ کہیں گے: **زیدٌ فی الدار** اس کی تقدیر ہے: **زیدٌ استقر فی الدار**۔

تشریح: **وَقَدْ يَكُوْنُ الْخَبَرُ** یعنی خبر اکثر مفرد ہوتی ہے لیکن وہ کبھی جملہ بھی ہوتی ہے کیونکہ خبر میں مفرد ہونا اصل ہے، اس لئے کہ مفرد کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ دوسرے اسم کے ساتھ متعلق ہوتا کہ ان دونوں کے درمیان نسبت پیدا ہو لیکن جملہ تو وہ کامل و تام ہوتا ہے اس لئے کہ وہ دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اس کا مبتداء سے ربط و تعلق کے لئے عائد کا ہونا ضروری ہے۔

اِسْمِيَّةً خبر جو جملہ ہوتی ہے وہ عام ہے اسمیہ ہو یا فعلیہ یا شرطیہ یا ظرفیہ، اول جیسے **زیدٌ ابوہٗ قائمٌ** میں **ابوہٗ قائمٌ** خبر ہے جو مبتداء و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ واقع ہے دوم جیسے **زیدٌ قام ابوہٗ** خبر ہے جو فعل و فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ واقع ہے۔ سوم جیسے **زیدٌ ان جاءنی فاکرمتہٗ** میں **ان جاءنی فاکرمتہٗ** خبر ہے جو شرط و جزا سے مل کر جملہ شرطیہ واقع ہے، چہارم جیسے **زید خلفك** میں **خلفك** اور **عمرو فی الدار** میں **فی الدار** خبر ہے جو جملہ ظرفیہ واقع ہے۔ جملہ انشائیہ کو یہاں بیان نہ کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کے نزدیک بھی مذہب جمہور کی طرح جملہ انشائیہ خبر نہیں ہوتا جب کہ بعض نحوی جواز کے قائل ہیں، جمہور کا کہنا ہے کہ وہ تاویل کے بغیر درست نہیں۔

اَوْ شَرْطِيَّةً جملہ شرطیہ کے خبر ہونے میں نحویوں کا اختلاف ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ جس میں مصنف علیہ الرحمہ بھی ہیں۔ خبر شرط و جزا معاً دونوں ہیں۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ خبر صرف شرط ہے یا صرف جزا، تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ جملہ شرطیہ خبر نہیں ہوسکتا بلکہ وہ از قبیل جملہ شرطیہ ہے۔

اَوْ ظَرْفِيَّةً جملہ ظرفیہ عام ہے خواہ ظرف زماں ہو یا مکان یا قائم مقام ظرف ہو جیسے جار مجرور لیکن جار و مجرور مطلقاً نہیں بلکہ وہ صرف یہ ہیں: **من۔ الی۔ فی۔ لام، باء۔ کاف، علی و عن، دون** ان کے علاوہ دوسرے حروف جر خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ نحویوں کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ظرف جو خبر واقع ہے وہ حقیقۃً کیا ہے؟ ایک جماعت کا خیال ہے کہ خبر وہ

ہے جو ظرف سے پہلے فعل مقدر ہوتا ہے اور ظرف جو اس کے قائم مقام ہے وہ خبر نہیں اور بعض نے کہا کہ خبر ظرف ہی ہے جو فعل کے قائم مقام ہے فعل مقدر نہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ خبر فعل اور ظرف دونوں کا مجموعہ ہے۔

وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقٌ یعنی ظرف خواہ زمان ہو یا مکان یا ان کے قائم مقام اکثر نحویوں کے نزدیک جملہ کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ ظرف کے لئے کسی عامل کا ہونا ضروری ہے تو فعل چوں کہ عمل میں اصل ہے اس لئے اس کو مقدر مانا جاتا ہے تو ظرف کے فعل کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے خبر جملہ ہو جائے گی، چنانچہ **زیدٌ فی الدار** بمعنی **زیدٌ استقر فی الدار** ہے۔ بعض نحویوں نے ظرف سے پہلے مفرد کو مقدر مانا ہے کیونکہ وہ خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہونا ہے، پس اس تقدیر پر ظرف اسم فاعل یا اسم مفعول کے متعلق ہوگا، چنانچہ **زیدٌ فی الدارِ** بمعنی **زیدٌ مستقر فی الدارِ** ہے۔

وَلَا بُدَّ فِی الْجُمْلَةِ مِنْ ضَمِیْرٍ یَعُوْدُ اِلَی الْمُبْتَدَاءِ کَالْهَاءِ فِیْمَا مَرَّ وَیَجُوْزُ حَذْفُهٗ عِنْدَ وُجُوْدِ قَرِیْنَةٍ نَحْوُ اَلسَّمَنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ وَالْبُرُّ الْکُرُّ بِسِتِّیْنَ دِرْهَمًا

ترجمہ: اور جملہ میں ضروری ہے ایسی ضمیر کا ہونا جو مبتداء کی طرف لوٹے جیسے ھاء اس مثال میں جو گزری اور اس کا حذف وجود قرینہ کے وقت جائز ہے جیسے **السمنُ منوانِ بدرھمٍ** یعنی گھی دو من اس سے ایک درہم کے بدلے میں ہے اور گیہوں ایک کُر اس سے ساٹھ درہم کے عوض ہے۔

تشریح: **وَلَا بُدَّ فِی الْجُمْلَةِ** یعنی خبر جب کہ جملہ ہو تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے جو مبتداء کی طرف لوٹے جس سے مبتداء وخبر کے درمیان ربط و تعلق پیدا ہو کیونکہ جملہ مستقل بنفسہا ہوتا ہے جو غیر کے ساتھ ارتباط کا محتاج نہیں جب کہ خبر کا مبتداء کے ساتھ ارتباط ضروری ہے اور وہ عائد یعنی رجوع کرنے والا مبتداء کی طرف کبھی ضمیر ہوتا ہے جیسے **زیدٌ استقر فی الدار** میں **استقر** کے اندر ضمیر مستتر ہے جو زید مبتداء کی طرف راجع ہے اور کبھی لام ہوتا ہے جیسے **نعم الرجل** میں اور کبھی اسم ظاہر کا موضع مضمر میں ہونا ہوتا ہے جیسے **الحاقة ما الحاقة** میں اور کبھی خبر کا مبتداء کی تفسیر ہونا جیسے **قل ھو اللہ احدٌ** میں ضمیر چونکہ یہ نسبت دوسرے روابط کے کثیر الوقوع ہے اس لئے متن میں صرف ضمیر کو بیان کیا گیا اور اس لئے بھی کہ ضمیر کا حذف جائز ہے دوسرے روابط کا نہیں۔

وَیَجُوْزُ حَذْفُهٗ عائد جب کہ ضمیر ہو تو بوقت قیام قرینہ اُس کا حذف جائز ہے چنانچہ **السمنُ منوانِ بدرھمٍ** میں **السمنُ** مبتداء ہے اور **منوان** مبتداء ثانی اور **بدرھمٍ** اس کی خبر یعنی مبتداء ثانی اور خبر دونوں مل کر مبتداء اول کی خبر ہے جس میں ضمیر عائد محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **السمنُ منوانِ منه بدرھمٍ**۔ اس میں **منه** جار مجرور مل کر **منوان** کی صفت ہے، اس کا حذف اس لئے جائز ہے کہ جب **السمنُ** یعنی گھی کہا گیا اور اس کے بعد **منوانِ بدرھمٍ** یعنی یہ کہا گیا کہ دو سیر ایک درہم کے عوض تو معلوم ہوا کہ یہ **منوان** اسی **سمن** سے ہے، اس بناء پر **منه** کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح دوسری مثال **البرُّ الکرُّ بستین درھمًا** میں **البرُّ** مبتداء اول ہے اور **الکرُّ** مبتداء ثانی اور **بستین** خبر ہے۔ مبتداء ثانی اور

خبر دونوں مل کر مبتداء اول کی خبر ہے جس میں ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: البرُّ الکرُّ منه بستین درھمًا ضمیر کا حذف اس وجہ سے جائز ہے کہ جب البرُّ یعنی گیہوں کہا پھر الکر بستین درھما یعنی ایک کر ساٹھ درہم کے عوض ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ الکرُّ بستین درھمًا اسی بر سے ہے تو اب اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ الْخَبَرُ عَلَى الْمُبْتَدَاءِ نَحْوُ فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَيَجُوْزُ لِلْمُبْتَدَاءِ الْوَاحِدِ اَخْبَارٌ كَثِيْرَةٌ نَحْوُ زَيْدٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ

ترجمہ: اور خبر کبھی مبتداء پر مقدم ہوتی ہے جیسے فی الدارِ زیدٌ یعنی گھر میں زید ہے اور جائز ہے ایک مبتداء کے لئے بہت سی خبریں ہوں جیسے زیدٌ عالمٌ فاضِلٌ عاقِلٌ یعنی زید عالم ہے فاضل ہے عاقل ہے۔

تشریح: وَقَدْ يَتَقَدَّمُ یعنی مبتداء میں اصل یہ ہے کہ وہ خبر پر مقدم ہو لیکن خبر کبھی مبتداء پر مقدم ہوتی ہے بشرطیکہ تقدیم سے کوئی منع نہ کرے جیسے فی الدارِ زیدٌ میں زید مبتداء مؤخر ہے اور فی الدارِ خبر مقدم۔ مبتداء میں اصل تقدیم اس لئے ہے کہ مبتداء ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ظاہر ہے ذات اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے اور ذات سے یہاں مراد وہ نہیں جو خود بخود قائم ہو بلکہ وہ ہے جس کی نسبت کی خبر دی جائے، پس اس تقدیر پر العِلمُ نورٌ میں علم ذات میں داخل ہو جائے گا۔

وَيَجُوْزُ لِلْمُبْتَدَاءِ یعنی ایک مبتداء کے لئے کثیر خبروں کا ہونا جائز یعنی ممتنع نہیں، یعنی ایک مبتداء کے لئے متعدد خبروں کا ہونا غیر ضروری نہیں بلکہ متعدد خبریں ہوسکتی ہیں۔ پس اس تقدیر پر وہ بھی شامل ہو جائے گا کہ ایک مبتداء کے لئے متعدد خبروں کا ہونا واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مبتداء کے لئے زائد خبروں کے ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک جائز اور دوسرا واجب، جائز وہاں ہوتا ہے جب کہ دوسری خبر کے بغیر معنی پورا ہو جاتے ہیں جیسے متن میں مثال مذکور زیدٌ عالمٌ فاضلٌ عاقلٌ میں اور واجب وہاں ہوتا ہے جب کہ دوسری خبر کے بغیر معنی پورا نہیں ہوتا جیسے الخل حلوٌ حامضٌ والابلق اسودُ ابیضُ۔ ایک مبتداء کے لئے متعدد خبروں کے ممتنع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خبر حکم ہے اور ظاہر ہے شئی واحد پر متعدد چیزوں کا حکم جائز وروا ہے۔

خیال رہے کہ مبتداء واحد کے لئے متعدد خبریں کبھی عطف کے ساتھ ہوتی ہیں اور کبھی عطف کے بغیر، اول جیسے زیدٌ عاقلٌ وفاضِلٌ وقاریٌ دوم جیسے متن میں مذکور مثال زیدٌ عالمٌ فاضِلٌ عاقِلٌ۔

وَاعْلَمْ اَنَّ لَهُمْ قِسْمًا آخَرَ مِنَ الْمُبْتَدَاءِ لَيْسَ مُسْنَدًا اِلَيْهِ وَهُوَ صِفَةٌ وَقَعَتْ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ نَحْوُ مَا قَائِمٌ زَيْدٌ اَوْ بَعْدَ حَرْفِ الْاِسْتِفْهَامِ نَحْوُ اَقَائِمٌ زَيْدٌ بِشَرْطِ اَنْ تَرْفَعَ تِلْكَ الصِّفَةُ اِسْمًا ظَاهِرًا نَحْوُ مَا قَائِمُ الزَّيْدَانِ وَاَقَائِمُ الزَّيْدَانِ بِخِلَافِ مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ نحویوں کے لئے مبتداء کی ایک دوسری قسم ہے جو مسند الیہ نہیں ہوتی اور وہ صفت ہے جو حرف نفی کے

بعد واقع ہوتی ہے جیسے **ما قائم زیدٌ** یا حرف استفہام کے بعد جیسے **اقائم زیدٌ** اس شرط کے ساتھ کہ وہ صفت اسم ظاہر کو رفع دے جیسے **ما قائم الزیدان** یعنی کھڑا ہونے والے ہیں دو زید اور **أقائم الزیدان** یعنی کیا کھڑا ہونے والے ہیں دو زید برخلاف **ما قائمانِ الزیدانِ** یعنی نہیں کھڑا ہونے والے ہیں دو زید۔

تشریح: **وَاعْلَمْ اَنَّ لَهُمْ** مبتداء کی ایک قسم وہ ہے جو ماقبل میں گزری اور دوسری قسم وہ ہے جو صیغۂ صفت ہو حرف نفی یا ہمزۂ استفہام یا اس کی مثل کے بعد واقع ہو، دراں حالیکہ وہ صفت اسم ظاہر کو رفع دے یعنی مبتداء کی یہ قسم صیغۂ صفت ہو جس کی یہ شرط ہے کہ وہ حرف نفی یا ہمزۂ استفہام یا اس کی مثل کے بعد واقع ہو اور وہ اسم ظاہر یا اس اسم کو جو اسم ظاہر کے حکم میں ہو، رفع دے جیسے **ما قائم زیدٌ** میں کہ **قائم** صیغۂ صفت ہے جو حرفِ نفی کے بعد واقع ہے اور زید جو اسم ظاہر ہے اس کو رفع دیتا ہے اور جیسے **أقائم الزیدان** میں قائم ہمزۂ استفہام کے بعد واقع ہے اور زیدان جو اسم ظاہر ہے اس کو رفع دیتا ہے۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ **اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ الِهَتِیْ یَا اِبْرَاهِیْمُ** میں انت ضمیر منفصل اسم ظاہر کے حکم میں ہے اس کو رفع دینے والا صیغۂ صفت **راغبٌ** مبتداء ہے۔

بِخِلَافِ مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ یعنی اسم ظاہر کو رفع دینے کی قید سے **ما قائمان الزیدان** سے احتراز ہو گیا کہ اس میں صیغۂ صفت اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا کیونکہ وہ اگر اس کو رفع دیتا تو **قائمانِ** تثنیہ نہ ہوتا اس لئے کہ صیغۂ صفت فعل کی مانند ہے کہ اسم ظاہر فاعل اگر تثنیہ وجمع ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے، پس اس تقدیر پر مثالِ مذکور میں اسم ظاہر مبتداء ہوگا اور صیغۂ صفت اس کی خبر مقدم۔

فصل: خَبَرُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا وَهِیَ اَنَّ وَكَاَنَّ لٰكِنَّ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ فَهٰذِهِ الْحُرُوْفُ تَدْخُلُ عَلَى الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ فَتَنْصِبُ الْمُبْتَدَاءَ وَيُسَمّٰى اِسْمَ اِنَّ وَتَرْفَعُ الْخَبَرَ وَيُسَمّٰى خَبَرَ اِنَّ فَخَبَرُ اِنَّ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا نَحْوُ اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَحُكْمُهٗ فِیْ كَوْنِهٖ مُفْرَدًا اَوْ جُمْلَةً اَوْ مَعْرِفَةً اَوْ نَكِرَةً كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَاءِ

ترجمہ: یہ فصل ہے **اِنَّ** اور اس کی نظیروں کی خبر کے بیان میں اور اس کی نظیریں **اَنَّ وکاَنَّ ولکنَّ ولیتَ ولعلَّ** ہیں، پس یہ حروف مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں تو مبتداء کو نصب دیتے ہیں نام رکھا جاتا ہے "اسم اِنَّ اور خبر کو رفع دیتے ہیں نام رکھا جاتا ہے **خبر انّ** تو **خبر اِنَّ** وہ مسند ہے اس کے داخل ہونے کے بعد جیسے **اِنَّ زیدًا قائمٌ** یعنی بے شک زید کھڑا ہونے والا ہے اور **اِنَّ** وغیرہ کی خبر کا حکم اس کے مفرد یا جملہ یا معرفہ یا نکرہ ہونے میں مبتداء کی خبر کے حکم کی طرح ہے۔

تشریح: **خَبَرُ اِنَّ** یعنی **اِنَّ** اور اس کی نظیروں کی خبر! **اِنَّ** کی نظیریں پانچ ہیں: **اَنَّ وکاَنَّ ولکنَّ ولیتَ ولعلَّ** کل یہ چھ حروف ہیں جو مبتداء وخبر پر داخل ہو کر مبتداء کو نصب دیتے ہیں، اس کو اسم **اِنَّ** کہا جاتا ہے اور خبر کو رفع دیتے ہیں اس کو خبر **اِنَّ** کہا جاتا ہے۔

فَخَبَرُ اِنَّ یعنی **اِنَّ** اور اس کی نظیروں کی خبر وہ مسند ہے **اِنَّ** کے داخل ہونے کے بعد اس تعریف میں مسند بمنزلہ جنس ہے جو خبر

کان اور خبر مبتداء اور خبر لائے نفی جنس کو شامل ہے اور بعد دخول ہذہ الحروف بمنزلہ فصل ہے، اس سے مذکورہ تمام خبریں خارج ہو گئیں، سوال انّ زیدًا یضرب اخوہٗ میں یضرب ۔انّ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے پس خبر کی تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ جب کہ وہ خبر نہیں بلکہ یضرب اخوہٗ کا مجموعہ ہے۔ جواب: دخول ہذہ الحروف سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر لفظی یا معنوی اس مسند تک پہنچ جائے۔ اثر لفظی یہ ہے کہ حروف مشبہ کے دخول کے بعد وہ مرفوع لفظاً یا تقدیراً یا محلاً ہو اور اثر معنوی یہ ہے کہ مسند کا مدلول مسند الیہ کے لئے بطور تخصیص ہو تو انّ نے اپنا اثر یضرب اخوہٗ کے مجموعہ میں کیا ہے نہ کہ ضرب یضرب میں۔

وَحُکْمُہٗ فِیْ کَوْنِہٖ حکم بمعنی حال وشان ہے اور بمعنی اثر بھی ممکن ہے، یعنی انّ اور اس کی نظیروں کا حال اس کے مفرد و جملہ ہونے خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ یا شرطیہ یا ظرفیہ ہو، اسی طرح معرفہ ونکرہ ہونے اور متعدد ومتوحد و مثبت و منفی ومحذوف وعائد کے وجوب کی شرائط میں جب کہ جملہ ہو اسی طرح دوسری حالتوں میں مبتداء کی خبر کے حال کی طرح ہے یعنی جو حال مبتداء کی خبر کا ہے وہی حال ان حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا ہے۔

وَلَا یَجُوْزُ تَقْدِیْمُ اَخْبَارِھَا عَلٰی اَسْمَائِھَا اِلَّا اِذَا کَانَ ظَرْفًا نَحْوُ اِنَّ فِی الدَّارِ زَیْدًا لِمَجَالِ التَّوَسُّعِ فِی الظُّرُوْفِ۔

ترجمہ: اور اس کی خبروں کی تقدیم ان کے اسموں پر جائز نہیں مگر جب کہ وہ ظرف ہو جیسے انّ فی الدار زیدًا یعنی بے شک گھر میں زید ہے بوجہ ظروف میں توسیع کے مجال کے۔

تشریح: وَلَا یَجُوْزُ تَقْدِیْمُ انّ اور اس کی نظیروں کا حکم مبتداء کے حکم کی مانند اس امر میں نہیں ہے کہ انّ اور اس کی نظیروں کی خبروں کی تقدیم ان کے اسموں پر جائز ہو، یعنی مبتداء کی تقدیم ان کے اسموں پر تو جائز ہے لیکن انّ اور اس کی نظیروں کی خبر کی تقدیم ان کے اسموں پر جائز نہیں کیونکہ انّ اور اس کی نظیر عمل میں ضعیف ہیں اور عامل ضعیف ترتیب اصل کے وقت عمل کرتا ہے اور تقدیم سے چونکہ ترتیب بدل جاتی ہے اس لئے انّ اور اس کی نظیروں کی خبروں کی تقدیم ان کے اسموں پر جائز نہیں۔

اِلَّا اِذَا کَانَ یعنی ان حروف کی خبروں کی تقدیم ان کے اسموں پر کسی وقت بھی جائز نہیں مگر جبکہ خبر ظرف ہو، یعنی ان حروف کی خبریں اگر ظرف ہوں تو ان کی خبروں کی تقدیم ان کے اسموں پر جائز ہے جبکہ اسم معرفہ ہو جیسے انّ الینا ایابھم اور اگر اسم نکرہ ہو تو خبروں کی تقدیم اپنے اسموں پر ضروری ہوگی۔ جیسے انّ من البیان لسحرًا اور انّ من الشعر لحکمۃً اس کی وجہ یہ کہ ظرف میں ایسا توسع ہے جو اس کے غیر میں نہیں کیونکہ اس کا وقوع کلام میں کثیر ہوتا ہے، چنانچہ انّ فی الدار زیدًا جائز ہے، البتہ انّ قائمٌ زیدًا جائز نہیں۔

فصل: اِسْمُ کَانَ وَاَخَوَاتِھَا وَھِیَ صَارَ وَاَصْبَحَ وَاَمْسٰی وَاَضْحٰی وَظَلَّ وَبَاتَ وَرَاحَ وَاٰضَ وَعَادَ وَغَدَا وَمَا زَالَ وَمَا بَرِحَ وَمَا فَتِیَ وَمَا انْفَکَّ وَمَا دَامَ وَلَیْسَ فَھٰذِہِ الْاَفْعَالُ تَدْخُلُ اَیْضًا عَلَی الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ

فَتَرْفَعُ الْمُبْتَدَاءَ وَيُسَمّٰى اِسْمَ كَانَ وَتَنْصِبُ الْخَبَرَ وَيُسَمّٰى خَبَرَ كَانَ فَاِسْمُ كَانَ هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا نَحْوُ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا

ترجمہ: یہ فصل ہے **کان** اور اس کی نظیروں کے اسم کے بیان میں اور اس کی نظیریں **صار واصبح وامسٰی واضحٰی وظلّ وبات واٰض وعاد وغدا وراح ومازال ومابرح ومافتی ماانفك ومادام ولیس** ہیں، پس یہ افعال بھی مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں تو مبتدا کو رفع دیتے ہیں اور نام رکھا جاتا ہے اسم کان اور خبر کو نصب دیتے ہیں اور نام رکھا جاتا ہے، خبر کان، تو کان کا اسم وہ مسند الیہ ہے ان کے داخل ہونے کے بعد جیسے **کان زیدٌ قائمًا** یعنی زید کھڑا ہونے والا تھا۔

تشریح: **اِسْمُ كَانَ** علامہ ابن حاجب نے اسم کان کو مرفوعات میں علیحدہ طور پر بیان نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ کہ وہ ان کے نزدیک فاعل ہے اس کا ملحق نہیں اور بعض نحویوں نے اس کو فاعل کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ کہ فاعل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کلام اس سے تام ہو جائے اور یہاں اُس سے کلام تام نہیں ہوتا بلکہ اسم کان کے علاوہ خبر کان کی بھی ضرورت پیش آتی ہے، اسی وجہ سے کان اور اس کی نظیروں کو افعالِ ناقصہ کہا جاتا ہے افعالِ تامہ نہیں اور اسی وجہ سے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو فاعل میں شمار نہیں کیا بلکہ مرفوعات سے علیحدہ مستقل قسم قرار دیا ہے۔

وَهِیَ صَارَ کان اور اس کی نظیریں کل سترہ افعال ہیں جن کو افعالِ ناقصہ کہا جاتا ہے، بحث فعل میں ناقصہ کہنے کی وجہ اور ان کا معنی بیان کیا جائے گا، البتہ وہ سترہ افعال یہ ہیں: (۱) **کان** (۲) **صار** (۳) **اصبح** (۴) **امسٰی** (۵) **اضحٰی** (۶) **ظل** (۷) **بات** (۸) **آض** (۹) **عاد** (۱۰) **غدا** (۱۱) **راح** (۱۲) **ما زال** (۱۳) **ما برح** (۱۴) **ما فتی** (۱۵) **ما انفك** (۱۶) **ما دام** (۱۷) **لیس**۔ خیال رہے کہ جو حکم ان افعال کا ہے وہی ان کے مشتقات کا ہے مثلاً کان سے مشتق کون، یکون، کن وغیرہ اور افعالِ ناقصہ اگرچہ سترہ ہیں لیکن اسم وخبر کو اسم کان اور خبر کان کہا جاتا ہے، یعنی نام صرف کان کا لیا جاتا ہے، اگرچہ افعال اس کے علاوہ بھی ہیں، اس کی وجہ یہ کہ کان کلام میں کثیر الوقوع ہوتا ہے۔

فَهٰذِهِ الْاَفْعَالُ یعنی انّ اور اس کی نظیروں میں سے ہر ایک جس طرح مبتدا وخبر پر داخل ہوتا ہے، اسی طرح ان افعالِ مذکورہ میں سے ہر ایک مبتدا وخبر پر داخل ہوتا ہے۔ مبتداء پر داخل ہو کر رفع دے دیتا ہے اور اس کا نام اسم کان رکھا جاتا ہے اور خبر پر داخل ہو کر نصب دے دیتا ہے۔ اور اس کا نام خبر کان رکھا جاتا ہے جیسے **کان زیدٌ قائمًا** میں زید کو رفع دیا اس کو اسم کان کہا جاتا ہے اور **قائمًا** کو نصب دیا اس کو خبر کان کہا جاتا ہے۔

فَاِسْمُ كَانَ یعنی کان اور اس کی نظیروں کا اسم اُن کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے۔ تعریف میں المسند الیہ بمنزلہ جنس ہے جو ہر مسند الیہ کو شامل ہے مثلاً مبتداء و ما ولا مشابہتین بلیس کے اسم وغیرہ کو بعد دخولہا بمنزلہ فصل ہے، اس سے وہ تمام اسماء

خارج ہو گئے جو ان کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ نہیں ہوتے۔

وَيَجُوْزُ فِي الْكُلِّ تَقْدِيْمُ اَخْبَارِهَا عَلٰى اَسْمَائِهَا نَحْوُ كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ وَعَلٰى نَفْسِ الْاَفْعَالِ اَيْضًا فِي التِّسْعَةِ الْاَوَّلِ نَحْوُ قَائِمًا كَانَ زَيْدٌ وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ فِيْ مَا فِيْ اَوَّلِهٖ مَا فَلَا يُقَالُ قَائِمًا مَا زَالَ زَيْدٌ وَفِيْ لَيْسَ خِلَافٌ وَبَاقِي الْكَلَامِ فِيْ هٰذِهِ الْاَفْعَالِ يَجِيْئُ فِي الْقِسْمِ الثَّانِيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ: اور تمام میں جائز ہے ان کی خبروں کی تقدیم ان کے اسموں پر جیسے **كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ** اور نفس افعال پر بھی پہلے نو میں جیسے **قَائِمًا كَانَ زَيْدٌ** اور وہ یعنی تقدیم جائز نہیں ہے اُن افعال میں کہ جن کے شروع میں ما ہے، چنانچہ یہ نہیں کہا جائے گا **قَائِمًا مَا زَالَ زَيْدٌ** اور **لَيْسَ** میں اختلاف ہے اور باقی کلام ان افعال کے بارے قسم ثانی میں آئے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

تشریح: **وَيَجُوْزُ فِي الْكُلِّ** یعنی مذکورہ تمام افعال میں یہ امر بالاتفاق جائز ہے کہ ان کی خبروں کی تقدیم ان کے اسموں پر جائز ہے کیونکہ وہ افعال عمل میں قوی ہوتے ہیں، چنانچہ **كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ** جائز ہے لیکن یہ تقدیم اس وقت جائز ہے جب کہ التباس کا خطرہ نہ ہو اور اگر خطرہ ہو اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو جو اسم و خبر میں امتیاز ہو سکے تو اس وقت خبر کی تقدیم اسم پر درست نہ ہوگی بلکہ اسم کی تقدیم خبر پر ضروری ہوگی جیسے **مَا كَانَ مُوْسٰى عِيْسٰى**۔

وَعَلٰى نَفْسِ الْاَفْعَالِ یعنی افعال ناقصہ کے اسموں کی تقدیم جس طرح ان کی خبروں پر جائز ہے اسی طرح ان کی خبروں کی تقدیم خود ان افعال پر بھی جائز ہے لیکن یہ تقدیم کل افعال میں جائز نہیں بلکہ شروع کے نو افعال میں جائز ہے۔ اور وہ کان سے راح تک! اور ان کے علاوہ افعال کی تقدیم کہ جن کے شروع میں لفظ **مَا** ہے جائز ہے، شروع کے نو افعال میں جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عامل فعل ہے اور فعل عمل میں قوی ہوتا ہے اور جو عمل میں قوی ہو، اس کے معمول کی تقدیم اس پر جائز ہوتی ہے جب کہ کوئی مانع نہ ہو اور اگر مانع ہو مثلاً لفظ **مَا** جو ان افعال کے شروع میں ہو تو تقدیم جائز نہیں ہوتی۔ **مَادَامَ** میں اس لئے جائز نہیں کہ اس میں **مَا** مصدریہ ہے اور باقی میں **مَا** نافیہ ہے۔ اور **مَا** مصدریہ و **مَا** نافیہ دونوں صدارت کلام کو مقتضی ہے، اسی وجہ سے اس پر تقدیم جائز نہیں ورنہ صدارت مفقود ہو جائے گی۔ اس امر میں ابن کیسان مخالفت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مادام کے علاوہ کل میں ان کی خبروں کی تقدیم اُن افعال پر جائز ہے اس لئے کہ اس میں **مَا** نافیہ اثبات کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ افعال نفی پر دلالت کرتے ہیں اور نفی کی نفی اثبات کا فائدہ دیتی ہے، چنانچہ **مَا زَالَ زَيْدٌ عَالِمًا** کا معنی ہے: **كَانَ زَيْدٌ عَالِمًا دَائِمًا**۔

وَفِيْ لَيْسَ یعنی لیس کے بارے نحویوں کے درمیان اختلاف ہے کہ **لَيْسَ** کی خبر خود **لَيْسَ** پر مقدم ہو سکتی ہے یا نہیں۔ سیبویہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا حکم بھی ان ہی افعال کی طرح ہے جن کے شروع میں لفظ **مَا** داخل ہے۔ بصریوں کے نزدیک مقدم کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس کے شروع میں **مَا** داخل نہیں۔

فصل: إِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ وَهُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا نَحْوُ مَا زَيْدٌ قَائِمًا وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ وَيَخْتَصُّ لَا بِالنَّكِرَةِ وَيَعُمُّ مَا بِالْمَعْرِفَةِ وَالنَّكِرَةِ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے ایسے **ما ولا** کا اسم جو مشابہ ہیں **لیس** کے وہ مسند الیہ ہے **ما ولا** کے داخل ہونے کے بعد جیسے **ما زیدٌ قائمًا** یعنی زید کھڑا ہونے والا نہیں اور **لا رجلٌ افضلَ مِنْكَ** یعنی کوئی مرد تم سے زیادہ فضیلت والا نہیں اور **لا** نکرہ کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور **ما** عام ہوتا ہے معرفہ اور نکرہ دونوں کو۔

تشریح: **اِسْمُ مَا وَلَا** **ما ولا** دونوں لیس کے ساتھ نفی و دخول میں مشابہ ہیں یعنی لیس جس طرح نفی کا معنی دیتا ہے، اسی طرح یہ دونوں بھی اور جس طرح لیس مبتداء وخبر پر داخل ہوتا ہے، اسی طرح یہ دونوں بھی داخل ہوتے ہیں۔

هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ یہ تعریف ہے اسم **ما ولا** کی کہ **ما ولا** کا اسم وہ مسند الیہ ہے جو ان دونوں کے بانفرادہ داخل ہونے کے بعد ہوتا ہے جیسے **ما زیدٌ قائمًا** اور **لا رجلٌ افضل منك** میں۔ تعریف میں مسند الیہ بمنزلہ جنس ہے جو ہر مسند الیہ کو شامل ہے اور بعد دخولہا بمنزلہ فصل ہے جس سے اسم **ما ولا** کے علاوہ تمام خارج ہو گئے۔

يَخْتَصُّ یعنی **ما ولا** اگرچہ دونوں نفی و دخول میں ایک دوسرے کے شریک ہیں لیکن موقع استعمال میں دونوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ **لا** نکرہ کے ساتھ خاص ہے اور **ما** نکرہ ومعرفہ دونوں کو عام ہے یعنی وہ صرف نکرہ میں داخل ہوتا ہے اور وہ بھی بہت کم اور **ما** نکرہ ومعرفہ دونوں پر داخل ہوتا ہے اس کے علاوہ دو فرق اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ **لا** مطلق نفی کے لئے آتا ہے اور **ما** نفی حال کے لئے اور دوسرا یہ کہ **لا** کی خبر پر **ما** کا دخول جائز نہیں، البتہ **ما** کی خبر پر **لا** کا دخول جائز ہے، اسی بناء پر **ما** کو **لیس** کے ساتھ بہ نسبت **لا** کے زیادہ مشابہت حاصل ہے کیونکہ **لیسَ** بھی نفی حال کے لئے آتا ہے اور اس کی خبر پر **ما** کا دخول جائز ہے۔

اَلْمَقْصَدُ الثَّانِيْ فِي الْمَنْصُوْبَاتِ: اَلْاَسْمَاءُ الْمَنْصُوْبَةُ اِثْنَا عَشَرَ قِسْمًا اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ وَبِهٖ وَفِيْهِ وَلَهٗ وَمَعَهٗ وَالْحَالُ وَالتَّمِيْزُ وَالْمُسْتَثْنٰى وَاِسْمُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا وَخَبَرُ كَانَ وَاَخَوَاتِهَا وَالْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وَخَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ۔

ترجمہ: دوسرا مقصد منصوبات کے بیان میں ہے۔ اسماء منصوبہ بارہ قسمیں ہیں۔ مفعول مطلق اور مفعول بہ اور مفعول فیہ اور مفعول لہٗ اور مفعول معہٗ اور حال اور تمیز اور مستثنیٰ اور اسم **انّ واخواتها** اور خبر **کان واخواتها** اور منصوب **بلا التی لنفی الجنس** اور خبر **ما ولا المشبهتين بليس**۔

تشریح: **اَلْمَقْصَدُ الثَّانِيْ** مقصد اول جو مرفوعات کے بیان میں ہے جب اُس کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب مقصد دوم کو بیان کیا جاتا ہے جو منصوبات کے بیان میں ہے، مرفوعات کے بعد منصوبات کو اس لئے بیان کیا گیا کہ دونوں کا عامل وہ ایک ہوتا ہے، چنانچہ **ضربَ زیدٌ عمرًوا** میں زید اور عمرو دونوں کا عامل صرف **ضربَ** ہے۔ برخلاف مجرورات کے اُن کا عامل وہ

قسمیں یک دوسرا ہوتا ہے۔
اَلْاَسْمَاءُ الْمَنْصُوْبَۃُ اسماء منصوبہ یعنی منصوب کی بارہ قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) مفعول مطلق (۲) مفعول بہ (۳) مفعول فیہ (۴) مفعول لہ (۵) مفعول معہ (۶) حال (۷) تمیز (۸) مستثنیٰ (۹) اسم **انّ واخواتہا** (۱۰) خبر **کان واخواتہا** (۱۱) منصوب **بلا التی لنفی الجنس** (۱۲) خبر **ما ولا المشبہتین بلیس**۔ اول پانچ کو اصول منصوبات کہا جاتا ہے اور باقی سات کو ملحقات منصوبات جیسا کہ فارسی کے اس شعر میں مفاعیل خمسہ کا ذکر ہے۔

مفاعیل ہمہ پنج است بشنوی، لہ و مطلق و فیہ و معہ و بہ۔

فصل: اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ وَهُوَ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰی فِعْلٍ مَّذْكُوْرٍ قَبْلَهٗ وَيُذْكَرُ لِلتَّاكِيْدِ كَضَرَبْتُ ضَرْبًا اَوْلِبَيَانِ النَّوْعِ نَحْوُ جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِیْ اَوْلِبَيَانِ الْعَدَدِ نَحْوُ جَلَسْتُ جَلْسَةً اَوْجَلْسَتَيْنِ اَوْ جَلَسَاتٍ وَيَكُوْنُ مِنْ غَيْرِ لَفْظِ الْفِعْلِ الْمَذْكُوْرِ نَحْوُ قَعَدْتُ جُلُوْسًا وَاَنْبَتُّ نَبَاتًا

ترجمہ: یہ فصل ہے مفعول مطلق کے بیان میں اور وہ ایسا مصدر ہے جو ایسے فعل کے معنی میں ہو جو اس سے قبل مذکور ہے اور وہ تاکید کے لئے مذکور ہوتا ہے جیسے **ضربتُ ضربًا** یعنی مارا میں نے مارنا یا بیان نوع کے لئے جیسے **جلستُ جلسة القاری** یعنی بیٹھا میں قاری کا بیٹھنا یا کئی بار بیٹھنا اور مفعول مطلق فعل مذکور کے لفظ کے غیر سے ہوتا ہے جیسے **قعدتُ جلوسًا** یعنی بیٹھا میں بیٹھنا **وانبتُّ نباتًا** یعنی اُگایا میں نے اُگنا۔

تشریح: **اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ** منصوبات کی پہلی قسم مفعول مطلق ہے اور اس کو تمام منصوبات پر اس وجہ سے مقدم کیا گیا کہ وہ اپنے نفس مفہوم پر بلا قید زائد دلالت کرتا ہے، برخلاف دوسرے مفاعیل کہ ان میں سے بعض میں بہ کی قید ہے اور بعض میں فیہ کی اور بعض میں معہٗ یا لہٗ کی قید ہے اور مطلق چونکہ مقید پر طبعاً مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تا کہ وضع یعنی ذکر طبع کے موافق ہو جائے اور مفعول مطلق میں جو اطلاق کی قید ہے وہ تقیید کے لئے نہیں بلکہ بیانِ مفہوم کے لئے ہے۔
وَهُوَ مَصْدَرٌ یعنی مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو ایسے فعل کے معنی پر مشتمل ہو جو اس مصدر سے قبل مذکور ہو، یعنی مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو اپنے معنی مصدری میں فعل مذکور کے ساتھ شریک ہو اور وہ دونوں کا فاعل ایک ہو جیسے **ضربتُ ضربًا** میں **ضربٌ** مفعول مطلق ہے جو مصدر ہے اور وہ اپنے معنی مصدری میں **ضربتُ** کے ساتھ شریک ہے اور دونوں کا فاعل یعنی **ضارب** بھی ایک ہے۔
فِعْلٍ مَّذْكُوْرٍ قَبْلَهٗ فعل کے مصدر سے پہلے مذکور ہونے سے مراد عام ہے کہ مذکور حقیقۃً ہو یا حکماً۔ حقیقۃً جیسے **ضربتُ ضربًا** میں یا حکماً جیسے **ضربَ الرقاب** میں کہ وہ اصل میں **فاضربوا ضربَ الرقاب** ہے یا مصدر سے پہلے وہ اسم مذکور ہو جو فعل کے معنی پر مشتمل ہو جیسے **زید ضاربٌ ضربًا** میں، پس اس قید سے وہ مصدر خارج ہو گیا جس سے پہلے فعل مذکور نہ حقیقۃً ہو اور نہ حکماً، پس وہ مفعول مطلق نہیں، اسی طرح **کرهتُ قیامی** میں جو **قیامی** مصدر ہے مفعول مطلق نہیں اس لئے

کہ قیام اگرچہ مصدر ہے اور اس سے پہلے فعل بھی ہے لیکن وہ مصدر فعل مذکور کے معنی میں نہیں، لہٰذا وہ مفعول مطلق نہیں۔

یُذْکَرُ لِلتَّاکِیْدِ مفعول مطلق کی تعریف کے بعد اب اس کی تقسیم بیان کی جاتی ہے کہ مفعول مطلق تین اُمور کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ کبھی تاکید کے لئے یعنی جو معنی مصدری فعل سے مستفاد ہو، مفعول مطلق بعینہٖ اسی پر دلالت کرتا ہے جیسے **ضَرَبْتُ ضَرْبًا** میں اور مفعول مطلق کبھی بیان نوع کیلئے ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ اس وقت متصور ہوتا ہے جب کہ مصدر کا مدلول فعل کی بعض انواع ہوں جیسے **جلست جلسة القاری** یعنی بیٹھا میں قاری کا بیٹھنا اور مفعول مطلق کبھی بیان عدد کیلئے ذکر کیا جاتا ہے، یعنی تعداد و گنتی و وحدت و کثرت پر دلالت کرنے کے لئے اور یہ اسی وقت متصور ہوتا ہے جب کہ مفعول مطلق کا مدلول عدد ہو اور وہ عدد عام ہے لفظ مصدر سے مستفاد ہو یا کسی دوسرے لفظ سے۔ اول جیسے **جلست جلسةً** یعنی بیٹھا میں ایک بار بیٹھنا۔ **جلست جلستین** یعنی بیٹھا میں دوبار بیٹھنا اور **جلست جلساتٍ** یعنی میں بیٹھا کئی بار بیٹھنا، دوم جیسے **ضربتُ ضربًا کثیرًا** میں گنتی صفت کثیر سے مستفاد ہوتی ہے۔

یَکُوْنُ مِنْ غَیْرِہٖ یعنی مفعول مطلق جو اپنے فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے وہ کبھی اپنے فعل کے لفظ سے مغایر لفظ کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ مغایر عام ہے کہ باعتبار مادہ ہو یا باعتبار باب یا باعتبار باب و مادہ دونوں! اول جیسے **قعدت جلوسًا** اور دوم جیسے **انبت نباتًا** اور سوم جیسے **فاوجس فی نفسہٖ خیفة موسٰی** میں ایجاس باب افعال بمعنی در دل افگندن ترس را اور **خیفة** بمعنی ترسیدن۔

وَیُحْذَفُ فِعْلُهٗ لِقِیَامِ قَرِیْنَةٍ جَوَازًا کَقَوْلِكَ لِلْقَادِمِ خَیْرَ مَقْدَمٍ اَیْ قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَیْرَ مَقْدَمٍ وَوُجُوْبًا سِمَاعًا نَحْوُ سَقْیًا وَشُکْرًا وَحَمْدًا وَرَعْیًا اَیْ سَقَاكَ اللّٰهُ سَقْیًا وَشَکَرْتُكَ شُکْرًا وَحَمِدْتُكَ حَمْدًا وَرَعَاكَ اللّٰهُ رَعْیًا۔

ترجمہ: اور مفعولِ مطلق کے فعل کو کبھی بوقت قیام قرینہ حذف کیا جاتا ہے جوازاً جیسے آپ کا قول آنے والوں کے لئے خیر مقدم یعنی آیا تو آنا بہتر آنا اور کبھی حذف کیا جاتا ہے وجوباً سماعی طور پر جیسے **سقیًا** اور **شکرًا** اور **حمدًا** اور **رعیًا** یعنی **سقاك اللہ سقیًا** یعنی سیراب کیا تجھ کو اللہ نے سیراب کرنا اور **شکرتك شکرًا** یعنی شکر کیا میں نے تیرا شکر کرنا اور **حمدتك حمدًا** یعنی تعریف کی میں نے تیری تعریف کرنا اور **رعاك اللہ رعیًا** یعنی حفاظت کرے تیری اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا۔

تشریح: **وَیُحْذَفُ فِعْلُهٗ** یعنی مفعولِ مطلق کے فعل قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے وقت جوازاً حذف کیا جاتا ہے، چنانچہ سفر سے آنے والے کے لئے کہا جاتا ہے: خیر مقدم یعنی **قدمت قدومًا خیر مقدم** اس میں **قدمت** کو بقرینۂ حال مخاطب حذف کیا گیا پھر **قدومًا** کو حذف کر کے اس کی صفت خیر مقدم کو اس کی جگہ پر قائم کر دیا گیا۔

وُجُوْبًا سِمَاعًا: وجوبًا کا عطف جوازاً پر ہے یعنی **یحذف حذفًا واجبًا** مطلب یہ کہ مفعول مطلق کے فعل کو کبھی بوقت قیام قرینہ وجوبی طور پر حذف کیا جاتا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں: سماعی و قیاسی۔ سماعی یہ ہے کہ جس کے مفعولِ مطلق کے فعل کے

حذف پر کوئی ایسا قاعدہ وضابطہ نہ ہو کہ جس پر دوسرے مفعول کو قیاس کیا جا سکے بلکہ اس کا حذف سماع پر موقوف ہو اور قیاسی وہ ہے جس کے حذف پر کوئی قاعدہ وضابطہ ہو۔ اس کو مصنف نے بوجہ اختصار بیان نہیں فرمایا۔ صرف وجوب سماعی کو بیان فرمایا جس کی چار مثالیں بیان کی گئیں، اول سقیا جو اصل میں سقاك الله سقیا ہے، دوم شکرًا جو اصل میں شکرتك شکرًا ہے، سوم حمدًا جو اصل میں حمدتك حمدًا ہے، چہارم رعیًا جو اصل میں رعاك الله رعیًا ہے۔

فصل: اَلْمَفْعُوْلُ بِهٖ وَهُوَ اِسْمُ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ كَضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفَاعِلِ كَضَرَبَ عَمْرًوا زَيْدٌ

ترجمہ: یہ فصل ہے مفعول مطلق کے بیان میں اور وہ ایسی شئی کا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضرب زیدٌ عمرًوا یعنی مارا زید نے عمرو کو اور وہ کبھی فاعل پر مقدم ہوتا ہے جیسے ضرب عمرًوا زیدٌ یعنی مارا عمرو کو زید نے۔

تشریح: اَلْمَفْعُوْلُ بِهٖ یعنی مفعول بہ وہ ایسی چیز کا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ فعل عام ہے کہ مثبت ہو جیسے ضرب زیدٌ عمرًوا یا منفی ہو جیسے لم اکرم زیدًا۔ تعریف میں اسم بمنزلہ جنس ہے جس میں تمام مفاعیل داخل ہیں اور ما وقع علیه فعل الفاعل بمنزلہ فصل ہے جس سے مفعول بہ کے علاوہ دوسرے مفاعیل یعنی مفعول فیہ ومفعول لہ اور مفعول معہ خارج ہو گئے اس لئے کہ وہ ایسے مفعول نہیں کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہے بلکہ وہ یا تو اس میں یا اس کے لئے یا اس کے ساتھ فاعل کا فعل واقع ہے اور اس سے مفعول مطلق بھی خارج ہو گیا کیونکہ اس میں فعل کا فاعل واقع نہیں جو غیر ہونے کو مستلزم ہوتا ہے جب کہ مفعول مطلق عین فاعل کا فعل ہوتا ہے حالانکہ شئی اپنے نفس پر واقع نہیں ہوتی۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ یعنی مفعول بہ کبھی اپنے فعل پر جو اس کا عامل ہے مقدم ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کا عامل قوی ہے اور عامل قوی تقدیم وتاخیر دونوں صورتوں میں عمل کرتا ہے کیوں کہ معمول خواہ مقدم ہو یا مؤخر۔ بہر تقدیر اس پر عامل کا اثر جاری رہتا ہے۔ مفعول بہ کی تقدیم فعل پر کبھی جائز ہوتی ہے اور کبھی واجب۔ جائز جیسے وجه الحبیب اتمنی اور واجب اس وقت ہے جب کہ استفہام یا شرط کے معنی کو متضمن ہو جیسے مَن رئیت اور من تکرم یکرمك۔

وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهٗ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا نَحْوُ زَيْدًا فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ مَنْ اَضْرِبُ وَوُجُوْبًا فِيْ اَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ الْاَوَّلُ سِمَاعِيٌّ نَحْوُ اِمْرَاءً وَنَفْسَهٗ وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاَهْلًا وَسَهْلًا وَالْبَوَاقِيْ قِيَاسِيًّا

ترجمہ: اور مفعول بہ کے فعل کو کبھی قیام قرینہ کے وقت جوازاً حذف کیا جاتا ہے جیسے زیداً اس شخص کے جواب میں جس نے کہا: مَنْ اَضْرِبُ یعنی میں کس کو ماروں؟ اور وجوباً حذف کیا جاتا ہے چار جگہوں میں اول سماعی جیسے امراءً ونفسهٗ یعنی چھوڑ دو مرد کو اس کے نفس کے ساتھ اور انتهوا خیرًا الکم یعنی باز آ جاؤ تو قصد کر بھلائی کا اور اهلًا وسهلًا یعنی آیا تو اہل وعیال میں اور تُو نے روندا نرم زمین کو۔ اور باقی تمام قیاسی ہیں۔

تشریح: وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهٗ یعنی مفعول بہ کے فعل کو بوقت قیام حالیہ ومقالیہ کبھی حذف کیا جاتا ہے اور وہ حذف کبھی جائز ہوتا

ہے اور کبھی واجب، جائز مثلاً اس شخص کے جواب میں جو یہ کہے: مَنْ اَضْرِبُ یعنی میں کس کو ماروں؟ اور اس سے زید کے مارنے کا ارادہ کیا جائے تو کہا جائے گا: زید یعنی اضرب زیدًا لہٰذا قرینہ سوال جو مقالیہ ہے اس کے حذف پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص حج بیت اللہ شریف کا ارادہ کرے اور اس سے صرف مکہ کہا جائے تو حج کے لئے جانا چونکہ قرینہ حالیہ ہے، اس لئے اس کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا یعنی تريد مكة۔

وَوُجُوبًا فِي اَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ: وجوبًا کا عطف جوازًا پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **قد يحذف فعله لقيام قرينة وجوبًا في اربعة مواضع** یعنی مفعول بہ کے فعل کو بوقتِ قرینہ حالیہ یا مقالیہ چار جگہوں میں وجوبًا حذف کیا جاتا ہے۔

اَلْاَوَّلُ سِمَاعِيٌّ یعنی مواضع اربعہ مذکورہ میں سے اول سماعی ہے اور وہ وہ ہے جو موردِ سماع پر موقوف ہو۔ اس کی یہاں تین مثالیں بیان کی گئیں، اول **امراء ونفسهٗ** ہے جو اصل میں **اترك امرءا ونفسهٗ** ہے یعنی مرد کو اس کے نفس کے ساتھ چھوڑ۔ یہاں پر **امراء** مفعول بہ ہے **اترك** کا جو فعل محذوف ہے اور دوم **وانتهوا خيرًا لكم** ہے جو اصل میں **انتهوا عن التثليث واقصدوا خيرًا لكم** یہ نصاریٰ سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے جو انہوں نے کہا تھا: **إنَّ الله ثالث ثلاثة** معنی یہ ہے کہ اے نصاریٰ! تم تین خدا کہنے سے بچو اور اپنے لئے خیر کا قصد کرو۔ یہاں پر **خيرًا** مفعول بہ ہے جس سے پہلے اقصدوا فعل محذوف ہے، سوم **اهلًا وسهلًا** ہے جو اصل میں **اتيت اهلًا ووطيت سهلًا** ہے یعنی تُو اپنے اہل میں آیا اور تُو نے نرم زمین کو روندا۔ اس میں بھی **اهلًا وسهلًا** مفعول بہ واقع ہے جس کے فعل کو سماعی طور پر حذف کیا گیا ہے۔

اَهْلًا وَسَهْلًا لفظ **اهل** کا استعمال دو چیزوں کے مقابلہ میں ہوتا ہے ایک بیگانوں کے اور دوسرے خراب یعنی جائے ویرانہ کے۔ لہٰذا بتقدیر اول عبارت یہ ہوگی: **اتيت اهلًا اجانب** یعنی تو رشتہ داروں کے نزدیک آیا اور بتقدیر دوم عبارت یہ ہو گی: **اتيت مكانًا ماهولًا مانوسًا لاخرابًا** اور سہل کا معنی ہے: نرم زمین مقابل حزن یعنی درشت و ناہموار زمین۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **وطيت سهلًا من البلاد ولا حزنًا** یعنی تُو نے شہروں کی نرم زمین کا سفر کیا نہ کہ درشت و ناہموار زمین کا۔

اَلْبَوَاقِيْ بواقی جمع ہے باقیۃ کی، یعنی مواضع اربعہ میں سے اول تو سماعی ہے لیکن باقی تین مواضع جو رہ گئے قیاسی ہیں، یعنی وہ ایسے قواعد کلیہ کہ جہاں وہ پائے جائیں تو فعل کا حذف ضروری ہو جاتا ہے اور وہ ان میں سے ایک تحذیر ہے اور دوسرا **ما اضمر عامله على شريطة التفسير** اور تیسرا منادی ہے۔

اَلثَّانِيْ اَلتَّحْذِيْرُ وَهُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ تَحْذِيْرًا مِمَّا بَعْدَهٗ نَحْوُ اِيَّاكَ وَالْاَسَدَ اَصْلُهٗ اِتَّقِكَ وَالْاَسَدَ اَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا نَحْوُ الطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ

ترجمہ: اور دوسرا مقام مفعول بہ کے فعل کے حذف کا تحذیر ہے اور وہ معمول ہے **اتق** کی تقدیر کے ساتھ بوجہ ڈرانے اس چیز سے جو ثابت ہے اس کے بعد جیسے **اياك والاسد**۔ اس کی اصل **اتقك والاسد** ہے یعنی بچا تو اپنے کو شیر سے اور شیر کو

اپنے سے یا محذر منہ کو مکرر ذکر کیا جائے جیسے الطریق الطریق یعنی بچ تُو راستہ سے بچ تُو راستہ سے۔

تشریح: اَلتَّحْذِیْرُ یعنی جب مواضع اربعہ میں مفعول بہ کے فعل ناصب کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے، ان میں سے دوسری جگہ تحذیر ہے اور اس کے وجوب حذف کی جگہ تنگیٔ مقام اور عدیم الفرصت ہے۔ تحذیر لغت میں بمعنی تخویف شیٔ من شیٔ وتبعیدہ عنہ ہے یعنی کسی شیٔ کو کسی شیٔ سے ڈرانا اور اس سے اس کو دور کرنا ہے اور اصطلاح میں مفعول بہ کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کا نام ہے جو معمول ہے اتقِ کی تقدیر کے ساتھ بوجہ ڈرانے اس چیز سے جو ثابت ہے اس کے بعد، لہٰذا جس کو ڈرایا جائے وہ محذر اور مقدر کا مفعول ہے، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اتقِ مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس کو مابعد سے ڈرایا جائے جیسے ایاک والاسد اصل میں اتقک والاسد دوسری یہ کہ وہ اتقِ مصدر کی وجہ سے منصوب ہو لیکن وہ محذر منہ ہو یعنی جس سے ڈرایا جائے وہ محذر منہ مکرر کیا گیا ہو جیسے الطریق الطریق یعنی اتقِ الطریقَ الطریقَ فعل کو حذف کر کے معمول جو کہ محذر منہ ہے تاکید کی غرض سے مکرر کر دیا۔

اَلثَّالِثُ مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ عَلٰی شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ بَعْدَهٗ فِعْلٌ اَوْ شِبْهُهٗ يَشْتَغِلُ ذٰلِكَ الْفِعْلُ عَنْ ذٰلِكَ الْاِسْمِ بِضَمِيْرِهٖ اَوْ مُتَعَلِّقِهٖ بِحَيْثُ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ اَوْ مُنَاسِبُهٗ لَنَصَبَهٗ نَحْوُ زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ فَاِنَّ زَيْدًا مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ مَحْذُوْفٍ مُضْمَرٍ وَهُوَ ضَرَبْتُ يُفَسِّرُهُ الْفِعْلُ الْمَذْكُوْرُ بَعْدَهٗ وَهُوَ ضَرَبْتُهٗ وَلِهٰذَا الْبَابِ فُرُوْعٌ كَثِيْرَةٌ۔

ترجمہ: تیسرا مقام اس اسم کا ہے جس کے عامل کو تفسیر کی شرط پر مقدر کیا گیا ہو اور وہ ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو اعراض کرے وہ اس اسم میں عمل کرنے سے اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس طور پر کہ اگر مقرر کر دیا جائے اس اسم پر وہ فعل یا اس کے مناسب کو تو وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کو نصب دے جیسے زیدًا ضربتہ کیونکہ زیدًا منصوب ہے۔ فعل محذوف مقدر کے ساتھ اور وہ ضربتُ ہے جس کی تفسیر فعل مذکور کرتا ہے جو اس کے بعد ہے اور وہ "ضربتہٗ" ہے اور اس باب کے بہت سارے فروع ہیں۔

تشریح: مَا اُضْمِرَ عَامِلُهٗ تیسرا مقام ما اضمر عاملہٗ علی شریطۃ التفسیر ہے کہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا ضروری ہے، یعنی وہ مفعول بہ ہے جس کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا جاتا ہے کہ اس کے عامل کی تفسیر آگے مذکور ہے کیونکہ عامل کو اگر حذف نہ کیا جائے تو مفسِر اور مفسَّر کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔ شریطۃ التفسیر میں اضافت بیانیہ ہے۔ اصل میں یہ ہے شرط ہو تفسیر اور شرطیہ اور شرط دونوں کا معنی ایک ہے۔ شرط کی جمع شروط آتی ہے اور شریطۃ کی شرائط اور تاء شریطۃ میں آیا اس بناء پر ہے کہ وہ صفت ہے موصوف محذوف کی اور وہ علت ہے یا وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کے لئے ہے۔ ممکن ہے شرطیۃ بمعنی طریقہ وطرز ہو۔ اضافت اس تقدیر پر لامیہ ہوگی۔

وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ ھو کا مرجع ما اضمر عاملہٗ علی شریطۃ التفسیر ہے۔ کلُّ اسمٍ کہا گیا کلُّ مفعولٍ اس لئے نہیں کہ

مفعول سے متبادر مفعول بہ ہے جب کہ **ما اضمر عاملہٗ** مفعول بہ سے عام ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ مفعول فیہ کو شامل ہوتا ہے، اگر چہ یہاں **ما اضمر عاملہٗ** سے مراد مفعول بہ ہے۔ بعدہٗ **فعل اَوْ شبہہ** صفت ہے اسم کی اور شبہ فعل سے مراد وہ اسم فاعل واسم مفعول ہے نہ کہ مصدر وصفت مشبہ واسم تفضیل اور **یشتغل** بمعنی **یعرض** ہے اور اس کا فاعل **ذلك الفعل** کے علاوہ شبہ فعل بھی ہے اس کو ماقبل پر اکتفا کرتے ہوئے صراحۃً بیان نہیں کیا گیا۔ اور **عن ذلك الاسم** میں **عن** اصل میں لفظ عمل کا صلہ ہے یعنی **عن الفعل فی ذلك الاسم** اور بضمیرہ میں با برائے سبب ہے، یعنی بسبب **عملہ فی ضمیر ذلك الاسم** خلاصہ تعریف کا یہ کہ **ما اضمر عاملہٗ** وہ اسم ہے جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل ہو کہ وہ اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے اور اس فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کیا جائے۔ یعنی اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق کو حذف کر کے فعل یا شبہ فعل کا اس اسم کو معمول بنایا جائے تو وہ اس اسم کو نصب دے۔

نَحْوُ زیدًا ضربتہٗ یہ مثال ہے اس فعل کی جو ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا اور جب اس فعل کو اس پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے گا جیسے **ضربت زیدًا** ۔ یہ مثال وہ ہے جو متن میں بیان کیا، دوسری مثال یہ ہے: **زیدًا مررت بہٖ** ۔ یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا لیکن جب اس پر فعل مذکور کے مناسب کو مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے گا مثلاً **جاوزت زیدًا** کہ مررت حرف جار سے متعدی ہونے کے بعد بمعنی جاوزت ہو گیا۔ اسی طرح **زیدًا ضربتُ غلامہٗ** اس فعل کی مثال ہے جو متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم سے اعراض کرتا ہے اور جب فعل مذکور کے مناسب کو اس پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے گا یعنی **اَھنتُ زیدًا** کیونکہ عرف میں **ضرب** غلام سے اہانت مالک لازم آتی ہے۔

اَلرَّابِعُ الْمُنَادٰی وَهُوَ اِسْمٌ مَّدْعُوٌّ بِحَرْفِ النِّدَاءِ لَفْظًا نَحْوُ یَا عَبْدَ اللهِ اَیْ اَدْعُوْ عَبْدَ اللهِ وَحَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَّقَامَ اَدْعُوْ وَحُرُوْفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ یَا وَاَیَا وَهَیَا وَاَیْ وَالْهَمْزَةُ الْمَفْتُوْحَةُ وَقَدْ یُحْذَفُ حَرْفُ النِّدَاءِ لَفْظًا نَحْوُ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا

ترجمہ: چوتھا مقام منادیٰ ہے اور وہ اسم ہے جو بلایا گیا ہو حرف نداء کے ساتھ، دراں حالیکہ وہ ملفوظ ہو جیسے یا عبداللہ یعنی "**ادعوا عبد اللہ**" اور حرف نداء **ادعو** کی جگہ پر قائم ہے اور حروف نداء پانچ ہیں۔ "**یا وایا وھیا وایْ وھمزۂ مفتوحہ**" اور حرف نداء کبھی لفظ میں حذف کیا جاتا ہے جیسے **یوسف اعرض عن ھذا** ۔

تشریح: **اَلرَّابِعُ الْمُنَادٰی** یعنی مقاماتِ اربعہ مذکورہ میں سے چوتھا مقام وہ ہے کہ جہاں مفعول بہ کے فعل ناصب کا حذف ضروری ہوتا ہے وہ منادیٰ ہے اور وہ اسم ہے جس کو حرف نداء کے ذریعہ پکارا جائے دراں حالیکہ وہ حرف لفظ میں ہو جیسے یا عبداللہ جو بمعنی **ادعو عبد اللہ** ہے، مدعو کی قید سے مندوب سے احتراز ہو گیا کہ اس سے مسمّٰی کو پکارا نہیں جاتا بلکہ اس پر اظہار تفجع وگریہ زاری کیا جاتا ہے اور بحرف النداء کی قید سے **ادعو زیدًا** کی مثل سے احتراز ہو گیا۔ اس لئے کہ اس میں زید

بذریعۂ حرف نداء پکارا نہیں جاتا، اسی طرح لیقتل زیدًا سے بھی احتراز ہو گیا کہ اس سے قتل زید کی پکار بذریعہ حرف ندا نہیں ہوتی۔ لفظاً میں ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہے کہ وہ اسم سے حال یا تمیز واقع ہوگا یا حرف نداء سے بتقدیر اول معنی یہ ہے کہ وہ اسم ملفوظ ہو یا اس کے تلفظ کے اعتبار سے حرف نداء ہو۔

أَيْ أَدْعُوْ عَبْدَ اللّٰهِ یعنی یا عبد اللہ کی اصل ادعو عبد الله ہے فعل و فاعل کو حذف کر کے حرف نداء کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ سوال: فعل اگر محذوف ہو اور حرف نداء کا قائم مقام ہو تو لازم آئے گا کہ جملہ ندائیہ خبریہ ہو جائے جب کہ جملہ ندائیہ انشائیہ ہوتا ہے۔ جواب: تقدیر فعل اس امر کو مستلزم نہیں کہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو جائے کیونکہ ممکن ہے فعل سے مراد انشاء ہو جس طرح بعتُ و اشتریتُ جملہ فعلیہ ہے لیکن وہ انشائیہ میں شمار ہے۔ خیال رہے کہ حذف فعل یہاں کثرت استعمال کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے بھی کہ نائب اور منوب کا اجتماع لازم نہ آئے۔ یہ وہ ہے جس کی طرف سیبویہ گئے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک منادیٰ کا ناصب فعل ہے اور مبرد اس طرف گئے ہیں کہ اس کا ناصب حرف نداء ہے، پس اس تقدیر پر منادی ما نحن فیه سے نہ ہوگا۔

قَدْ يُحْذَفُ یعنی حرف نداء کو منادی سے قیام قرینہ کے وقت کبھی لفظ میں حذف کیا جاتا ہے، چنانچہ قول باری تعالیٰ: یوسفُ أعرِضْ عن هذا اصل میں یا یوسفُ أعرِضْ عن هذا۔ حذف یاء پر قرینہ یہ ہے کہ یاء کو اگر محذوف نہ مانا جائے تو یوسف مبتداء ہوگا اور أعرِضْ اس کی خبر جب کہ وہ خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ وہ امر ہے اور امر انشاء ہوتا ہے اور انشاء بلا تاویل خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْمُنَادٰى عَلٰى اَقْسَامٍ فَاِنْ كَانَ مُفْرَدًا مَّعْرِفَةً يُبْنٰى عَلٰى عَلَامَةِ الرَّفْعِ كَالضَّمَّةِ وَنَحْوِهَا نَحْوُ يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ وَيَا زَيْدَانِ وَيَا زَيْدُوْنَ وَيُخْفَضُ بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ نَحْوُ يَا لَزَيْدٍ وَيُفْتَحُ بِلْحَاقِ اَلِفِهَا نَحْوُ يَا زَيْدَاهُ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ منادیٰ چند قسموں پر ہے پس اگر منادی مفرد معرفہ ہو تو وہ رفع کی علامت پر مبنی ہوگا جیسے ضمہ اور اس کی مانند جیسے یا زید اور یا رجل اور یا زیدانِ اور یا زیدون اور منادیٰ کو لام استغاثہ کی وجہ سے جر دیا جاتا ہے جیسے یا لزید اور فتحہ دیا جاتا ہے الف استغاثہ کو لاحق کرنے کی وجہ سے جیسے یا زیداہُ۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّ الْمُنَادٰى تعریف منادی کے بعد اب اس کے اقسام و احکام کو بیان کیا جاتا ہے کہ منادیٰ جب مفرد معرفہ ہو تو وہ علامت رفع پر مبنی ہوگا اور مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو اور معرفہ سے مراد عام ہے کہ وہ معرفہ نداء سے پہلے ہو یا اس کے بعد، اول جیسے یا زید دوم جیسے یا رجل۔

يَا زَيْدُ علامت رفع چونکہ ضمہ و الف و واؤ تین ہیں، اس لئے ان کی مثال بھی تین بیان کی جاتی ہے۔ ضمہ کی مثال اگرچہ یا زید و یا رجل دو ہیں لیکن وہ حقیقۃً ایک شمار کی جاتی ہے۔ پس یا زید اور یا رجل مثال ہے ضمہ کے ساتھ رفع پر مبنی ہونے کی،

پہلی مثال حرفِ ندا کے دخول سے پہلے معرفہ ہونے کی ہے اور دوسری مثال حرفِ ندا کے دخول کے بعد معرفہ ہونے کی ہے اور یا زیدان مثال ہے الف کے ساتھ رفع پر مبنی ہونے کی اور یا زیدون مثال ہے حرف واؤ کے ساتھ رفع پر مبنی ہونے کی۔

یُخْفَضُ منادیٰ پر اگر لام استغاثہ داخل ہو تو منادیٰ مجرور ہو جاتا ہے اور لام استغاثہ وہ لام ہے جو مستغاث پر بوقت استغاثہ یعنی فریاد طلب کرنے کے وقت داخل ہوتا ہے اور وہ لام ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور منادیٰ جو لام استغاثہ سے مجرور ہوتا ہے اگر اس کے اخیر میں الف لاحق ہو تو وہ مفتوح ہو جاتا ہے جیسے **یا زیداہُ** میں کہ الف اپنے ماقبل فتحہ کو چاہتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ الف استغاثہ لاحق ہو تو پھر اس پر لام استغاثہ داخل نہ ہوگا کیونکہ لام اپنے مدخول کو جر دیتا ہے اور الف اپنے ماقبل کو فتحہ اور ظاہر ہے دونوں ایک دوسرے کے منافی ہے اور متنافی ایک کلمہ میں جمع نہیں آ سکتے۔

نَحْوُ یَا لَزَیْدٍ یہ مثال ہے منادیٰ مستغاث کی۔ معنی **یا لزید** کا یہ ہے: اے زید! تُو مظلوم کی فریاد رسی کر۔ اس میں زید مستغاث ہے جس سے فریاد رسی کی جاتی ہے اور مظلوم مستغاث لہٗ ہے کہ اس کے لئے فریاد چاہی جاتی ہے اور یہاں مذکور مستغاث ہے مستغاث لہٗ نہیں کہ وہ محذوف ہے۔

وَيُنْصَبُ اِنْ كَانَ مُضَافًا نَحْوُ يَا عَبْدَ اللهِ اَوْ مُشَابِهًا لِّلْمُضَافِ نَحْوُ يَا طَالِعًا جَبَلًا اَوْ نَكِرَةً غَيْرَ مُعَيَّنَةٍ كَقَوْلِ الْاَعْمٰى يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِيْ وَاِنْ كَانَ مُعَرَّفًا بِاللَّامِ قِيْلَ يَا اَيُّهَا الرَّجُلُ وَيَا اَيَّتُهَا الْمَرْاَةُ

ترجمہ: اور منادیٰ منصوب ہوتا ہے اگر وہ مضاف ہو جیسے یا عبداللہ یا مضاف کے مشابہ ہو جیسے **یا طالعًا جبلًا** یعنی اے پہاڑ پر چڑھنے والے! یا نکرہ غیر معینہ ہو جیسے اندھے کا قول **یا رجلًا خذ بیدی** یعنی اے مرد! پکڑ تُو میرے ہاتھ کو اور منادیٰ اگر معرف باللام ہو تو کہا جائے گا: **یا ایھا الرجل** اور **یا ایتھا المرأۃ**۔

تشریح: **یُنْصَبُ** یعنی منادیٰ منصوب ہوگا جب کہ اس میں تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو اور وہ ایک یہ کہ منادیٰ مضاف ہو جیسے **یا عبداللہ**، دوسری وہ کہ منادیٰ مشابہ مضاف ہو جیسے **یا طالعًا جبلًا** تیسری وہ کہ منادیٰ نکرہ غیر معینہ ہو جیسے اندھے کا قول ہے: **یا رجلًا خذ بیدی** ان صورتوں میں چونکہ جہت اسمیت قوی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی مشابہت مبنی کے ساتھ کمزور ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کو مفعولیت کی بناء پر نصب دیا جاتا ہے۔

اَوْ مُشَابِهًا لِّلْمُضَافِ مشابہ مضاف اس اسم کو کہا جاتا ہے جس کا معنی انضمام مابعد کے بغیر تام نہیں ہوتا جس طرح مضاف کہ اس کا معنی بغیر مضاف الیہ کے تام نہیں ہوتا۔

وَاِنْ كَانَ مُعَرَّفًا یعنی منادیٰ اگر معرف بالف ولام ہو تو مذکر کے لئے **یا ایھا الرجل** اور مؤنث کے لیے **یا ایتھا المرأۃ** کہا جائے گا یعنی منادیٰ جو معرف بہ الف ولام ہے اس پر حرف ندا کا دخول اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ **اَیٌّ** اور **اَیَّۃٌ** کے ساتھ ھاء بھی بیچ میں حائل ہو۔

وَيَجُوْزُ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰی وَهُوَ حَذْفٌ فِیْ آخِرِهٖ لِلتَّخْفِيْفِ كَمَا تَقُوْلُ فِیْ مَالِكٍ يَا مَالِ وَفِیْ مَنْصُوْرٍ يَا مَنْصُ وَفِیْ عُثْمَانَ يَا عُثْمَ وَيَجُوْزُ فِیْ آخِرِ الْمُنَادٰی الْمُرَخَّمِ الضَّمُّ وَالْحَرَكَةُ الْاَصْلِيَّةُ كَمَا تَقُوْلُ فِیْ حَارِثٍ يَا حَارُ وَ يَا حَارِ

ترجمہ: اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہوتی ہے اور وہ حذف کرنا ہے منادیٰ کے اخیر میں تخفیف کی وجہ سے، چنانچہ آپ کہیں گے مالک میں **یا مال** اور منصور میں **یا منص** اور عثمان میں **یا عثم** اور منادی مرخم کے اخیر میں جائز ہوتا ہے ضمہ اور حرکت اصلیہ، جیسا کہ آپ کہیں گے **یاحارث** میں **یاحارُ** اور **یاحارِ**۔

تشریح: **يَجُوْزُ تَرْخِيْمُ** ترخیم چونکہ منادیٰ کے خواص میں سے ہے، اس لئے اُس کو بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ترخیم لغت میں نرم و آسان کرنا ہے اور اصطلاح میں وہ ہے کہ منادیٰ کے آخر سے کسی حرف کو بغرض تخفیف حذف وگرادینا اور وہ حذف کسی قانون صرفی وسماع لغوی کی بناء پر نہیں ہوتا اور وہ نظم ونثر دونوں میں ہوتا ہے کیونکہ اس سے مقصود تخفیف ہے کہ متکلم نداء سے جلد فارغ ہوکر مقصود میں مشغول ہونا چاہتا ہے۔ منادیٰ میں ترخیم بلاضرورت بھی جائز ہوتی ہے لیکن غیر منادیٰ میں ضرورۃً جائز ہوتی ہے۔

كَمَا تَقُوْلُ منادیٰ کی چونکہ تین صورتیں ہیں، اس لئے یہاں اس کی مثال بھی تین بیان کی جاتی ہیں لیکن وہ تین صورتیں یہ ہیں: (۱) منادیٰ کے اخیر میں ایک حرف صحیح ہو اور وہ حرف ایک حکم میں زائد ہو اور وہ ایک حکم صحیح بھی نہ ہو کہ جس سے پہلے مدہ زائدہ ہو جیسے یا مالک میں (۲) منادیٰ کے اخیر میں دوحرف ایک حکم میں زائد ہوں جیسے یا عثمان میں (۳) منادیٰ کے اخیر میں ایک حرف صحیح ہو اور اس سے پہلے مدہ زائدہ ہو جیسے یا منصور میں۔ بتقدیر اول ترخیم میں صرف ایک حرف حذف ہوگا لہٰذا یا مالک میں یا مال کہا جائے گا اور بتقدیر دوم وسوم اخیر کے دونوں حرف حذف ہوں گے، لہٰذا یا منصور میں یا منص اور یا عثمان میں یا عثم کہا جائے گا۔

يَجُوْزُ فِیْ آخِرِ الْمُنَادٰی یعنی وہ منادیٰ جو ترخیم شدہ ہو اس پر اعراب کیا ہوگا؟ اس میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ جمہور اس طرف گئے ہیں کہ ترخیم سے پہلے جو اس پر اعراب تھا وہی ترخیم کے بعد ہوگا، یعنی اس پر حرکتِ اصلیہ ہوگی، چنانچہ یا حارث میں یا حارِ کسرہ کے ساتھ کہا جائے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ اس پر منادیٰ مستقل جیسا اعراب ہوگا۔ چنانچہ یا حارث میں یا حارُ ضمہ کے ساتھ کہا جائے گا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ يَا مِنْ حُرُوْفِ النِّدَاءِ قَدْ تُسْتَعْمَلُ فِی الْمَنْدُوْبِ اَيْضًا وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا اَوْ وَا كَمَا يُقَالُ يَا زَيْدَاهُ وَ وَازَيْدَاهُ فَوَا مُخْتَصَّةٌ بِالْمَنْدُوْبِ وَيَا مُشْتَرِكَةٌ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْمَنْدُوْبِ وَحُكْمُهٗ فِی الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ مِثْلُ حُكْمِ الْمُنَادٰی۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک یا حروفِ نداء میں سے ہے۔ وہ کبھی مندوب میں مستعمل ہوتا ہے اور وہ نام ہے اس چیز کا

جس پر بذریعہ یاء یا وا کے دردمند ہو جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **یا زیداہ** اور **وا زیداہ** پس وا مختص ہے مندوب کے ساتھ اور یا مشترک ہے ندا اور مندوب کے ساتھ اور اس کا حکم معرب و مبنی ہونے میں حکم منادیٰ کی مثل ہے۔

تشریح: **وَاعْلَمْ اَنَّ یَا** یعنی یا جو حروفِ نداء سے ہے اور وہ منادیٰ کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور وہ کبھی مندوب میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن مندوب میں مستعمل ہونے کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے ورنہ منادیٰ کے لئے اس کا استعمال خاص ہو جائے گا۔

وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ: تفجع بمعنی دردمند ہونا اسی سے آیا ہے۔ **متفجع** اسم مفعول بمعنی دردمند کیا ہوا۔ اس سے پہلے اسم مقدر ہے، اصل عبارت یہ ہے: **الاسم الذی یتفجع علیہ بیا او وا** یعنی مندوب اس اسم کا نام ہے جس پر دردمند ہوا جاتا ہے بذریعہ یاء یا وا کے اور متفجع علیہ یعنی جس پر دردمند ہوا جاتا ہے وہ کبھی وجوداً ہوتا ہے اور کبھی عدماً۔ متفجع علیہ وجوداً وہ چیز ہے کہ اس کے وجود پر اظہار دردمندی کیا جائے، چنانچہ نوحہ کرنے والا اپنے عزیز کی وفات کے وقت کہتا ہے: **وا مصیبتاہ وا حسرتاہ** اور متفجع علیہ عدماً وہ چیز ہے کہ اس کے عدم پر اظہار دردمندی کیا جائے، چنانچہ مردہ پر نوحہ کرنے والا کہتا ہے: **وا زیداہ**۔

فَوَا مُخْتَصَّةٌ یعنی واؤ مخصوص ہے مندوب کے ساتھ جس طرح یا مخصوص ہے منادیٰ کے ساتھ لیکن یاء مندوب میں بھی مستعمل ہوتا ہے، پس یاء مشترک ہوا منادیٰ اور مندوب کے درمیان، پس جب یا مندوب کے لئے مستعمل ہوگا تو اس کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے اور وہ اس کے اخیر میں الف کا ہونا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **یا زیداہ** جس طرح کہا جاتا ہے: **وا زیداہ**۔

حُكْمُهُ فِي الْإِعْرَابِ یعنی معرب و مبنی ہونے میں جو حکم منادیٰ کا ہے وہی حکم مندوب کا ہے، چنانچہ منادیٰ جب کہ مفرد معرفہ ہو تو علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مندوب جب کہ مفرد معرفہ ہو تو وہ علامت رفع پر مبنی ہوگا۔ اسی طرح منادیٰ جب کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے، اسی طرح مندوب بھی مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوگا۔

فصل: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ اِسْمُ مَا وَقَعَ فِعْلُ الْفَاعِلِ فِيْهِ مِنَ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَيُسَمّٰى ظَرْفًا

ترجمہ: مفعول فیہ وہ اسم ہے کہ واقع ہو اس میں فاعل کا فعل دراں حالیکہ وہ زماں اور مکان سے ہو اور اس کا نام ظرف رکھا جاتا ہے۔

تشریح: **اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ** یعنی جب مفعول بہ کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب مفعول فیہ کو بیان کیا جاتا ہے جو مفعول خمسہ میں سے تیسرا مفعول ہے اور وہ نام ہے ایسی چیز کا جس میں فاعل کا فعل واقع ہو۔ فعل سے یہاں مراد فعل اصطلاحی نہیں بلکہ فعل لغوی یعنی حدث ہے جو اسم فاعل و اسم مفعول و مصدر کو بھی شامل ہے۔

مِنَ الزَّمَانِ یہ بیان ہے **ما** کا اور **زمان** سے مراد وہ ہے کہ جس کے لئے یہ صلاحیت ہو کہ وہ **متی** کا جواب ہو۔ اور **مکان** سے مراد وہ ہے جس کے لئے یہ صلاحیت ہو کہ وہ **أین** کا جواب ہو۔

يُسَمّٰى ظَرْفًا یعنی مفعول فیہ کو ظرف بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ظرف بمعنی برتن ہے اور مفعول فیہ فعل کے واسطے چونکہ برتن کی مثل ہوتا ہے اس لئے اس کو ظرف کہا جاتا ہے۔

وَظُرُوْفُ الزَّمَانِ عَلٰى قِسْمَيْنِ مُبْهَمٌ وَهُوَ مَا لَا يَكُوْنُ لَهٗ حَدٌّ مُعَيَّنٌ كَدَهْرٍ وَحِيْنٍ وَمَحْدُوْدٌ وَهُوَ مَا يَكُوْنُ لَهٗ حَدٌّ مُعَيَّنٌ كَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَشَهْرٍ وَسَنَةٍ وَكُلُّهَا مَنْصُوْبٌ بِتَقْدِيْرِ فِيْ تَقُوْلُ صُمْتُ دَهْرًا وَسَافَرْتُ شَهْرًا اَيْ فِيْ دَهْرٍ وَشَهْرٍ وَظُرُوْفُ الْمَكَانِ كَذٰلِكَ مُبْهَمٌ وَهُوَ مَنْصُوْبٌ اَيْضًا بِتَقْدِيْرِ فِيْ نَحْوُ جَلَسْتُ خَلْفَكَ وَاَمَامَكَ وَمَحْدُوْدٌ وَهُوَ مَا لَا يَكُوْنُ مَنْصُوْبًا بِتَقْدِيْرِ فِيْ بَلْ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ فِيْ فِيْهِ نَحْوُ جَلَسْتُ فِي الدَّارِ وَفِي السُّوْقِ وَفِي الْمَسْجِدِ.

ترجمہ: اور ظروف زماں دو قسموں پر ہے، مبہم اور وہ ایسا ظرف زمان ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہ ہو جیسے دھر اور حین اور محدود اور وہ ظرف زمان ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر ہو جیسے دن اور رات اور مہینہ و سال اور وہ کل منصوب ہیں، تقدیر فی کے ساتھ، آپ کہیں گے: **صمتُ دهرًا وسافرتُ شهرًا** یعنی میں نے روزہ رکھا زمانہ بھر اور سفر کیا میں نے ایک ماہ، یعنی **فی دهرٍ وشهرٍ** اور ظروف مکان اسی طرح ہیں مبہم اور وہ بھی منصوب ہیں تقدیر **فی** کے ساتھ جیسے **جلست خلفك وامامك** یعنی بیٹھا میں تیرے پیچھے اور تیرے آگے اور محدود وہ ظروف مکان ہیں کہ وہ منصوب نہیں ہوتے تقدیر **فی** کے ساتھ بلکہ اس میں لفظ **فی** کا ذکر ضروری ہے جیسے **جلست فی الدار وفی السوق وفی المسجد** یعنی بیٹھا میں گھر میں اور بازار میں اور مسجد میں۔

تشریح: **ظُرُوْفُ الزَّمَانِ** ظروف کی اضافت زمان کی طرف بیانیہ ہے، اصل عبارت یہ ہے: **الظروف التی هی الزمان** یعنی ظروف جو مفعول فیہ کو کہا جاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ظروف زمان اور ظروف مکان، ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: (۱) زمان مبہم (۲) زمان محدود۔ (۱) مکان مبہم (۲) مکان محدود۔ زمان مبہم وہ ظروف ہیں کہ جن کے لئے کوئی حد مقرر نہ ہو جیسے **دهر وحین** یعنی زمانہ و وقت اور زمان محدود وہ ہیں کہ جن کے لئے کوئی حد مقرر ہو جیسے دن و رات و مہینہ و سال، اسی طرح مکان مبہم وہ ظروف ہیں کہ جن کے لئے کوئی حد مقرر نہ ہو جیسے امام و خلف اور مکان محدود وہ ظروف ہیں کہ جن کے لئے کوئی حد مقرر ہو جیسے **فی الدار وفی السوق** وغیرہ۔

كُلُّهَا مَنْصُوْبٌ: كل مضاف ہے **ها** ضمیر مؤنث کی طرف۔ اس کا مرجع ظروف زمان ہے۔ مبہم ہو یا محدود، مطلب یہ کہ ظروف زمان خواہ مبہم ہوں یا محدود وہ تقدیر **فی** کے ساتھ منصوب ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **صمتُ دهرًا** یعنی **صُمتُ فی دهرٍ** ہے اور **سافرتُ شهرًا** بمعنی **سافرتُ فی شهرٍ** ہے کیونکہ **فی** کا تلفظ جر کو لازم کرتا ہے جیسے **افطرتُ فی الیوم** اور زمان مبہم منصوب اس لئے ہوتا ہے کہ وہ جزء ہے مفہوم فعل کا اور جزء فعل کا جب کہ علیحدہ طور پر ذکر کیا جائے تو وہ منصوب ہوتا ہے جس طرح مفعولِ مطلق منصوب ہوتا ہے لیکن زمان محدود اس وجہ سے منصوب ہوتا ہے کہ وہ زمان مبہم پر حمل کیا جاتا ہے۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جس میں فی مقدر ہو، اس تقدیر پر مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے، دوسری وہ کہ جس میں فی ملفوظ ہو، اس تقدیر پر مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے لیکن جمہور کے نزدیک مفعول فیہ وہ ہے جس میں فعل کا وقوع ہو اور فی مقدر ہو یعنی مفعول فیہ ہونے کے لئے تقدیر فی شرط ہے صحت نصب کے لئے نہیں لیکن مصنف کے نزدیک تقدیر فی صحت نصب کے لئے شرط ہے مفعول فیہ ہونے کے لئے نہیں۔ خیال رہے کہ مقدر و محذوف اگرچہ دونوں ایک دوسرے معنی پر مستعمل ہوتا ہے لیکن دونوں میں کبھی یہ فرق کیا جاتا ہے کہ مقدر وہ ہے جس کا اثر لفظ میں باقی ہو اور محذوف وہ ہے جس کا اثر لفظ میں باقی نہ ہو۔

ظُرُوْفُ الْمَكَانِ كَذٰلِكَ یعنی ظروف زمان کی جس طرح دو قسمیں مبہم و محدود ہیں، اسی طرح ظروف مکان کی بھی دو قسمیں مبہم و محدود ہیں۔ ظروف زمان کی دونوں قسمیں منصوب ہوتی ہیں لیکن ظروف مکان کی نہیں، البتہ ظروف مکان میں مبہم منصوب ہوتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ فی مقدر ہو جیسے **جلستُ خلفك وامامك** کہ وہ اصل میں **جلستُ فی خلفك وامامك** ہے کیونکہ دونوں وصف ابہام میں شریک ہیں۔ خلف ظرف مکان مبہم ہے کہ وہ مقابل پشت کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی حد نہیں اور ظروف مکان محدود تقدیر فی کے ساتھ منصوب نہ ہوں گے بلکہ اس کا ذکر ضروری ہوتا ہے، چنانچہ **جلستُ فی الدارِ وجلستُ فی السوقِ وجلستُ فی المسجدِ** کہا جاتا ہے: جلستُ الدارَ وغیرہ نہیں کیونکہ اس کا اشتراک زمانہ مبہم کے ساتھ قطعاً نہیں ہوتا، نہ ذات میں اور نہ صفت میں۔

فصل: اَلْمَفْعُوْلُ لَهٗ وَهُوَ اِسْمٌ مَا لِاَجْلِهٖ يَقَعُ الْفِعْلُ الْمَذْكُوْرُ قَبْلَهٗ وَيُنْصَبُ بِتَقْدِيْرِ اللَّامِ نَحْوُ ضَرَبْتُهٗ تَاْدِيْبًا اَيْ لِلتَّاْدِيْبِ وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا اَيْ لِلْجُبْنِ وَعِنْدَ الزَّجَّاجِ هُوَ مَصْدَرٌ تَقْدِيْرُهٗ اَدَّبْتُهٗ تَاْدِيْبًا وَجَبُنْتُ جُبْنًا۔

ترجمہ: یہ فصل ہے مفعول لہٗ کے بیان میں اور وہ اسم ہے ایسی شئی کا جس کی وجہ سے وہ فعل مذکور اس سے پہلے واقع ہو اور وہ منصوب ہوتا ہے تقدیر لام کے ساتھ جیسے **ضربتهٗ تادیبًا** یعنی مارا میں نے اس کو ادب دینے کے لئے یعنی للتادیب اور **قعدت عن الحرب جبنًا** یعنی بیٹھا میں لڑائی سے بوجہ بزدلی کے یعنی **للجبن** اور زجاج کے نزدیک وہ مصدر ہے جس کی تقدیر **ادبتهٗ تادیبًا** اور **جبنتُ جبنًا** ہے۔

تشریح: **اَلْمَفْعُوْلُ لَهٗ** یعنی مفعول لہٗ وہ اسم ہے جس کی وجہ سے فعل مذکور اس سے پہلے واقع ہو جیسے **ضربتهٗ تادیبًا** میں تادیب یعنی ادب دینا اسم ہے جس کی وجہ سے فعل مذکور جو ضرب بمعنی مارنا ہے اس سے پہلے واقع ہے۔ تعریف میں **ما** بمنزلہ جنس ہے جو تمام مفاعیل کو شامل ہے اور **لاجله يقع الفعل** بمنزلہ فصل ہے جس سے مفعول لہٗ کے علاوہ تمام مفاعیل نکل جاتے ہیں اور فعل سے یہاں مراد فعل لغوی ہے، فعل اصطلاحی نہیں۔

يُنْصَبُ بِتَقْدِيْرِ یعنی مفعول لہٗ اس وقت منصوب ہوگا جب کہ اس سے پہلے لام مقدر ہو کیونکہ لام اگر مذکور ہو تو منصوب نہیں

بلکہ مجرور ہوگا، پس مفعول لہٗ دو طرح کا ہوا، ایک وہ جو لام اس میں مقدر ہو اور دوسرا وہ جو لام اس میں مذکور ہو اور لام کے مقدر ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مفعول لہٗ فعل ہو، فعل معلّل بہ کے فاعل کا اور وہ وجود میں فعل مذکور کے مقارن ہو یعنی فعل معلّل بہ کا فاعل اور مفعول لہٗ کا فاعل دونوں ایک ہو اور مفعول لہٗ اور فعل معلّل بہ کے ساتھ وجود میں مقارن ہو، اس تقدیر پر مفعول لہٗ مفعول مطلق کی طرح فعل کا جزء ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ منصوب ہوتا ہے برخلاف جب کہ شرط مذکور نہ پائی جائے تو وہ فعل کا جزء نہیں ہوگا، پس وہ منصوب بھی نہ ہوگا بلکہ اس میں لام کا اظہار ضروری ہوگا۔

ضَرَبْتُهٗ تَادِيْبًا یہ مثال ہے اس مفعول لہٗ کی کہ فعل مذکور اس سے پہلے اس کی تحصیل کی غرض سے حاصل ہو کیونکہ تادیب صرف ضرب ہی سے حاصل ہوتی ہے اور **قعدت عن الحرب جبنًا** یہ مثال ہے اس مفعول لہٗ کی کہ فعل مذکور جس کے وجود کے سبب سے واقع ہو کیونکہ **قعود** جبن و بزدلی کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔

عِنْدَ الزَّجَاجِ یعنی مفعول لہٗ جمہور کے نزدیک مستقل معمول ہے لیکن زجاج اس کو مفعول لہٗ نہیں بلکہ مصدر یعنی مفعول مطلق لفظ فعل کے غیر سے کہتے ہیں، چنانچہ **ضربته تاديبًا** کی تاویل یہ بیان کرتے ہیں **ادبته تاديبًا** اور **قعدت عن الحرب جبنًا** کی تاویل **جبنت فى القعودِ عنِ الحربِ جبنًا** بیان کرتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو زجاج کا قول فضول ہے۔ اس لئے تاویل سے اگر ایک نوع کو دوسری نوع میں داخل کر دیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اول عین ثانی ہو جائے ورنہ تاویل سے حال مفعول فیہ ہو جائے گا کیونکہ **جاء زيدٌ راكبًا** تاویل میں **جاء زيدٌ فى وقتِ الركوبِ** کہا جاتا ہے۔

فصل: اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهٗ هُوَ مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْوَاوِ بِمَعْنٰى مَعَ لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُوْلِ الْفِعْلِ نَحْوُ جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ وَجِئْتُ اَنَا وَزَيْدًا اَىْ مَعَ الْجُبَّاتِ وَمَعَ زَيْدٍ

ترجمہ: یہ فصل ہے مفعول معہٗ کے بیان میں اور وہ اسم ہے جو ذکر کیا جائے واؤ کے بعد دراں حالیکہ وہ واؤ بمعنی مع ہو بوجہ ہمراہ ہونے اس کے فعل کے معمول کے، جیسے **جاء البردُ والجباتِ** یعنی آیا جاڑا جبوں کے ساتھ **وجئت انا وزيدٌ** یعنی آیا میں زید کے ساتھ یعنی **مع الجباتِ ومع زيدٍ**۔

تشریح: **اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهٗ** مفعول لہٗ کے بعد مفعول معہٗ کو بیان کیا جاتا ہے جو مفاعیل خمسہ میں سے پانچویں اور آخری قسم ہے اور وہ وہ اسم ہے جو مذکور ہو واؤ بمعنی مع کے بعد بوجہ معمول فعل کے مصاحبت کے۔ معمول عام ہے کہ فاعل ہو یا مفعول، فاعل جیسے **جاء البردُ والجباتِ** یعنی ٹھنڈک اور جُبے دونوں ایک ساتھ آئے اسی طرح **جئت انا وزيدٌ** یعنی میں اور زید دونوں ایک ساتھ آئے اور مفعول جیسے **كفاكَ وزيدًا درهمٌ** یعنی تجھ کو اور زید کو ایک درہم کافی ہے۔

فَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ يَجُوْزُ فِيْهِ الْوَجْهَانِ اَلنَّصْبُ وَالرَّفْعُ نَحْوُ جِئْتُ اَنَا وَزَيْدًا وَزَيْدٌ وَاِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ تَعَيَّنَ النَّصْبُ نَحْوُ جِئْتُ وَزَيْدًا وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى وَجَازَ الْعَطْفُ تَعَيَّنَ الْعَطْفُ نَحْوُ

مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ تَعَيَّنَ النَّصْبُ نَحْوُ مَالَكَ وَزَيْدًا وَمَا شَانُكَ وَعَمْرًا لِاَنَّ الْمَعْنٰى مَا تَصْنَعُ۔

ترجمہ: پس اگر فعل ملفوظ ہو اور عطف جائز ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں۔ نصب اور عطف جیسے جئتُ اَنَا وزیدًا وزیدٌ اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہے۔ جیسے جئت وزیدًا اور اگر فعل معنیٰ ہو اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہے جیسے ما لزید وعمرو اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہے جیسے مالك وزیدًا وما شانك وعمرًا اس لئے کہ معنی ما تصنع ہے۔

تشریح: فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا: إنْ پر فا برائے تفسیر ہے اور كان ناقصہ بھی ہو سکتا ہے اور تامہ بھی۔ بتقدیر اول لفظًا كان کی خبر ہے اور بتقدیر دوم حال بمعنی لفظیًا یا ملفوظًا یا تمیز ہے بمعنی من حيث اللفظ اور الفعل میں لام عہد کا ہے اور وجاز العطف میں واؤ عاطفہ ہے جس میں جملہ کا عطف جملہ پر کیا گیا ہے یا حال ہے قد کی تقدیر کے ساتھ۔ خلاصہ یہ کہ فعل اگر لفظی ہو اور واؤ کے مابعد کا عطف اس کے ماقبل پر جائز ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں۔ نصب مفعولیت کی بناء پر اور عطف واؤ کے مابعد کا ماقبل پر جیسے جئتُ انا وزیدًا میں واؤ کے مابعد کا عطف ماقبل پر جائز ہے کیونکہ اس میں ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل انا کے ساتھ کی گئی ہے اور عطف کی وجہ سے زید کو مرفوع پڑھا جائے گا اور منصوب بھی کہ وہ مفعول معہ ہے۔

وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ یعنی عطف اگر جائز نہ ہو تو مفعولیت کی بناء پر نصب متعین ہو جائے گا جیسے جئتُ وزیدًا میں چونکہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے عطف ممنوع ہے تو نصب متعین ہو گیا۔

وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ اس کا عطف ان كان الفعل لفظاً پر ہے اس میں بھی وہی صورت جاری ہو گی جو ماقبل میں گزری کہ وہ كان ناقصہ بھی ہو سکتا ہے اور تامہ بھی۔ بتقدیر اول معنیً كان کی خبر ہو گا اور بتقدیر دوم حال ہے بمعنی معنیًا یا معنویًا یا تمیز ہے بمعنی من حيث المعنى اور جاز العطف کا عطف كان پر ہے۔ یا وہ حال ہے تقدیر قد کے ساتھ یعنی وقد جاز العطفُ ما بعد الواوِ على ما قبلهُ۔ خلاصہ یہ کہ فعل اگر امر معنوی ہو اور مستنبط ہو لفظ سے اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہو جائے گا کیونکہ عامل معنوی کے عمل پر بلا ضرورت حمل نہیں کیا جاتا جب کہ اس کے علاوہ دوسری صورت اور وہ جواز عطف موجود ہے جیسے ما لزید وعمرو۔

تَعَيَّنَ النَّصْبُ یعنی عطف اگر جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہو جائے گا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں جیسے مالك وزیدًا وما شانك وعمرًا میں عطف ممنوع ہے کیونکہ عطف ضمیر مجرور پر بلا اعادہ حرف جار کے ممنوع ہے، اسی طرح عمرو کا عطف اگر شانك میں شان پر کیا جائے تو بھی ممنوع ہے، اس لئے کہ اس تقدیر پر مقصود کے خلاف لازم آتا ہے کیونکہ مقصود سوال کرنا ہے دونوں کی شان سے نہ کہ ایک کی شان سے اور دوسرے کی ذات سے۔ دو مثالیں یہاں پر اس

لئے بیان کی گئیں کہ پہلی مثال مجرور بحرف جر کی ہے اور دوسری مثال مجرور باضافت کی اور دونوں میں عطف ممنوع ہونے کی وجہ سے نصب متعین ہو گیا۔

لِاَنَّ الْمَعْنٰی یہ دلیل ہے معلل مقدر کی جس کا حاصل یہ کہ مذکورہ دونوں مثالوں میں نصب اس لئے متعین ہے کہ ان دونوں کا معنی ہے: ما تصنعُ چنانچہ مالك وزیدًا کا معنی ہے: ما تصنعُ وزیدًا اور ما شانك وعمرًوا کا معنی ہے: ما تصنعُ وعمرًوا اور مالزیدٍ وعمرٍو کا معنی ہے: مایصنع زیدٌ وعمرٌو۔

فصل: اَلْحَالُ لَفْظٌ یَدُلُّ عَلٰی بَیَانِ هَیْاَۃِ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُوْلِ بِہٖ اَوْ کِلَیْهِمَا نَحْوُ جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاکِبًا وَضَرَبْتُ زَیْدًا مَشْدُوْدًا وَلَقِیْتُ عَمْرًوا رَاکِبَیْنِ وَقَدْ یَکُوْنُ الْفَاعِلُ مَعْنَوِیًّا نَحْوُ زَیْدٌ فِی الدَّارِ قَائِمًا لِاَنَّ مَعْنَاہُ زَیْدٌ اِسْتَقَرَّ فِی الدَّارِ قَائِمًا وَکَذَا الْمَفْعُوْلُ بِہٖ نَحْوُ هٰذَا زَیْدٌ قَائِمًا فَاِنَّ مَعْنَاہُ الْمُشَارُ اِلَیْهِ قَائِمًا هُوَ زَیْدٌ وَالْعَامِلُ فِی الْحَالِ فِعْلٌ اَوْ مَعْنَی فِعْلٍ

ترجمہ: یہ فصل ہے حال کے بیان میں اور وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی ہیئت کے بیان پر جیسے جاءنی زیدٌ راکبًا یعنی آیا زید میرے پاس دراں حالیکہ وہ سوار ہے اور ضربت زیدًا مشدودًا یعنی مارا میں نے زید کو دراں حالیکہ وہ بندھا ہوا ہے اور لقیت عمرًوا راکبین یعنی ملاقات کی میں نے عمرو سے دراں حالیکہ میں اور وہ دونوں سوار ہیں اور فاعل کبھی معنوی ہوتا ہے جیسے زیدٌ فی الدار قائمًا یعنی زید گھر میں مستقر ہے دراں حالیکہ وہ کھڑا ہونے والا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: زیدٌ استقر فی الدار قائمًا یعنی زید گھر میں مستقر ہے دراں حالیکہ وہ کھڑا ہونے والا ہے اور اسی طرح مفعول بہ جیسے هٰذا زیدٌ قائمًا یعنی زید کھڑا ہونے والا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: تحقیق وہ شخص کہ اشارہ کیا گیا ہے اس کی طرف دراں حالیکہ کھڑا ہونے والا ہے زید اور حال میں عامل فعل یا معنی فعل ہے۔

تشریح: اَلْحَالُ لَفْظٌ مفاعیل خمسہ کے بعد اب اس کے ملحقات میں سے حال کو بیان کیا جاتا ہے کہ حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت پر دلالت کرے، تعریف میں لفظ بمنزلہ جنس ہے جس میں تمام ملحقات داخل ہیں لیکن ہیئت کے ذکر سے تمیز خارج ہو گئی۔ کیونکہ وہ ذات کو بیان کرتی ہے اور اس کی اضافت بہ سوئے فاعل ومفعول سے وہ امر خارج ہو گیا جو غیر فاعل وغیر مفعول کی حالت کو بیان کرے، جیسے مبتداء کی صفت مثلاً زیدٌ العالم اخوك میں العالم مبتداء کی صفت ہے اور اس کی ہیئت کو بیان کرتا ہے نہ کہ فاعل ومفعول کی ہیئت کو، پس اس قید سے مبتداء کی صفت سے احتراز ہو گیا۔

نَحْوُ جَاءَنِیْ حال کی تعریف میں چونکہ تین صورتیں مذکور ہوئیں، ایک یہ کہ فاعل کی حالت کو بیان کرے، دوسری یہ کہ مفعول کی حالت کو بیان کرے، تیسری یہ کہ فاعل ومفعول دونوں کی حالت کو بیان کرے۔ اس وجہ سے مثال بھی تین بیان کی گئیں۔ چنانچہ جاءنی زیدٌ راکبًا میں راکبًا حال ہے جو زید فاعل کی حالت کو بیان کرتا ہے اور ضربتُ زیدًا مشدودًا میں مشدودًا حال ہے جو زیدًا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرتا ہے اور لقیتُ عمرًوا راکبین میں راکبین حال ہے جو

لقیتُ میں انا فاعل اور عمرؤا مفعول دونوں کی حالت کو بیان کرتا ہے۔

قَدْ یَکُوْنُ الْفَاعِلُ فاعل و مفعول اکثر لفظی ہوتے ہیں اور کبھی معنوی بھی۔ لفظی سے مراد وہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت لفظ کلام سے متصور ہو اور فاعل و مفعول دونوں کا تلفظ کیا جائے اور معنوی سے مراد وہ ہے جو ملفوظ کے خلاف ہو، یعنی فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت اگرچہ مضمون کلام سے متصور ہو لیکن وہ ملفوظ نہ ہو یا یہ کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت مضمون کلام سے متصور نہ ہو بلکہ امر خارج کے اعتبار سے ہو۔ چنانچہ اول کی مثال زید فی الدار قائمًا میں استقر کی ضمیر سے حال ہے جو ملفوظ نہیں، اگرچہ لفظ کلام سے اس کی فاعلیت مستفاد ہوتی ہے اور ھذا زیدٌ قائمًا میں مفعول بہ سے حال واقع ہے جس میں مفعول کی مفعولیت مضمون کلام سے متصور ہوتی ہے جو معنیٰ اشارہ وتنبیہ یعنی ھذا سے مستفاد ہوتی ہے بتقدیر عبارت یہ ہے: اُشیر الی زیدٍ وانبہ زیدًا حال کونہ قائمًا۔

وَالْعَامِلُ فِی الْحَالِ یعنی حال میں عامل فعل صریح ہے یا معنیٰ فعل۔ فعل صریح تو ظاہر ہے لیکن معنیٰ فعل وہ اسم فاعل و اسم مفعول و صفت مشبہ و اسم تفضیل و مصدر و ظرف و جار و مجرور اور اسمائے افعال ہیں اور ہر وہ فعل ہے جو مضمون کلام سے مستنبط ہو جیسے حرف نداء و حرف تنبیہ، اسم اشارہ و حرف تمنی و ترجی و تشبیہ جیسے یا زید قائمًا ولیتك عندنا مقیمًا ولعلہٗ فی الدارِ قائمًا وکانہٗ اسدٌ صائلًا۔

وَالْحَالُ نَكِرَةٌ اَبَدًا وَذُو الْحَالِ مَعْرِفَةٌ غَالِبًا كَمَا رَاَيْتَ فِي الْاَمْثِلَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فَاِنْ كَانَ ذُو الْحَالِ نَكِرَةً يَجِبُ تَقْدِيْمُ الْحَالِ عَلَيْهِ نَحْوُ جَاءَنِيْ رَاكِبًا رَجُلٌ لِئَلَّا تَلْتَبِسَ بِالصِّفَةِ فِيْ حَالَةِ النَّصْبِ فِيْ مِثْلِ قَوْلِكَ رَاَيْتُ رَجُلًا رَاكِبًا وَقَدْ تَكُوْنُ الْحَالُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَغُلَامُهٗ رَاكِبٌ اَوْ يَرْكَبُ غُلَامُهٗ وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَامِلُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ كَمَا تَقُوْلُ لِلْمُسَافِرِ سَالِمًا غَانِمًا اَيْ تَرْجِعُ سَالِمًا غَانِمًا۔

ترجمہ: اور حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے اور ذو الحال اکثر معرفہ ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے مذکورہ مثالوں میں دیکھا، پس اگر ذو الحال نکرہ ہو تو حال کی تقدیم ذو الحال پر ضروری ہو جاتی ہے جیسے جاء نی راکبًا رجلٌ یعنی آیا میرے پاس مرد دراں حالیکہ وہ سوار ہے تاکہ حالت نصب میں صفت کے ساتھ التباس نہ ہو، آپ کے قول رائیتُ رجلًا راکبًا کی مثل میں یعنی دیکھا میں نے سوار مرد کو اور حال کبھی جملہ خبریہ ہوتا ہے، جیسے جاء نی زیدٌ وغلامہٗ راکبٌ اویرکبُ غلامہٗ یعنی آیا میرے پاس زید دراں حالیکہ اُس کا غلام سوار یا سوار ہوتا ہے اس کا غلام۔ اور حال کا عامل قیام قرینہ کے وقت کبھی حذف کیا جاتا ہے جیسا کہ مسافر کے لئے آپ کہیں گے: سالمًا غانمًا یعنی لوٹے آپ دراں حالیکہ سلامتی والے اور غنیمت لانے والے ہیں۔

تشریح: وَالْحَالُ نَكِرَةٌ یعنی حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے کیونکہ معنی اس کا مقید ہوتا ہے اور حال اُس کی قید تو اگر حال معرفہ ہو تو قید کی فوقیت مقید پر لازم آئے گی جو ممنوع ہے، اس لئے اس کا نکرہ ہونا ضروری ہے، البتہ ذو الحال اکثر معرفہ ہوتا ہے کیونکہ وہ

حقیقت میں محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل تعریف ہے اس لئے وہ اکثر معرفہ ہوگا۔

فَاِنْ کَانَ ذُوالْحَالِ یعنی ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اور کبھی نکرہ بھی لیکن اگر وہ نکرہ ہو تو حال کی تقدیم ذوالحال پر ضروری ہو جائے گی، کیونکہ حال اگر ذوالحال پر مقدم نہ ہو تو ذوالحال کے منصوب ہونے کی صورت میں حال کا صفت کے ساتھ التباس لازم آئے گا جو ممنوع ہے، چنانچہ **رئیتُ رجلًا راکبًا** میں حال کے مقدم ہونے کی صورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ **راکبًا** **رجلًا** کی صفت ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حال واقع ہو، اس لئے ضروری ہے حال کو ذوالحال پر مقدم کیا جائے تاکہ حال کا صفت کے ساتھ التباس نہ ہو کیونکہ صفت اپنے موصوف پر کبھی بھی مقدم نہیں ہوتی برخلاف حال کہ وہ ذوالحال پر مقدم ہو سکتا ہے تو جب حال کو ذوالحال پر مقدم کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ حال ہے صفت نہیں۔

وَقَدْ تَکُوْنُ الْحَالُ یعنی حال اکثر مفرد ہوتا ہے لیکن وہ کبھی جملہ خبریہ بھی ہوتا ہے کیونکہ حال فاعل یا مفعول کی ہیئت کو بیان کرتا ہے اور وہ بیان جس طرح مفرد کرتا ہے اسی طرح جملہ خبریہ بھی کرتا ہے جیسے **جاءنی زیدٌ وغلامہٗ راکبٌ اویرکب غلامہٗ** یعنی آیا میرے پاس زید دراں حالیکہ اُس کا غلام سوار ہے یا اس کا غلام سوار ہوتا ہے کیونکہ حال خبر مبتداء کی مثل ہے اور اصل خبر میں افراد ہے، لہٰذا حال میں اصل افراد ہوگا۔ حال جملہ ہو تو جملہ خبریہ ہوتا ہے انشائیہ نہیں، اس لئے کہ حال ذوالحال کے لئے بمنزلہ خبر ہوتا ہے اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور ظاہر ہے جملہ انشائیہ محکوم بہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر تاویل سے اور جملہ چونکہ افادہ میں مستقل ہوتا ہے اس لئے اس کا ذوالحال سے ارتباط کے لئے رابطہ کا ہونا ضروری ہے اور وہ ضمیر اور واؤ ہے، پس حال اگر جملہ اسمیہ ہو تو اس میں واؤ و ضمیر دونوں لائے جائیں گے کیونکہ جملہ اسمیہ استقلال میں قوی ہوتا ہے تو اس امر میں ربط پر دلالت کرتا ہے رابطہ بھی ہونا ضروری ہے جیسے **جئتُ انا راکبًا** اور کبھی رابطہ جملہ اسمیہ حالیہ میں صرف واؤ ہوگا کیونکہ واؤ اول امر میں ربط پر دلالت کرتا ہے، پس اس پر اکتفاء کیا جائے گا جیسے **کنتُ نبیًا وآدم بین الماءِ والطین** اور جملہ اسمیہ حالیہ میں رابطہ کبھی صرف ضمیر ہوگی لیکن صرف ضمیر سے متلبس ہو کر جملہ اسمیہ کا حال واقع ہونا ضعیف ہے، اس لئے کہ ضمیر کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ واؤ کی مانند ابتدا میں واقع ہو، لہٰذا وہ ربط پر اول امر میں دلالت نہیں کرتی اور ماضی مثبت پر جب کہ وہ حال واقع ہو تو لفظ **قد** کا دخول ضروری ہو جاتا ہے **قد** خواہ لفظ میں موجود ہو یا مقدر اس لئے کہ ماضی زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اور حال زمانۂ موجودہ پر، پس ماضی جبکہ حال واقع ہو تو اس پر **قد** کا دخول ضروری ہو جاتا ہے تا کہ ماضی کو حال کے قریب کر دیا جائے۔

وَقَدْ یُحْذَفُ یعنی حال کے عامل کو کبھی حذف کیا جاتا ہے جب کہ اس کے حذف پر کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو، چنانچہ جب کوئی سفر سے واپس آئے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے: **سالمًا غانمًا** یعنی **ترجع سالمًا غانمًا** بقرینۂ حال مخاطب فعل کو حذف کیا جاتا ہے اور مثال میں **غانمًا** حال ہے، حال کے بعد یا صفت ہے **سالمًا** کی جیسا کہ کوئی سفر کا ارادہ کرے تو اس کو کہا جاتا ہے: **راشدًا مھدیًا** یعنی **سر راشدًا مھدیًا** یہاں پر **سر** عامل کو بقرینۂ حال مخاطب کے حذف کر دیا گیا ہے،

مهديًا بھی حال کے بعد حال ہے یا راشدًا کی صفت ہے یہ مثال قرینہ حالیہ کی ہے۔لیکن قرینہ مقالیہ کی اس شخص کے جواب میں کہا جائے۔راکبًا کہ جس نے کہا: کیف جئت یعنی جئتُ راکبًا پس جئتُ بقرینہ سوال مذکور حذف کردیا گیا ہے۔

فصل: اَلتَّمِيْزُ هُوَ نَكِرَةٌ تُذْكَرُ بَعْدَ مِقْدَارٍ مِنْ عَدَدٍ اَوْ كَيْلٍ اَوْ وَزْنٍ اَوْ مَسَاحَةٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا فِيْهِ اِبْهَامٌ تَرْفَعُ ذٰلِكَ الْاِبْهَامَ نَحْوُ عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا وَقَفِيْزَانِ بُرًّا وَمَنَوَانِ سَمْنًا وَجَرِيْبَانِ قُطْنًا وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا

ترجمہ: یہ فصل ہے تمیز کے بیان میں وہ ایسا اسم نکرہ ہے جو ایسی مقدار کے بعد ذکر کیا جاتا ہے جو عدد سے ہو یا پیمانہ سے یا وزن سے یا پیمائش سے یا اس کے غیر سے ان چیزوں سے کہ ثابت ہے اس میں ابہام کہ وہ تمیز اس ابہام کو اٹھاتی ہے جیسے عندی عشرون درھمًا یعنی میرے پاس بیس درہم ہیں اور قفیزان برًّا یعنی دو قفیز گیہوں ہے اور منوان سمنًا یعنی دو سیر گھی ہے اور جریبان قطنًا یعنی دو جریب روئی ہے اور علی التمرۃ مثلھا زبدًا یعنی چھوہارے پر اس کے برابر مسکہ ہے۔

تشریح: اَلتَّمِيْزُ هُوَ تمیز لغت میں بمعنی جدائی کرنا ہے اور اصطلاح میں وہ اسم نکرہ ہے جو مقدار کے بعد مذکور ہو اور وہ مقدار عام ہے کہ عدد ہو یا کیل ہو یا وزن یا مساحت یا اس کے علاوہ ان میں سے ہو جس میں ابہام ہو مثلاً مقیاس و اندازہ۔خلاصہ یہ کہ تمیز وہ اسم نکرہ ہے جو اس مقدار سے ابہام کو دور کرے جو عدد سے ہو یا کیل یا وزن یا مساحت یا قیاس سے۔

نَحْوُ عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ مقدار کو چونکہ بذریعہ مِنْ عدد و کیل و وزن و مساحت چار چیزوں کو بیان کیا گیا اس لئے اس کی مثالیں بھی چار بیان کی جاتی ہیں اور پانچواں مقدار چونکہ غیر ذلک مما فیہ سے بیان کیا گیا ہے اس لئے اخیر میں اس کی مثال علی التمرۃ مثلھا زبدًا بیان کی گئی۔لیکن عندی عشرون درھمًا یہ اس تمیز کی مثال ہے جو مقدار عدد سے ہو جس میں ممیز اسم تام مشابہ بنون جمع ہے۔عشرون مقدار عدد اسم مبہم ہے کہ اس کا مصداق معلوم نہیں کہ کون سی چیز ہے؟ درہم ہے یا دینار یا ان دونوں کے علاوہ تو جب درھمًا کہا گیا تو تمام احتمالات سے امتیاز ہو گیا۔

قفیزانِ برًّا یہ اس تمیز کی مثال ہے جو مقدار کیل کے بعد مذکور ہو اور عندی منوانِ سمنًا اس تمیز کی مثال ہے، جو مقدار وزن کے بعد مذکور ہو اور عندی جریبان قطنًا یہ اس تمیز کی مثال ہے جو مقدار مخصوص کے بعد مذکور ہو اور علی التمرۃ مثلھا زبدًا یہ اس تمیز کی مثال ہے جو مقدار مقیاس کے بعد مذکور ہو۔

وَقَدْ يَكُوْنُ عَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ نَحْوُ هٰذَا خَاتَمٌ حَدِيْدًا وَسِوَارٌ ذَهَبًا وَفِيْهِ الْخَفْضُ اَكْثَرُ وَقَدْ يَقَعُ بَعْدَ الْجُمْلَةِ لِرَفْعِ الْاِبْهَامِ عَنْ نِسْبَتِهَا نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا اَوْ عِلْمًا اَوْ اَبًا۔

ترجمہ: اور تمیز کبھی غیر مقدار سے ہوتی ہے جیسے ھذا خاتمٌ حدیدًا یعنی یہ انگوٹھی لوہے کی ہے اور ھذا سوارٌ ذھبًا یعنی یہ کنگن سونے کی ہے اور اس میں کسرہ اکثر ہوتا ہے اور وہ تمیز کبھی جملہ کے بعد واقع ہوتی ہے بوجہ دور کرنے ابہام کے اس جملہ

کی نسبت سے جیسے **طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا** یعنی خوش ہوا زید باعتبار نفس کے یا علم یا باپ کے۔

تشریح: **وَقَدْ یَکُوْنُ** یعنی تمیز جس طرح مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اسی طرح غیرِ مقدار سے بھی ابہام کو دور کرتی ہے۔ غیر مقدار سے مراد یہ ہے کہ عدد نہ ہو اور نہ کیل اور نہ وزن ہو اور نہ مساحت یا مقیاس ہو، جیسے **ھٰذَا خَاتَمٌ حَدِیْدًا** میں **خاتم** مبہم باعتبار جنس ہے یعنی یہ انگوٹھی ہے لیکن کس چیز کی؟ لوہے کی یا سونے یا چاندی کی لیکن جب **حدیدًا** یعنی لوہے کی کہا گیا تو وہ ابہام زائل ہو گیا، اسی طرح **ھٰذَا سِوَارٌ ذَھَبًا** یعنی یہ کنگن ہے لیکن کس چیز کی؟ تو کہا گیا سونے کی۔

فِیْهِ الْخَفْضُ یعنی غیر مقدار کی تمیز کو جر دینا اکثر ہے جیسے **ھٰذَا خَاتَمُ حَدِیْدٍ وَھٰذَا سِوَارُ ذَھَبٍ** میں **حدید و ذھب** کیونکہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہوتا ہے اور وہ **خفض** یعنی جر کی تقدیر پر تخفیف کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔

قَدْ یَقَعُ بَعْدَ الْجُمْلَةِ یعنی تمیز کبھی جملہ کے بعد واقع ہوتی ہے تاکہ اس جملہ کی نسبت سے ابہام کو دور کیا جائے یعنی جملہ میں جو نسبت ہے اس میں جو ابہام ہوتا ہے تمیز اس کو دور کرنے کے لئے آتی ہے، چنانچہ **طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا** میں **طَابَ زَیْدٌ** جملہ ہے جس کی نسبت میں یہ ابہام ہے کہ زید خوش ہوا کس اعتبار سے؟ تو جواب میں **نفسًا** کہا گیا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ زید نفس و ذات کے اعتبار سے خوش ہے اور اگر **علمًا** کہا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ علم کے اعتبار سے خوش ہوا اور جب **اَبًا** کہا جائے تو معلوم ہوگا کہ باپ ہونے کے اعتبار سے خوش ہوا۔

فَصْلٌ: اَلْمُسْتَثْنٰی لَفْظٌ یُذْکَرُ بَعْدَ اِلَّا وَاَخَوَاتِهَا لِیُعْلَمَ اَنَّهٗ لَا یُنْسَبُ اِلَیْهِ مَا نُسِبَ اِلٰی مَا قَبْلَهَا وَھُوَ عَلٰی قِسْمَیْنِ مُتَّصِلٌ وَھُوَ مَا اُخْرِجَ عَنْ مُّتَعَدِّدٍ بِاِلَّا وَاَخَوَاتِهَا نَحْوُ جَاءَنِی الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا وَمُنْقَطِعٌ وَھُوَ الْمَذْکُوْرُ بَعْدَ اِلَّا وَاَخَوَاتِهَا غَیْرَ مُخْرَجٍ عَنْ مُّتَعَدِّدٍ لِعَدَمِ دُخُوْلِهٖ فِی الْمُسْتَثْنٰی مِنْهُ نَحْوُ جَاءَنِی الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا۔

ترجمہ: یہ فصل ہے مستثنیٰ کے بیان میں۔ وہ لفظ ہے جو ذکر کیا جائے **اِلَّا** اور اس کی نظیروں کے بعد تاکہ جان لیا جائے کہ بے شک منسوب نہیں کی جاتی اس کی طرف وہ چیز جو اس کے ماقبل کی طرف منسوب ہے اور مستثنیٰ دو قسموں پر ہے متصل اور وہ وہ ہے جو **اِلَّا** اور اس کی نظیروں کے ذریعہ متعدد سے نکالا جائے جیسے **جَاءَنِی الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا** یعنی آئی میرے پاس قوم مگر زید اور منقطع اور وہ وہ ہے جو مذکور ہو **اِلَّا** اور اس کی نظیروں کے بعد نہ نکالا جائے متعدد سے بوجہ اس کے مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہونے کے جیسے **جَاءَنِی الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا** یعنی آئی میرے پاس قوم مگر گدھا۔

تشریح: **اَلْمُسْتَثْنٰی: مستثنٰی** لغت میں بمعنی منع و روکا ہوا اور اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو **اِلَّا** اور اس کی نظیروں کے بعد مذکور ہو اور وہ لفظ **الا** اور اس کی نظیروں کے بعد اس وجہ سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کو یہ معلوم ہو جائے کہ **الا** کے ماقبل اسم کی طرف جو منسوب ہے وہ **الا** کے بعد اسم کی طرف منسوب نہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ** یعنی اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر۔ یہاں پر **رحمۃ** مستثنیٰ ہے جو **اِلَّا**

کے بعد مذکور ہے، اس کی طرف وہ امر منسوب نہیں جو ماقبل کی طرف منسوب ہے۔

وَهُوَ عَلٰى قِسْمَيْنِ مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں: متصل اور منقطع۔ مستثنیٰ متصل وہ ہے جو اِلَّا اور اس کی نظیروں کے ذریعہ متعدد سے نکالا جائے وہ شئی متعدد یعنی مستثنیٰ منہ خواہ مذکور ہو یا مقدر۔ ملفوظ جیسے **جاء نی القوم الا زیدًا** اور مقدر جیسے **ما جاء نی الا زیدًا** اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو الا اور اس کی نظیروں کے بعد مذکور اور متعدد سے نہ نکالا جائے عام ہے وہ جنس متعدد سے ہو یا نہ ہو۔ اول جیسے **ما جاء نی القوم الا زیدًا** میں زید اگرچہ جنس قوم سے ہے لیکن وہ اس قوم میں داخل نہیں اور دوم جیسے **جاء نی القوم الا حمارًا** میں حمار ظاہر ہے، جنس قوم سے نہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اِعْرَابَ الْمُسْتَثْنٰى عَلٰى اَرْبَعَةِ اَقْسَامٍ فَاِنْ كَانَ مُتَّصِلًا وَقَعَ بَعْدَ اِلَّا فِيْ كَلَامٍ مُوْجَبٍ اَوْ مُنْقَطِعًا كَمَا مَرَّ اَوْ مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ اِلَّا زَيْدًا اَحَدٌ اَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا عِنْدَ الْاَكْثَرِ اَوْ بَعْدَ مَا خَلَا وَمَا عَدَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُوْنُ نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا الخ كَانَ مَنْصُوْبًا

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسموں پر ہے پس اگر وہ متصل ہو واقع ہو الّا کے بعد کلام موجب میں یا منقطع ہو جیسا کہ گذرا یا مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر جیسے **ما جاء نی الّا زیدًا احدٌ** یعنی نہیں آیا میرے پاس مگر زید کوئی یا ہو مستثنیٰ خلا وعدا کے بعد اکثر کے نزدیک اور **ما خلا وما عدا ولیس ولا یکون** کے بعد جیسے **جاء نی القوم خلا زیدًا** یعنی آئی میرے پاس قوم سوا زید کے۔ تو منصوب ہوگا۔

تشریح: **وَاعْلَمْ اَنَّ اِعْرَابَ** مستثنیٰ کے اعراب کی چونکہ چار قسمیں ہیں: (۱) نصب (۲) نصب اور بدل بھی (۳) اعراب باعتبار عوامل (۴) جر، اس لئے اس عبارت سے اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ پہلی قسم جو نصب ہے وہ چار صورتوں میں ہے۔ اول جب کہ مستثنیٰ متصل ہو اور واقع ہو الّا کے بعد کلام موجب میں دوم جب کہ مستثنیٰ منقطع ہو، سوم جب کہ مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر، چہارم جب کہ خلا وعدا کے بعد ہو، اکثر نحویوں کے نزدیک اور **ما خلا وما عدا ولیس ولا یکون** کے بعد ہو۔ ان چاروں صورتوں میں مستثنیٰ منصوب ہوگا لیکن بتقدیر اول جیسے **جاء نی القوم الّا زیدًا**۔ اور بتقدیر دوم جیسے **جاء نی القوم الّا حمارًا**۔ کما مرّ ان ہی دونوں مثالوں کے متعلق کہا گیا ہے چونکہ وہ دونوں مثالیں ماقبل میں گذر چکی ہیں اور بتقدیر سوم جیسے **ما جاء نی الّا زیدًا احدٌ** اور بتقدیر چہارم جیسے **جاء نی القوم خلا زیدًا وعدا زیدًا** وغیرہ۔

وَاِنْ كَانَ بَعْدَ اِلَّا فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ وَهُوَ كُلُّ كَلَامٍ يَكُوْنُ فِيْهِ نَفْيٌ وَنَهْيٌ وَاِسْتِفْهَامٌ وَالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ مَذْكُوْرٌ يَجُوْزُ فِيْهِ الْوَجْهَانِ النَّصْبُ وَالْبَدَلُ عَمَّا قَبْلَهَا نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ اَحَدٌ اِلَّا زَيْدًا وَاِلَّا زَيْدٌ

ترجمہ: اور اگر مستثنیٰ الّا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور وہ ہر وہ کلام ہے جس میں نفی ونہی واستفہام ہو درایں حالیکہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو اس میں دو صورتیں جائز ہیں نصب اور ماقبل سے بدل جیسے **ما جاء نی احدٌ الّا زیدًا والا زیدٌ**۔

تشریح: وَاِنْ کَانَ بَعْدَ اِلَّا اعراب مستثنیٰ کی یہ دوسری قسم ہے کہ مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کی دو صورتیں جائز ہیں نصب اور ماقبل سے بدل۔ اول جیسے ما جاء نی احدٌ اِلَّا زیدًا دوم جیسے ما جاء نی احدٌ اِلَّا زیدٌ۔

هُوَ کُلُّ کَلَامٍ یہ تعریف ہے کلام غیر موجب کی اور وہ ہر وہ کلام ہے جس میں نفی یا نہی یا استفہام ہو۔ اول جیسے ما جاء نی زیدٌ دوم جیسے لم یضرب زیدٌ عمرًوا۔ سوم جیسے ما قال بکرٌ۔ اس سے کلام موجب کی تعریف حاصل ہوگئی کہ وہ ہر وہ کلام ہے جس میں نفی یا نہی یا استفہام نہ ہو جیسے جاء نی القوم راکبًا۔

وَاِنْ کَانَ مُفَرَّغًا بِاَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَ اِلَّا فِیْ کَلَامٍ غَیْرِ مُوْجَبٍ وَّالْمُسْتَثْنٰی مِنْهُ غَیْرُ مَذْکُوْرٍ کَانَ اِعْرَابُهٗ بِحَسَبِ الْعَوَامِلِ تَقُوْلُ مَا جَاءَنِیْ اِلَّا زَیْدٌ وَمَا رَاَیْتُ اِلَّا زَیْدًا وَمَا مَرَرْتُ اِلَّا بِزَیْدٍ وَاِنْ کَانَ بَعْدَ غَیْرَ وَسِوٰی وَسِوَاءَ وَحَاشَا عِنْدَ الْاَکْثَرِ مَجْرُوْرًا نَحْوُ جَاءَنِی الْقَوْمُ غَیْرَ زَیْدٍ وَسِوٰی زَیْدٍ وَسِوَاءَ زَیْدٍ وَحَاشَا زَیْدٍ۔

ترجمہ: اور اگر مستثنیٰ مفرغ ہو بایں طور کہ اِلَّا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کا اعراب عوامل کے اعتبار سے ہوگا، آپ کہیں گے: ما جاء نی اِلَّا زیدٌ یعنی نہیں آیا میرے پاس مگر زید وما رئیتُ اِلا زیدًا یعنی نہیں دیکھا مگر زید کو وما مررت الا بزیدٍ یعنی نہیں گذرا میں مگر زید کے ساتھ اور اگر مستثنیٰ غیر و سوٰی و سواء و حاشا کے بعد ہو، اکثر نحویوں کے نزدیک تو وہ مجرور ہوگا جیسے جاء نی القوم غیر زیدٍ وسوٰی زیدٍ وسواء زیدٍ وحاشا زیدٍ یعنی آئی میرے پاس قوم زید کے علاوہ اور زید کے سوٰی اور زید کے سوا اور زید کے علاوہ۔

تشریح: وَاِنْ کَانَ مُفَرَّغًا اعراب مستثنیٰ کی یہ تیسری قسم ہے کہ مستثنیٰ مفرغ یعنی فارغ کیا ہوا ہو، بایں طور کہ اِلَّا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کا اعراب عوامل کے موافق ہو یعنی عامل اگر فاعل کا مقتضی ہے تو رفع ہوگا اور مفعول کا مقتضی ہے تو نصب ہوگا۔ اور اگر اضافت کا مقتضی ہے تو جر ہوگا چنانچہ ما جاء نی اِلَّا زیدٌ میں چونکہ اِلَّا کے بعد کلام غیر موجب میں ہے اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور نہیں اور جاء فاعل کا مقتضی ہے اس لئے زید پر رفع آئے گا کیونکہ فاعل پر رفع آتا ہے، اسی طرح ما رئیتُ اِلَّا زیدًا میں زید کلام غیر موجب میں ہے اور رئیتُ مفعول کا مقتضی ہے لہٰذا اس پر نصب آئے گا کیونکہ مفعول پر نصب آتا ہے، اسی طرح وما مررتُ اِلا بزیدٍ میں زید پر جر آئے گا کیونکہ مررتُ مضاف ہے بواسطۂ حرف جر کے ظاہر ہے، مضاف الیہ پر جر آتا ہے۔

وَاِنْ کَانَ بَعْدَ غَیْرَ اعراب مستثنیٰ کی چوتھی قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ غیر اور سوٰی و سواء و حاشا کے بعد ہو، اکثر نحویوں کے نزدیک تو وہ مجرور ہوگا جیسے جاء نی القومُ غیر زیدٍ وسوٰی زیدٍ وسواء زیدٍ وحاشا زیدٍ میں مجرور ہے اس لئے کہ وہ غیر و سوٰی و سواء و حاشا کے بعد مذکور ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اِعْرَابَ غَيْرِ كَاِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰى بِاِلَّا تَقُوْلُ جَاءَ نِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ وَغَيْرَ حِمَارٍ وَمَا جَاءَ نِي غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ وَمَا جَاءَ نِي اَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ وَغَيْرُ زَيْدٍ وَمَا جَاءَ نِي غَيْرُ زَيْدٍ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ غیر کا اعراب مستثنیٰ بالّا کے اعراب کی طرح ہے، آپ کہیں گے: جاء نی القوم غیر زیدٍ وغیر حمارٍ وما جاء نی غیر زیدٍ القوم وما جاء نی احد غیر زیدٍ وغیرُ زیدٍ اور ما جاء نی غیرُ زیدٍ۔

تشریح: اِعْلَمْ اَنَّ اِعْرَابَ یعنی لفظ غیر کا اعراب باب استثناء میں مستثنیٰ بالا کے اعراب کی مثل ہے، اس تفصیل پر جو ماقبل میں چاروں قسمیں گذریں کہ وجوب نصب مستثنیٰ میں جب کہ وہ کلام موجب میں ہو یا مستثنیٰ منقطع ہو یا مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر اور جواز نصب اختیار بدل کے ساتھ کلام غیر موجب میں اور اعراب باعتبار عوامل جب کہ مستثنیٰ مفرغ ہو، چنانچہ ہر ایک کی مثال آگے درج ہے جیسے جاء نی القوم غیر زیدٍ مثال ہے، کلام موجب کی اور جاء نی القوم غیر حمارٍ مثال ہے مستثنیٰ منقطع کی اور ما جاء نی غیر زیدٍ القوم مثال ہے مستثنیٰ مقدم کی اور ما جاء نی احدٌ غیر زیدٍ نصب کے ساتھ اور ما جاء نی احدٌ غیرُ زیدٍ رفع کے ساتھ مثال ہے، استثناء و بدل کی اور ما جاء نی غیرُ زیدٍ مثال ہے مستثنیٰ مفرغ کی۔

وَاعْلَمْ اَنَّ لَفْظَةَ غَيْرَ مَوْضُوْعَةٌ لِلصِّفَةِ وَقَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلْاِسْتِثْنَاءِ كَمَا اَنَّ لَفْظَةَ اِلَّا مَوْضُوْعَةٌ لِلْاِسْتِثْنَاءِ وَقَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلصِّفَةِ كَمَا فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اَيْ غَيْرُ اللّٰهِ وَكَذٰلِكَ قَوْلُكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ لفظ غیر موضوع ہے صفت کے لئے اور کبھی مستعمل ہوتا ہے استثناء کے لئے جیسا کہ لفظ اِلّا موضوع ہے استثناء کے لئے اور کبھی مستعمل ہوتا ہے صفت کے لئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے: لو کان فیهما الهة اِلّا الله لفسدتا ای غیر الله اور اسی طرح آپ کا قول لا الٰہ الا اللہ ہے۔

تشریح: اِعْلَمْ اَنَّ لَفْظَةَ یعنی لفظ غیر حقیقۃً موضوع ہے صفت کے لئے، استثناء کے لئے نہیں کیونکہ وہ بمعنی مغایر ہے اور اس کا استعمال بمعنی مغایر کبھی ذات میں ہوتا ہے اور کبھی صفات میں۔ ذات میں جیسے مررت برجلٍ غیر زیدٍ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: بوادٍ غیرِ ذی زرعٍ اور صفات میں جیسے دخلتُ بوجهٍ غیر الوجهِ الذی دخلتُ اور اس کا استعمال صفت کیلئے کثرت سے واقع ہے لیکن وہ کبھی استثناء کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے جاء نی القوم غیر زیدٍ میں غیر کو صفت کے لئے ہونا درست نہیں ہے کیونکہ موصوف وصفت کے درمیان تعریف وتنکیر میں مطابقت ضروری ہے اور وہ یہاں مفقود ہے کیونکہ قوم معرفہ ہے اور غیر اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے لیکن تو ہم ابہام کی وجہ سے نکرہ ہے۔

كَمَا اَنَّ لَفْظَةَ اِلَّا یعنی لفظ غیر صفت کے لئے موضوع ہے اور وہ کبھی استثناء کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جس طرح لفظ اِلّا استثناء کے لئے موضوع ہے اور وہ کبھی صفت کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول لو کان فیهما الهة اِلا الله لفسدتا میں اِلّا واقع ہے الهة کے بعد جو جمع منکور غیر محصور ہے اور استثناء متعذر ہے کیونکہ بوجہ عدم استغراق وعدم عہد

اللہ اسم جلالت کا دخول یا عدم دخول، آلھة میں یقینی نہیں تا کہ اس کو مستثنی متصل یا منقطع قرار دیا جا سکے۔ اس لئے کہ متصل کے لئے دخول یقینی اور منقطع کے لئے عدم دخول یقینی ہے اور بدل بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کلام غیر موجب میں ہوتا ہے اور یہ کلام موجب ہے اور لو سے مستفاد نفی معنوی معتبر نہیں کہ وہ نفی لنفی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ کلام غیر موجب ہو جائے، پس آیت میں اِلّا صفت کے لئے ہے جو بمعنی غیر ہے استثناء کے لئے نہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا اگر کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔

کَذٰلِكَ قَوْلُكَ لَا اِلٰهَ آیت مذکورہ میں جس طرح اِلّا استثناء کے لئے نہیں بلکہ صفت کے لئے جو بمعنی غیر مستعمل ہے اسی طرح لا الٰہ الا اللہ میں الا استثناء کے لئے نہیں بلکہ صفت کے لئے مستعمل ہے کیونکہ اس کو اگر استثناء کے لئے حمل کیا جائے تو استثناء کی جو دو قسمیں گذریں ان دونوں میں سے کسی ایک میں داخل ہونا ضروری ہوگا جب کہ وہ ممنوع ہے لیکن استثناء متصل اس لئے کہ اس تقدیر پر لا الٰہ میں الٰہ سے مراد الٰہ محققہ ہونا ضروری ہوگا جس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ان الھة میں داخل ہے جن سے اُس کا استثناء کیا گیا ہے حالانکہ وہ توحید مطلوب کے خلاف ہے کیونکہ اس سے تعدد الٰہ لازم آتا ہے لیکن استثناء منقطع اس لئے کہ اس تقدیر پر لا الٰہ میں الٰہ سے مراد معبودانِ باطل ہوں گے اور اللہ سے معبود برحق، پس اس سے بھی توحید حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ استثناء منقطع سے حکم یقینی ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ اسم جلالت ترکیب میں مرفوع واقع ہے، اس تقدیر پر کہ وہ بدل ہے اسم لا کے محل سے۔ اسم لا کے لفظ سے بدل نہیں کہ وہ منصوب ہو کیونکہ اسم جلالت معرفہ ہے اور لا معارف میں عمل نہیں کرتا۔ اس کی خبر وجوبی طور پر محذوف ہوتی ہے، اصل عبارت یہ ہے: لا الٰہ موجودٌ الا اللہ۔ خبر اس کی وجوبی طور پر اس لئے محذوف ہوتی ہے کہ اثبات کا حرف نفی سے یعنی اِلّا کا، لا سے بُعد و تاخر لازم نہ آئے۔ جبکہ کلام مذکور سے مقصود اثبات یعنی اللہ کی وحدانیت کا ثبوت ہے۔

فصل: خَبَرُ كَانَ وَاَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا نَحْوُ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا وَحُكْمُهٗ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَاءِ اِلَّا اَنَّهٗ يَجُوْزُ تَقْدِيْمُهٗ عَلٰى اَسْمَائِهَا مَعَ كَوْنِهٖ مَعْرِفَةً بِخِلَافِ خَبَرِ الْمُبْتَدَاءِ نَحْوُ كَانَ الْقَائِمَ زَيْدٌ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے کان اور اس کی نظیروں کی خبر کے بیان میں اور وہ ایسی شئی ہے جو مسند ہے کان اور اس کی نظیروں کے داخل ہونے کے بعد جیسے کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا یعنی زید کھڑا ہونے والا تھا اور اس کا حکم مبتداء کی خبر کے حکم کی طرح ہے مگر یہ کہ جائز ہوتی ہے اس کی تقدیم ان کے اسموں پر باوجود ہونے اس خبر کے معرفہ! برخلاف مبتداء کی خبر کے جیسے کَانَ القَائِمَ زَیْدٌ یعنی کھڑا ہونے والا تھا زید۔

تشریح: خَبَرُ كَانَ مستثنی کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد کان اور اس کی نظیروں کی خبر کو بیان کیا جاتا ہے کہ کان اور اس کی نظیروں کی خبر وہ ہے کہ ان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے جیسے کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا اور کان اور اس کی نظیروں کا حکم اقسام واحکام وشرائط میں مبتداء کی خبر کے حکم کی طرح ہے جیسا کہ گذرا۔

إِلَّا أَنَّهُ يَجُوْزُ حکم سابق سے یہ استثناء ہے کہ کان اور اس کی نظیروں کا حکم مبتداء کی خبر کے حکم کی طرح ہے مگر اس امر میں کان کی خبر مبتداء کی خبر کی طرح نہیں کہ مبتداء کی خبر اگر معرفہ ہو تو اس کی تقدیم مبتداء پر جائز نہیں ہوتی ورنہ التباس لازم آئے گا۔ حالانکہ کان کی خبر جب کہ معرفہ ہو تو اس کی تقدیم اس کے اسم پر جائز ہوتی ہے جیسے کَانَ الْقَائِمُ زَيْدٌ۔

فصل: اِسْمُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا نَحْوُ اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے اِنَّ اور اس کی نظیروں کے بیان میں اسم وہ مسند الیہ ہے اِنَّ اور اس کی نظیروں میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد جیسے اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ یعنی بے شک زید کھڑا ہونے والا ہے۔

تشریح: اِسْمُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا یعنی منصوبات میں سے اِنَّ اور اس کی نظیروں کا اسم بھی ہے اور وہ مسند الیہ ہوتا ہے اِنَّ اور اس کی نظیروں میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد جیسے اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اس کے تمام احکام تیسری قسم میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کئے جائیں گے۔

فصل: اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا يَلِيْهَا نَكِرَةً مُضَافَةً نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ اَوْ مُشَابِهًا لَهَا نَحْوُ لَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا فِي الْكِيْسِ فَاِنْ كَانَ بَعْدَ لَا نَكِرَةً مُفْرَدَةً تُبْنٰى عَلَى الْفَتْحِ نَحْوُ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ

ترجمہ: یہ فصل ہے منصوب بلا التی لنفی الجنس کے بیان میں وہ مسند الیہ ہے لا کے داخل ہونے کے بعد دراں حالیکہ وہ اسم اس لا سے متصل ہے دراں حالیکہ وہ نکرہ و مضاف ہو، جیسے لا غلام رجلٍ فی الدار یعنی مرد کا غلام نہیں ہے گھر میں یا اس کے مشابہ ہو جیسے لا عشرین درھمًا فی الکیس یعنی بیس درہم تھیلی میں نہیں۔ پس اگر وہ لا کے بعد نکرہ مفردہ ہو تو وہ فتح پر مبنی کیا جائے گا جیسے لا رجلَ فی الدارِ یعنی نہیں ہے کوئی مرد گھر میں۔

تشریح: اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ اسم اِنَّ وغیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر منصوبات کی سب سے آخری قسم منصوب بلا التی لنفی الجنس کو بیان کیا جاتا ہے لیکن یہاں منصوب بلا التی کے بجائے اسم لا التی لنفی الجنس کہنا چاہیے کہ اسم لا بھی منصوب ہوتا ہے جس طرح ماقبل میں اسم انّ واخواتھا اور خبر کان واخواتھا کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ کہ ہر اسم لا منصوب نہیں ہوتا بلکہ اس کے منصوب ہونے کے لئے آگے تین شرطیں بیان کی جائیں گی کہ ان میں سے اگر ایک بھی مفقود ہو جائے تو منصوب نہیں ہوگا۔

هُوَ الْمُسْنَدُ اِلَيْهِ یہ تعریف ہے منصوب بلا التی لنفی الجنس کی اور وہ وہ اسم ہے جو مسند الیہ ہو لا کے داخل ہونے کے بعد اور وہ اسم متصل ہو، اس لا کے ساتھ اور نکرہ ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو، یعنی اسم لا منصوب ہوگا مگر اس کے لئے یہ تین شرطیں ہیں کہ (۱) وہ نکرہ ہو (۲) اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو (۳) اور لا کے بعد بلافصل واقع ہو جیسے لا غلام رجلٍ فی الدار میں غلام منصوب ہے، اس لئے کہ وہ نکرہ ہے جو مضاف ہے رجل کی طرف اور وہ لا کے بعد بلافصل واقع

ہےاور لا عشرین درھما فی الکیس مثال ہے مشابہ مضاف کی جو لا کے بعد بلا فصل واقع ہے۔

نَكِرَةً مُّضَافَةً: نکرةً ترکیب میں حال ہے اس ضمیر سے جو یلیھا میں پوشیدہ ہے، اصل عبارت یہ ہے: حال کون ذلک المسند الیہ نکرةً اور نکرہ کی قید سے معرفہ سے احتراز ہوگیا کہ اس کا حکم عنقریب آئے گا۔ مضافةً صفت ہے نکرةً کی۔ اس قید سے نکرہ مفردہ سے احتراز ہوگیا کہ اس کا حکم بھی عنقریب آئے گا۔

فَإِنْ كَانَ بَعْدَ لَا نکرہ رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اور اس کی خبر ظرف مقدم ہے، ممکن ہے کان تامہ بمعنی وجد ہو۔ مفردة صفت ہے نکرة کی، معنی یہ ہے کہ لا کا اسم اگر مضاف اور نہ مشابہ مضاف ہو تو اس کو مفتوح پڑھا جائے گا۔ جیسے لا رجل فی الدار میں رجل لا کا اسم ہے جو نکرہ مفردہ واقع ہے اور اس لا کے بعد بلا فصل واقع ہے۔

وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ نَكِرَةً مَّفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا كَانَ مَرْفُوْعًا وَيَجِبُ تَكْرِيْرُ لَا مَعَ اِسْمٍ آخَرَ تَقُوْلُ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو وَلَا فِيْهَا رَجُلٌ وَلَا اِمْرَأَةٌ

ترجمہ: اور اگر لائے نفی جنس اسم معرفہ ہو یا ایسا نکرہ ہو کہ لا اور اس لا کے درمیان فصل کر دیا گیا ہو تو وہ مرفوع ہوگا اور لا کا تکرار دوسرے اسم کے ساتھ واجب ہو جائے گا۔ آپ کہیں گے: لا زیدٌ فی الدارِ ولا عمرٌو اور لا فیھا رجلٌ ولا امراةٌ۔

تشریح: **وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً** یعنی ماقبل میں جو تین شرطیں مذکور ہوئیں ان میں سے نکرہ ہونے کی شرط اگر مفقود ہو جائے اور لا کا اسم معرفہ ہو یا متصل ہونے کی شرط مفقود ہو جائے اور اسم ولا کے درمیان فصل ہو، عام ہے کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو یا نہ ہو تو اسم لا بر بناء ابتدا مرفوع ہوگا اور لا کی تکرار دوسرے اسم کے ساتھ ضروری ہو جائے گی۔ جیسے لا زیدٌ فی الدارِ ولا عمرٌو میں زید لا کا اسم معرفہ ہے اور لا فیھا رجلٌ ولا امراةٌ میں لا کا اسم رجل ہے لیکن اس کے اور لا کے درمیان فیھا سے فصل واقع ہے۔ بہر دو تقدیر لا کے اسم کو مرفوع پڑھا جائے گا۔

وَيَجُوْزُ فِيْ مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ فَتْحُهُمَا وَرَفْعُهُمَا وَفَتْحُ الْأَوَّلِ وَنَصْبُ الثَّانِيْ وَفَتْحُ الْأَوَّلِ وَرَفْعُ الثَّانِيْ وَرَفْعُ الْأَوَّلِ وَفَتْحُ الثَّانِيْ وَقَدْ يُحْذَفُ اِسْمُ لَا بِقَرِيْنَةٍ نَحْوُ لَا عَلَيْكَ أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ۔

ترجمہ: اور لا حول ولا قوة الا باللہ کی مثل میں پانچ صورتیں جائز ہیں اور ان دونوں کا فتح اور ان دونوں کا رفع اور اول کا فتح اور دوم کا نصب اور اول کا فتح اور دوم کا رفع اور اول کا رفع اور دوم کا فتح اور لام کا اسم قرینہ کے وقت کبھی حذف کیا جاتا ہے جیسے لا علیك ای لا باس علیك۔

تشریح: **وَيَجُوْزُ فِيْ مِثْلِ لَا حَوْلَ**: مثل لا حول سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں بطور عطف لا مکرر ہو اور ہر لا کے بعد نکرہ غیر مفصول ہو، ایسی ترکیب میں پانچ صورتیں جائز ہیں جس کی تفصیل آگے مذکور ہے، البتہ اس کا معنی یہ ہے: لا رجوعَ لنا عن المعاصیْ ولا قوةَ لنا علی الطاعةِ الا بعصمته وتوفیقه یعنی معاصی سے ہم کو رجوع نہیں اور

طاعت پر ہماری قوت نہیں مگر اس کی عصمت وتوفیق سے۔

فَتْحُهُمَا: لا حول ولا قوة میں جو پانچ صورتیں جائز ہیں، ان میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں اسموں کو فتح دیا جائے، یعنی معطوف ومعطوف علیہ، دونوں کو فتح اس بناء پر ہے کہ اس میں لانفی جنس کے لئے آیا ہے، دوسری یہ کہ دونوں اسموں کو بر بنائے ابتداء مرفوع پڑھا جائے گا اس تقدیر پر دونوں لا ملغی ہو جائیں گے کیونکہ یہ قول جواب ہے: **أبغير الله حولٌ وقوةٌ** کے، پس دونوں کو مرفوع پڑھا جائے گا تا کہ سوال مطابق جواب ہو جائے۔ تیسری صورت یہ کہ اول کو فتح اور دوم کو نصب پڑھا جائے، پس اس تقدیر پر لائے اول نفی جنس کا ہوگا اور لائے دوم زائدہ تاکید نفی کے لئے ہے اور لفظ **قوة** کا عطف لفظ **حول** پر ہے۔ چوتھی صورت یہ کہ اول کو فتح اور دوم کو رفع دیا جائے لیکن اول کو فتحہ اس وجہ سے ہے کہ لائے اول نفی جنس کا ہے اور لائے دوم کا رفع اس بناء پر ہے کہ لا زائدہ ہے اور دوم کا عطف محل پر ہے اور وہ بر بنائے ابتداء مرفوع ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ اول کو رفع اور دوم کو فتح پڑھا جائے، اول کو رفع اس وجہ سے کہ یہ لا بمعنی **لیس** ہے اور دوم کو فتح اس وجہ سے کہ اس پر لانفی جنس کا ہے۔

وَقَدْ يُحْذَفُ إِسْمُ یعنی لائے نفی جنس کا اسم قرینہ کے وقت اکثر حذف کیا جاتا ہے تا کہ عموم کا معنی زیادہ ہو جائے، چنانچہ **لا عليك** اصل میں **لا باس عليك** ہے۔ یہاں اُس کے حذف پر قرینہ حرف پر لا کا دخول ہے۔

فصل: خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا نَحْوُ مَا زَيْدٌ قَائِمًا وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ إِلَّا نَحْوُ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ عَلَى الْإِسْمِ نَحْوُ مَا قَائِمٌ زَيْدٌ أَوْ زِيْدَتْ إِنْ بَعْدَ مَا نَحْوُ مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ بَطَلَ الْعَمَلُ كَمَا رَأَيْتَ فِي الْأَمْثِلَةِ وَهٰذَا لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ أَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا يَعْمَلُوْنَهُمَا أَصْلًا قَالَ الشَّاعِرُ عَنْ لِسَانِ بَنِيْ تَمِيْمٍ شعر: وَمُهَفْهَفٍ كَالْغُصْنِ قُلْتُ لَهُ انْتَسِبْ ﴿ فَأَجَابَ مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ حَرَامٌ بِرَفْعِ حَرَامٍ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے **ما ولا** کی خبر کے بیان میں جو دونوں مشابہ ہیں **لیس** کے ساتھ۔ وہ مسند ہے **ما ولا** کے داخل ہونے کے بعد جیسے **ما زیدٌ قائمًا ولا رجلٌ حاضرًا** اور اگر واقع ہو ما کی خبر **اِلّا** کے بعد جیسے **ما زیدٌ اِلّا قائمٌ** یا خبر مقدم ہو اسم پر جیسے **ما قائم زیدٌ** یا اِن زیادہ کیا جائے **ما** کے بعد جیسے **ما اِن زیدٌ قائمٌ** تو عمل باطل ہو جائے گا جیسا کہ آپ نے مثالوں میں دیکھا اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ لیکن بنی تمیم تو وہ لوگ ان دونوں کو عامل قرار نہیں دیتے۔ شاعر نے بنو تمیم کی زبان میں کہا: **ومهفهف كالغصن** یعنی ملاقات کی میں نے پتلی کمر والے سے کہ ہونے والا ہے ٹہنی کی مانند۔ میں نے کہا: اس سے نسبت بیان کر، تو اس نے جواب دیا کہ دوست کو مار ڈالنا حرام نہیں ہے، لفظ حرام کو رفع کے ساتھ۔

تشریح: **خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ** یہ تعریف ہے خبر **ما ولا مشابهتين بليس** کی کہ وہ مسند ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد جیسے **ما زیدٌ قائمًا** اور **رجلٌ حاضرًا** میں **قائمًا** اور **حاضرًا** خبر ہے، **ما** اور **لا** کی اور وہ مسند ہے ان دونوں کے

داخل ہونے کے بعد۔

وَاِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ: ما ولا کا عمل تین مقاموں پر باطل ہو جاتا ہے ایک وہ جب کہ اس کی خبر **اِلّا** کے بعد واقع ہو جیسے **ما زیدٌ اِلّا قائمٌ** دوسرا وہ جب کہ اس کی خبر اس کے اسم پر مقدم ہو جیسے **ما قائمٌ زیدٌ** تیسرا وہ جب کہ **ما** کے بعد **اِنْ** زیادہ کیا جائے جیسے **ما اِنْ زیدٌ قائمٌ** لیکن اول اس لئے کہ **ما ولا** کا عمل چوں کہ **لیس** کے ساتھ معنیٔ نفی میں مشابہت کی وجہ سے تھا اور معنیٔ نفی خبر کا **اِلّا** کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مفقود ہو گیا اس لئے **ما ولا** کا عمل باطل ہو گیا۔ لیکن دوم اس لئے کہ خبر کا اسم پر مقدم ہونے کی وجہ سے عمل میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ **ما ولا** کا عمل ضعیف ہیں، ان کا عمل اس وقت ہوگا جب کہ اس کے معمول بالترتیب ہوں اور جب تقدیم سے ترتیب بدل جائے تو عمل بھی باطل ہو جائے گا اور لیکن سوم اس لئے کہ **اِنْ** کو جب **ما** کے بعد زیادہ کیا جائے تو اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے کیونکہ **ما** عامل ضعیف ہے تو جب **ما** اور اس کے معمول کے درمیان فاصلہ ہو تو عمل نہ کر سکے گا، جیسے **ما اِنْ زیدٌ قائمٌ**۔

وَهٰذَا لُغَةُ اَهْلِ الْحِجَازِ یعنی **ما ولا** کا عامل ہونا اہل حجاز کی لغت پر ہے، چنانچہ قولِ باری تعالیٰ **ما ھذا بشرًا** میں **ما** نے **بشر** کو نصب دیا ہے اسی طرح پورا قرآن اہل حجاز کی لغت پر ہے۔ بنو تمیم **ما ولا** کو عامل قرار نہیں دیتے۔ استشہاد کے طور پر وہ زید شاعر کے اس شعر کو پیش کرتے ہیں: **ما قتل المحب حرام**۔ اس میں **ما** جو مشابہ **بلیس** ہے اگر وہ عمل کرتا تو لفظ حرام کو منصوب پڑھا جانا چاہیے جب کہ وہ بر بنائے خبر مرفوع پڑھا جاتا ہے، اسی طرح **قتل المحب** بر بناء ابتداء مرفوع پڑھا جاتا ہے۔

وَمُهَفْهَفٍ كَالْغُصْنِ واوٌ بمعنی رب ہے اور **مهفهف** اسم مفعول ہے جو ماخوذ ہے **مهفهفة** بفتح ھا و سکون فاء اول بمعنی باریک کمر ہونا، لہٰذا **مهفهف** بمعنی جلد باز چالاک پھرتیلا۔ **انتسب** امر ہے جو ماخوذ ہے انتساب سے، بمعنی نسبت داشتن یکسے یعنی نسبت بیان کرنا اور ضمیر مستتر جو کہ اجاب میں ہے راجع ہے **مهفهف** کی طرف اور **قتل** کی اضافت جو **محب** کی طرف ہے وہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کے قبیل سے ہے۔ فاعل اس کا متروک ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: **قتلُ المحبوبِ المحبَّ**۔ ترجمہ شعر کا یہ ہے کہ بہت پھرتیلے ہیں، ٹہنی کی مانند۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنا نسب بیان کر! تو اس نے جواب میں کہا کہ محبوب کو مارڈالنا محب کو حرام نہیں۔

اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ فِي الْمَجْرُوْرَاتِ اَلْاَسْمَاءُ الْمَجْرُوْرَةُ هِيَ الْمُضَافُ اِلَيْهِ فَقَطْ وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ نُسِبَ اِلَيْهِ شَيْئٌ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا نَحْوُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَيُعَبَّرُ عَنْ هٰذَا التَّرْكِيْبِ فِي الْاِصْطِلَاحِ بِاَنَّهٗ جَارٌّ وَمَجْرُوْرٌ اَوْ تَقْدِيْرًا نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ تَقْدِيْرُهٗ غُلَامٌ لِزَيْدٍ وَيُعَبَّرُ عَنْهُ فِي الْاِصْطِلَاحِ بِاَنَّهٗ مُضَافٌ وَمُضَافٌ اِلَيْهِ وَيَجِبُ تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ عَنِ التَّنْوِيْنِ اَوْ مَا يَقُوْمُ مَقَامَهٗ وَهُوَ نُوْنُ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ نَحْوُ جَاءَنِيْ غُلَامُ زَيْدٍ وَغُلَامَا زَيْدٍ وَمُسْلِمُوْ مِصْرٍ

ترجمہ: تیسرا مقصد مجرورات کے بیان میں ہے، اسمائے مجرورہ وہ صرف مضاف الیہ ہے اور وہ ہر ایسا اسم ہے کہ منسوب ہو اس

کی طرف شئی بواسطۂ حرف جر کے دراں حالیکہ وہ حرف ملفوظ ہو جیسے **مررتُ بزیدٍ** اور اس ترکیب کو اصطلاح میں بایں طور تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ جار مجرور ہے یا دراں حالیکہ وہ حرف مقدر ہو جیسے **غلامُ زیدٍ** اس کی تقدیر **غلامٌ لزیدٍ** ہے اور اس کی تعبیر اصطلاح میں بایں طور کی جاتی ہے کہ وہ مضاف و مضاف الیہ ہے اور ضروری ہے مضاف کو خالی کرنا تنوین سے یا اس سے جو قائم مقام ہو تنوین کے اور وہ تثنیہ و جمع کا نون ہے جیسے **جاءنی غلامُ زیدٍ و غلاما زیدٍ و مسلمو مصر** ۔

تشریح: **اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ** مقصد اول جو مرفوعات کے بیان میں ہے اور مقصد دوم جو منصوبات کے بیان میں ہے جب ان دونوں کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب مقصد سوم مجرورات کو بیان کیا جاتا ہے کہ اسمائے مجرورہ صرف مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ چوں کہ صرف ایک ہے اس کو مجرور واحد کہنا چاہیے جب کہ اس کو مجرورات جمع کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ مضاف الیہ اگرچہ ایک ہے لیکن، چونکہ اس کے انواع و اقسام کثیر ہیں اس لئے اس کو مجرورات جمع کے ساتھ کہا گیا ہے۔ مجرور اس اسم کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو، اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کی علامت جر ہے خواہ وہ کسرہ ہو یا فتح یا یاء اور جر خواہ لفظی ہو یا تقدیری۔

هِیَ الْمُضَافُ اِلَیْهِ فَقَطْ اسماء چونکہ جمع ہے اور جمع حکم میں واحد مؤنث کے ہوتی ہے، اس لئے اس کی طرف **هی المضاف الیه** میں **هی** واحد مؤنث کی ضمیر لوٹائی گئی۔ اور **هو کلُّ اسمٍ** میں **هو** ضمیر مرفوع مذکر کا مرجع مضاف الیہ ہے۔ یہ تعریف ہے مضاف الیہ کی۔ جس کا حاصل یہ کہ مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف شئی بواسطۂ حرف جر کے منسوب ہو۔ وہ حرف جر دراں حالیکہ ملفوظ ہو یا مقدر۔ ملفوظ جیسے **مررتُ بزیدٍ** میں زید مضاف الیہ ہے جس کی طرف **مررتُ** منسوب ہے بواسطۂ حرف جر باء ملفوظ کے، اس ترکیب کو اصطلاح میں جار و مجرور کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ مقدر جیسے **غلامُ زیدٍ** میں زید مضاف الیہ ہے جس کی طرف غلام منسوب ہے بواسطۂ لام حرف جار مقدر کے کہ اس کی تقدیر **غلامٌ لزیدٍ** ہے، اس کو اصطلاح میں مضاف و مضاف الیہ کہا جاتا ہے۔

کُلُّ اِسْمٍ اسم کو صراحۃً بیان کرنے میں اس امر کی طرف تنبیہ ہے کہ مضاف الیہ صرف اسم ہی ہوگا۔ لیکن اسم عام ہے کہ حقیقۃً ہو یا حکماً تا کہ قولِ باری تعالیٰ **یوم ینفخ فی الصورِ** میں **ینفخ** بھی شامل ہو جائے کہ وہ اسم کی تاویل میں ہے، یعنی **یوم النفخ فی الصورِ**۔ نسب الیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع **ذلك الاسم** ہے اور بواسطۂ حرف الجر کی قید سے اس سے احتراز ہو گیا کہ شئی جس کی طرف بواسطۂ حرف جر کے منسوب ہو جس طرح فعل کی نسبت جو فاعل کی طرف ہوتی ہے۔

اَوْ تَقْدِیْرًا اس کا عطف لفظاً پر ہے دونوں حال ہیں ذوالحال اس کا حرف جر ہے اور اس میں عامل واسطہ کے معنی ہیں، یعنی **یتوصل بحرف الجرِ ملفوظًا اوْ مقدرًا** ۔ ممکن ہے وہ **کان محذوف** کی خبر ہو یعنی **کانَ الحرفُ ملفوظًا اَوْ مقدرًا**۔

یَجِبُ تَجْرِیْدُ الْمُضَافِ یعنی جو اضافت بواسطۂ حرف جر ہو اس میں یہ ضروری ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو جو تنوین یا قائم مقام

تنوین مثلاً نون تثنیہ ونون جمع سے خالی ہو کیونکہ تنوین یا قائم مقام تنوین سے اسم تام اور دوسرے اسم سے منفصل وجدا ہو جاتا ہے۔ جب کہ اضافت اتصال کو چاہتی ہے۔ یہاں پر تین مثالیں ہیں۔ پہلی مثال جاء نی غلامُ زیدٍ ہے۔ جس میں مضاف کو تنوین سے خالی کیا گیا ہے دوسری مثال غلاما عمرٍو ہے اور تیسری مثال مسلمُو مصرٍ ہے، ان دونوں مثالوں میں سے پہلی میں نونِ تثنیہ اور دوسری مثال میں نونِ جمع سے مضاف کو خالی کیا گیا ہے جو تنوین کے قائم مقام ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاِضَافَةَ عَلٰى قِسْمَيْنِ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ اَمَّا الْمَعْنَوِيَّةُ فَهِيَ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ اِلٰى مَعْمُوْلِهَا وَهِيَ اِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ اَوْ بِمَعْنٰى مِنْ نَحْوُ خَاتَمُ فِضَّةٍ اَوْ بِمَعْنٰى فِيْ نَحْوُ صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَفَائِدَةُ هٰذِهِ الْاِضَافَةِ تَعْرِيْفُ الْمُضَافِ اِنْ اُضِيْفَ اِلٰى مَعْرِفَةٍ كَمَا مَرَّ اَوْ تَخْصِيْصُهٗ اِنْ اُضِيْفَ اِلٰى نَكِرَةٍ كَغُلَامِ رَجُلٍ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ اضافت دو قسموں پر ہے معنویہ اور لفظیہ، لیکن معنویہ تو وہ ہے کہ مضاف وہ صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہے اور وہ یعنی اضافت معنویہ آیا بمعنی لام ہوگی جیسے غلامُ زیدٍ یا بمعنی من ہوگی جیسے خاتمُ فضةٍ یا بمعنی فی ہوگی جیسے صلوٰةُ اللیل اور اس اضافت کا فائدہ مضاف کو معرفہ بنا دینا ہے، اگر معرفہ کی طرف اضافت کی جائے جیسا کہ گذرا یا اس کو خاص کر دینا ہے اگر نکرہ کی طرف اضافت کی جائے جیسے غلامُ رجلٍ۔

تشریح: اِعْلَمْ اَنَّ الْاِضَافَةَ: اعلم سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اضافت سے یہاں مراد بتقدیر حرف الجر ہے جیسا کہ آگے اُن کا قول هذا كله بتقدیر حرف الجر مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ اضافت بتقدیر حرف جر دو قسموں پر ہے: معنویہ اور لفظیہ۔ معنویہ اس لئے کہ وہ معنی کی طرف منسوب ہے اور یہ اضافت چونکہ معنیٔ تعریف و تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اس لئے اس کو معنویہ کہا جاتا ہے اور لفظیہ اس لئے کہ وہ لفظ کی طرف منسوب ہے اور اس اضافت سے چوں کہ صرف لفظ میں تخفیف ہوتی ہے اس لئے اس کو لفظیہ کہا جاتا ہے۔

اَمَّا الْمَعْنَوِيَّةُ یعنی اضافت معنویہ وہ ہے کہ مضاف وہ صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو، یہ تعریف تین صورتوں کو شامل ہوگی، ایک یہ کہ مضاف صیغۂ صفت نہ ہو اور نہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے غلامُ زیدٍ دوسری یہ کہ مضاف صیغۂ صفت ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ معمول کے علاوہ کی طرف مضاف ہو جیسے کریمُ البلد۔ اس لئے کہ کریم صیغۂ صفت ہے جو مضاف ہے اپنے معمول کے علاوہ کی طرف کیونکہ بلد مفعول نہیں، چنانچہ یہ کہنا جائز نہیں کریم البلد بلکہ یہ کہنا جائز ہے: کرم مَنْ فی البلدِ۔ تیسری یہ کہ مضاف صیغۂ صفت نہ ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ضرب الیوم۔ خیال رہے کہ صفت سے یہاں مراد اسم فاعل و اسم مفعول و صفت مشبہ و اسم تفضیل ہیں اور معمول سے مراد فاعل و مفعول بہ ہیں۔

وَهِيَ اِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ یعنی اضافت معنویہ میں مضاف الیہ جب کہ مضاف کی جنس سے نہ ہو اور نہ ہی مضاف کا ظرف ہو تو

وہ بتقدیر لام ہوتی ہے جیسے غلامُ زیدٍ کہ اصل میں غلامٌ لزیدٍ تھا۔ اس میں لام چونکہ مقدر ہوتا ہے اس لئے اس کو اضافت لامیہ بھی کہا جاتا ہے اور مضاف الیہ جب کہ مضاف کے جنس سے ہوتو وہ بتقدیر مِنْ ہوتی ہے، چنانچہ خاتمُ فضۃٍ اصل میں خاتمٌ من فضۃٍ تھا اور فضۃ چونکہ خاتم کی جنس سے ہے اس لئے اس میں مِنْ مقدر ہے اور اس اضافت کو اضافت بینہ و اضافت بیانیہ بھی کہا جاتا ہے اور اضافت معنویہ میں مضاف الیہ جب کہ مضاف کا ظرف ہوتو وہ بتقدیر فی ہوتا ہے چنانچہ صلٰوۃُ اَللَّیْلِ اصل میں صلٰوۃٌ فی اَللَّیْلِ تھا اور اس میں فی چونکہ مقدر ہوتا ہے اس لئے اس کو اضافت فیہ و اضافت ظرفیہ بھی کہا جاتا ہے۔

فَائِدَۃُ ھٰذِہِ الْاِضَافَۃِ یعنی اضافت معنویہ سے یہ فائدہ ہے کہ اسم اگر مضاف ہو معرفہ کی طرف تو تعریف پیدا ہوتی ہے۔ جیسے غلامُ زیدٍ اور اگر مضاف ہو نکرہ کی طرف تو تخصیص یعنی قلت اشتراک پیدا ہوتی ہے جیسے غلامُ رجلٍ۔

وَاَمَّا اللَّفْظِیَّۃُ فَھِیَ اَنْ یَّکُوْنَ الْمُضَافُ صِفَۃً مُّضَافَۃً اِلٰی مَعْمُوْلِھَا وَھِیَ فِیْ تَقْدِیْرِ الْاِنْفِصَالِ نَحْوُ ضَارِبُ زَیْدٍ وَحَسَنُ الْوَجْہِ وَفَائِدَتُھَا تَخْفِیْفٌ فِی اللَّفْظِ فَقَطْ

ترجمہ: اور لیکن اضافت لفظیہ تو وہ یہ کہ مضاف صیغۂ صفت ہو، مضاف ہو اپنے معمول کی طرف اور وہ انفصال کی تقدیر میں ہے جیسے ضاربُ زیدٍ وحسنُ الوجہِ اور اس کا فائدہ صرف لفظ میں تخفیف ہے۔

تشریح: وَاَمَّا اللَّفْظِیَّۃُ اضافت لفظیہ وہ صفت ہے جو مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، معمول عام ہے کہ وہ فاعل ہو یا مفعول جیسے ضاربُ زیدٍ میں ضارب صفت ہے جو مضاف ہے اپنے معمول، مفعول کی طرف۔ اسی طرح حسنُ الوجہِ میں حسن صفت ہے جو مضاف ہے اپنے معمول یعنی فاعل کی طرف۔ صفت سے مراد جیسا کہ گذرا اسم فاعل و اسم مفعول و صفت مشبہ ہیں اور معمول سے مراد فاعل یا مفعول۔ اور صفت کی قید سے اس سے احتراز ہوگیا جو صفت نہیں جیسے غلامُ زیدٍ میں غلام اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہونے کی قید سے اس صفت سے احتراز ہوگیا جو اپنے معمول کے علاوہ کی طرف مضاف ہے جیسے کریمُ البلدِ۔

وَھِیَ فِیْ تَقْدِیْرِ یعنی اضافت لفظیہ معنی کے اعتبار سے انفصال کی تقدیر پر ہے کہ اس کا معنی وہی ہوگا جو اضافت سے پہلے تھا، لہٰذا جو لفظ اضافت لفظیہ کی وجہ سے مجرور ہے، وہ معنی میں مرفوع یا منصوب ہوگا چنانچہ ضاربُ زیدٍ میں زید اگرچہ مجرور ہے لیکن وہ معنی میں منصوب ہوگا۔ یعنی ضاربٌ زیدًا کیونکہ ضاربُ زیدٍ کا معنی وہی ہے جو ضربَ عمرٌو زیدًا کا ہے اسی طرح حسنُ الوجہِ میں وجہ اگرچہ مجرور ہے لیکن وہ معنی میں مرفوع ہوگا یعنی حسنَ الوجہُ کیونکہ جو معنی حسنُ الوجہِ کا ہے وہی حسنَ الوجہُ کا ہے۔

فَائِدَتُھَا یعنی اضافت لفظیہ کا فائدہ لفظوں میں صرف تخفیف ہوتی ہے تعریف یا تخصیص نہیں۔ چنانچہ ضاربُ زیدٍ کہ وہ اصل میں ضاربٌ زیدًا تھا۔ اضافت کی وجہ سے ضاربٌ سے تنوین ساقط ہوگئی۔ اور تخفیف مضاف کے علاوہ مضاف الیہ

میں بھی ہوتی ہے جیسے القائم الغلام کہ وہ اصل میں القائم غلامہٗ تھا۔ غلام سے مضاف الیہ کی ضمیر محذوف ہو کر القائم میں اُس کو مستتر مان لیا گیا پھر القائم کو غلام کی طرف مضاف کر دیا گیا اور تخفیف کبھی مضاف و مضاف الیہ دونوں میں ہوتی ہے جیسے حسنُ الوجہ کہ وہ اصل میں حسنٌ وجھہ تھا۔ اضافت کی وجہ سے حسن کی تنوین اور وجہ کی ضمیر محذوف ہوگئی اور ضمیر وجہ کے عوض لام تعریف کو لایا گیا۔

وَاعْلَمْ اَنَّكَ اِذَا اَضَفْتَ الْاِسْمَ الصَّحِيْحَ اَوِ الْجَارِيَ مَجْرَى الصَّحِيْحِ اِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ كَسَرْتَ آخِرَهٗ وَاَسْكَنْتَ الْيَاءَ اَوْ فَتَحْتَهَا كَغُلَامِيْ وَدَلْوِيْ وَظَبْيِيْ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ جب اسم صحیح یا صحیح کے قائم مقام کو یاء متکلم کی طرف اضافت کریں تو اس کے آخر کو کسرہ دیں اور یاء متکلم کو ساکن یا اس کو فتحہ دیں جیسے غلامی اور دلوی اور ظبیی۔

تشریح: اِعْلَمْ اَنَّكَ اسم صحیح اور قائم مقام صحیح کا معنی جیسا کہ اصناف اعراب کے بیان میں گذرا کہ صحیح وہ ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو جیسے زید و بکر اور جاری مجری صحیح وہ ہے جس کے آخر میں واؤ یا یاء ماقبل ساکن ہو جیسے دلوٌ وظبیٌ وغیرہ جاری مجری الصحیح کا عطف صحیح پر ہے اور اسم، صحیح و جاری مجری صحیح دونوں کے ساتھ متعلق ہے اور آخرہٗ میں ضمیر مجرور کا مرجع اسم مذکور ہے۔ اور آخر اسم سے مراد وہ حرف ہے جو یاء متکلم سے پہلے واقع ہو، خلاصہ یہ کہ اسم صحیح یا قائم مقام صحیح جب کہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اسم کے آخر کو بمناسبت یاء کسرہ دیا جائے گا اور یاء متکلم کو اختیار ہے کہ ساکن رکھا جائے یا فتحہ پڑھا جائے، چنانچہ غلامی مثال ہے صحیح کی اور دلوٌ وظبیٌ مثال ہے قائم مقام صحیح کی، اول کے آخر میں واؤ لاحق ہے اور دوم کے آخر میں یاء کہ اس کے ماقبل ساکن ہے۔

وَاِنْ كَانَ آخِرُ الْاِسْمِ اَلِفًا تُثْبَتُ كَعَصَايَ وَرَحَايَ خِلَافًا لِلْهُذَيْلِ كَعَصِيَّ وَرَحِيَّ وَاِنْ كَانَ آخِرُ الْاِسْمِ يَاءً مَكْسُوْرًا مَّا قَبْلَهَا اُدْغِمَتِ الْيَاءُ فِي الْيَاءِ وَفُتِحَتِ الْيَاءُ الثَّانِيَةُ لِئَلَّا يَلْتَقِيَ السَّاكِنَانِ تَقُوْلُ فِيْ قَاضِيْ قَاضِيَّ

ترجمہ: اور اگر اسم کا آخر الف ہو تو ثابت رکھا جائے گا جیسے عصای ورحای ہذیل کا خلاف ہے جیسے عصیَّ اور رحیَّ اور اگر اسم کے آخر یاء مکسور ہو اس کے ماقبل تو یاء کو یاء میں آپ ادغام کریں اور دوسری یاء کو فتحہ دیں تاکہ دو ساکن ملاقات نہ کریں، آپ کہیں گے: قاضی میں قاضیَّ۔

تشریح: وَاِنْ كَانَ آخِرُ الْاِسْمِ یعنی وہ اسم کہ جس کے آخر میں الف ہو اور مضاف ہو یاء متکلم کی طرف تو اس کے الف کو ثابت رکھا جائے گا، چنانچہ عصا سے عصای اور رحیٰ سے رحای کیونکہ ابدال کا سبب یہاں پر کوئی نہیں برخلاف قبیلہ ہذیل کہ وہ اس الف کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کرتے ہیں کیونکہ یاء ماقبل کے کسرہ کا مقتضی ہے اور الف حرکت ہی کو قبول نہیں کرتا تو الف کو یاء سے بدلا گیا تاکہ بقدر امکان مشابہت حاصل ہو جائے اس لئے کہ یاء جنس کسرہ سے ہے، اسی وجہ سے اعراب میں

کسرہ کی جگہ یاء آتی ہے جیسے ثُمِیٌّ میں تو قائم مقام کسرہ ہوئی جس سے بقدر امکان مناسبت کا حصول ہو گیا پھر اس یاء کو یاء متکلم میں ادغام کر کے دحیّ وعصیّ بولا جاتا ہے لیکن وہ لوگ اسی الف کو یاء سے بدلتے ہیں جو تثنیہ نہ ہو جیسے غلامای میں اس لئے کہ الف تثنیہ کو بدلنے سے حالت رفعی کا حالت نصبی و جری کے ساتھ التباس لازم آتا ہے۔

یاءً مکسُورًا یعنی اس اسم کے اخیر میں جو متکلم کی طرف مضاف ہے اگر یاء ہو تو اس کو یاء متکلم میں ادغام کیا جائے گا یاء دوم کو فتحہ دیا جائے گا تا کہ دو ساکن کا اجتماع لازم نہ آئے کیونکہ دو حرف ایک جنس کے ہو گئے اور جب ایک جنس کے دو حرف جمع ہوں تو ادغام ضروری ہو جاتا ہے جیسے **قاضیّ** میں قاضیّ۔

وَاِنْ کَانَ اٰخِرُہٗ وَاوًا مَضْمُوْمًا مَا قَبْلَھَا قَلَبْتَھَا یَاءً وَعَمِلْتَ کَمَا عَمِلْتَ الْاٰنَ تَقُوْلُ جَاءَنِیْ مُسْلِمِیَّ وَفِی الْاَسْمَاءِ السِّتَّۃِ مُضَافَۃً اِلٰی یَاءِ الْمُتَکَلِّمِ تَقُوْلُ اَخِیْ وَاَبِیْ وَحَمِیْ وَھَنِیْ وَفِیَّ عِنْدَ الْاَکْثَرِ وَفَمِیْ عِنْدَ قَوْمٍ

ترجمہ: اور اگر اسم کا آخر واؤ اس سے قبل مضموم ہو تو اس کو آپ یاء سے بدل دیں اور عمل دیں جیسا کہ آپ نے ابھی عمل دیا۔ آپ کہیں گے: **جاءَنی مسلمیّ** اور چھ اسموں میں دراں حالیکہ وہ مضاف ہوں یاء متکلم کی طرف، آپ کہیں گے: **اخی و ابی، وحمی، وھنی** اور **فیّ** اکثر نحویوں کے نزدیک اور **فمی** ایک قوم کے نزدیک۔

تشریح: **وَاِنْ کَانَ اٰخِرُہٗ** یعنی اسم کا آخر اگر واؤ ہو اور اس کے ماقبل مضموم ہو تو اس کو یاء سے بدل دیا جائے گا اور اس کے ساتھ وہ عمل کیا جائے گا جو ابھی **قاضیّ** میں کیا گیا یعنی یاء کو یاء میں ادغام کر دیا جائے گا اور یاء کی مناسبت سے ضمہ کو کسرہ سے بدل کر یاء متکلم کو التقاء ساکنین کی وجہ سے فتحہ دیا جائے گا کہ فتحہ اخف حرکات ہے جیسے **جاءَنی مسلمیّ** کہ وہ اصل میں **مسلموی** تھا۔ واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیا گیا اور اس کے میم کے ضمہ کو کسرہ سے بدل کر یاء متکلم کو فتح دیا گیا تو **مسلمیّ** ہوا۔

وَفِی الْاَسْمَاءِ السِّتَّۃِ یعنی اسماء ستہ جیسا کہ اُس کا ذکر ماقبل میں گزرا کہ وہ جب مضاف ہوں یاء متکلم کی طرف تو ان میں سے پانچ اسموں کو یاء متکلم کی طرف اضافت کے وقت کہا جائے گا: **اخی وابی، وحمی وھنی** یاء مخفف کے ساتھ محذوف جو کہ واؤ لام کلمہ ہے اس کو لوٹائے بغیر اور **فیّ** بکسر فاء تشدید یاء کہا جائے گا اکثر نحویوں کے نزدیک اور **فمی** کہا جائے گا ایک قوم کے نزدیک، خلاصہ یہ کہ اول چار میں تخفیف یاء کے ساتھ کہا جائے گا محذوف کو لوٹائے بغیر اور پانچویں میں بکسر فاء اور تشدید یاء کے ساتھ نحویوں کی ایک قوم کے نزدیک۔

وَفِیَّ عِنْدَ الْاَکْثَرِ یعنی **فوہ** کی اضافت جب یاء متکلم کی طرف کی جائے تو **فیّ** تشدید کے ساتھ کہا جائے گا کیونکہ اس میں لام کلمہ ھاء ہے جو محذوف ہے تو بوقت اضافت بسوئے یاء متکلم محذوف کو لوٹایا نہیں کہا جائے گا اور واؤ جو عین کلمہ ہے یاء سے بدل کر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا اور فاء کو بوجہ مناسبت یاء کسرہ دیا جائے گا یعنی **فیّ** ہوا اور یہ اکثر نحویوں کے نزدیک ہے لیکن بعض نحویوں کے نزدیک **فمی** کہا گیا ہے کیونکہ **فم** کی اصل **فوہ** تھی کہ اس کی جمع **افواہ** آتی ہے ھاء کو خلاف قیاس حذف کر دیا

گیا، اس کے بعد واؤ کو میم سے بدل دیا گیا تو فم ہوا کہ دونوں قریب المخرج ہیں تو جب اضافت کے بغیر فم کہا جاتا ہے تو اضافت کے وقت بسوئے یاء متکلم فمی کہا جائے گا۔

وَذُوْ لَا يُضَافُ إِلٰى مُضْمَرٍ اَصْلًا وَقَوْلُ الْقَائِلِ شِعْر اِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْهُ شَاذٌّ وَاِذَا قَطَعْتَ هٰذِهِ الْاَسْمَاءَ عَنِ الْاِضَافَةِ قُلْتَ اَخٌ وَاَبٌ وَحَمٌ وَهَنٌ وَفَمٌ وَذُوْ لَا يُقْطَعُ عَنِ الْاِضَافَةِ اَلْبَتَّةَ هٰذَا كُلُّهٗ بِتَقْدِيْرِ حَرْفِ الْجَرِّ اَمَّا يُذْكَرُ فِيْهِ حَرْفُ الْجَرِّ لَفْظًا فَسَيَاْتِيْكَ فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ: اور ذو ضمیر کی طرف قطعاً مضاف نہیں ہوتا اور قائل کا قول مصرعہ **انما یعرف** الخ یعنی جز ایں نیست کہ فضل والے کو لوگوں میں سے فضل والے پہچانتے ہیں۔ شاذ ہے اور جب آپ ان اسماء کو اضافت سے قطع کریں تو کہیں گے: **اَخٌ وَاَبٌ وحَمٌ وهَنٌ وفَمٌ** اور ذو قطعاً اضافت سے جدا نہیں کیا جاتا۔ یہ کل حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہے لیکن وہ اضافت جنہیں حرف جر لفظاً ذکر کیا جائے تو عنقریب اُس کا ذکر تیسری قسم میں آئے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

تشریح: **ذُوْ لَا يُضَافُ** یعنی ذو ضمیر کی طرف قطعاً مضاف نہیں ہوتا کیونکہ ذو کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ اس کے ذریعہ اسماء اجناس کو نکرہ یا معرفہ کی صفت بنایا جا سکے جیسے **جاء لی رجلٌ ذو مالٍ** اور **جاء نی زیدٌ ذوالمال** میں اور ضمیر چونکہ اسم جنس نہیں ہوتی اس لئے **ذو** اس کی طرف مضاف نہیں ہوتا کہ خلاف وضع لازم آئے اور شاعر کا قول **انما یعرف ذاالفضلِ من الناسِ ذووه** کے اندر ذووہ میں جو ذو مضاف ہے ضمیر کی طرف وہ از قبیل شاذ ہے۔ شعر کا یہ دوسرا مصرعہ ہے پہلا مصرعہ یہ ہے: **اهنا المعروف ما لم تتبدل فیه الوجوه** ۔ معنی پورے شعر کا یہ ہے کہ خوشگوار تر احسان وہ ہے جس میں احسان لینے والے اشخاص کی بے حرمتی نہ ہو اور صاحب تفضل کو صاحب فضل ہی پہچانتے ہیں۔

وَاِذَا قَطَعْتَ یعنی اسمائے ستہ مکبرہ ذو کے علاوہ اضافت اور بلا اضافت دونوں طرح مستعمل ہوتے ہیں لیکن اضافت کے ساتھ تو اس کی تفصیل ماقبل میں گزری اور اضافت کے بغیر جیسے **اَخٌ واَبٌ وحَمٌ وهَنٌ وفَمٌ**۔ ان میں سے صرف ذو ہے جو اضافت کے ساتھ ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ ذو اسم جنس کی طرف اضافت کو لازم ہے اور شاعر کے قول **فلا اغنی بذلك اسفلیكم۔ ولكنی اُرید به الذوینا** کے اندر **الذوینا** جو بلا اضافت مستعمل ہے وہ شاذ ہے کہ **ذوین** جمع ذو بلا اضافت ہے اور الف اخیر میں برائے اشباع ہے۔

هٰذَا كُلُّهٗ بِتَقْدِيْرِ: هٰذَا کا مشار الیہ **ما بیّنا من قسمی الاضافة المعنویة واللفظیة** ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ یہ جو ہم نے اضافت لفظیہ و معنویہ کی دونوں قسموں کو تفصیل سے بیان کیا وہ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہے لیکن وہ اضافت جس میں حرف جر لفظاً بیان کیا جاتا ہے، اس کا بیان تیسری قسم جو حرف سے متعلق ہے، اس میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان کیا جائے گا۔

اَلْخَاتِمَةُ فِی التَّوَابِعِ اِعْلَمْ اَنَّ الَّتِیْ مَرَّتْ مِنَ الْاَسْمَاءِ الْمُعْرَبَةِ کَانَ اِعْرَابُھَا بِالْاِصَالَةِ بِاَنْ دَخَلَتْھَا الْعَوَامِلُ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ وَالْمَنْصُوْبَاتِ وَالْمَجْرُوْرَاتِ فَقَدْ یَکُوْنُ اِعْرَابُ الْاِسْمِ بِتَبْعِیَّةِ مَا قَبْلَهٗ وَیُسَمّٰی التَّابِعَ لِاَنَّهٗ یَتْبَعُ مَا قَبْلَهٗ فِی الْاِعْرَابِ وَھُوَ کُلُّ ثَانٍ مُعْرَبٍ بِاِعْرَابِ سَابِقِهٖ مِنْ جِھَةٍ وَاحِدَةٍ وَالتَّوَابِعُ خَمْسَةُ اَقْسَامٍ اَلنَّعْتُ وَالْعَطْفُ بِالْحُرُوْفِ وَالتَّاکِیْدُ وَالْبَدَلُ وَعَطْفُ الْبَیَانِ۔

ترجمہ: خاتمہ توابع کے بیان میں ہے۔ آپ جانیں کہ بے شک وہ جو کہ معرب اسموں سے گزرا، ان کا اعراب بالاصالت بایں طور ہے کہ ان پر عوامل داخل ہوں دراں حالیکہ وہ اسماء مرفوعات ومنصوبات ومجرورات سے ہیں، پس اعراب اسم کبھی اس شئی کے تابع ہونے کے ساتھ ہے جو اس سے قبل ثابت ہے اور اس کا نام تابع رکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اسم تابع ہے اس شئی کے جو ثابت ہے اس کے پہلے اعراب میں اور وہ تابع ہر دوسرا ہے جو سابق اعراب کے ساتھ ایک جہت سے اعراب دیا جاتا ہے اور توابع کی پانچ قسمیں ہیں، نعت اور عطف حروف کے ساتھ اور تاکید اور بدل اور عطف بیان۔

تشریح: **اَلْخَاتِمَةُ** مقاصد ثلاثہ یعنی مرفوعات ومنصوبات ومجرورات کے بیان سے جب فارغ ہو چکے جو معرب بالاصالت ہیں تواب خاتمہ کو بیان کیا جاتا ہے، جو معرب بالتبعیۃ ہے۔

فِی التَّوَابِعِ توابع جمع ہے تابع کی اور وہ منقول ہے وصفیت سے اسمیت کی طرف کیونکہ فواعل کے وزن پر فاعل وصفی کی جمع نہیں آتی بلکہ فاعل اسمی کی جمع آتی ہے، جیسے **کاھل** کی جمع **کواھل** آتی ہے۔

مِنَ الْاَسْمَاءِ الْمُعْرَبَةِ یہ بیان ہے **التی** اسم موصول کا اور **اعرابھا** میں ضمیر مجرور کا مرجع اسمائے معربہ ہے اور عوامل سے مراد رافع و ناصب و جازم ہیں اور **من المرفوعات والمنصوبات والمجرورات** بیان ہے اسماء معربہ کا اور **فقد یکون** میں فاء برائے تفسیر ہے یا جواب ہے شرط محذوف کا۔ اصل عبارت یہ ہے: **اذا کان ذلک فنقول قد یکون اعراب الاسم الخ** ۔ خلاصہ عبارت کا یہ کہ اسمائے معربہ جو مرفوعات ومنصوبات ومجرورات کو کہا جاتا ہے ان کے اعراب کی دو قسمیں ہیں: ایک اعراب بالاصالت اور دوسرا اعراب بالتبعیۃ، اعراب بالاصالت وہ ہے کہ ان اسمائے معربہ پر ہی عوامل یعنی رافع و ناصب وجازم داخل ہوتے ہیں اور اعراب بالتبعیۃ وہ ہے کہ ان اسمائے معربہ پر عوامل داخل نہ ہوں بلکہ ان کے ماقبل جو اسماء ہیں ان پر داخل ہوں۔

یُسَمّٰی التَّابِعَ تابع لغت میں بمعنی پیروی کرنا ہے اور اصطلاح میں ہر وہ ثانی ہے جو اپنے ماسبق کے اعراب کے موافق ہو اور دونوں کا اعراب ایک جہت سے ہو۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ وہ اسم چونکہ رفع ونصب وجر میں اپنے ماقبل کی پیروی کرتا ہے۔ اس لئے اس کو تابع کہا جاتا ہے۔ جہت واحد سے مراد یہ ہے کہ اسم اول پر اعراب اگر جہت فاعلیت سے آئے تو اسم دوم میں اسی جہت سے آئے اور اسم اول پر اعراب اگر جہت مفعولیت سے آئے تو اسم دوم پر بھی اعراب جہت مفعولیت سے آئے۔

چنانچہ **جاء النبی المدثر** میں مدثر تابع ہے جو بہ نسبت لفظ نبی کے دوسرے درجہ پر ہے اور اعراب رفعی میں اس کے موافق

ہے اور نبی جس طرح فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اسی طرح مدثر بھی اسی حیثیت سے مرفوع ہے اور ثانی سے مراد چوں کہ مؤخر یعنی اول کا مابعد ہے اس لئے تعریف مذکور تابع ثالث ورابع وغیرہ کو بھی شامل ہے کیونکہ وہ بہ لحاظ اپنے متبوع کے دوسرے درجہ پر ہے۔

وَالتَّوَابِعُ خَمْسَةُ اَقْسَامٍ توابع جو جمع ہے تابع کی، اس کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) نعت (۲) عطف بالحروف (۳) تاکید (۴) بدل (۵) عطف بیان۔ ہر ایک کی تعریف آگے مذکور ہے لیکن ان میں سے نعت کو سب سے پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ تابع ہونے میں اشد اور استعمال میں اکثر اور فائدہ میں اوفر یعنی زیادہ نفع بخش ہے۔

فصل: اَلنَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ مَتْبُوْعِهٖ نَحْوُ جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ اَوْ فِيْ مُتَعَلِّقِ مَتْبُوْعِهٖ نَحْوُ جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ اَبُوْهُ وَيُسَمّٰى صِفَةً اَيْضًا وَالْقِسْمُ الْاَوَّلُ يَتْبَعُ مَتْبُوْعَهٗ فِيْ عَشَرَةِ اَشْيَاءَ فِي الْاِعْرَابِ وَالتَّعْرِيْفِ وَالتَّنْكِيْرِ وَالْاِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْكِيْرِ وَالتَّانِيْثِ نَحْوُ جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ وَرَجُلَانِ عَالِمَانِ وَرِجَالٌ عَالِمُوْنَ وَزَيْدَانِ الْعَالِمُ وَامْرَاَةٌ عَالِمَةٌ وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ اِنَّمَا يَتْبَعُ مَتْبُوْعَهٗ فِي الْخَمْسَةِ الْاُوَلِ فَقَطْ اَعْنِي الْاِعْرَابَ وَالتَّعْرِيْفَ وَالتَّنْكِيْرَ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔

ترجمہ: یہ فصل ہے نعت کے بیان میں، وہ ایسا تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں ہے جیسے **جاءنی رجلٌ عالم** یعنی آیا میرے پاس مرد عالم یا اس کے متبوع کے متعلق میں جیسے **جاءنی رجلٌ عالمٌ ابوہٗ** یعنی آیا میرے پاس ایسا مرد کہ عالم ہے اُس کا باپ اور نام رکھا جاتا ہے اس تابع کا صفت بھی اور پہلی قسم تابع ہے، اپنے متبوع کے دس چیزوں میں اعراب وتعریف وتنکیر افراد وتثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث میں جیسے **جاءنی رجلٌ عالمٌ** اور **رجلان عالمان** اور **رجال عالمون** اور **زیدان العالم** اور **امرءۃٌ عالمۃٌ** اور دوسری قسم اپنے متبوع کے صرف پہلی پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے، مراد لیتا ہوں، اعراب وتعریف وتنکیر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: **من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا** یعنی اس آبادی سے کہ ظلم کرنے والے ہوں اس کے رہنے والے۔

تشریح: **اَلنَّعْتُ تَابِعٌ** یعنی نعت وہ تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اسکے متبوع یا متبوع کے متعلق میں ہو، اول جیسے **جاءنی رجلٌ عالمٌ** میں عالم صفت ہے جو متبوع یعنی رجل کے اندر علم وجہل کا معنی ہے، وہ اس پر دلالت کرتا ہے، دوم جیسے **جاءنی رجلٌ عالمٌ ابوہٗ** میں **عالمٌ ابوہٗ** صفت ہے رجل کی۔ **عالم رجل** کے متعلق یعنی اب **رجل** میں جو علم کا معنی ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ واضح ہو کہ نعت کا استعمال مدح وستائش و وصف خوب کے بیان کے لئے آتا ہے اور وصف کا استعمال عام ہے، مدح کے لئے بھی آتا ہے اور ذم کے لئے بھی لیکن نعت سے کبھی وصف مراد ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔

اَلْقِسْمُ الْاَوَّلُ تعریف مذکور میں **فی متبوعہٖ اَوْ فی متعلق متبوعہٖ** کی قید سے صفت کی دو قسمیں مستفاد ہوئیں۔ قسم اول اپنے موصوف کے ساتھ دس وصفوں میں تابع ہوتی ہے جن میں سے چار کا ہر ترکیب میں موجود ہونا ضروری ہے:

(۱) اعراب میں سے ایک (۲) افراد وتثنیہ وجمع میں سے ایک (۳) تعریف وتنکیر میں سے ایک (۴) تذکیر وتانیث میں سے ایک جیسے جاءنی رجلٌ عالمٌ میں عالمٌ میں رفع ہے، اس لئے کہ رجلٌ میں رفع ہے فاعلیت کی وجہ سے عالم مفرد ہے اس لئے کہ رجل مفرد ہے اور عالم نکرہ ہے اس لئے کہ رجل نکرہ ہے، اسی طرح عالم مذکر ہے کیونکہ رجل مذکر ہے، اسی طرح جاءنی رجلانِ عالمانِ میں عالمانِ الف کے ساتھ رفع ہے اس لئے کہ رجلانِ الف کے ساتھ رفع ہے اور عالمان تثنیہ ہے، اس لئے کہ رجلان تثنیہ ہے اور عالمانِ نکرہ ہے کیونکہ رجلانِ نکرہ ہے اور عالمان مذکر ہے اسی طرح رجلان مذکر ہے۔ یونہی جاءنی رجالٌ عالمون اور جاءنی زیدٌن العالم اور جاءتنی امرأۃٌ عالمۃٌ۔

وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ یعنی صفت کی دوسری قسم موصوف کے ساتھ دس اوصاف مذکورہ میں سے اول پانچ وصفوں میں تابع ہوتی ہے یعنی رفع ونصب وجر وتعریف وتنکیر میں اور ہر ترکیب میں ان پانچ میں سے دو دو وصف کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری ہے اور وہ (۱) اعراب میں سے ایک (۲) تعریف وتنکیر میں سے ایک، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ: من هذه القرية الظالم اهلها میں الظالم اهلها صفت ہے القریۃ کی۔ ظالم، قریہ کے متعلق یعنی اهل قریۃ میں جو ظلم کا معنی ہے، اس پر دلالت کرتا ہے خیال رہے کہ دس اوصاف مذکورہ میں سے باقی پانچ وصفوں یعنی افراد وتثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث میں صفت فعل کی مثل ہوگی کہ وہ اپنے مابعد کی طرف مسند ہونے میں فعل کے مشابہ ہے، لہٰذا اس کے فاعل کو دیکھا جائے گا کہ مفرد ہے یا تثنیہ یا جمع، اگر وہ مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو صفت کو مفرد لایا جائے گا جیسا کہ فعل کو مفرد لایا جاتا ہے۔

وَفَائِدَةُ النَّعْتِ تَخْصِيْصُ الْمَنْعُوْتِ اِنْ كَانَا نَكِرَتَيْنِ نَحْوُ جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ وَتَوْضِيْحُهُ اِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدُنِ الْفَاضِلُ وَقَدْ يَكُوْنُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ وَالْمَدْحِ نَحْوُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَقَدْ يَكُوْنُ لِلذَّمِّ نَحْوُ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَقَدْ يَكُوْنُ لِلتَّاكِيْدِ نَحْوُ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ

ترجمہ: اور نعت کا فائدہ منعوت کو خاص کر دیتا ہے اگر وہ دونوں نکرہ ہوں جیسے جاءنی رجلٌ عالمٌ یعنی آیا میرے پاس مرد عالم اور منعوت کی توضیح ہے اگر وہ دونوں معرفہ ہوں جیسے جاءنی زید الفاضل یعنی آیا میرے پاس زید فاضل اور نعت کبھی محض ثنا ومدح کے لئے ہوتی ہے جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی اللہ کے نام سے شروع جو نہایت رحیم اور بے انتہا رحم والا اور کبھی وہ ذم وبرائی کے لئے ہوتی ہے جیسے اَعوذُ باللہ من الشیطان الرجیم یعنی میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سے شیطان مردود کے شر سے اور کبھی وہ تاکید کے لئے ہوتی ہے جیسے نفخۃٌ واحدۃٌ یعنی ایک بار پھونکنا۔

تشریح: فَائِدَةُ النَّعْتِ یعنی نعت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اور منعوت یعنی صفت وموصوف دونوں اگر نکرہ ہوں تو منعوت میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی موصوف میں اشتراک قلیل ہو جاتا ہے جیسے جاءنی رجلٌ عالمٌ میں عالم و رجل دونوں نکرہ ہیں اور رجل عام ہے۔ عالم وغیر عالم دونوں کو شامل ہے لیکن جب اس کی صفت عالم بیان کی گئی تو اس میں اشتراک وعموم کم ہو گیا، اسی طرح موصوف وصفت دونوں اگر معرفہ ہوں تو اس کا فائدہ توضیح ہے یعنی موصوف میں جو اجمال ہے، اس کو دور کیا

جائے۔ چنانچہ جاءنی زیدٌن الفاضلُ میں زید و فاضل دونوں معرفہ ہیں کہ زید میں صفت سے قبل ہی اجمال تھا کہ زید جو آیا فاضل ہے یا غیر فاضل لیکن جب اس کی صفت فاضل کو بیان کیا گیا تو یہ احتمال جو زید میں تھا زائل ہو گیا۔

قَدْ یَکُوْنُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ یعنی نعت کا استعمال کبھی محض مدح وثناء کے لئے بھی ہوتا ہے، تخصیص و توضیح کے لئے نہیں لیکن یہ جب کہ منعوت معرفہ ہوں اور مخاطب کے نزدیک نعت لانے سے قبل منعوت میں نعت معلوم ہوں لیکن اگر معلوم نہ ہو تو ثناء و توضیح دونوں کے لئے ہوتا ہے محض مدح وثناء کے لئے نہیں، چنانچہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اللہ اسم جلالت کی نعت رحمن و رحیم ہے اور وہ چونکہ معرفہ ہونے کے علاوہ صفت رحم کے ساتھ مخاطب کے نزدیک پہلے ہی سے معلوم ہے، اس لئے یہاں نعت کا ذکر محض مدح وثناء کے لئے ہے۔

قَدْ یَکُوْنُ لِلذَّمِّ یعنی نعت کا استعمال جس طرح کبھی مدح وثناء کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح کبھی ذم و ہجو کے لئے بھی ہوتا ہے، چنانچہ اعوذُ باللہ من الشیطانِ الرجیم میں رجیم شیطان کی نعت ہے اور وہ چونکہ معرفہ ہونے کے علاوہ صفت رجم کے ساتھ مخاطب کے نزدیک پہلے ہی سے معلوم ہے، اس نعت کا ذکر یہاں محض ذم و ہجو کے لئے ہوا ہے، اسی طرح نعت کا استعمال کبھی تاکید کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ: نفخۃٌ واحدۃٌ میں نفخۃٌ کے اندر وحدت کا معنیٰ چونکہ صفت وحدت سے قبل ہی معلوم ہے، اس لئے اس کے بعد واحدۃٌ کا ذکر محض تاکید کے لئے ہوا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ النَّکِرَۃَ تُوْصَفُ بِالْجُمْلَۃِ الْخَبَرِیَّۃِ نَحْوُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ اَبُوْہُ عَالِمٌ اَوْ قَامَ اَبُوْہُ وَالْمُضْمَرُ لَا یُوْصَفُ وَلَا یُوْصَفُ بِہٖ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ نکرہ جملہ خبریہ کے ساتھ صفت لایا جاتا ہے جیسے مررتُ برجلٍ ابوہُ عالمٌ یعنی میں گزرا ایسے مرد کے ساتھ کہ اس کا باپ عالم ہے یا کھڑا ہوا اُس کا باپ اور ضمیر نہ اس کی صفت لائی جاتی ہے اور نہ اس کو صفت بنائی جاتی ہے۔

تشریح: اِعْلَمْ اَنَّ النَّکِرَۃَ یعنی نکرہ کی صفت کبھی جملہ خبریہ ہوتی ہے اگرچہ وہ قیاس کے خلاف ہے اس لئے کہ جملہ مستقل ہوتا ہے حالانکہ صفت کا موصوف کے ساتھ ارتباط لازمی ہے، اس لئے جملہ میں ایک ایسی ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصوف کی طرف راجع ہو، چنانچہ مررتُ برجلٍ ابوہُ عالمٌ میں ابوہُ عالمٌ جملہ خبریہ ہے جو رجل کی صفت واقع ہے، اس میں ایک ضمیر ہے جو رجل کی طرف راجع ہے اسی طرح مررتُ برجلٍ قامَ ابوہُ میں قامَ ابوہُ جملہ خبریہ ہے جو صفت واقع ہے، اس میں ایک ضمیر ہے جو راجع ہے رجل کی طرف۔ پہلی مثال جملہ خبریہ اسمیہ کی ہے اور دوسری جملہ خبریہ فعلیہ کی ہے۔

وَالْمُضْمَرُ لَا یُوْصَفُ اس مقام پر دو چیزیں مذکور ہیں، ایک یہ کہ ضمیر موصوف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، دوسری یہ کہ ضمیر کسی چیز کی صفت بنائی نہیں جا سکتی، اول کو لا یوصف اور دوم کو یوصف بہٖ سے تعبیر کیا گیا۔ اول کا خلاصہ یہ ہے کہ ضمیر موصوف کسی صفت کے ساتھ اس لئے نہیں ہوتی کہ ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف و واضح تر ہے جب کہ معرفہ کی توصیف سے اس کی توضیح ہوتی ہے جیسا کہ گزرا تو جب دونوں واضح ہیں تو اب ان دونوں کی وضاحت فضول ہے

اور ضمیر غائب کو طرداً للباب ضمیر متکلم ومخاطب پر حمل کیا گیا۔ دوم کا خلاصہ یہ کہ ضمیر کسی چیز کی صفت اس لئے نہیں ہوسکتی کہ موصوف صفت سے اعرف یا مساوی ہوتا ہے اور ضمیر سے کوئی شئی نہ اعرف ہوسکتی ہے اور نہ مساوی کیونکہ وہ معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف ہوتی ہے جیسا کہ گزرا۔

فصل: اَلْعَطْفُ بِالْحُرُوْفِ تَابِعٌ يُنْسَبُ اِلَيْهِ مَا نُسِبَ اِلٰى مَتْبُوْعِهٖ وَكِلَاهُمَا مَقْصُوْدَانِ بِتِلْكَ النِّسْبَةِ وَيُسَمّٰى عَطْفَ النَّسَقِ وَشَرْطُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مَتْبُوْعِهٖ اَحَدُ حُرُوْفِ الْعَطْفِ وَسَيَاْتِيْ ذِكْرُهَا فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو

ترجمہ: یہ فصل ہے عطف بالحروف کے بیان میں اور وہ تابع ہے جس کی طرف منسوب کی جائے وہ چیز کہ منسوب کی گئی وہ چیز اس کے متبوع کی طرف اور وہ دونوں اسی نسبت کے ساتھ مقصود ہوں اور اس کا نام عطف نسق رکھا جاتا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس کے درمیان اور اس کے متبوع کے درمیان حروف عطف میں سے کوئی ایک ہو اور اس کا ذکر تیسری قسم میں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئے گا جیسے **قام زیدٌ وعمرٌو** یعنی کھڑا ہوا زید اور عمرو۔

تشریح: **اَلْعَطْفُ بِالْحُرُوْفِ** یعنی تابع کی دوسری قسم عطف بالحروف ہے اور وہ تابع ہے کہ جو چیز اس کے متبوع کی طرف نسبت کی جائے وہی چیز اس کی طرف منسوب ہو اور اس نسبت میں دونوں مقصود ہوں، اس تعریف میں تابع ینسب الخ بمنزلۂ جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور **کلاهما مقصودان** بمنزلۂ فصل ہے جس سے عطف بالحروف کے علاوہ بقیہ تمام توابع خارج ہو گئے۔ لیکن نعت وتاکید وعطف بیان اس لئے خارج ہیں کہ وہ نسبت سے مقصود نہیں بلکہ مقصود صرف اس کا متبوع ہوتا ہے اور بدل اس وجہ سے کہ متبوع کے بغیر وہ خود مقصود ہوتا ہے، اس کا متبوع یعنی مبدل منہ صرف تمہید کے لئے ہوتا ہے۔

يُسَمّٰى عَطْفَ النَّسَقِ یعنی عطف بالحروف کو عطف نسق بھی کہا جاتا ہے۔ نسق بفتح سین ماخوذ ہے۔ عرب کے قول **شغر نسق** سے جو بمعنی دانتوں کا استواء ہے۔ حروف عطف چونکہ تابع ومتبوع کو باعتبار اعراب کے مستوی و برابر کر دیتے ہیں، اس لئے اس کو عطف نسق کہا جاتا ہے اور نسق بسکون سین مصدر ہے، **نسقت الكلام** کا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ بعض کلمات کو بعض پر عطف کیا جائے اور نسق بالتحریک بمعنی ترتیب دینا اور اس اعتبار سے اس تابع کو عطف نسق اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں معطوف، معطوف علیہ کے بعد آتا ہے گویا چند کلمات کو ترتیب دیا گیا ہے۔

شَرْطُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ عطف کی شرط یہ ہے کہ تابع ومتبوع کے درمیان حروف عطف میں سے ایک حرف ہو اور یہ شرط بیان واقعی کے لئے ہے، کسی کو خارج کرنے کے لئے نہیں۔ حروف عطف کا بیان قسم ثالث میں مذکور ہے اور وہ کل دس ہیں: (۱) واوَ (۲) فاء (۳) ثم (۴) حتیٰ (۵) او (۶) إمّا (۷) أم (۸) لا (۹) لکن (۱۰) بل۔

وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمَرْفُوْعِ الْمُتَّصِلِ يَجِبُ تَاكِيْدُهٗ بِالضَّمِيْرِ الْمُنْفَصِلِ نَحْوُ ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ إِلَّا إِذَا فُصِّلَ نَحْوُ ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ يَجِبُ إِعَادَةُ حَرْفِ الْجَرِّ نَحْوُ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ

ترجمہ: اور جب عطف کیا جائے ضمیر مرفوع متصل پر تو اس کی تاکید ضمیر منفصل سے واجب ہو جاتی ہے جیسے ضربت انا و زیدٌ مگر جب کہ فصل کیا جائے جیسے ضربت الیوم و زیدٌ اور جب ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو حرف جر کا اعادہ واجب ہو جاتا ہے جیسے مررتُ بك وبزيدٍ یعنی میں گزرا آپ کے اور زید کے ساتھ۔

تشریح: وَإِذَا عُطِفَ یعنی ضمیر مرفوع متصل جزءِ کلمہ کی مثل کا عطف کیا جائے تو اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ ضروری ہو جاتی ہے کیونکہ ضمیر مرفوع متصل جزءِ کلمہ کی مثل ہے تو اگر تاکید کے بغیر اس پر عطف کیا جائے تو مستقل کلمہ کا عطف جزءِ کلمہ پر لازم آئے گا جو ممنوع ہے جیسے ضربتُ انا و زیدٌ میں زید کا عطف چونکہ ضمیر مرفوع متصل پر کیا گیا ہے، اس لئے اس کے لئے انا ضمیر منفصل سے تاکید لائی گئی۔

إِلَّا إِذَا فُصِّلَ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے، اصل عبارت یہ ہے: يجب تاكيدُهٗ بالضميرِ المنفصلِ فی جميع الاوقاتِ إلا وقت وقوع فصل بين المعطوفِ وبين المرفوعِ المتصلِ المعطوفِ عليه یعنی ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان اگر کسی چیز سے فصل واقع ہو جائے تو ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید ضروری نہیں بلکہ اس کا ترک جائز ہے کیونکہ فاصل قائم مقام تاکید کے مان لیا جاتا ہے، اس تقدیر پر عطف بلاشبہ جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ ضربت اليوم و زیدٌ میں زید کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر کیا گیا ہے اور درمیان میں چونکہ یوم فاصل واقع ہے، اس لئے تاکید کے بغیر عطف جائز ہے۔

وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيْرِ یعنی کسی چیز کا عطف اگر ضمیر مجرور پر کیا جائے تو معطوف پر حرف جر کا اعادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جار اور ضمیر مجرور شدت اتصال کی وجہ سے کلمۂ واحدہ کی مثل ہے اور اگر جار کا اعادہ نہ کیا جائے تو کلمۂ مستقل کا عطف جزءِ کلمہ پر لازم آئے گا جو ممنوع ہے جیسے مررتُ بك وبزيدٍ میں زید کا عطف چونکہ کاف ضمیر مجرور پر کیا گیا ہے، اس لئے معطوف یعنی زید پر حرف جر کا اعادہ کیا گیا ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَعْطُوْفَ فِيْ حُكْمِ الْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ أَعْنِيْ إِذَا كَانَ الْأَوَّلُ صِفَةً لِّشَيْءٍ أَوْ خَبَرًا لِأَمْرٍ أَوْ صِلَةً أَوْ حَالًا فَالثَّانِيْ كَذٰلِكَ أَيْضًا وَالضَّابِطَةُ فِيْهِ أَنَّهٗ حَيْثُ يَجُوْزُ أَنْ يُّقَامَ الْمَعْطُوْفُ مَقَامَ الْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ جَازَ الْعَطْفُ وَحَيْثُ لَا فَلَا

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہے۔ مراد لیتا ہوں جب کہ اول صفت ہو کسی چیز کی یا خبر ہو کسی امر کی یا صلہ یا حال ہو، تو دوم بھی اسی طرح ہے اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جہاں معطوف کو معطوف علیہ کی جگہ پر عطف کرنا جائز

ہوتو عطف جائز ہے اور جہاں جائز نہ ہوتو جائز نہیں۔

تشریح: **وَاعْلَمْ اَنَّ الْمَعْطُوْفَ** یعنی معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہے، مطلب یہ کہ جو چیز معطوف علیہ کے لئے جائز یا ممتنع ہوتی ہے وہ معطوف کے لئے بھی جائز و ممتنع ہوتی ہے، چنانچہ اول یعنی معطوف علیہ اگر کسی شئی کی صفت ہو یا کسی کی خبر یا کسی اسم موصول کا صلہ یا کسی ذوالحال کا حال ہوتو معطوف بھی اسی طرح صفت یا خبر یا صلہ یا حال ہوگا۔ اس حکم کو عام کرنے کے لئے ایک ضابطہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ معطوف کو معطوف علیہ کی جگہ پر قائم کر کے دیکھا جائے کہ جائز ہے یا نہیں، اگر قائم کرنا جائز ہوتو عطف بھی جائز ہے اور اگر قائم کرنا جائز نہ ہوتو عطف بھی جائز نہیں۔ پس معطوف، معطوف علیہ کا قائم مقام ہو جائے گا اور اس پر وہی حکم جاری ہوگا جو معطوف علیہ پر ہے، چنانچہ **مفعول مالم یسم فاعلہ** چونکہ فاعل کا قائم مقام ہے، اس لئے اس کو رفع دیا جاتا ہے اسی طرح مضاف الیہ جب مضاف کا قائم مقام ہوتو مضاف الیہ پر مضاف کا حکم جاری ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول **واسأل القریۃ** اصل میں **واسأل اھل القریۃ** تھا۔ قریہ مضاف الیہ چونکہ اھل مضاف کی جگہ پر قائم ہے اور اھل کو نصب ہے، اس لئے قریہ کو بھی نصب دیا گیا ہے۔

وَالْعَطْفُ عَلٰی مَعْمُوْلَیْ عَامِلَیْنِ مُخْتَلِفَیْنِ جَائِزٌ اِنْ کَانَ الْمَعْطُوْفُ عَلَیْهِ مَجْرُوْرًا مُقَدَّمًا وَالْمَعْطُوْفُ کَذٰلِكَ نَحْوُ فِی الدَّارِ زَیْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو وَفِیْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ مَذْهَبَانِ اٰخَرَانِ وَهُمَا اَنْ یَّجُوْزَ مُطْلَقًا عِنْدَ الْفَرَّاءِ وَلَا یَجُوْزُ مُطْلَقًا عِنْدَ سِیْبَوَیْهِ۔

ترجمہ: اور عطف دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر جائز ہے اگر معطوف علیہ مجرور مقدم اور معطوف اسی طرح ہو جیسے **فی الدار زیدٌ والحجرۃِ عمروٌ** اور اس مسئلہ میں دوسرے دو مذہب ہیں اور وہ دونوں یہ ہیں کہ مطلقاً جائز ہے فراء کے نزدیک اور مطلقاً جائز نہیں سیبویہ کے نزدیک۔

تشریح: **وَالْعَطْفُ عَلٰی مَعْمُوْلَیْ** یعنی ایک حرف عطف سے دو مختلف عامل کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ معطوف علیہ مجرور مقدم ہو اور معطوف بھی مجرور مقدم، چنانچہ **فی الدارِ زیدٌ والحجرۃِ عمروٌ** میں **فی الدار** ایک معطوف علیہ مجرور ہے اور دوسرا زید معطوف علیہ مرفوع ابتداء کی وجہ سے اور **الحجرۃ** ایک معطوف مجرور ہے اور عمرو دوسرا معطوف مرفوع ابتداء کی وجہ سے یہ دونوں دو مختلف عاملوں کے دو معمول ہیں جو ایک حرف عطف کے ذریعہ معطوف ہے برخلاف **زیدٌ فی الدار وعمروٌ فی الحجرۃ** جائز نہیں کہ شرط مذکور اس میں مفقود ہے کہ اس میں معطوف علیہ مجرور مقدم نہیں اور نہ معطوف مقدم ہے۔

وَفِیْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ تقدیم مجرور کی صورت میں عطف کا جائز ہونا بصریین متاخرین کا مذہب ہے جس کو مصنف نے اختیار کیا لیکن اس کے علاوہ دوسرے مذہب ہیں، ایک فراء کا دوسرا سیبویہ کا۔ فراء کا مذہب یہ ہے کہ عطف مطلقاً جائز ہے خواہ مجرور مقدم ہو یا نہ ہو اور سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ عطف مطلقاً ناجائز ہے خواہ مجرور مقدم ہو یا مقدم نہ ہو، تفصیل بڑی کتابوں میں

ملاحظہ کریں۔

فصل: اَلتَّاكِيْدُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى تَقْرِيْرِ الْمَتْبُوْعِ فِيْ مَا نُسِبَ اِلَيْهِ اَوْ عَلٰى شُمُوْلِ الْحُكْمِ لِكُلِّ فَرْدٍ مِنْ اَفْرَادِ الْمَتْبُوْعِ وَالتَّاكِيْدُ عَلٰى قِسْمَيْنِ لَفْظِيٌّ وَهُوَ تَكْرِيْرُ اللَّفْظِ الْاَوَّلِ نَحْوُ جَاءَ نِيْ زَيْدٌ زَيْدٌ وَجَاءَ جَاءَ زَيْدٌ

ترجمہ: یہ فصل ہے تاکید کے بیان میں اور وہ تابع ہے جو دلالت کرے متبوع کے ثابت کرنے پر اس چیز میں کہ منسوب کی جائے اس کی طرف وہ چیز یا حکم کے شمول پر متبوع کے افراد میں سے ہر فرد کے لئے اور تاکید دو قسموں پر ہے ایک لفظی اور وہ اول لفظ کا دوبارہ لانا ہے جیسے **جاء زیدٌ زیدٌ** یعنی آیا میرے پاس زید زید اور **جاء جاء زید** یعنی آیا آیا زید۔

تشریح: **اَلتَّاكِيْدُ** تاکید ہمزہ کے ساتھ اور توکید واؤ کے ساتھ دونوں طرح مستعمل ہے۔ لغت میں اُس کا معنی مضبوط کرنا ہے اور اصطلاح میں وہ تابع ہے جو متبوع کے ثابت کرنے پر اس شئی میں دلالت کرے جو متبوع کی طرف منسوب ہو یا حکم کے شمول پر دلالت کرے، متبوع کے افراد میں سے ہر فرد کے لئے اول جیسے **ضرب زیدٌ زیدٌ** میں زید ثانی تاکید ہے، زید اول کے لئے اور دوم جیسے **قرأ الطلبة کلهم** میں **کلهم** تاکید ہے طلبہ کے لئے۔ تعریف میں تابع بمنزلہ جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور **یدل علی تقریر المتبوع** بمنزلہ فصل بعید ہے جس سے عطف بالحروف اور بدل خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ متبوع کی تقدیر پر دلالت نہیں کرتے اور **فیما نسب الیه** بمنزلہ فصل قریب ہے جس سے نعت و عطف بیان خارج ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں اگرچہ متبوع کی تقدیر پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ وہ مانسب الیہ کی تقدیر پر دلالت نہیں بلکہ تعین ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ **او علی شمول الخ** کا عطف **علی التقریر الخ** پر ہے، اس سے **کل واجمع** وغیرہ سے جو تاکید کی جاتی ہے اس کو اس تاکید میں داخل کیا گیا ہے۔

وَالتَّاكِيْدُ عَلٰى قِسْمَيْنِ تاکید کی تعریف کے بعد اب اس کی تقسیم بیان کی جاتی ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں: تاکید لفظی اور تاکید معنوی۔ تاکید لفظی جو لفظ کی طرف منسوب ہے وہ تکریر لفظ سے حاصل ہوتی ہے اور تاکید معنوی جو معنی کی طرف منسوب ہے، وہ معنی کے لحاظ سے حاصل ہوتی ہے۔ اول جیسے **جاء نی زیدٌ زیدٌ** میں زید ثانی زید اول کے لئے تاکید لفظی ہے کہ زید کے مکرر بیان کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور لفظ سے مراد عام ہے کہ اسم ہو یا فعل یا حرف اسی طرح مفرد ہو یا مرکب، اول جیسا کہ گزرا اور دوم جیسے **جاءَ جاءَ زیدٌ** اور سوم جیسے **اِنَّ اِنَّ زیدًا قائمٌ** لیکن لفظ سے یہاں مراد اسم ہے کہ کلام توابع اسم سے متعلق ہے۔

وَمَعْنَوِيٌّ وَهُوَ بِاَلْفَاظٍ مَّعْدُوْدَةٍ وَهِيَ النَّفْسُ وَالْعَيْنُ لِلْوَاحِدِ وَالْمُثَنّٰى وَالْمَجْمُوْعِ بِاِخْتِلَافِ الصِّيْغَةِ وَالضَّمِيْرِ نَحْوُ جَاءَ نِيْ زَيْدٌ نَّفْسُهٗ وَالزَّيْدَانِ اَنْفُسُهُمَا اَوْ نَفْسَاهُمَا وَالزَّيْدُوْنَ اَنْفُسُهُمْ وَكَذٰلِكَ عَيْنُهٗ وَاَعْيُنُهُمَا اَوْعَيْنَاهُمَا وَاَعْيُنُهُمْ جَاءَ تْنِيْ هِنْدٌ نَّفْسُهَا وَجَاءَ تْنِي الْهِنْدَانِ اَنْفُسُهُمَا اَوْنَفْسَاهُمَا

وَجَائَتْنِی الْھِنْدَاتُ اَنْفُسُھُنَّ

ترجمہ: اور تاکید معنوی ہے اور وہ الفاظ معدودہ کے ساتھ آتی ہے اور وہ نفس وعین ہے واحد کے لئے اور مثنیٰ ومجموع کے لئے صیغہ وضمیر کے اختلاف کے ساتھ جیسے **جاء نی زیدٌ نفسہٗ الخ** یعنی آیا میرے پاس زید خود اور دو زید خود یا **انفساھما** اور کئی زید خود اور اسی طرح **عینہ** اور **اعینہ** اور **اعینھما** یا **عیناھما** اور **اعینھم** اور **جاء تنی ھند نفسھا** اور **جاء تنی الھندان انفسھما** یا **انفساھما** اور **جاء تنی الھندات انفسھنّ**۔

تشریح: **وَمَعْنَوِیٌّ وَھُوَ** یعنی تاکید کی دوسری قسم تاکید معنوی ہے اور وہ چند مخصوص الفاظ کے ساتھ خاص ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: **نفسٌ۔ عینٌ۔ کلا۔ کلٌّ۔ اجمعُ۔ اکتعُ۔ ابتعُ۔ ابصعُ** اول دونوں یعنی نفس اور عین عام ہیں مفرد وتثنیہ وجمع ہر ایک کے لئے مستعمل ہوتے ہیں، البتہ ان کا صیغہ وضمیر، ضمیر متبوع کے لحاظ سے بدلتی رہیں گی، چنانچہ واحد کے لئے کہا جائے گا۔ **جاء نی زیدٌ نفسہٗ وعینہٗ** اور تثنیہ کے لئے کہا جائے گا: **جاء نی الزیدانِ انفسھما او نفساھُما وجاء نی الزیدان اعینھما او عیناھما** اور جمع کے لئے کہا جائے گا: **جاء نی الزیدون انفسھم وجاء نی الزیدون اعینھم** یہ جو گزرا مذکر کے لئے لیکن مؤنث کے لئے واحد میں کہا جائے گا: **جاء تنی ھندٌ نفسھا** اور **جاء تنی ھندٌ عینھا** اور تثنیہ کے لئے کہا جائے گا: **جاء تنی الھندانِ انفسھما او نفساھما وجاء تنی الھندانِ عیناھُما** اور جمع کے لئے کہا جائے گا: **جاء تنی الھنداتُ انفسھُنَّ وعینھُنَّ**۔

وَکِلَا وَکِلْتَا لِلْمُثَنّٰی خَاصَّۃً نَحْوُ قَامَ الرَّجُلَانِ کِلَاھُمَا وَقَامَتِ الْمَرْأَتَانِ کِلْتَاھُمَا وَکُلٌّ وَاَجْمَعُ وَاَکْتَعُ وَاَبْتَعُ وَاَبْصَعُ لِغَیْرِ الْمُثَنّٰی بِاِخْتِلَافِ الضَّمِیْرِ فِیْ کُلٍّ وَالصِّیْغَۃِ فِی الْبَوَاقِیْ تَقُوْلُ جَاءَ نِی الْقَوْمُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اَکْتَعُوْنَ اَبْتَعُوْنَ اَبْصَعُوْنَ وَقَامَتِ النِّسَاءُ کُلُّھُنَّ جُمَعُ کُتَعُ بُتَعُ بُصَعُ وَاِذَا اَرَدْتَ تَاکِیْدَ الضَّمِیْرِ الْمَرْفُوْعِ الْمُتَّصِلِ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنِ یَجِبُ تَاْکِیْدُہٗ بِالضَّمِیْرِ الْمُنْفَصِلِ نَحْوُ ضَرَبْتَ اَنْتَ نَفْسَکَ

ترجمہ: اور کلا وکلتا دونوں خاص کر مثنیٰ کے لئے ہیں جیسے **قامَ الرجلانِ کلاھُما** اور **قامت المرأتانِ کلتاھما** اور **کلٌّ واجمعُ واکتعُ وابصعُ وابتعُ** مثنیٰ کے علاوہ کے لئے کل میں ضمیر کے اختلاف کے ساتھ اور باقی میں صیغہ کے اختلاف کے ساتھ آپ کہیں گے: **جاءنی القوم کلھم اجمعون اکتعونَ ابتعونَ ابصعون** اور **قامت النساء کلھنّ جُمَعُ وکُتَعُ وبُتَعُ وبُصَعُ** اور جب آپ ارادہ کریں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کا **نفسٌ** اور **عینٌ** کے ساتھ تو اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ واجب ہوتی ہے جیسے **ضربت انت نفسکَ**۔

تشریح: **کِلَا وَکِلْتَا** یعنی کلا اور کلتا کا استعمال مثنیٰ کی تاکید کے لئے خاص ہے اول مذکر کے لئے اور دوم مؤنث کے لئے لیکن وہ دونوں اختلاف ضمائر کے ساتھ اس اعتبار سے کہ وہ غائب ہے یا مخاطب یا متکلم جیسے **قام الرجلانِ کلاھُما وقامت المرأتانِ کلتاھُما وقمتما کلا کما۔ وقمتما کلتا کما وقمنا کلانا وقمنا کلتانا** اور لفظ **خاصۃً** ترکیب میں منصوب

ہے، اس بناء پر کہ وہ حال ہے شیٔ سے کیونکہ شیٔ یستعملان مقدر کا صراحۃً مفعول بہ ہے۔

كُلٌّ وَاَجْمَعُ: کلٌّ واجمعُ واکتعُ وابصعُ واتبعُ پانچوں کلمے تثنیہ کے علاوہ واحد وجمع کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔ ان میں سے صرف لفظ کل باختلاف ضمائر آتا ہے اور واحد مذکر کے لئے کلہٗ اور واحد مؤنث کے لئے کلھا اور جمع مذکر کے لئے کلھم اور جمع مؤنث کے لئے کلھن کہا جاتا ہے اور کل کے علاوہ باقی کلمات باختلاف صیغہ آتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: اجمع وجمعاء واجمعون و جمع اسی طرح دوسرے کلمات جمع مذکر کے لئے کہا جائے گا۔ جاء نی القوم کلھم اجمعون اکتعون ابتعون ابصعونَ اور جمع مؤنث کے لئے کہا جائے گا: قامت النساء کلھن جمع کُتع بُصعُ۔

خیال رہے کہ باختلاف الضمیر کا تعلق کلمہ کل کے ساتھ ہے اور صیغہ کا عطف ضمیر پر ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: **باختلاف الضمیر فی کلمۃ کل وباختلاف الصیغۃ فی البواقی یعنی اجمع واکتع وابصع وابتع۔**

اِذَا اَرَدْتَ یعنی نفس اور عین کے ساتھ جب کہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کا ارادہ کیا جائے تو اس کی تاکید پہلے ضمیر منفصل سے لائی جائے گی تاکہ تاکید کا التباس فاعل کے ساتھ لازم نہ آئے جیسے زیدٌ اکرمنی نفسه میں یہ ظاہر نہیں ہے کہ نفسهٗ فاعل ہے یا فعل میں ضمیر مرفوع مستتر ہے اور وہ فاعل ہے اور نفسهٗ اس کی تاکید ہے، اس لئے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ ضروری ہے یعنی زیدا اکرمنی ھو نفسهٗ۔

وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَاَجْمَعُ اِلَّا مَالَهٗ اَجْزَاءٌ وَاَبْعَاضٌ يَصِحُّ اِفْتِرَاقُهَا حِسًّا كَالْقَوْمِ اَوْ حُكْمًا كَمَا تَقُوْلُ اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهٗ وَلَا تَقُوْلُ اَكْرَمْتُ الْعَبْدَ كُلَّهٗ

ترجمہ: اور کل واجمع کے ساتھ تاکید نہیں لائی جاتی مگر اس کی جس کے لئے اجزاء وابعاض ہوں صحیح ہو جن کو الگ الگ کرنا حس کے اعتبار سے جیسے قوم یا حکم کے اعتبار سے، جیسے آپ کہیں گے: اشتریت العبد کلهٗ یعنی خریدا میں نے پورے غلام کو اور آپ نہیں کہیں گے: اکرمتُ العبدَ کلهٗ یعنی میں نے اکرام وتعظیم کی پورے غلام کی۔

تشریح: **وَلَا يُؤَكَّدُ** یعنی لفظ کل اور اجمع کے ساتھ اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے جو ذواجزاء وذوابعاض ہو اور ذواجزاء وذوابعاض عام ہے کہ اُن کا افتراق وجدا ہونا ازروئے حس ہو یا ازروئے حکم، اول جیسے قوم ورجالٌ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے اجزاء وابعاض کا افتراق درست ہے کہ جس میں اس کے افراد موجود ہیں اور وہ مثلاً زید وبکر وخالد وغیرہ چنانچہ کہا جائے گا۔ اکرمتُ القومَ کلھم دوم جیسے عبد کہ حکم میں اس کے اجزاء کا افتراق بہ نسبت بعض افعال مثلاً شراء وبیع وغیرہ کے درست ہے کیونکہ عبد کے نصف یا ثلث یا ربع کی بیع وشراء ممکن ہے، چنانچہ کہا جائے گا: اشتریتُ العبدَ کلهٗ اور بہ نسبت بعض افعال مثلاً اکرام ومجی وذھاب وغیرہ کے درست نہیں، اس لئے کہ عبد کے نصف یا ثلث یا ربع کا اکرام وتعظیم ممکن نہیں، چنانچہ یہ جائز نہیں۔ جاء زیدٌ کلهٗ وذھب زیدٌ کلهٗ واکرمتُ العبدَ کلهٗ وغیرہ۔

خیال رہے کہ حکماً کا عطف حسًا پر ہے اور حسًا منصوب ہے، اس بناء پر کہ وہ تمیز ہے یصح کے فاعل سے یا اس بناء پر کہ وہ مفعول

مطلق ہے یعنی یصح افتراقھا افتراق حین یا اس بناء پر کہ وہ خبر ہے کان محذوف کی یا اس بناء پر کہ وہ حال ہے حذف محذوف کا یعنی یصح افتراقھا حالَ کونھا ذاتَ حین۔

وَاعۡلَمۡ اَنَّ اَکۡتَعُ وَاَبۡتَعُ وَاَبۡصَعُ اَتۡبَاعٌ لِاَجۡمَعَ وَلَیۡسَ لَھَا مَعۡنًی ھٰھُنَا بِدُوۡنِہٖ فَلَا یَجُوۡزُ تَقۡدِیۡمُھَا عَلٰی اَجۡمَعَ وَلَا ذِکۡرُھَا بِدُوۡنِہٖ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ اکتع و ابتع و ابصع تابع ہیں اجمع کے اور یہاں ان کے لئے اس کے بغیر کوئی معنی نہیں، پس ان کو اجمع پر مقدم کرنا جائز نہیں اور نہ اجمع کے بغیر اس کا ذکر جائز ہے۔

تشریح: **وَاعۡلَمۡ اَنَّ اَکۡتَعُ** یعنی اکتع و ابتع و ابصع تینوں تابع ہیں اجمع کے کیونکہ اجمع کے بغیر اُن کا کوئی معنی نہیں، اسی وجہ سے ان کو اجمع پر مقدم کرنا جائز نہیں۔ علامہ زمخشری اور بغدادیہ کے نزدیک اکتع کو ابتع و ابصع پر مقدم کرنا عمدہ ہے اور جزولی ابصع کو ابتع پر مقدم کرتے ہیں اور ابن کیسان نے کہا کہ اجمع کے بعد ان تینوں میں سے جس سے بھی ابتدا کی جائے جائز ہے۔

فصل: اَلۡبَدَلُ تَابِعٌ یُنۡسَبُ اِلَیۡہِ مَا نُسِبَ اِلٰی مَتۡبُوۡعِہٖ وَھُوَ الۡمَقۡصُوۡدُ بِالنِّسۡبَۃِ دُوۡنَ مَتۡبُوۡعِہٖ وَاَقۡسَامُ الۡبَدَلِ اَرۡبَعَۃٌ

ترجمہ: یہ فصل ہے بدل کے بیان میں اور وہ تابع ہے جو منسوب کی جاتی ہے اس کی طرف وہ چیز کہ منسوب کی گئی وہ چیز اس کے متبوع کی طرف اور وہی مقصود ہو نسبت سے نہ کہ اس کا متبوع اور بدل کے اقسام چار ہیں۔

تشریح: **اَلۡبَدَلُ تَابِعٌ** یعنی بدل وہ تابع ہے کہ جو چیز اس تابع کے متبوع کی طرف منسوب کی گئی ہو وہی چیز تابع کی طرف منسوب ہو اور نسبت سے وہی مقصود ہو نہ کہ اُس کا متبوع۔ مطلب یہ کہ جو نسبت متبوع کی طرف ہے وہی نسبت تابع کی طرف بھی ہو اور اس نسبت سے وہی مقصود ہو، متبوع مقصود نہ ہو بلکہ وہ صرف اپنے تابع کے لئے بطور تمہید مذکور ہو۔ جیسے **جاء نی زیدٌ اخوک** میں آنے کی نسبت سے مقصود **اخوک** ہے اور زید کا ذکر صرف تمہید کے لئے ہے۔ تعریف میں تابع بمنزلہ جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور **ھو المقصود بالنسبۃ** بمنزلہ فصل بعید ہے جس سے نعت و تاکید و عطف بیان خارج ہو گئے اور دون متبوعہ بمنزلہ فصل قریب ہے جس سے عطف بالحروف خارج ہو گیا کیونکہ عطف بالحروف، اگرچہ مقصود بالنسبت ہوتا ہے لیکن اُس کا متبوع بھی مقصود بالنسبت ہوتا ہے۔

اَقۡسَامُ الۡبَدَلِ بدل کی تعریف کے بعد اب اس کی تقسیم بیان کی جاتی ہے کہ اُس کی چار قسمیں ہیں: (۱) بدل الکل (۲) بدل البعض (۳) بدل الاشتمال (۴) بدل الغلط۔ دلیل حصر یہ ہے کہ بدل دو حال سے خالی نہیں، آیا اس کا مدلول مبدل منہ کا مدلول ہے یا نہیں، اول بدل الکل ہے اور دوم بھی دو حال سے خالی نہیں آیا اس کا مدلول مبدل منہ کا بعض ہے یا نہیں، اول بدل البعض ہے اور دوم بھی دو حال سے خالی نہیں آیا بدل و مبدل منہ میں کلیت و بعضیت کے علاوہ کا تعلق ہے یا نہیں اول بدل الاشتمال ہے اور دوم بدل الغلط ہے۔

بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ وَهُوَ مَا مَدْلُوْلُهٗ مَدْلُوْلُ الْمَتْبُوْعِ نَحْوُ جَاءَنِیْ زَيْدٌ اَخُوْكَ وَبَدَلُ الْبَعْضِ مِنَ الْكُلِّ وَهُوَ مَا مَدْلُوْلُهٗ جُزْءُ مَدْلُوْلِ الْمَتْبُوْعِ نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهٗ وَبَدَلُ الْاِشْتِمَالِ وَهُوَ مَا مَدْلُوْلُهٗ مُتَعَلِّقُ الْمَتْبُوْعِ كَسُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهٗ وَبَدَلُ الْغَلَطِ وَهُوَ مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْغَلَطِ نَحْوُ جَاءَنِیْ زَيْدٌ جَعْفَرٌ وَرَاَيْتُ رَجُلًا حِمَارًا

ترجمہ: بدل کل، کل سے اور وہ بدل ہے کہ اس کا مدلول متبوع کا مدلول ہے جیسے جاءنی زیدٌ اخوك یعنی آیا میرے پاس زید تیرا بھائی اور بدل البعض کل سے اور وہ ایسا بدل ہے کہ اُس کا مدلول متبوع کے مدلول کا جزء ہو جیسے ضربت زیدًا راسهٗ یعنی مارا میں نے زید اس کے سر کو اور بدل الاشتمال اور وہ بدل ہے کہ اس کا مدلول متبوع کا متعلق ہو جیسے سُلِبَ زیدٌ ثوبه یعنی چھینا گیا زید اُس کا کپڑا اور بدل الغلط اور وہ بدل ہے کہ ذکر کیا جائے غلط کے بعد جیسے جاءنی زیدٌ جعفر یعنی آیا میرے پاس زید جعفر اور رئیتُ رجلًا حمارًا یعنی دیکھا میں نے مرد کو گدھے کو۔

تشریح: بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ بدل کے متعلق ماقبل میں یہ جو کہا گیا کہ اس کی چار قسمیں ہیں: (۱) بدل الکل (۲) بدل البعض (۳) بدل الاشتمال (۴) بدل الغلط۔ یہاں سے ان میں سے ہر ایک کی تعریف بیان کی جاتی ہے کہ بدل الکل وہ بدل ہے کہ اُس کا مدلول متبوع کا مدلول ہوگا جیسے جاءنی زیدٌ اخوكَ میں اخوكَ کا مدلول وہی ہے جو زید کا ہے، اس تقدیر پر تابع ومتبوع دونوں کا معنی ازروئے ذات ایک ہے۔ جیسے مثال مذکور میں ذات زید اور اخوك دونوں ایک ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ بدل مبدل منہ کا کل وتمام ہوتا ہے۔

بَدَلُ الْبَعْضِ یعنی بدل البعض وہ بدل ہے کہ اُس کا مدلول متبوع کے مدلول کا جزء ہو، یعنی بدل البعض مبدل منہ کا جزء ہوتا ہے جیسے ضربت زیدًا راسهٗ میں راس زید کا جزء ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ وہ مبدل منہ کا جزء ہے۔

بَدَلُ الْاِشْتِمَالِ یعنی بدل الاشتمال وہ بدل ہے کہ اُس کا مدلول متبوع کا متعلق ہو یعنی بدل ومبدل منہ کے درمیان کلیت و جزئیت کے علاوہ کوئی دوسرا تعلق وعلاقہ ہو جیسے سُلِبَ زیدٌ ثوبهٗ میں ثوب وزید کے درمیان لباس ہونے میں ایک تعلق و علاقہ ہے، اسی طرح اعجبنی زیدٌ علمهٗ میں علم اور زید کے درمیان تعلق وعلاقہ ہے، وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ مبدل منہ مشتمل ہے بدل کو۔

بَدَلُ الْغَلَطِ یعنی بدل الغلط وہ بدل ہے کہ غلط کے بعد ذکر کیا جائے۔ یعنی وہ بدل ہے جس کا قصد مبدل منہ کو غلط بیان کرنے کے بعد کیا جائے جیسے جَاءَنی زیدٌ جعفرٌ میں جعفر اور رئیتُ رجلًا حمارًا میں حمار بدل الغلط ہے کہ متکلم اول میں جاء نی جعفر اور دوم میں رئیتُ حمارًا کہنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے اس کی زبان سے اول میں زید اور دوم میں رجلًا نکل گیا اس وجہ سے غلط کے تدارک کے لئے زید کے بعد جعفر اور حمار کہا گیا۔

وَالْبَدَلُ اِنْ كَانَ نَكِرَةً مِّنْ مَّعْرِفَةٍ يَجِبُ نَعْتُهٗ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ وَلَا يَجِبُ ذَالِكَ فِيْ عَكْسِهٖ وَلَا فِي الْمُتَجَانِسَيْنِ

ترجمہ: اور بدل اگر نکرہ ہو معرفہ سے تو اس کی صفت واجب ہو جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول بالناصية ناصية كاذبة یعنی ہم ضرور کھینچیں گے پیشانی کو یعنی جھوٹی پیشانی کو اور صفت اس کے عکس میں واجب نہیں ہوتی اور نہ دو ہم جنس میں۔

تشریح: وَالْبَدَلُ اِنْ كَانَ بدل و مبدل منہ دونوں کے لئے جائز ہے کہ دونوں معرفہ ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں نکرہ ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مختلف ہوں یعنی مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ یا اس کے عکس یعنی مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ لیکن اگر بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ تو اس وقت نکرہ کی صفت لانا ضروری ہے کیونکہ نکرہ بہ نسبت معرفہ کے انقص ہے تو نکرہ کی صفت لائی جائے گی تاکہ مقصود غیر مقصود سے انقص نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول بالناصية ناصية كاذبة خاطئة میں ناصيةٍ نکرہ بدل واقع ہے اور مبدل منہ الناصية معرفہ ہے تو ناصیۃ کی صفت کاذبہ کے ساتھ بیان کی گئی اور اس کے برعکس یعنی مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ یا دونوں نکرہ ہوں یا دونوں معرفہ تو بدل کی صفت لانا کوئی ضروری نہیں کیونکہ اس تقدیر پر غیر مقصود، مقصود سے انقص یا برابر ہے۔

وَلَا فِي الْمُتَجَانِسَيْنِ یعنی صفت کا لانا دو متجانس و متماثل میں بھی ضروری نہیں ہے، بایں طور کہ دونوں معرفہ ہوں جیسے ضربت زيدًا اخوك یا دونوں نکرہ ہوں جیسے جاءني رجلٌ غلامٌ لك۔

فصل: عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ غَيْرُ صِفَةٍ يُوَضِّحُ مَتْبُوْعَهٗ وَهُوَ اَشْهَرُ اِسْمَيْ شَيْءٍ نَحْوُ قَامَ اَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ وَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَلَا يَلْتَبِسُ بِالْبَدَلِ لَفْظًا فِيْ مِثْلِ قَوْلِ الشَّاعِرِ شِعْر: اَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ بِشْرٍ - عَلَيْهِ الطَّيْرُ تَرْقُبُهٗ وُقُوْعًا۔

ترجمہ: یہ فصل ہے عطف بیان کے بیان میں اور وہ تابع ہے جو صفت کا غیر ہے واضح کرتا ہے اپنے متبوع کو اور وہ یعنی عطف بیان شئی کے دو اسموں میں زیادہ مشہور ہے جیسے قام ابو حفص عمر یعنی کھڑا ہوا ابو حفص عمر اور قام عبد الله بن عمر یعنی کھڑا ہوا عبد اللہ بن عمر اور وہ بدل کے ساتھ لفظ کے اعتبار سے مشابہ نہیں ہوتا شاعر کے قول کی مثل میں انا ابن التارك الخ یعنی میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو چھوڑنے والا ہے بکری بشر کو دراں حالیکہ اس پر پرندے انتظار کرتے ہیں، دراں حالیکہ وہ گرنے والے ہیں۔

تشریح: عَطْفُ الْبَيَانِ یعنی عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت کا غیر ہے اور وہ اپنے متبوع کو واضح کرتا ہے اور وہ دو ناموں میں زیادہ مشہور ہوتا ہے جس کو وہ بیان کرتا ہے، چنانچہ قام ابو حفص عمر میں عمر عطف بیان ہے باوجودیکہ وہ ابوحفص کی صفت نہیں مگر اس کی وضاحت کرتا ہے اور ابوحفص امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب کی کنیت اور عمر نام ہے جن میں سے عمر بہ نسبت ابوحفص کنیت کے زیادہ مشہور ہے، اسی طرح قام عبد الله ابن عمر میں ابن عمر عطفِ بیان ہے اور وہ اگرچہ عبد

اللہ کی صفت نہیں لیکن اس کی وضاحت کرتا ہے، وہ عبداللہ سے زیادہ مشہور ہے۔

وَلَا يَلْتَبِسُ عطف بیان اور بدل کے درمیان باعتبار معنی چونکہ ظاہر ہے کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے اور عطفِ بیان مقصود بالنسبت نہیں، اس لئے اس کو بیان نہیں کیا گیا، البتہ اُن دونوں کے درمیان فرق باعتبار لفظ چونکہ ظاہر نہیں بلکہ خفی ہے، اس لئے اس فرق کو بیان نہیں کیا جاتا ہے کہ عطف بیان بدل کے ساتھ لفظ کے اعتبار سے شاعر کے قول کی مثل میں متشابہ نہیں ہوتا۔

مِثْلِ قَوْلِ الشَّاعِرِ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں عطف بیان کا متبوع وہ معرف باللام ہو، جو صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے جیسے **الضارب الرجل زید** اور **أنا ابنُ التارِكِ البكري بشر**۔ **أنا ابن التارك** والی مثال میں بشر عطف بیان اور البکری اس کا متبوع ہے جو کہ التارک صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے اور یہ بلاشبہ درست ہے لیکن بشر کو اگر البکری سے بدل قرار دیا جائے تو درست نہ ہوگا کیونکہ بدل حکم میں تکرار عامل کے ہوتا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **أنا ابنُ التارِكِ بشر** اور یہ ممنوع ہے کیونکہ **التارك بشر** کی ترکیب **الضارب زيد** کی مثل ہے اور وہ ممنوع ہے جیسا کہ گزرا بر خلاف عطف بیان کہ اس میں چونکہ تکرار عامل نہیں ہوتی یعنی تقدیر عبارت **التارك بشر** نہ ہوگی بلکہ صرف **التارك البكري** ہوگی اور وہ جائز ہے کیونکہ وہ **الضارب الرجل** کی مثل ہے جو بلاشبہ جائز ہے جیسا کہ گزرا۔

اَلْبَابُ الثَّانِيْ فِي الْاِسْمِ الْمَبْنِيِّ وَهُوَ اِسْمٌ وَقَعَ غَيْرَ مُرَكَّبٍ مَعَ غَيْرِهٖ مِثْلُ اب ت ث وَمِثْلُ وَاحِدٌ وَاثْنَانِ وَثَلٰثَةٌ وَكَلَفْظَةِ زَيْدٍ وَحْدَهٗ فَاِنَّهٗ مَبْنِيٌّ بِالْفِعْلِ عَلَى السُّكُوْنِ وَمُعْرَبٌ بِالْقُوَّةِ اَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْاَصْلِ بِاَنْ يَّكُوْنَ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى مَعْنَاهُ مُحْتَاجًا اِلٰى قَرِيْنَةٍ كَالْاِشَارَةِ نَحْوُ هٰؤُلَاءِ وَنَحْوِهَا اَوْ يَكُوْنُ عَلٰى اَقَلِّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْرُفٍ اَوْ تَضَمَّنَ مَعْنَى الْحَرْفِ نَحْوُ ذَا وَمَنْ وَاَحَدَ عَشَرَ اِلٰى تِسْعَةَ عَشَرَ وَهٰذَا الْقِسْمُ لَا يَصِيْرُ مُعْرَبًا اَصْلًا

ترجمہ: دوسرا باب اسم مبنی کے بیان میں ہے اور وہ اسم ہے جو واقع ہو غیر مرکب اپنے علاوہ کے ساتھ جیسے اَ ب۔ ت۔ ث۔ اور جیسے **واحد واثنان وثلاثه** اور جیسے صرف لفظ زید، پس وہ سکون پر مبنی بالفعل ہے اور معرب بالقوۃ ہے یا مشابہ ہے مبنی اصل کے بایں طور کہ وہ معنی پر دلالت کرنے میں قرینہ کا محتاج ہے مثلاً اسماء اشارہ جیسے **هؤلاء** اور اس کی مانند یا وہ تین حرفوں سے کم پر ہو یا وہ حرف کے معنی کو شامل ہے جیسے **ذا** اور **من** اور **احد عشر** سے **تسعة عشر** تک اور یہ قسم قطعاً معرب نہیں ہوتی۔

تشریح: **اَلْبَابُ الثَّانِيْ** اس کتاب کی ترتیب جو ایک مقدمہ اور تین اقسام اور ایک خاتمہ پر ہے اور تین اقسام میں سے پہلی قسم دو باب پر مشتمل ہے اور پہلا باب معرب کے بیان میں ہے اور جب اس کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب دوسرا باب جو مبنی کے بیان میں ہے اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ مبنی وہ اسم غیر مرکب ہے یعنی وہ اسم ہے جو تحقق عامل کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، چنانچہ اسمائے حروف تہجی مثلاً الف، باء، تاء وغیرہ اور اسماء عدد مثلاً **واحد واثنان وثلاثه** وغیرہ اور اسماء معدودہ مثلاً ضرب

زیدٌ صرف بکر اور صرف خالد وغیرہ یا مبنی وہ اسم ہے جو مبنی اصل کے مشابہ ہو بایں طور کہ معنی پر دلالت کرنے میں قرینہ کا محتاج ہو مثلاً اسم اشارہ یعنی ھؤلاء وغیرہ یا تین حرف سے کم ہو جیسے واؤ و من اور یا حرف کے معنی کو متضمن ہو جیسے احد عشر سے تسعۃ عشر تک یعنی احد عشر۔ اثنا عشر۔ ثلاثۃ عشر۔ اربعۃ عشر۔ خمسۃ عشر۔ ستۃ عشر۔ سبعۃ عشر۔ ثمانیۃ عشر۔ تسعۃ عشر۔ یہ تمام اصل میں احد وعشر، اثنا وعشر، ثلاثۃ وعشر، اربعۃ وعشر، خمسۃ وعشر، ستۃ وعشر، سبعۃ وعشر، ثمانیۃ وعشر وتسعۃ وعشر ہے، واؤ کو حذف کر کے دونوں اسموں کو بمنزلہ کلمہ واحدہ کر لیا گیا اور ان کے دونوں جزء مبنی بر فتحہ ہیں کہ واؤ حرف عطف کے معنی کو متضمن ہے لیکن اثنا عشر میں واؤ اور نون کو حذف کیا گیا۔ اس میں صرف دوسرا جزء فتح پر مبنی ہے اور پہلا جزء معرب ہے۔

مِثْلُ اب ت ان حروف سے ان کے اسماء مراد ہیں یعنی الف۔ باء، تاء، ثاء کیونکہ بحث اسم مبنی سے متعلق ہے حروفِ مبنی سے نہیں، ان کے اسماء حروف تہجی کہا جاتا ہے اور واحد واثنان وغیرہ کو اسماء عدد اور صرف زید وصرف بکر وغیرہ کو اسماء معدودہ۔

فَاِنَّهٗ مَبْنِيٌّ بِالْفِعْلِ مبنی کی تعریف مذکور سے دو قسمیں مستفاد ہوتی ہیں، ایک اسم واقع الخ سے اور دوسری او مشابہ مبنی الاصل الخ سے، اول مبنی بر سکون بالفعل ہے اور معرب بالقوۃ اور دوم کبھی بھی معرب نہیں ہوتی۔ نہ بالفعل اور نہ بالقوۃ چنانچہ ھؤلاء میں ترکیب سے قبل جو حرکت ہے وہی ترکیب کے بعد ہے، یعنی جاء نی ھؤلاء۔

بِاَنْ يَّكُوْنَ فِي الدَّلَالَةِ مبنی اصل کے ساتھ مشابہت کے طریقے بطور استقراء سات ہیں، جن میں سے تین تو متن میں مذکور ہیں اور باقی چار میں سے ایک یہ کہ اسم امر کی جگہ پر واقع ہو جیسے نزال اسم فعل اَنْزِلْ جیسے فجارِ کی جگہ پر واقع ہے۔ دوم یہ کہ اسم ہم شکل اس اسم کے ہو جو مبنی اصل کی جگہ پر واقع ہوتا ہے جیسے فجارِ نزالِ کے ہم شکل اور ہم وزن ہے اور نزالِ اَنْزِلْ کی جگہ پر واقع ہوتا ہے جیسا کہ گزرا۔ سوم یہ کہ اسم جگہ میں اس اسم کے واقع ہو جو مبنی اصل کے مشابہ ہے جیسے منادیٰ مفہوم یا زیدُ میں کہ وہ جگہ میں کاف خطاب ادعو کے واقع ہے اور کاف خطاب جو اسم ہے کاف حرفی کے مشابہ ہے۔ چہارم یہ کہ اسم مبنی اصل کی طرف مضاف ہو اور وہ مضاف عام ہے بلا واسطہ ہو یا بواسطہ جیسے یومئذٍ میں اصل یوم اذ کان کذا ہے، اس میں یوم فتح کے ساتھ بواسطہ اذ جملہ کان کذا کی طرف مضاف ہے اور مبنی ہے اور جملہ صاحب مفصل کے نزدیک مبنی اصل ہے۔

وَحُكْمُهٗ اَنْ لَّا يَخْتَلِفَ اٰخِرُهٗ بِاِخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ وَحَرَكَاتُهٗ تُسَمّٰى ضَمًّا وَفَتْحًا وَكَسْرًا وَسُكُوْنُهٗ وَقْفًا وَهُوَ عَلٰى ثَمَانِيَةِ اَنْوَاعٍ اَلْمُضْمَرَاتُ وَاَسْمَاءُ الْاِشَارَاتِ وَالْمَوْصُوْلَاتِ وَاَسْمَاءُ الْاَفْعَالِ وَالْاَصْوَاتِ وَالْمُرَكَّبَاتِ وَالْكِنَايَاتِ وَبَعْضُ الظُّرُوْفِ

ترجمہ: اور مبنی کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف نہ ہو اور اس کے حرکات کا نام ضم وفتح وکسر رکھا جاتا ہے اور اس کے سکون کو وقف کہا جاتا ہے اور وہ آٹھ قسموں پر ہے مضمرات اور اسمائے اشارات اور اسماء موصولات اور اسماء افعال اور اصوات اور مرکبات اور کنایات اور بعض ظروف۔

تشریح: **حُكْمُهٗ اَنْ لَّا : حکمہٗ** میں ضمیر مجرور کا مرجع مبنی باعتبار قسم دوم ہے یعنی یہ حکم اس اسم مبنی کا ہے جو مبنی اصل کے مناسب ومشابہ ہو کیونکہ حکم مذکور اگر مبنی کی دونوں قسموں کا ہو تو لازم آئے گا کہ وہ اسم جو عدم ترکیب کی وجہ سے مبنی ہے ترکیب کے بعد بھی مبنی رہے جب کہ وہ ترکیب کے بعد معرب ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مبنی کا حکم وہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف نہیں، جیسے **جاءنی ھؤلاء** و **رائیت ھؤلاء** و **مررت ھؤلاء** میں۔

حَرَكَاتُهٗ اس کی ضمیر مجرور کا مرجع بھی مبنی ہے یعنی مبنی کی حرکتیں اور مبنی کی حرکتوں کو القاب سے تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح معرب کی حرکتوں کو انواع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مبنی کی حرکتیں تین ہیں: ضم، فتح، کسر، اس کے سکون کو وقف کہا جاتا ہے لیکن ضم اس وجہ سے کہ ضم بمعنی ملنا ہے اور اس کا حصول بھی دو ہونٹوں کے ملنے سے ہوتا ہے اور فتح اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ فتح بمعنی کھلنا ہے اور اس کے تلفظ کے وقت بھی دو ہونٹ کھل جاتے ہیں اور کسر اس لئے کہا جاتا ہے کہ کسر بمعنی سمیٹنا ہے۔ چنانچہ مصباح اللغات میں ہے: کسر **کسورًا الطائر** پرندہ کا اترنے کے لئے پروں کو سمیٹنا اور اس کے تلفظ کے وقت بھی لب زیریں سکڑ جاتا ہے اور سکون کو وقف اس لئے کہا جاتا ہے کہ نفس اس کے تلفظ کے وقت ٹھہر جاتا ہے۔

وَهُوَ عَلٰى ثَمَانِيَةٍ یعنی مبنی آٹھ قسموں پر ہے: (۱) مضمرات (۲) اسمائے اشارات (۳) اسمائے موصولات (۴) اسمائے افعال (۵) اسماء اصوات (۶) مرکبات (۷) کنایات (۸) بعض ظروف۔ آگے ہر ایک کی تعریف بالتفصیل مذکور ہے۔

بَعْضُ الظُّرُوْفِ بعض ظروف اس لئے کہا گیا کہ تمام ظروف مبنی نہیں بلکہ ان میں سے بعض ہیں اور بعض موصولات نہیں کہا گیا جب کہ ان میں سے **اَیٌّ** و **اَیَّۃٌ** معرب ہیں اور بعض کنایات بھی نہیں کہا گیا جبکہ ان میں سے فلان اور فلانۃ معرب ہیں۔ وجہ یہ کہ موصولات وکنایات میں سے اکثر چونکہ مبنی ہیں اور اکثر کو کل کا حکم دیا گیا، برخلاف ظروف کہ ان کا اکثر معرب ہے، اس لئے بعض ظروف کہا گیا اور بعض موصولات وکنایات نہیں۔

فصل: **اَلْمُضْمَرُ اِسْمٌ وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلٰى مُتَكَلِّمٍ اَوْ مُخَاطَبٍ اَوْ غَائِبٍ تَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ لَفْظًا اَوْ مَعْنًى اَوْ حُكْمًا وَهُوَ عَلٰى قِسْمَيْنِ**

ترجمہ: یہ فصل ہے ضمیر کے بیان میں اور وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو تا کہ دلالت کرے متکلم یا مخاطب یا غائب پر کہ اسکا ذکر تلفظ یا معنی یا حکم کے اعتبار سے پہلے ہو اور وہ دو قسموں پر ہے۔

تشریح: **اَلْمُضْمَرُ** مبنی کی پہلی قسم ضمیر ہے اور اس کو دوسرے مبنیات پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس کے تمام افراد بالاتفاق مبنی ہیں اور ضمیر کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ احتیاج میں حروف کے مشابہ ہیں کیونکہ حروف جس طرح معنی پر دلالت کرنے میں متعلق کے محتاج ہیں، اسی طرح ضمیر اگر غائب کی ہے تو تقدم ذکر کا محتاج ہے جیسے **اَدَّبَ زَيْدٌ ابْنَهٗ** میں اور اگر ضمیر متکلم یا مخاطب کی ہے تو تکلم اور خطاب کا محتاج ہے۔

اِسْمٌ وُضِعَ یعنی مضمر وضمیر وہ اسم ہے کہ جس کو متکلم یا مخاطب پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہو یا غائب پر دلالت کرنے

کے لئے کہ جس کا ذکر لفظا یا معنا یا حکما مقدم ہو۔ تقدم ذکرا صفت ہے لفظا غائب کی اور لفظا و معنا و حکما تاصیل ہے، تقدم ذکر یعنی مرجع کا۔ تقدم لفظا سے مراد عام ہے کہ تحقیقا ہو یا تقدیرا۔ تحقیقا جیسے ضرب زیدٌ غلامہٗ۔ تقدیرا جیسے ضرب غلامہٗ زیدٌ کہ زید جو فاعل ہے وہ تقدیرا مقدم ہے اور تقدم ذکر معنا سے مراد یہ ہے کہ مرجع تضمنا یا التزاما مذکور ہو۔ بتقدیر اول جیسے ارشاد باری تعالیٰ: اِعدلُوا ھُوَ اقربُ للتقوٰی میں ھو کا مرجع اعدلُوا میں عدل ہے جس کو وہ متضمن ہے اور بتقدیر دوم جیسے ولابویہ لکل واحدٍ منھما السدس میں ابویہ کی ضمیر کا مرجع میت ہے جس پر سیاق کلام التزاما دلالت کرتا ہے کیونکہ کلام بیان میراث کے لئے وارد ہے اور وہ ذکر میت کے تقدم کو مستلزم ہے اور تقدم ذکر حکما سے مراد وہ ہے جو ضمیر شان و قصہ وغیرہما میں ہوتا ہے۔ ضمیر شان ضمیر مذکر کو کہا جاتا ہے اور ضمیر قصہ ضمیر مؤنث کو، اول جیسے قل ھو اللہ احدٌ میں ھو ضمیر شان ہے اور انھا امرأۃٌ صالحۃٌ میں ھا ضمیر قصہ ہے وہ دونوں بلا مرجع ذکر کے بیان کئے جاتے ہیں جب کہ کسی چیز کی عظمت وقباحت کا بیان مقصود ہو تو اس سے اس کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

وَھُوَ عَلٰی قِسْمَیْنِ یعنی ضمیر کی دو قسمیں ہیں: متصل و منفصل۔ متصل وہ ضمیر ہے جو تنہا مستعمل نہ ہو یعنی وہ اپنے ماقبل کا بمثل جزء ہو تنہا اُس کا تلفظ صحیح نہ ہو۔ ضمیر متصل باعتبار انواع اعراب تین قسم پر ہے: (۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور۔ مرفوع جیسے ضربتُ سے لے کر ضربنَ تک بصیغۂ معروف و مجہول، پس یہاں لفظ اِلٰی اسقاط کے لئے ہے مد حکم کے لئے نہیں، لہٰذا لازم آئے گا کہ اُس کا مابعد ماقبل کے حکم میں داخل ہو، گردان اُس کی یہ ہے: ضربتُ ضربنا ضربتَ ضربتما ضربتم ضربتِ ضربتما ضربتنّ ضربَ ضربا ضربوا ضربتْ ضربتا ضربنَ۔ شروع میں صیغۂ متکلم کو اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ اعرف معارف ہے، اسی وجہ سے اس کو تعریف میں مقدم کیا گیا اور ضمیر غائب کو مؤخر اس وجہ سے کیا گیا کہ وہ کل کے تحت ہے، یہ نحویوں کے نزدیک ہے لیکن صرفی ضمیر غائب کو تمام ضمائر پر مقدم کرتے ہیں، پھر ضمیر مخاطب کو پھر ضمیر متکلم کو۔

منصوب وہ آیا متصل ہے فعل کے ساتھ یا حرف کے ساتھ اول جیسے ضربنی سے لے کر ضربھنّ تک، یعنی ضربنی ضربنا ضربكَ ضربكما ضربكم ضربكِ ضربكما ضربكنّ ضربهٗ ضربهما ضربهم ضربها ضربهما ضربهنّ۔ دوم جیسے انّنی سے لے کر انّھنّ تک، یعنی انّنی، انّنا، انّكَ، انّكما، انّكم، انّكِ، انّكما، انّكنّ، انّهٗ، انّهما، انّهم، انّها، انّهما، انّهنّ۔

مجرور وہ متصل ہوتا ہے اسم کے ساتھ یا حرف کے ساتھ اول جیسے غلامی سے لے کر غلامھنّ تک یعنی غلامی، غلامنا، غلامكَ، غلامكما، غلامكم، غلامكِ غلامكما، غلامكنّ۔ غلامهٗ، غلامهما، غلامهم، غلامها، غلامهما، غلامهنّ دوم جیسے لی سے لے کر لھنّ تک، یعنی لنا، لكَ، لكما، لكم، لكِ، لكما، لكنّ، لهٗ، لهما، لهم۔ لها، لهما، لهنّ۔

مُتَّصِلٌ وَهُوَ مَا لَا يُسْتَعْمَلُ وَحْدَهٗ اِمَّا مَرْفُوْعٌ نَحْوُ ضَرَبْتُ اِلٰى ضَرَبْنَ اَوْ مَنْصُوْبٌ نَحْوُ ضَرَبَنِيْ اِلٰى ضَرَبَهُنَّ وَاِنَّنِيْ اِلٰى اِنَّهُنَّ اَوْ مَجْرُوْرٌ نَحْوُ غُلَامِيْ وَلِيْ اِلٰى غُلَامِهِنَّ وَلَهُنَّ وَمُنْفَصِلٌ وَهُوَ مَا يُسْتَعْمَلُ وَحْدَهٗ اِمَّا مَرْفُوْعٌ نَحْوُ اَنَا اِلٰى هُنَّ اَوْ مَنْصُوْبٌ نَحْوُ اِيَّايَ اِلٰى اِيَّاهُنَّ فَذٰلِكَ سِتُّوْنَ ضَمِيْرًا

ترجمہ: متصل اور وہ ضمیر ہے جو تنہا استعمال نہیں کی جاتی وہ ضمیر متصل آیا مرفوع ہے جیسے ضربت سے لے کر ضربن تک یا منصوب ہے جیسے ضربنی سے لے کر ضربھن تک اور اننی سے لے کر انھن تک یا مجرور ہے جیسے غلامی اور لی سے لے کر غلامھن اور لھن تک اور منفصل ہے اور وہ ضمیر ہے جو تنہا استعمال کی جاتی ہے، وہ آیا مرفوع ہے جیسے انا سے لے کر ھن تک یا منصوب ہے جیسے ایای سے لے کر ایاھن تک، پس وہ ساٹھ ضمیریں ہیں۔

تشریح: مُتَّصِلٌ وَهُوَ متصل کا بیان تفصیلی طور پر ماقبل میں گزرا لیکن منفصل وہ ضمیر ہے جو تنہا مستعمل ہو یعنی اُس کا تلفظ تنہا صحیح ہو اور وہ باعتبار اعراب دو قسموں پر ہے، ایک مرفوع اور دوسرا منصوب۔ لیکن وہ مجرور نہیں ہوتا کیونکہ منفصل میں انفصال ضروری ہوتا ہے جب کہ مجرور کے لئے اتصال لازمی ہے پس ضمیر مجرور ہمیشہ متصل ہوگی منفصل نہیں۔

اِمَّا مَرْفُوْعٌ ضمیر منفصل کی جو پہلی قسم مرفوع ہے وہ جیسے انا سے لے کر ھن تک، یعنی انا، نحن، انت، انتما، انتم، انتِ، انتما، انتن، ھو، ھما، ھم، ھی، ھما، ھن اور ضمیر منفصل کی جو دوسری قسم منصوب ہے وہ جیسے ایای سے لے کر ایاھن تک یعنی ایای، ایانا، ایاکَ، ایاکما، ایاکم، ایاکِ، ایاکما، ایاکن، ایاہُ، ایاھما، ایاھم، ایاھا، ایاھما، ایاھن۔

فَذٰلِكَ سِتُّوْنَ یعنی ضمیریں ساٹھ ہیں وہ اس طرح کہ بارہ ضمیریں مرفوع متصل کی اور بارہ ضمیریں مرفوع منفصل کی اور بارہ ضمیریں منصوب متصل کی اور بارہ ضمیریں منصوب منفصل کی اور بارہ ضمیریں مجرور متصل کی، لہٰذا کل ضمیر کی پانچ قسمیں ہوئیں اور ہر قسم کی بارہ بارہ ضمیریں ہوئیں، اس طرح کل ضمیریں ساٹھ ہوئیں جیسا کہ تفصیل اُو پر گزریں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْمَرْفُوْعَ الْمُتَّصِلَ خَاصَّةً يَكُوْنُ مُسْتَتِرًا فِي الْمَاضِيْ لِلْغَائِبِ وَالْغَائِبَةِ كَضَرَبَ اَيْ هُوَ وَضَرَبَتْ اَيْ هِيَ وَفِي الْمُضَارِعِ الْمُتَكَلِّمِ مُطْلَقًا نَحْوُ اَضْرِبُ اَيْ اَنَا وَنَضْرِبُ اَيْ نَحْنُ وَلِلْمُخَاطَبِ كَتَضْرِبُ اَيْ اَنْتَ وَلِلْغَائِبِ وَالْغَائِبَةِ كَيَضْرِبُ اَيْ هُوَ وَتَضْرِبُ اَيْ هِيَ وَفِي الصِّفَةِ اَعْنِيْ اِسْمَ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ وَغَيْرَهُمَا مُطْلَقًا

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک مرفوع متصل بالخصوص مستتر ہوتی ہے، ماضی میں مذکر غائب اور مؤنث غائب کے لئے جیسے ضرب یعنی ھو اور ضربت یعنی ھی اور مضارع میں متکلم کے لئے مطلقاً جیسے اَضْرِبُ یعنی انا اور نضربُ یعنی نحن اور مخاطب کے لئے جیسے تضرب یعنی انت اور غائب مذکر اور غائب مؤنث کے لئے جیسے یضرب یعنی ھو اور تضرب یعنی ھی اور صفت مراد لیتا ہوں اسم فاعل واسم مفعول اور ان دونوں کے علاوہ میں مطلقاً۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّ الْمَرْفُوْعَ یعنی ضمیر کی تقسیم سے جب فارغ ہو چکے تو اب ضمیر متصل کے محل اتصال کو بیان کیا جاتا ہے اور ضمیر کی چونکہ دو قسمیں ہیں بارز و مستتر۔ بارز وہ ضمیر ہے جس کا تلفظ حقیقۃً کیا جائے اور مستتر وہ ضمیر ہے جس کا تلفظ حقیقۃً نہ کیا جائے یعنی اُس کے لیے واقع میں کوئی لفظ نہ ہو بلکہ حکماً لفظ مانا جائے اور مستتر صرف ضمیر متصل ہوتی ہے ضمیر منفصل نہیں اور ضمیر جو مستتر ہوتی ہے اُس کے صیغے کون کون ہیں، اس عبارت سے اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ ضمیر مرفوع متصل بالخصوص ماضی کے صیغے واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب میں مستتر ہوتی ہے جیسے زیدٌ ضرب میں اور ھند ضربتْ میں اور مضارع متکلم کے صیغوں میں مطلقاً ضمیر مستتر ہوتی ہے خواہ وہ واحد ہو یا مثنیٰ یا مجموع یا مذکر ہو یا مؤنث جیسے اَضربُ ونضربُ اور مضارع حاضر واحد مذکر اور مضارع واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب میں مستتر ہوتی ہے جیسے تضربُ میں انت اور زید یضرب میں ھو اور ھند تضرب میں ھی اسی طرح ضمیر مرفوع متصل صیغہ صفت میں مطلقاً مستتر ہوتی ہے خواہ وہ اسم فاعل ہو یا اسم مفعول یا صفت مشبہ یا اسم تفضیل اور خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ واحد ہو یا مثنیٰ یا مجموع، چنانچہ کہا جائے گا: زیدٌ ضاربٌ اور الزیدانِ ضاربانِ اور الزیدُونَ ضاربون اور ھند ضاربۃٌ والھندانِ ضاربتانِ والھنداتِ ضارباتٌ اور ضاربانِ میں جو الف ہے اور ضاربونَ میں جو واؤ ہے وہ ضمیر نہیں بلکہ الف مثنیٰ کی علامت ہے اور واؤ مجموع کی علامت جیسے الزیدان میں الف اور الزیدون میں واؤ علامت ہے کیونکہ وہ عامل کی وجہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں اگر وہ ضمیر ہوتی تو مختلف نہیں ہوتی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: جاء نی الضاربانِ والضَّاربونَ ورئیت الضاربَیْنِ والضارِبِیْنَ ومررت بالضاربَیْنِ والضارِبِیْنَ۔

وَلَا يَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُ الْمُنْفَصِلِ اِلَّا عِنْدَ تَعَذُّرِ الْمُتَّصِلِ نَحْوُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَمَا ضَرَبَكَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا زَيْدٌ وَمَا اَنْتَ اِلَّا قَائِمًا۔

ترجمہ: اور ضمیر منفصل کا استعمال جائز نہیں ہوتا مگر متصل کے متعذر ہونے کے وقت جیسے اِیّاکَ نعبدُ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ما ضربکَ الا اَنا یعنی نہیں مارا تجھ کو میں نے اور اَنا زیدٌ یعنی میں زید ہوں اور ما انت الا قائمًا یعنی نہیں ہے تو مگر کھڑا ہونے والا۔

تشریح: وَلَا يَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُ یعنی ضمیر منفصل کا استعمال اس وقت جائز ہوتا ہے جب کہ ضمیر متصل کا استعمال متعذر و دشوار ہو کیونکہ ضمیر کی وضع اختصار کے لئے ہوئی ہے اور ظاہر ہے متصل میں اختصار منفصل سے زیادہ ہوتا ہے۔

نَحْوُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ضمیر متصل کے متعذر ہونے کی یہاں پر چار مثالیں بیان کی گئی ہیں، پہلی مثال ایّاک نعبد ہے جس میں تعذر حصر مطلوب کی وجہ سے ہے بلکہ اس کو اگر مؤخر کر کے عامل کے ساتھ متصل کیا جائے تو حصر مطلوب فوت ہو جائے گا۔ دوسری مثال ما ضربک الا انا ہے، اس میں بھی تعذر حصر مطلوب ہے، ضمیر مذکور کو اگر متصل کیا جائے تو غرض فوت ہو جائے گی، تیسری مثال انا زیدٌ ہے جس میں تعذر متصل کا اس لئے ہوتا ہے کہ عامل حرف معنوی سے اتصال اس صورت میں ممنوع ہے

اور چوتھی مثال **ما انت الا قائما** ہے، اس میں ضمیر متصل متعذر اس وجہ سے ہے کہ عامل حرف ہے اور ضمیر مرفوع ہے اور ضمیر مرفوع کا حرف کے ساتھ متصل ہونا دشوار ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ لَهُمْ ضَمِيْرًا يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ تُفَسِّرُهٗ وَيُسَمّٰى ضَمِيْرَ الشَّانِ فِي الْمُذَكَّرِ وَضَمِيْرَ الْقِصَّةِ فِي الْمُؤَنَّثِ نَحْوُ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ وَاِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ وَيَدْخُلُ بَيْنَ الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ صِيْغَةُ مَرْفُوْعٍ مُنْفَصِلٍ مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَاءِ اِذَا كَانَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً اَوْ اَفْعَلُ مِنْ كَذَا وَيُسَمّٰى فَصْلًا لِاَنَّهٗ يَفْصِلُ بَيْنَ الْخَبَرِ وَالصِّفَةِ نَحْوُ زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ وَكَانَ زَيْدٌ هُوَ اَفْضَلَ مِنْ عَمْرٍو وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک نحویوں کے لیے ایسی ضمیر ہے جو ایسے جملہ سے پہلے واقع ہوتی ہے جو جملہ کہ اس ضمیر کی تفسیر کرتا ہے اور نام رکھا جاتا ہے، اس ضمیر کا مذکر میں ضمیر شان اور مؤنث میں ضمیر قصہ جیسے **قل ھو اللہ احدٌ** یعنی آپ کہہ دیجئے: شان یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور **انھا زینب قائمۃ** یعنی بے شک قصہ یہ ہے کہ زینب کھڑی ہونے والی ہے اور ضمیر مرفوع منفصل کا صیغہ مبتداء وخبر کے درمیان داخل کیا جاتا ہے جو کہ مبتداء کے مطابق ہوتا ہے جب کہ خبر معرفہ یا **افعل من کذا** ہو اور نام رکھا جاتا ہے اس کا ضمیر فصل کیونکہ وہ خبر وصفت کے درمیان فصل کرتا ہے جیسے **زیدٌ ھو القائم** یعنی زید ہی کھڑا ہونے والا ہے اور **کان زیدٌ ھو افضلُ من عمرٍو** یعنی زید ہی عمرو سے فضیلت والا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **کنت انت الرقیب علیھم** یعنی تُو ہی ان پر نگہبان تھا۔

تشریح: **وَاعْلَمْ اَنَّ لَهُمْ** جملہ اسمیہ و جملہ فعلیہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے جس کو ضمیر شان اور ضمیر قصہ بھی کہا جاتا ہے اور اس کی تفسیر بعد والا جملہ کرتا ہے اور وہ ضمیر اگر مفرد مذکر کی ہو تو ضمیر شان ہے جیسے **قُلْ ھو اللہ احدٌ** اور **ھو زیدٌ قائمٌ** میں **ھو** اور اگر ضمیر مفرد مؤنث کی ہو تو ضمیر قصہ ہے جیسے **انھا زینبُ قائمۃٌ** میں ھاء اور ضمیر شان وقصہ کبھی متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی اور بارز بھی ہوتی ہے اور مستتر بھی تو اگر عامل انفصال کا مقتضی ہو بایں طور کہ ضمیر مذکور کا عامل معنوی ہو تو ضمیر منفصل ہوگی اور اگر اتصال کا مقتضی ہو بایں طور کہ اُس کا عامل لفظی ہو تو ضمیر مذکور متصل ہوگی اور عامل استتار ضمیر کی صلاحیت رکھتا ہے تو ضمیر مستتر ہوگی، ورنہ بارز ہوگی۔

يَدْخُلُ بَيْنَ الْمُبْتَدَاءِ یعنی ضمیر شان وضمیر قصہ کے بیان سے جب فارغ ہو چکے تو اب ضمیر فصل کو بیان کیا جاتا ہے کہ مبتداء وخبر کے درمیان ضمیر مرفوع منفصل کا صیغہ مبتداء کے موافق داخل ہوتا ہے جب کہ خبر معرفہ یا افعل من کذا ہو تو اس ضمیر کا نام فصل رکھا جاتا ہے کیونکہ وہ خبر وصفت کے درمیان فصل کرتا ہے جیسے **زیدٌ ھو القائمُ** میں **ھو زیدٌ** مبتداء اور القائم خبر کے درمیان ضمیر فصل ہے عامل لفظی کے داخل ہونے سے پہلے وہ یہ فرق پیدا کرتا ہے کہ وہ خبر ہے صفت نہیں، اسی طرح **کان زیدٌ ھو افضلُ من عمرٍو** میں **ھو** ضمیر، ضمیر فصل ہے مبتداء وخبر کے درمیان عامل لفظی کے داخل ہونے کے بعد اور خبر **افضل من کذا** ہے، اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ **کنت انت الرقیب علیھم** میں **انت** ضمیر فصل ہے مبتداء وخبر کے درمیان عامل

لفظی کے داخل ہونے کے بعد اور خبر معرفہ ہے۔
خلاصہ یہ کہ تین مثالیں بیان کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ صیغہ مرفوع کا دخول دو طرح سے ہوتا ہے، ایک عامل لفظی کے داخل ہونے سے پہلے، جیسے مثال اول، دوم عامل لفظی کے داخل ہونے کے بعد، اس کی دو مثالیں بیان کی گئیں، ایک اسم تفضیل کی اور دوسری خبر معرفہ کی۔

فصل: اَسْمَاءُ الْاِشَارَةِ مَا وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلٰى مُشَارٍ اِلَيْهِ وَهِيَ خَمْسَةُ اَلْفَاظٍ لِسِتَّةِ مَعَانٍ وَذَالِكَ ذَا لِلْمُذَكَّرِ وَذَانِ وَذَيْنِ لِمُثَنَّاهُ وَتَا وَتِيْ وَذِيْ وَتِهِ وَذِهٖ وَتِهِيْ وَذِهِيْ لِلْمُؤَنَّثِ وَتَانِ وَتَيْنِ لِمُثَنَّاهُ وَاُولَاءِ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ لِجَمْعِهِمَا

ترجمہ: یہ فصل ہے اسماء اشارہ کے بیان میں اور وہ اسم ہیں کہ وضع کئے گئے ہیں تاکہ وہ دلالت کریں مشار الیہ پر اور وہ پانچ لفظ ہیں چھ معنی کے لئے اور **ذا** مذکر کے لئے ہے اور **ذان وذین** مثنیٰ کے لئے اور **تاوتی وذی وته وذه و تهی و ذهی** مؤنث کے لئے اور **تانِ وتینِ** مثنیٰ کے لیے اور **اُولاء** مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ ان دونوں یعنی مذکر و مؤنث کی جمع کے لئے ہے۔

تشریح: **اَسْمَاءُ الْاِشَارَةِ** مضمرات کے بیان سے جب فارغ ہو چکے تو اب اسماء اشارہ کو بیان کیا جاتا ہے کہ اسماء جمع ہے اسم کی، یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہے مشار الیہ پر دلالت کرنے کے لئے۔ تعریف میں لفظ **ما** بمنزلہ جنس ہے جو تمام مبنی کو شامل ہے اور **لیدل** بمنزلہ فصل ہے جس سے اسم اشارہ کے علاوہ باقی تمام مبنیات خارج ہو گئے۔
وَهِيَ خَمْسَةُ اَلْفَاظٍ یعنی اسم اشارہ کے پانچ الفاظ ہیں چھ معنوں کے لئے، وہ اس طرح کہ مشار الیہ آیا مذکر ہے یا مؤنث۔ بہر دو تقدیر تین حال سے خالی نہیں آیا، مفرد ہے یا مثنی یا مجموع، تو کل چھ معنی ہوئے جس کے لئے پانچ الفاظ ہیں: (۱) **ذا** واحد مذکر کے لئے (۲) اور **ذان یا ذین** تثنیہ مذکر کے لئے اور (۳) **تا یا تی یا ذی** وغیرہ واحد مؤنث کے لئے اور (۴) **تانِ یا تین** تثنیہ مؤنث کے لئے اور (۵) **اُولاء** مد کے ساتھ اور اُولیٰ قصر کے ساتھ مذکر و مؤنث دونوں کی جمع کے لئے۔ تفصیل آگے مذکور ہے۔
ذَا لِلْمُذَكَّرِ یعنی ذا کی وضع واحد مذکر کے لئے ہے۔ کوفیوں نے کہا کہ اس کی اصل صرف ذال ہے اور الف زائد ہے اور اخفش نے کہا کہ اس کی اصل **ذیّ** تشدید کے ساتھ ہے پس لام کلمہ کو حذف کر دیا گیا تو **ذی بمثل کئی** باقی رہ گیا یاء کو الف سے بدل دیا گیا تاکہ حرف کی شکل سے خارج ہو جائے اور بعض نحویوں کا خیال ہے کہ **ذا** کی اصل **ذوی** بفتح عین ہے۔ یاء کو حذف کر کے واؤ کو الف سے بدل دیا گیا تو **ذا** ہو گیا۔
ذَانِ وَذَيْنِ یہ دونوں مثال تثنیہ مذکر کی ہیں، پہلی مثال الف کے ساتھ حالت رفعی کی ہے اور دوسری مثال یاء کے ساتھ حالت نصبی و جری کی ہے۔

تَاوَتِي واحد مؤنث کیلئے اگرچہ متعدد الفاظ موضوع ہیں لیکن اصل ان میں سے کون لفظ ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ اس کی اصل **ذی** ہے کہ **ذا** جو واحد مذکر کے لئے موضوع ہے، اس کا مقابل بعض نے تاء کو اصل قرار دیا ہے، بعض نے کہا کہ دونوں اصل ہیں کہ **ذی** میں یاء اور تاء میں الف کو ھاء سے بدل دیا گیا ہے، پس وہ **تہ** و **ذہ** ہوا اور **ذھی** و **تھی** میں الف اور یاء کو یاء سے بدل کر یا **تحتانیہ** زیادہ کیا گیا ہے۔ تانِ تثنیہ مؤنث کے لئے حالت رفعی میں اور تینِ تثنیہ مؤنث کے لئے حالت نصبی و جری میں۔

اُولاءِ: اُولاءِ دو طریقے پر مستعمل ہوتا ہے مد کے ساتھ **اُولاءِ** اور قصر کے ساتھ **اُولٰی**۔ وہ مطلقاً جمع کے لئے آتا ہے جمع عام ہے کہ مذکر ہو یا مؤنث، عاقل ہو یا غیر عاقل۔

وَقَدْ يُلْحَقُ بِأَوَائِلِهَا هَاءُ التَّنْبِيْهِ نَحْوُ هٰذَا وَهٰذَانِ وَهٰؤُلَاءِ وَيَتَّصِلُ بِأَوَاخِرِهَا حَرْفُ الْخِطَابِ وَهُوَ أَيْضًا خَمْسَةُ أَلْفَاظٍ لِسِتَّةِ مَعَانٍ نَحْوُكَ كُمَا كُمْ كِ كُنَّ فَذٰلِكَ خَمْسَةٌ وَعِشْرُوْنَ اَلْحَاصِلُ مِنْ ضَرْبِ خَمْسَةٍ فِيْ خَمْسَةٍ وَهِيَ ذَاكَ إِلٰى ذَا كُنَّ وَذَانِكَ إِلٰى ذَانِكُنَّ وَكَذٰلِكَ الْبَوَاقِيْ وَاعْلَمْ أَنَّ ذَا لِلْقَرِيْبِ وَذٰلِكَ لِلْبَعِيْدِ وَذَاكَ لِلْمُتَوَسِّطِ

ترجمہ: اور ان کے شروع میں کبھی ھاء تنبیہ لاحق کیا جاتا ہے جیسے **ھذا وھذانِ وھؤلاء** یعنی خبردار یہ ایک اور خبردار یہ دو اور خبردار یہ بہت اور ان کے آخر میں حرف خطاب متصل ہوتا ہے جیسے **كَ۔ كما۔ كم۔ كِ كنّ** پس وہ پچیس لفظ ہیں جو پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ **ذاك** ہے **ذا كن** تک اور **ذانك** ہے **ذانكن** تک اور اسی طرح باقی ہیں اور آپ جانیں کہ بے شک **ذا** قریب کے لئے ہے اور **ذٰلك** بعید کے لئے اور **ذاك** متوسط کے لئے ہے۔

تشریح: **وَقَدْ يُلْحَقُ** یعنی اسم اشارہ کے شروع میں ھاء تنبیہ داخل کیا جاتا ہے جب کہ اشارہ سے مقصود مخاطب کو تنبیہ کرنا ہو جیسے **ھذا وھذان وھذین وھاتا وھاتی وھاتان وھاتین وھؤلاء** لحوق اخیر میں لگنے کو کہا جاتا ہے اور یہاں دخول بمعنی شروع میں لگنا مراد ہے۔

يَتَّصِلُ بِأَوَاخِرِهَا یعنی اسم اشارہ کے اخیر میں حرف خطاب بھی لگتا ہے تاکہ مخاطب کے مفرد و تثنیہ و جمع اور مذکر و مؤنث ہونے پر دلالت کرے اور حرف خطاب کاف ہے اور وہ حرف ہے اسم نہیں کیونکہ اسم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی جگہ پر اسم ظاہر واقع ہو اور یہاں واقع ہونا ممتنع ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ غیر مستقل بالمفہومیت ہے۔

وَهُوَ أَيْضًا خَمْسَةٌ یعنی اسم اشارہ کے لئے جس طرح پانچ الفاظ ہیں چھ معنوں کیلئے، اسی طرح حروف خطاب کے بھی پانچ الفاظ ہیں چھ معنوں کیلئے۔ قیاس یہ ہے کہ حروف خطاب بھی چھ ہونا چاہیے۔ لیکن چونکہ لفظ **کما** مذکر و مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس لئے ایک دو کے لئے ہونے کی وجہ سے حروف خطاب پانچ ہیں۔ ان میں سے ایک **كَ** ہے جو مفرد مذکر کے لئے ہے اور دوسرا **کما** تثنی مذکر و مؤنث کے لئے ہے اور تیسرا **کم** ہے جمع مذکر کے لئے اور چوتھا **كِ** ہے واحد مؤنث کے

لئے اور پانچواں کنّ ہے جمع مؤنث کے لئے اور اسم اشارہ بھی چونکہ پانچ ہیں تو پانچ کو پانچ سے ضرب دیا جائے تو پچیس قسمیں ہو جائیں گی۔ وہ اس طرح ذاكَ۔ ذاكما۔ ذاكم۔ ذاكِ۔ ذاكنّ۔ اسی طرح ذالكَ۔ ذالكما۔ ذالكم۔ ذالكِ۔ ذالكن۔ اسی طرح تاكَ۔ تاكما۔ تاكم۔ تاكِ۔ تاكن اسی طرح باقی قسموں کو قیاس کریں۔

اِعْلَمْ اَنَّ ذَا لِلْقَرِيْبِ یعنی ذا اور ذالك اور ذاك کا معنی اگرچہ بظاہر ایک ہے لیکن ہر ایک کا موقع استعمال الگ الگ ہے اس لئے کہ ذا کا استعمال قریب کے اشارہ کے لئے ہوتا ہے کہ وہ قلیل الحروف ہے اور ذلك کا استعمال دور کے اشارہ کے لئے ہوتا ہے کہ وہ کثیر الحروف ہے اور ذاك کا استعمال متوسط کے اشارہ کے لئے ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں سے قلت وکثرت حروف میں متوسط ہے، متوسط کو طرفین سے مؤخر کیا گیا جب کہ متوسط کو وسط میں بیان کرنا چاہیے جیسا کہ بعض نسخوں میں واقع ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ متوسط کی معرفت چونکہ طرفین کی معرفت پر موقوف ہے اس لئے اس کو مؤخر کیا گیا۔

فصل: اَلْمَوْصُوْلُ اِسْمٌ لَا يَصْلَحُ اَنْ يَّكُوْنَ جُزْءً تَامًّا مِنْ جُمْلَةٍ اِلَّا بِصِلَةٍ بَعْدَهٗ وَالصِّلَةُ جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ وَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ فِيْهَا يَعُوْدُ اِلَى الْمَوْصُوْلِ مِثَالُهُ الَّذِيْ فِيْ قَوْلِنَا جَاءَ الَّذِيْ اَبُوْهُ قَائِمٌ اَوْ قَامَ اَبُوْهُ وَهُوَ الَّذِيْ لِلْمُذَكَّرِ وَاللَّذَانِ وَاللَّذَيْنِ لِمُثَنَّاهُ وَالَّتِيْ لِلْمُؤَنَّثِ وَاللَّتَانِ وَاللَّتَيْنِ لِمُثَنَّاهَا وَالَّذِيْنَ وَالْاُوْلٰى لِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ وَاللَّاتِيْ وَاللَّوَاتِيْ وَاللَّاءِ وَاللَّائِيْ لِجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ

ترجمہ: یہ فصل ہے اسم موصول کے بیان میں۔ وہ اسم ہے جو صلاحیت نہیں رکھتا کہ جزء تام ہو مگر صلہ کے ساتھ کہ جو اس کے بعد ہے اور صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور جملہ میں ضروری ہے عائد کا ہونا جو اسم موصول کی طرف لوٹے۔ اس کی مثال الذی ہے ہمارے قول جاء الذی ابوہُ قائمٌ یا قامَ ابوہُ میں اور وہ الذی ہے مذکر کے لئے اور اللذان اور اللذین ہیں مثنیٰ کے لئے اور التی ہے مؤنث کے لیے اور اللتان واللتین ہیں تثنیہ مؤنث کے لئے اور اللذین اور الاولی ہیں جمع مذکر کے لئے اور اللاتی اور اللواتی اور اللاء اور اللائی ہیں جمع مؤنث کے لئے۔

تشریح: اَلْمَوْصُوْلُ اِسْمٌ مبنیات میں سے اسم موصول بھی ہے اور وہ چونکہ حروف کے مشابہ ہے کہ جس طرح حروف متعلق کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح اسم موصول بھی صلہ کا محتاج ہوتا ہے اور جس طرح حروف متعلق کے بغیر معنی پر دلالت نہیں کرتے اسی طرح اسم موصول بھی صلہ کے بغیر جملہ کا جزء تام نہیں ہوتا۔ تعریف میں اسم بمنزلہ جنس ہے جو تمام اسموں کو شامل ہے اور لا یصلح بمنزلہ فصل ہے جس سے وہ تمام اسماء نکل گئے جو صلہ کے بغیر جزء تام ہوتے ہیں اور تام سے مراد مبتداء، خبر، فاعل وغیرہ ہے۔

وَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ صلہ چونکہ جملہ مستقل ہوتا ہے حالانکہ صلہ کا موصول سے مرتبط ہونا ضروری ہے اس لئے صلہ میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے جو موصول کی طرف لوٹے تاکہ صلہ کا ربط موصول سے پیدا ہو جائے اور جملہ بے ربط اور اجنبی نہ رہ جائے۔ جیسے جاء الذین ابوہُ قائم میں الذی اسم موصول ہے اور ابوہُ قائمٌ جملہ اسمیہ خبریہ اُس کا صلہ ہے جس میں ابوہٗ

کی ضمیر عائد ہے جو **الذی** کی طرف رجوع کرتی ہے، لہذا موصول اپنے صلہ سے مل کر **جاء** فعل کا فاعل یعنی جملہ کا جزء تام ہوا۔ اسی طرح **جاء الذی قام ابوہ** میں **قام ابوہ** جملہ فعلیہ خبریہ **الذی** اسم موصول کا صلہ ہے اور اس میں **ابوہ** کی ضمیر عائد ہے جو **الذی** اسم موصول کی طرف رجوع کرتی ہے۔

خیال رہے کہ عائد اکثر ضمیر ہوتی ہے لیکن کبھی اسم مظہر کا مضمر کی جگہ پر ہونا بھی عائد ہوتا ہے، جیسے **جاء الذی ضرب زیدٌ** میں زید جو اسم مظہر ہے ضمیر کی جگہ پر عائد ہے۔

وَھُوَ الَّذِیْ یعنی اسم موصول **الذی** ہے واحد مذکر کے لئے اور **التی** واحد مؤنث کیلئے اور **اللذان** اور **اللتان** حالت رفعی میں تثنیہ مذکر اور تثنیہ مؤنث کے لئے ہے اور **اللذین** اور **اللتین** حالت نصبی و جری میں تثنیہ مذکر اور مؤنث کے لئے اور **الاُولیٰ** بروزن فعلی جمع مذکر اور جمع مؤنث دونوں کے لئے اور **اللذین** جمع مذکر کیلئے اور **اللائی** ہمزہ و یاء کے ساتھ اور **اللاء** ہمزہ کے ساتھ بدون یاء اور **اللای** بدون ہمزہ، یاء کے ساتھ یہ تینوں جمع مؤنث کیلئے ہیں۔

وَمَا وَمَنْ وَاَیٌّ وَاَیَّۃٌ وَذُوْ بِمَعْنَی الَّذِیْ فِیْ لُغَۃِ بَنِیْ طَیٍّ کَقَوْلِ الشَّاعِرِ شعر: فَاِنَّ الْمَاءَ مَاءُ اَبِیْ وَجَدِّیْ وَبِئْرِیْ ذُوْ حَفَرْتُ وَذُوْ طَوَیْتُ۔ اَیْ اَلَّذِیْ حَفَرْتُہٗ وَالَّذِیْ طَوَیْتُہٗ وَالْاَلِفُ وَاللَّامُ بِمَعْنَی الَّذِیْ صِلَتُہٗ اِسْمُ الْفَاعِلِ وَاِسْمُ الْمَفْعُوْلِ نَحْوُ جَاءَنِی الضَّارِبُ زَیْدًا اَیْ الَّذِیْ یَضْرِبُ زَیْدًا اَوْ جَاءَنِی الْمَضْرُوْبُ غُلَامُہٗ

ترجمہ: اور **ما** و **من** و **ایٌّ** و **ایّۃٌ** و **ذو** بمعنی **الذی** ہیں بنی طی کی لغت میں، جیسے شاعر کا قول ہے: **فان الماء الخ** یعنی پس تحقیق کہ پانی میرے باپ اور میرے دادا کا پانی ہے اور یہ کنواں وہ ہے جس کو میں نے کھودا اور جو کہ میں نے بنائی یعنی **الذی حفرتہ والذی طویتہ** اور الف ولام بمعنی **الذی** کا صلہ اسم فاعل یا اسم مفعول ہے جیسے **جاء نی الضارب زیدًا** یعنی وہ شخص کہ مارنے والا ہے زید کو اور **جاء نی المضروب غلامہ** یعنی آیا میرے پاس وہ شخص کہ پیٹا گیا اُس کا غلام۔

تشریح: **وَمَا وَمَنْ** یعنی **ما** اور **من** مذکر و مؤنث دونوں کے لئے مطلقاً آتا ہے لیکن اول غیر ذوی العقول کے لئے اور دوم ذوی العقول کیلئے اور **ایٌّ** مذکر کے لئے اور **ایّۃٌ** مؤنث کے لئے ہے اور **ذو بمعنی الذی** ہے بنی طی کی لغت میں جیسے شاعر کا قول ہے: **فان الماء ماء ابی وجدی وبئری ذو حفرت وذو طویت** میں **ذو حفرت** بمعنی **الذی حفرتہ** اور **ذو طویت** بمعنی **الذی طویتہ**۔ لغت میں طی کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ دوسروں کی لغت میں اسم موصول نہیں، لفظ **ذو** دو معنوں کے لئے آتا ہے ایک بمعنی صاحب جیسے **ذومالٍ** بمعنی صاحب مال اور دوسرا بمعنی **الذی** اور **الذی** وہ بنی طے کی لغت میں ہے، لہٰذا وہ واحد و تثنیہ و جمع مذکر، مؤنث غائب و حاضر ہر ایک کیلئے آتا ہے اور تمام حالتوں میں یکساں رہتا ہے۔ جیسے **جاء نی ذو قام ورئیتُ ذو قام ومررت بذو قام**۔

فَاِنَّ الْمَاءَ اس شعر کا قائل سنان بن محل ہے جو قبیلۂ بنی طے سے ہے۔ شعر میں **ماء** بمعنی پانی، جمع میاہ اور امواہ آتی ہے۔

اب بمعنی باپ، جمع آباء۔ جد بمعنی دادا، جمع اجداد۔ بئر بمعنی کنواں، جمع آبار۔ حفرت صیغہ واحد متکلم ماخوذ ہے، حفر بمعنی کھودنا سے اور طویت بھی صیغہ واحد متکلم ہے جو ماخوذ ہے طوی من باندھنے سے۔ خلاصہ شعر کا یہ ہے کہ وہ پانی جس میں نزاع ہے میرے باپ دادا کا پانی ہے یعنی میں اس باپ کا وارث ہوں اور متنازع فیہ کنواں وہ ہے جس کو میں نے کھودا ہے اور میں نے اس کی مَن باندھی ہے۔

وَالْاَلِفُ وَاللَّامُ وہ الف لام جو اسم فاعل و اسم مفعول پر داخل ہے وہ بھی اسم موصول بمعنی الذی یا التی یا اللذان یا اللتان، یا اللذین یا اللائی اور اس کا صلہ اسم فاعل یا اسم مفعول ہوتا ہے جیسے **جاء نی الضارب زیدًا** میں ضارب پر الف لام بمعنی الذی ہے، یعنی **جاء نی الذی یضرب زیدًا** اور جیسے **جاء نی المضروب غلامہٗ** میں المضروب پر الف لام بمعنی الذی ہے یعنی **جاء نی الذی یضرب غلامہٗ**۔

وَيَجُوْزُ حَذْفُ الْعَائِدِ مِنَ اللَّفْظِ اِنْ كَانَ مَفْعُوْلًا نَحْوُ قَامَ الَّذِيْ ضَرَبْتُ اَيِ الَّذِيْ ضَرَبْتُهٗ وَاعْلَمْ اَنَّ اَيًّا وَاَيَّةً مُعْرَبَةٌ اِلَّا اِذَا حُذِفَ صَدْرُ صِلَتِهَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا اَيْ هُوَ اَشَدُّ۔

ترجمہ: اور عائد کا حذف لفظ سے جائز ہے اگر وہ مفعول ہو جیسے **قام الذی ضربت ای الذی ضربتہٗ** یعنی کھڑا ہوا وہ شخص کہ میں نے مارا اس کو یعنی **الذی ضربتہٗ** اور آپ جانیں کہ بے شک **ایٌّ** اور **ایّۃٌ** معرب ہیں مگر جب کہ اس کے صلہ کا اول حذف کیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **ثم لننزعن من کل شیعۃٍ ایھم اشدُّ علی الرحمٰنِ عِتِیًّا ای ھو اشدُّ** یعنی ضرور ہم کھینچیں گے ہر جماعت سے اس کو جو وہ زیادہ سخت ہے رحمن پر باعتبار سرکشی کرنے کے یعنی **ھو اشدُّ**۔

تشریح: **وَيَجُوْزُ حَذْفُ** یعنی وہ ضمیر جو صلہ میں اسم موصول کی طرف رجوع کرتی ہے اگر وہ مفعول واقع ہو تو اس کو لفظ سے حذف کرنا جائز ہے جیسے **قام الذی ضربت ای الذی ضربتہٗ** کیونکہ وہ فضلہ ہے لیکن جب کہ حذف مذکور پر کوئی مانع ہو تو اس کا حذف جائز نہیں، اسی طرح ضمیر اگر فاعل ہو تو اس کا حذف بھی جائز نہیں لیکن اگر ضمیر مرفوع مبتداء ہے تو حذف جائز ہے جب کہ اس کی خبر جملہ یا ظرف نہ ہو اور ضمیر مجرور کو بھی حذف کرنا جائز ہے جب کہ حرف جر مع مجرور کے متعین ہو، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ **اَسجدُ لما مرنا ای بہ** اسی طرح اس ضمیر مجرور کا حذف بھی جائز ہے جس کی طرف صیغہ صفت کی اضافت کی جائے وہ اس کو تقدیراً نصب دیتا ہے جیسے **الذی انا ضارب زید** اصل میں **ضاربہٗ زید** ہے۔

اِعْلَمْ اَنَّ اَيًّا وَاَيَّةً: **ایٌّ** مذکر کے لئے اور **ایّۃٌ** مؤنث کے لئے مستعمل ہوتے ہیں، اس کی چار صورتیں ہیں جن میں سے صرف ایک صورت میں وہ دونوں مبنی ہوتے ہیں اور باقی تین صورتوں میں معرب ہوتے ہیں، وہ ایک صورت یہ کہ وہ مضاف ہو اور **ایّۃ** کا صدر صلہ یعنی صلہ کا جزء اول محذوف ہو، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ثم لننزعن من کلِ شیعۃٍ ایھم اشدُّ علی الرحمٰنِ عتیًّا** میں **ایُّ** مضاف ہے ضمیر ھم کی طرف اور ان کا صلہ **ھو اشدُّ علی الرحمٰنِ عتیًّا** ہے جس کا جزء اول ھو

محذوف ہے۔اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ کہ حرف کے ساتھ ان کی مشابہت احتیاج لغیر میں حاصل ہے اور ضمہ پر مبنی ہونے کی وجہ یہ کہ اس کی مشابہت غایت یعنی قبل و بعد کے ساتھ حاصل ہے جس طرح غایت سے مضاف الیہ کو حذف کی صورت میں مبنی برضم ہوتا ہے جب کہ وہ اس کے لئے مبیّن ہوتا ہے اسی طرح صدر صلہ کے حذف کی صورت میں وہ مبنی برضم ہوتا ہے جب کہ وہ بھی ایٌّ وایّۃٌ کو واضح کرتا ہے۔لیکن ایٌّ وایّۃٌ کی چار صورتیں یہ ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک آیا مضاف ہوگا یا مضاف نہ ہوگا، بتقدیر دوم وہ معرب ہیں خواہ ان کا صدر صلہ مذکور ہو یا محذوف اور بہ تقدیر اول اُن کا صلہ اگر محذوف ہو تو مبنی ہوں گے جیسا کہ آیت کریمہ مذکور ہوئی۔

فصل: اَسْمَاءُ الْاَفْعَالِ هُوَ كُلُّ اِسْمٍ بِمَعْنَى الْاَمْرِ وَالْمَاضِیْ نَحْوُ رُوَیْدَ زَیْدًا اَیْ اَمْهِلْهُ وَهَیْهَاتَ زَیْدٌ اَیْ بَعُدَ اَوْ كَانَ عَلٰى وَزْنِ فَعَالِ بِمَعْنَى الْاَمْرِ وَهُوَ مِنَ الثُّلَاثِیِّ قِیَاسٌ كَنَزَالِ بِمَعْنٰى اِنْزِلْ وَتَرَاكِ بِمَعْنٰى اُتْرُكْ وَیَلْحَقُ بِهٖ فَعَالِ مَصْدَرًا مَعْرِفَةً كَفَجَارِ بِمَعْنَى الْفُجُوْرِ اَوْ صِفَةً لِّلْمُؤَنَّثِ نَحْوُ یَا فَسَاقِ بِمَعْنٰى فَاسِقَةٍ وَیَالَكَاعِ بِمَعْنٰى لَا كِعَةٍ اَوْ عَلَمًا لِّلْاَعْیَانِ الْمُؤَنَّثَةِ كَقَطَامِ وَغَلَابِ وَحَضَارِ وَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ لَیْسَتْ مِنْ اَسْمَاءِ الْاَفْعَالِ وَاِنَّمَا ذُكِرَتْ هٰهُنَا لِلْمُنَاسَبَةِ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے اسمائے افعال کے بیان میں۔وہ ہر وہ اسم ہے جو امر و ماضی کے معنی میں ہو جیسے رُوَیدَ زَیدًا یعنی تو مہلت دے زید کو اور ھیھات زیدٌ یعنی دور ہوا زید یا فعال کے وزن پر ہو بمعنی امر اور وہ ثلاثی مجرد سے قیاس ہے جیسے نزالِ بمعنی اِنْزِلْ یعنی اُتر تُو کے معنی میں اور تراکِ بمعنی اُترك یعنی چھوڑ تُو کے معنی میں اور لاحق کیا جاتا ہے اُس کے ساتھ فعالِ درآں حالیکہ وہ مصدر معرفہ ہو جیسے الفجار بمعنی الفجور یا صفت ہو مؤنث کے معنی میں جیسے یا فساقِ بمعنی فاسقۃ اور لکاعِ بمعنی لا کعۃ یا علم ہو اعیان مؤنثہ کا جیسے قطامِ وغلابِ وحضارِ اور یہ تینوں اسماء افعال سے نہیں ہیں اور ان کو یہاں بیان کیا گیا مناسبت کی وجہ سے۔

تشریح: اَسْمَاءُ الْاَفْعَال اسماء افعال وہ اسم ہیں جو بمعنی امر یا ماضی کے ہو۔متن میں واوٗ بمعنی اَوْ ہے۔ان کے صیغے افعال کے صیغوں کے مغایر ہوتے ہیں کیونکہ بعض اسماء افعال بوقت تنکیر منون ہوتے ہیں جیسے صَہٍ اور بعض پر لام داخل ہوتا ہے اور بعض مصدر ظرف اور جار مجرور سے منقول ہیں۔اسماء افعال مبنی اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ مبنی اصل کی جگہ پر واقع ہوتے ہیں جیسے رُوَیدَ زیدًا میں رُوَیدَ اَمھِلْ کی جگہ پر واقع ہے اور ھیھات زیدٌ میں ھیھات ۔ بَعُدَ کی جگہ پر واقع ہے اور بعض حرف کی شکل میں واقع ہوتے ہیں۔

نَحْوُ رُوَیْدَ زَیْدًا یہ مثال ہے اس اسم فعل کی جو بمعنی امر ہے وہ منقول ہے مصدر سے اور متعدی ہے اور ھیھات زیدٌ ای بَعُدَ یہ مثال ہے اس اسم فعل کی جو بمعنی ماضی یعنی بَعُدَ بمعنی دور ہوا۔

اَوْ كَانَ عَلٰى اسماء افعال میں سے فعال کا صیغہ بھی ہے جو بمعنی امر ہوتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد سے قیاسی ہے جیسے نزالِ بمعنی

اِنْزِلْ اور تَرَاكِ بمعنی اُترك اور غیر ثلاثی مجرد سے سماعی ہے، یعنی سماع پر موقوف ہے۔

يَلْحَقُ بِهٖ یعنی اس فَعَالِ بمعنی امر کے ساتھ آنے والے تین قسموں کے فَعَالِ کو لاحق کیا جاتا ہے جو بمعنی مصدر معرفہ ہو یا صفت ہو مؤنث کی یا علم ہو اعیان مؤنثہ کا۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح فَعَالِ بمعنی امر کے مبنی ہونے پر اتفاق ہے اسی طرح وہ فَعَالِ بھی بالاتفاق مبنی ہے جو مصدر معرفہ ہو جیسے فَجَارِ بمعنی الفجور اور وہ فَعَالِ بھی جو صفت ہو مؤنث کی جیسے یا فَسَاقِ بمعنی فاسقة اور یالکاع بمعنی لاكعة اور وہ فَعَالِ بھی جو علم ہو اعیان مؤنثہ کا جیسے قَطَامِ علم ہے ایک عورت کا اسی طرح غلاب بھی علم ہے ایک عورت کا اور حَضَارِ علم ہے ایک ستارہ کا اور ظَمَارِ علم ہے ایک بلند جگہ کا اور لام جو للاعیان میں ہے، جنس کے لئے ہے جمعیت اس سے باطل ہوگئی۔ اصل عبارت یہ ہے: علماً للعين المؤنث المعنوي۔

هٰذِهِ الثَّلَاثَةُ یعنی تینوں فَعَالِ جو بمعنی مصدر معرفہ اور بمعنی صفت اور بمعنی عین مؤنث ہے، اگرچہ وہ مبنی ہیں لیکن اسماء افعال نہیں ان کو جو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ فَعَالِ بمعنی امر کے ساتھ محض وزن میں مناسبت کی وجہ سے۔

فصل: اَلْاَصْوَاتُ كُلُّ لَفْظٍ حُكِيَ بِهٖ صَوْتٌ كَغَاقٍ لِصَوْتِ الْغُرَابِ اَوْ صُوِّتَ بِهِ الْبَهَائِمُ كَنَخٍّ لِاِنَاخَةِ الْبَعِيْرِ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے اصوات کے بیان میں۔ وہ ہر وہ لفظ ہے جس سے آواز کی نقل کی جائے جیسے غاق کوے کی آواز کے واسطے یا اس کے ذریعہ چوپایہ کو آواز دی جائے، جیسے نخ اُونٹ کو بٹھانے کیلئے۔

تشریح: اَلْاَصْوَاتُ اصوات جمع ہے صوت کی۔ صوت لغت میں بمعنی آواز اور کبھی تصویت بمعنی آواز دینے کے آتا ہے، اصطلاح میں وہ لفظ ہے جس سے کسی آواز کو نقل کیا جائے جیسے غاق کہ اس سے کوے کی آواز کو نقل کیا جاتا ہے یا وہ آواز ہے جس سے بہائم میں سے کسی کو آواز دی جائے، جیسے نخ کہ اس سے اُونٹ کو بٹھایا جاتا ہے۔ بہائم کا ذکر یہاں بطور تمثیل ہے کیونکہ وہ الفاظ جن سے پرندوں اور چرندوں اور پاگلوں کو آواز دی جائے وہ بھی صوت میں داخل ہے۔

فصل: اَلْمُرَكَّبَاتُ كُلُّ اِسْمٍ رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ لَيْسَتْ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ فَاِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِيْ حَرْفًا يَجِبُ بِنَاؤُهُمَا عَلَى الْفَتْحِ كَاَحَدَ عَشَرَ اِلٰى تِسْعَةَ عَشَرَ اِلَّا اِثْنَيْ عَشَرَ فَاِنَّهَا مُعْرَبَةٌ كَالْمُثَنّٰى وَاِنْ لَّمْ يَتَضَمَّنْ ذٰلِكَ فَفِيْهَا لُغَاتٌ اَفْصَحُهَا بِنَاءُ الْاَوَّلِ عَلَى الْفَتْحِ وَاِعْرَابُ الثَّانِيْ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ كَبَعْلَبَكَّ نَحْوُ جَاءَنِيْ بَعْلَبَكُّ وَرَاَيْتُ بَعْلَبَكَّ وَمَرَرْتُ بِبَعْلَبَكَّ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے مرکبات کے بیان میں۔ وہ ہر وہ اسم ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو اور ان کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو، پس اگر دوسرا کلمہ حرف کو متضمن ہو تو ان دونوں کی بناء فتح پر واجب ہوتی ہے جیسے احد عشر سے لے کر تسعة عشر تک مگر اثنا عشر پس بے شک وہ معرب ہے مثنیٰ کی طرح اور اگر وہ متضمن نہ ہو حرف کو تو اس میں کئی لغت ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ فصیح اول کا فتح پر مبنی ہونا ہے اور ثانی کا معرب ہونا دراں حالیکہ وہ غیر منصرف ہے جیسے جاء نی بعلبك ورئیت بعلبك

ومررت ببعلبك۔

تشریح: اَلْمُرَکَّبَاتُ مرکبات جمع ہے مرکب کی اور مرکب ہر وہ اسم ہے کہ جو دو کلموں سے ملا ہو اور ان کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو یعنی ترکیب اسنادی واضافی وتوصیفی نہ ہو۔ تعریف میں کلمتین کہا گیا اسمین اس لئے نہیں کہ بخت نصر اور سیبویہ وغیرہ مرکب کی تعریف میں داخل ہو جائیں کیونکہ بخت نصر میں جزء ثانی فعل ہے اور سیبویہ میں جزء ثانی صوت ہے جو حرف ہے۔

فَاِنْ تَضَمَّنَ یعنی جزء ثانی اگر کسی حرف کو متضمن ہو تو اس کے دونوں جزء مبنی ہوں گے، جزء اول تو اس لئے کہ وہ جزء ثانی کا محتاج ہے، پس احتیاج میں حروف کے مشابہ ہے اور جزء ثانی اس لئے کہ وہ حرف کو جو کہ مبنی اصل ہے جیسے خمسة عشر اور حادی عشر اور اس کے نظائر یعنی تسعة عشر وغیرہ کو یہ سب مبنی ہیں اس لئے کہ ان کا جزء ثانی حرف کو متضمن ہے مگر اثنا عشر اور اثنتا عشر کہ ان دونوں کا صرف جزء ثانی مبنی ہے اور جزء اول معرب ہے حالانکہ مبنی ہونے کی علت اس میں بھی موجود ہے یعنی اس کا وسط کلمہ میں واقع ہونا جو کہ اعراب کا محل نہیں لیکن بناء کی علت کے باوجود جزء اول معرب ہے اور اس کے معرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نون کے ساقط ہونے کی وجہ سے وہ مضاف کے ساتھ مشابہ ہے اور مرکب اضافی ہونا مبنی ہونے کو لازم نہیں برتا۔

وَاِنْ لَّمْ یَتَضَمَّنْ: ذلك کا مشار الیہ حرف ہے یعنی جزء ثانی اگر حرف کو متضمن نہ ہو تو اس میں چار لغتیں ہیں، لیکن افصح لغت میں جزء اول مبنی بر فتح ہوگا کیونکہ وہ وسط کلمہ میں واقع ہے اور جزء ثانی معرب غیر منصرف ہوگا اور چار لغتوں میں سے ایک یہ کہ ہر دو جزء کا اعراب مضاف ومضاف الیہ کی طرح ہوگا اور جزء ثانی غیر منصرف لہٰذا جزء اول کا رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ اور جزء ثانی پر ہمیشہ نصب ہوگا۔ اس لئے کہ غیر منصرف میں جر نصب کے تابع ہوتا ہے جیسے هذا بعلبك ورئیت بعلبك ومررت ببعلبك دوسرا لغت یہ کہ جزء اول کا اعراب عوامل کے اعتبار سے ہوگا۔ یعنی حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب میں فتحہ کے ساتھ اور حالت جر میں کسرہ کے ساتھ اور جزء ثانی ہمیشہ منصرف ہوگا۔ یعنی اعراب اس کا جر یعنی کسرہ کے ساتھ ہوگا جیسے هذا بعلبك ورئیت بعلبك ومررت ببعلبك۔ تیسرا لغت یہ کہ ہر دونوں جزء مبنی بر فتح ہوں گے۔ بوجہ مشابہ ہونے اس کے خمسة عشر کے جیسے هذا بعلبك ورئیت بعلبك ومررت ببعلبك۔ چوتھا لغت وہ ہے جو متن میں مذکور ہے جیسے هذا بعلبك ورئیت بعلبك ومررت ببعلبك۔

فصل: اَلْکِنَایَاتُ هِیَ اَسْمَاءٌ تَدُلُّ عَلٰی عَدَدٍ مُّبْهَمٍ وَهِیَ کَمْ وَکَذَا اَوْ حَدِیْثٍ مُّبْهَمٍ وَهُوَ کَیْتَ وَذَیْتَ وَاعْلَمْ اَنَّ کَمْ عَلٰی قِسْمَیْنِ اِسْتِفْهَامِیَّةٌ وَمَا بَعْدَهَا مَنْصُوْبٌ مُفْرَدٌ عَلَی التَّمِیْزِ نَحْوُ کَمْ رَجُلًا عِنْدَكَ وَخَبَرِیَّةٌ وَمَا بَعْدَهَا مَجْرُوْرٌ مُفْرَدٌ نَحْوُ کَمْ مَالٍ اَنْفَقْتُهٗ اَوْ مَجْمُوْعٌ نَحْوُ کَمْ رِجَالٍ لَقِیْتُهُمْ وَمَعْنَاهُ التَّکْثِیْرُ وَتَدْخُلُ مِنْ فِیْهِمَا تَقُوْلُ کَمْ مِنْ رَّجُلٍ لَقِیْتَهٗ وَکَمْ مِنْ مَّالٍ اَنْفَقْتُهٗ

ترجمہ: یہ فصل ہے کنایات کے بیان میں۔ وہ اسماء ہیں کہ جو عدد مبہم پر دلالت کرتے ہیں اور وہ کم و کذا ہیں یا مبہم بات

پر دلالت کرتے ہیں اور وہ **کیت و ذیت** ہے اور آپ جانیں کہ بے شک **کم** دو قسموں پر ہے استفہامیہ اور وہ اسم ہے کہ اس کے بعد منصوب مفرد ہوگا تمیز کی بناء پر جیسے **کم رجلًا عندك** اور خبریہ ہے اور وہ اسم ہے کہ اس کے بعد مجرور مفرد ہوگا جیسے **کم مالٍ انفقتہٗ** یا مجرور مجموع ہوگا جیسے **کم رجالٍ لقیتہٗ** اور **کم مالٍ انفقتہٗ**۔

تشریح: **اَلْکِنَایَاتُ** کنایات جمع ہے **کنایۃ** کی اور وہ مصدر ہے جس کا معنی ہے: کسی شئی کو کسی غرض کی وجہ سے ایسے لفظ سے تعبیر کرنا کہ اس پر وہ دلالت کرنے میں صریح نہ ہو اور یہاں اس سے مراد وہ اسم ہے جس سے کنایہ کیا جائے یعنی وہ اسم ہے جو عدد مبہم پر دلالت کرے یا مبہم بات پر۔ اول جو عدد مبہم پر دلالت کرتا ہے وہ **کم و کذا** ہیں اور دوم جو مبہم بات پر دلالت کرتا ہے وہ **کیت و ذیت** ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ کَمْ یعنی **کم** جو عدد مبہم پر دلالت کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) استفہامیہ (۲) خبریہ۔ **کم** استفہامیہ کے مابعد بر بنائے تمیز منصوب مفرد ہوتا ہے جیسے **کم رجلًا عندك و کم دینارًا عندك** اور **کم** خبریہ کا مابعد بر بنائے تمیز کبھی مجرور مفرد ہوتا ہے جیسے **کم مالٍ انفقتہٗ** اور کبھی مجرور مجموع ہوتا ہے جیسے **کم رجالٍ لقیتھم** اس کی وجہ یہ کہ **کم** چونکہ عدد مبہم پر دلالت کرتا ہے اور عدد کے تین مرتبے ہیں قلیل و کثیر و وسط اس لیے بہتر ہوا کہ کم کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی طرح ہو اور **کم** استفہامیہ چونکہ **کم** خبریہ سے اولیٰ درجہ استفہام کے بعد ہے، اس لئے بہتر ہے کہ **کم** استفہامیہ میں عدد وسط کا لحاظ کیا جائے کہ **خیر الامورِ اَوْساطھا** یعنی اس کی تمیز کو منصوب مفرد کیا جائے جس طرح عدد وسط کی تمیز کو منصوب مفرد کیا جاتا ہے اور باقی دو مرتبے کا **کم** خبریہ کی تمیز میں لحاظ کیا گیا کہ **کم** خبریہ کی تمیز کو کبھی مجرور مفرد کیا جاتا ہے اور کبھی مجرور مجموع تا کہ **کم** استفہامیہ اور **کم** خبریہ کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کو شامل ہو جائے۔

تَدْخُلُ مِنْ یعنی **کم** استفہامیہ اور **کم** خبریہ کی تمیز میں کبھی **من** بیانیہ داخل ہوتا ہے اور تمیز اس تقدیر پر مجرور ہوگی اور **کم** استفہامیہ و **کم** خبریہ کی پہچان مقام سے ہوگی جیسے **کم من مالٍ انفقتہٗ** یعنی کتنا مال میں نے خرچ کیا۔ میں **کم** خبریہ ہے جس کی تمیز پر **مِنْ** داخل ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ **کم** اور اس کی تمیز کے درمیان فعل متعدی سے فصل نہ ہو اور اگر فصل ہو تو تمیز میں **مِنْ** کا دخول واجب ہو جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ **اھلکنا من قریۃٍ** یعنی کتنے آبادی کو ہم نے ہلاک کیا اور دوسری آیت ہے: **کم آتیناھم من آیۃٍ بینۃٍ** یعنی کتنی روشن دلیلوں کو ہم نے ان کو دیا۔

وَقَدْ یُحْذَفُ التَّمْیِیْزُ لِقِیَامِ قَرِیْنَۃٍ نَحْوُ کَمْ مَالُكَ اَیْ کَمْ دِیْنَارًا مَالُكَ وَ کَمْ ضَرَبْتُ اَیْ کَمْ ضَرْبَۃٍ ضَرَبْتُ۔

ترجمہ: اور تمیز کبھی قیام قرینہ کے وقت حذف کی جاتی ہے جیسے **کم مالك** ای **کم دینارًا مالك** اور **کم ضربت** ای **کم ضربۃٍ ضربتُ**۔

تشریح: **قَدْ یُحْذَفُ** یعنی تمیز کے حذف پر اگر قرینہ موجود ہو تو تمیز کو کبھی حذف کیا جاتا ہے جیسے **کم مالك** اصل میں **کم**

دینارًا مالك ہے۔ یہ کم استفہامیہ ہے اور کم ضربت اصل میں کم ضربۃٍ ضربتُ ہے۔ یہ کم خبریہ ہے، اول میں حذف تمیز پر قرینہ یہ ہے کہ کم معرفہ پر داخل نہیں ہوتا اور یہاں داخل ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمیز محذوف ہے یعنی کم دینارًا مالك اور دوم میں حذف تمیز پر قرینہ یہ ہے کہ کم فعل پر داخل نہیں ہوتا اور یہ داخل ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمیز محذوف ہے یعنی کم ضربۃٍ ضربتُ۔

وَاعْلَمْ اَنَّ كَمْ فِي الْوَجْهَيْنِ يَقَعُ مَنْصُوْبًا اِذَا كَانَ بَعْدَهٗ فِعْلٌ غَيْرُ مُشْتَغِلٍ عَنْهُ بِضَمِيْرِهٖ نَحْوُ كَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ وَ كَمْ غُلَامٍ مَلَكْتُ مَفْعُوْلًا بِهٖ وَنَحْوُ كَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتَ وَ كَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ مَصْدَرًا وَ كَمْ يَوْمًا سِرْتَ وَ كَمْ يَوْمٍ صُمْتُ مَفْعُوْلًا فِيْهِ وَمَجْرُوْرًا اِذَا كَانَ قَبْلَهٗ حَرْفُ جَرٍّ اَوْ مُضَافٌ نَحْوُ بِكَمْ رَجُلًا مَرَرْتَ وَعَلٰى كَمْ رَجُلٍ حَكَمْتُ وَغُلَامَ كَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ وَمَالَ كَمْ رَجُلٍ سَلَبْتُ وَمَرْفُوْعًا اِذَا لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مِنَ الْاَمْرَيْنِ مُبْتَدَاً اِنْ لَّمْ يَكُنْ ظَرْفًا نَحْوُ كَمْ رَجُلًا اَخُوْكَ وَ كَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهٗ وَخَبَرًا اِنْ كَانَ ظَرْفًا نَحْوُ كَمْ يَوْمًا سَفَرُكَ وَ كَمْ شَهْرٍ صَوْمِيْ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ کم دو طریقوں میں منصوب واقع ہوتا ہے جب کہ اس کے بعد ایسا فعل ہو کہ اعراض کرنے والا نہ ہو اس سے اس کی ضمیر کے سبب جیسے کم رجلًا ضربت اور کم غلامٍ ملکت دراں حالیکہ کم دونوں مثالوں میں مفعول بہ واقع ہے اور جیسے کم ضربۃً ضربت اور کم ضربۃٍ ضربت دراں حالیکہ کم دونوں مثالوں میں مفعول مطلق واقع ہو اور جیسے کم یومًا سرت اور کم یومٍ صمتُ دراں حالیکہ کم دونوں مثالوں میں مفعول فیہ واقع ہو اور مجرور واقع ہوتا ہے جب کہ اس سے پہلے حرف جر ہو یا مضاف ہو جیسے بکم رجلًا مررتُ وعلی کم رجلٍ حکمتُ اور غلام کم رجلًا ضربت اور مال کم رجلٍ سلبتُ اور مرفوع واقع ہوتا ہے جبکہ : سوکوئی شئی دونوں امروں میں سے، مبتداء اگر ظرف نہ ہو جیسے کم رجلًا اخوك اور کم رجلٍ ضربتہ اور خبر اگر وہ ظرف ہو جیسے کم یومًا سفرك وکم شھرٍ صومی۔

تشریح: **اِنَّ كَمْ فِي الْوَجْهَيْنِ**: کم دونوں طریقوں یعنی استفہامیہ وخبریہ میں محل کے اعتبار سے منصوب واقع ہوتا ہے اور مجرور ومرفوع بھی لیکن منصوب اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے بعد ایک ایسا فعل یا شبہ فعل ہو جو کم کی ضمیر یا اس کے متعلق ضمیر کے سبب سے کم میں عمل کرنے سے اعراض کرے یعنی فعل یا شبہ فعل کم کی ضمیر یا ضمیر کے متعلق میں عمل نہ کرے، پس ایسی صورت میں کم فعل مذکور کے عمل کے موافق محل کے اعتبار سے منصوب ہوگا اور یہ عمل فعل کا تمیز کے اعتبار سے ہوگا۔ چنانچہ کم کی تمیز میں اگر مفعول بہ ہونے کی صلاحیت ہے تو کم فعل مذکور کا مفعول بہ ہوگا اور اگر اس میں مصدر یعنی مفعول مطلق ہونے کی صلاحیت ہو تو فعل مذکور کا مفعول مطلق ہوگا، اسی طرح وہ مفعول فیہ بھی ہوگا جیسے کم رجلًا ضربت یعنی کتنے آدمی کو تُو نے مارا۔ اس میں کم استفہامیہ مفعول بہ ہے کہ وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ضربت کا معمول منصوب ہے کیونکہ

اس کی تمیز رجلاً میں مفعول بہ ہونے کی صلاحیت ہے اور جیسے کم غلام ملکت یعنی بہت سے غلام کا میں مالک ہوا، اس میں کم خبریہ مفعول بہ ہے۔

مَفْعُوْلًا بِہٖ وہ خبر ہے یکون فعل محذوف کی اسی طرح مصدراً ومفعولاً فیہ بھی۔ اصل عبارت یہ ہے: ویکون کم فی ھذین المثالین مفعولاً بہٖ یہ بھی ممکن ہے کہ مفعولاً بہٖ کم رجلاً اور کم غلام، میں سے ہر ایک سے حال واقع ہو یعنی کم رجلاً ضربت اور کم غلام ملکت در اں حالیکہ ان دونوں مثالوں میں مفعول بہ ہے اسی طرح ممکن ہے مصدراً بھی کم ضربۃً اور کم ضربۃٍ میں سے ہر ایک سے حال واقع ہو، اسی طرح مفعولاً فیہ بھی کم یومًا اور کم یومٍ میں سے ہر ایک سے حال واقع ہو سکتا ہے اور کم ضربۃً ضربت مثال ہے کم استفہامیہ کے مفعول مطلق ہونے کی، جس میں کم ممیز ضربۃً تمیز۔ ممیز اپنی تمیز سے مل کر مفعول مطلق ہے ضربت فعل کا۔ کیونکہ کم کی تمیز ضربۃً میں مفعول مطلق ہونے کی صلاحیت ہے اور کم ضربۃٍ ضربت مثال ہے کم خبریہ کے مفعول مطلق ہونے کی اور کم یومًا سرت مثال ہے کم استفہامیہ کے مفعول ہونے کی۔ اس میں کم یومًا سرت کا مفعول فیہ ہے کیونکہ کم کی تمیز یومًا میں مفعول فیہ ہونے کی صلاحیت ہے اور کم یومٍ صمت مثال ہے۔ کم خبریہ کے مفعول فیہ ہونے کی۔

مَجْرُوْرًا اِذَا کَانَ: مجروراً معطوف ہے منصوباً پر، تقدیر عبارت یہ ہے: کم فی الوجھین یقع مجروراً۔ خلاصہ یہ کہ کم استفہامیہ یا کم خبریہ سے پہلے حرف جر ہو یا مضاف ہو تو وہ مجرور ہوتا ہے جیسے بکم رجلاً مررتُ اور علی کم رجل حکمتُ اور غلام کم رجلاً ضربت ومال کم رجلٍ سلبتُ۔ کم کے لئے صدارت کلام ضروری ہے، اس پر حرف جر یا مضاف کا دخول اگرچہ صدارت کے خلاف ہے لیکن جار کا عمل چونکہ ضعیف ہے اس لئے اس کا مجرور سے موخر ہونا ممتنع ہے، اسی وجہ سے کم پر جار کے تقدم کو جائز رکھا گیا ہے۔

وَمَرْفُوْعًا: مرفوعًا کا عطف بھی منصوباً پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ کم فی الوجھین یقع مرفوعًا۔ خلاصہ یہ کہ اُوپر والی دونوں صورتیں جو مذکور ہوئیں اگر وہ نہ ہوں تو کم مبتداء ہونے کے اعتبار سے محلاً مرفوع ہوگا بشرطیکہ ظرف نہ ہو جیسے کم رجلاً اخوك وکم رجلٍ ضربتہٗ اور اگر ظرف ہو تو خبر ہونے کے اعتبار سے مرفوع ہوگا جیسے کم یومًا سفرك اور کم شھر صومی۔

فصل: اَلظُّرُوْفُ الْمَبْنِيَّةُ عَلٰى اَقْسَامٍ مِنْهَا مَا قُطِعَ عَنِ الْاِضَافَةِ بِاَنْ حُذِفَ الْمُضَافُ اِلَيْهِ كَقَبْلُ وَبَعْدُ وَفَوْقُ وَتَحْتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ اَىْ مِنْ قَبْلِ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْ بَعْدِ كُلِّ شَيْءٍ هٰذَا اِذَا كَانَ الْمَحْذُوْفُ مَنْوِيًّا لِلْمُتَكَلِّمِ وَاِلَّا لَكَانَتْ مُعْرَبَةً وَعَلٰى هٰذَا قُرِئَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ بَعْدٍ وَتُسَمَّى الْغَايَاتِ

ترجمہ: یہ فصل ہے ظروف مبنیہ کے بیان میں۔ وہ چند قسموں پر ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اضافت سے بایں طور قطع کئے گئے ہیں

کہ مضاف الیہ حذف کیا جائے جیسے قبل و بعد وفوق وتحت، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لِلّٰہِ الامرُ من قبلُ ومن بعدُ** یعنی ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز کے بعد۔ یہ مبنی ہونا اس وقت ہے جب کہ محذوف متکلم کے لئے منوی ہو ورنہ وہ معرب ہوں گے اور اسی بناء پر پڑھا گیا ہے: **لِلّٰہِ الامرُ من قبلٍ ومن بعدٍ** اور ان ظروف کا نام غایات رکھا جاتا ہے۔

تشریح: **اَلظُّرُوْفُ الْمَبْنِيَّةُ** ظروف مبنیہ کی چند قسمیں ہیں جن میں سے بعض وہ ظروف ہیں جو مبنی ہیں اور وہ وہ ہیں جو اضافت سے قطع کئے گئے ہیں اور وہ قبل و بعد وفوق وتحت ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **لِلّٰہِ الامرُ من قبلُ ومن بعدُ۔** اصل میں یہ ہے: **لِلّٰہِ الامرُ من قبلِ کلِ شیءٍ۔** تفصیل یہ ہے کہ قبل و بعد وفوق وتحت چونکہ **ظروف** لازم الاضافت ہیں اس لئے ان کا مضاف الیہ ہونا ضروری ہے، عام ہے کہ مذکور ہو یا محذوف، اگر مذکور ہو تو وہ ظروف معرب ہوں گے اور اگر محذوف ہو تو وہ منوی ہوگا یا نسیًا منسیًا اگر مضاف الیہ نسیًا منسیًا ہو تو وہ ظروف معرب ہوں گے اور اگر مضاف الیہ محذوف منوی یعنی مضاف الیہ کے حذف کے ساتھ متکلم کی نیت ظروف کے مبنی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مضاف الیہ محذوف منوی یعنی مضاف الیہ کے حذف کے ساتھ متکلم کی نیت میں ہو کیونکہ اس تقدیر پر مضاف الیہ کی طرف محتاج ہونے میں ان کی مشابہت حرف کے ساتھ ہو جاتی ہے جو بناء کو لازم ہے برخلاف پہلی صورت یعنی مضاف الیہ جب کہ مذکور ہو اور دوسری صورت یعنی مضاف الیہ جب کہ **نسیًا منسیًا** ہو تو وہ ظروف معرب ہوں گے۔

تُسَمّٰی الْغَایَاتِ یعنی وہ ظروف جو اضافت سے قطع کئے گئے ہیں، ان کو **غایات** کہا جاتا ہے کیونکہ **غایات** جمع ہے **غایۃ** کی اور غایت بمعنی شئی کی انتہا ہے اور ان ظروف کو غایات اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مضاف الیہ کے حذف بلاعوض کے بعد نطق و تکلم میں غایت یعنی انتہا ہو جاتی ہے، برخلاف جب کہ مضاف الیہ کو حذف کرنے کے عوض تنوین وغیرہ آئے جیسے **کل وحین واذ** وغیرہ میں تو ان کو غایات نہیں کہا جاتا، اس لئے کہ ان پر تکلم کی غایت نہیں ہوتی، بلکہ مضاف الیہ پر ہوئی کہ مضاف الیہ کا عوض وہاں موجود ہے۔

وَمِنْهَا حَيْثُ بُنِيَتْ تَشْبِيْهًا لَهَا بِالْغَايَاتِ لِمُلَازَمَتِهَا الْإِضَافَةَ إِلَى الْجُمْلَةِ فِي الْأَكْثَرِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَقَدْ يُضَافُ إِلَى الْمُفْرَدِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ اَمَا تَرٰى حَيْثُ سُهَيْلٍ طَالِعًا أَيْ مَكَانَ سُهَيْلٍ فَحَيْثُ هٰذَا بِمَعْنٰى مَكَانٍ وَشَرْطُهٗ اَنْ يُّضَافَ إِلَى الْجُمْلَةِ نَحْوُ إِجْلِسْ حَيْثُ يَجْلِسُ زَيْدٌ

ترجمہ: اور ان ہی ظروف میں سے **حیث** ہے بوجہ ان کے غایات کے ساتھ تشبیہ ہونے کی بہ نسبت ان کے زیادہ تر اضافت کو جملہ کی طرف لازم ہونے کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **سنستدرجھم من حیث لا یعلمون** یعنی ہم عنقریب ان کو داخل کریں گے ایسی جگہ میں جہاں کہ وہ نہیں جانتے اور وہ کبھی مفرد کی طرف مضاف ہوتا ہے، جیسے شاعر کا قول ہے: **اما ترٰی سھیل طالعًا** یعنی کیا آپ نہیں دیکھتے سہیل کی جگہ کو دراں حالیکہ وہ نکلنے والا ہے، یعنی سہیل کا مکان تو یہ **حیث** بمعنی مکان

ہے اور حیث کے مبنی ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ مضاف ہو جملہ کی طرف جیسے **اجلس حیث یجلس زیدٌ** یعنی بیٹھیں آپ جہاں کہ بیٹھے زید۔

تشریح: **مِنْهَا حَيْثُ** یعنی ظروف مبنیہ میں سے حیث ہے جو مکان کے لئے آتا ہے لیکن اخفش اس کو زمان کے لئے بھی مانتے ہیں اور وہ اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جملہ خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ اور جملہ **من حیث ھی** جملہ اگر چہ مضاف و مضاف الیہ نہیں ہوتا لیکن مصدر کی تاویل میں مضاف الیہ ہوتا ہے تو مضاف الیہ حقیقۃً مصدر ہوا جو مذکور نہیں اور حیث کا مضاف الیہ مذکور نہیں تو وہ محتاج ہوا مضاف الیہ کا اور مضاف الیہ کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اس کی مشابہت غایات یعنی ظروف مقطوعۃ الاضافت کے ساتھ لازم آتی ہے۔اس لئے وہ مبنی ہوگا چنانچہ **اجلس حیث زیدٌ جالس** کا معنی ہے: **اجلس مکان جلوس زید**۔

قَدْ يُضَافُ اِلَى الْمُفْرَدِ یعنی حیث کبھی مفرد کی طرف بھی مضاف ہوتا ہے اور بناء کی علت چونکہ اضافت الی الجملہ ہے اور وہ مفرد کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے زائل ہوگئی، لیکن مشہور اس کا مبنی ہونا ہے کیونکہ مفرد کی طرف مضاف ہونا بطور شذوذ ہے جو قابل اعتبار نہیں، مفرد کی طرف اضافت اس مصرعہ میں ہے: **اما ترٰی حیث سھیل طالعًا** میں حیث سھیل مفرد کی طرف مضاف ہے، دوسرا مصرعہ میں ہے: **نجمًا یضیٔ کالشھاب ساطعًا**۔

بعض روایت میں سہیل کو مرفوع پڑھا گیا ہے، اس تقدیر پر مبتداء محذوف کی خبر ہوگا اور خبر پر چونکہ حال دلالت کرتا ہے، اس لئے اس کو حذف کردیا گیا اس وقت حیث کی اضافت جملہ کی طرف ہوگی جو بناء کو لازم کرتا ہے۔

شَرْطُهُ اَنْ يُّضَافَ یعنی حیث کے مبنی ہونے کی شرط اس کا جملہ کی طرف مضاف ہونا ہے، جملہ خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، اول جیسے **اجلس حیث یجلس زیدٌ**۔ دوم جیسے **اجلس حیث زیدٌ جالسٌ** اور حیث میں یہ شرط اس لئے لگائی گئی کہ حیث اس جملہ کے لئے موضوع ہے جس میں نسبت واقع ہو تو حیث جملہ کی طرف مضاف ہوگا کہ اس کے بغیر اس کے معنی میں تعین نہیں ہوتا جس طرح اسم موصول صلہ کے بغیر معنی تام نہیں ہوتا۔

وَمِنْهَا اِذَا وَهِيَ لِلْمُسْتَقْبِلِ وَاِذَا دَخَلَتْ عَلَى الْمَاضِيْ صَارَ مُسْتَقْبِلًا نَحْوُ اِذَا جَاۗءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَفِيْهَا مَعْنَى الشَّرْطِ وَيَجُوْزُ اَنْ تَقَعَ بَعْدَهَا الْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ نَحْوُ اٰتِيْكَ اِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ وَالْمُخْتَارُ الْفِعْلِيَّةُ نَحْوُ اٰتِيْكَ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَقَدْ تَكُوْنُ لِلْمُفَاجَاةِ فَيُخْتَارُ بَعْدَهَا الْمُبْتَدَاُ نَحْوُ خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ وَمِنْهَا اِذْ وَهِيَ لِلْمَاضِيْ وَتَقَعُ بَعْدَهَا الْجُمْلَتَانِ الْاِسْمِيَّةُ وَالْفِعْلِيَّةُ نَحْوُ جِئْتُكَ اِذْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاِذِ الشَّمْسُ طَالِعَةٌ

ترجمہ: اور ان ظروف مبنیہ میں سے **اذا** ہے اور وہ مستقبل کے لئے ہے اور جب وہ ماضی پر داخل ہو تو ماضی بمعنی مستقبل ہو جائے گی جیسے **اذا جاۗء نصر اللّٰہ** یعنی جب اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی اور **اذا** میں شرط کا معنی ہے اور جائز ہے، اس کے بعد جملہ

اسمیہ واقع ہو جیسے اٰتیك اذا الشمسُ طالعةٌ یعنی میں آؤں گا تیرے پاس جب کہ آفتاب نکلے اور پسندیدہ جملہ فعلیہ کا ہونا ہے جیسے آتیك اذا طلعت الشمس یعنی آؤں گا میں تیرے پاس جس وقت آفتاب نکلے اور کبھی وہ مفاجات کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا اس کے بعد مبتداء پسند کیا جاتا ہے جیسے خرجتُ فاذا السبع واقف یعنی میں نکلا تو اچانک درندہ کھڑا ہونے والا ہے اور ان ظروف مبنیہ میں سے اذ ہے اور وہ ماضی کے لئے اور اس کے بعد دونوں قسم کے جملہ اسمیہ وفعلیہ واقع ہوں گے جیسے جئتك اذ طلعت الشمس واذ الشمسُ طالعةٌ یعنی آیا میں تیرے پاس جس وقت کہ آفتاب نکلا اور جس وقت کہ آفتاب نکلنے والا ہے۔

تشریح: وَمِنْهَا اِذَا یعنی ظروف مبنیہ میں سے اذا ہے اور وہ زمانہ مستقبل کے لئے آتا ہے اور اگر وہ ماضی (جو زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے) پر داخل ہو تو ماضی اکثر مستقبل کے معنی میں ہو جاتی ہے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ اذا جاء نصرُ اللہ میں جاء بمعنی یجیئ ہے اور وہ کبھی ماضی ہی کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول حتی اذا ساوی بین الصدفین اور حتی اذا بلغ مغرب الشمس میں اور اذا مبنی اس لئے ہے کہ وہ جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

فِیْهَا مَعْنَی الشَّرْطِ یعنی اذا میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے، لہٰذا ایک جملہ کا مضمون دوسرے جملہ کے مضمون پر مرتب ہوگا، اس لئے اذا کے بعد جملہ فعلیہ کا ذکر پسندیدہ ہے جیسے آتیك اذا طلعت الشمس اس لئے کہ شرط کے مناسب فعل ہوتا ہے لیکن اس کے بعد جملہ اسمیہ کا واقع ہونا درست ہے، اسی وجہ سے آتیك اذا الشمسُ طالعةٌ کہا جاتا ہے اس لئے کہ اذا شرط کے معنی کے لئے موضوع نہیں بلکہ وہ کبھی شرط کے معنی کو متضمن ہے اور کبھی نہیں۔

قَدْ تَكُوْنُ لِلْمُفَاجَاةِ یعنی اذا کبھی مفاجات کے لئے آتا ہے اور مفاجاۃ ماخوذ بہ فجوۃ باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ وہ کہتے ہیں: کسی چیز کو اچانک لینے یا کسی چیز کو اچانک پالینے کو، لہٰذا جملہ کا معنی یہ ہوا کہ اذا کبھی کسی چیز کے اچانک لینے یا پانے پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے، اس تقدیر پر اس میں شرط کا معنی نہیں پایا جاتا، پس اس صورت میں اذا کے بعد مبتداء کا استعمال پسندیدہ ہے تاکہ اذا مفاجاتیہ اور شرطیہ میں فرق ہو جائے، چنانچہ کہا جاتا ہے: خرجتُ فاذا السبعُ واقفٌ یعنی میں نکلا تو درندہ کھڑا ہونے والا ہے۔

وَمِنْهَا اِذْ وَهِیَ یعنی ظروف مبنیہ میں سے اذ ہے اور وہ زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے، اگرچہ مستقبل پر داخل ہو جیسے اتیت اذ یقول زیدٌ ای قام زیدٌ اور اذ چونکہ معنی شرط کو متضمن نہیں اس لئے اس کے بعد دونوں قسم کے جملے یعنی جملہ اسمیہ وفعلیہ کا ہونا جائز ہوتا ہے جیسے جئتك اذ طلعت الشمس اور جئتك اذ الشمسُ طالعةٌ اور اذ کے مبنی ہونے کی وجہ وہی ہے جو حیث میں گزری کہ وہ جملہ کی طرف مضاف ہے۔

وَمِنْهَا اَیْنَ وَاَنّٰی لِلْمَكَانِ بِمَعْنَی الْاِسْتِفْهَامِ نَحْوُ اَیْنَ تَمْشِیْ وَاَنّٰی تَقْعُدُ وَبِمَعْنَی الشَّرْطِ نَحْوُ اَیْنَ تَجْلِسْ

أجْلِسْ وَاَنّٰى تَقُمْ اَقُمْ وَمِنْهَا مَتٰى لِلزَّمَانِ شَرْطًا اَوْ اِسْتِفْهَامًا نَحْوُ مَتٰى تَصُمْ اَصُمْ وَمَتٰى تُسَافِرْ اُسَافِرْ

ترجمہ: اور ظروف مبنیہ میں سے **این** اور **انّٰی** ہیں مکان کے لئے استفہام کے معنی میں جیسے **این تمشی** و **انی تقعد** یعنی آپ کہاں جاتے ہیں اور آپ کہاں بیٹھے ہیں اور شرط کے معنی میں ہیں جیسے **این تجلس اجلس** اور **انّی تقم اقم** یعنی جہاں آپ بیٹھیں گے تو میں بیٹھوں گا اور جہاں آپ کھڑے ہوں گے تو میں کھڑا ہوں گا اور ان ہی ظروف مبنیہ میں سے **متٰی** ہے شرط کے اعتبار سے یا استفہام کے اعتبار سے جیسے **متی تصُمْ اصُمْ** یعنی جب آپ روزہ رکھیں گے تو میں روزہ رکھوں گا اور **متی تسافر اسافر** یعنی جب آپ سفر کریں گے تو میں سفر کروں گا۔

تشریح: **وَمِنْهَا اَيْنَ وَاَنّٰى لِلْمَكَانِ: للمكان** صفت ہے **این وانی** کی یا خبر ہے مبتداء محذوف کی اور بمعنی الاستفہام اور بمعنی الشرط حال ہے، اصل عبارت یہ ہے: **الکائنان للمکان** یا **کائنتان للمکان** حال **کونھما متلبسین** بمعنی الاستفہام و بمعنی الشرط، خلاصہ یہ ہے کہ ظروف مبنیہ میں سے جو **این** و **انی** مکان کے لئے ہیں دراں حالیکہ وہ دونوں استفہام کے معنی میں یا شرط کے معنی میں۔ بتقدیر اول ان دونوں کا معنی ہے: کہاں اور بتقدیر دوم جہاں اور **انی کیف** کے معنی میں آتا ہے جب کہ وہ فعل کے بعد مذکور ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **فأتوا حرثکم انی شئتم ای کیف شئتم** اور **این** و **انّی** کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں حرف استفہام اور حرف شرط کو متضمن ہیں جیسے **این تمشی** یعنی آپ کہاں جائیں گے اور **انّی تقعد** یعنی آپ کہاں بیٹھیں گے **این تجلس اجلس** اور **انّی تقم اقم** یعنی جہاں آپ بیٹھیں گے میں بیٹھوں گا اور جہاں آپ کھڑے ہوں گے میں کھڑا ہوں گا۔

مِنْهَا مَتٰى لِلزَّمَانِ ظروف مبنیہ میں سے وہ ہے جو زمان کے ساتھ ہے وہ شرط کے لئے آتا ہے اور استفہام کے لئے بھی۔ شرط جیسے **متی تصُمْ اصُمْ** یعنی آپ جس وقت روزہ رکھیں گے میں روزہ رکھوں گا، استفہام کے لئے **متی تسافر** یعنی آپ سفر کب کریں گے؟ **متی** کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفہام و شرط کے معنی کو متضمن ہے اور استفہام و شرط کا نصب تمیز کی بناء پر ہے یا شرط کی بناء پر۔ بتقدیر اول معنی ہوگا: **من حیث الاستفهام والشرط** اور بتقدیر دوم **حال کون الزمان ذا استفهام و شرط**۔

وَمِنْهَا كَيْفَ لِلْاِسْتِفْهَامِ حَالًا نَحْوُ كَيْفَ اَنْتَ اَيْ فِيْ اَيِّ حَالٍ اَنْتَ وَمِنْهَا اَيَّانَ لِلزَّمَانِ اِسْتِفْهَامًا نَحْوُ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ

ترجمہ: اور ان ہی ظروف مبنیہ میں سے **کیف** ہے استفہام کے لئے حال کے اعتبار سے جیسے **کیف انت** یعنی آپ کس حال میں ہیں؟ اور ان ہی ظروف مبنیہ میں سے **ایان** ہے زمان کیلئے استفہام کے اعتبار سے جیسے **ایان یوم الدین** یعنی قیامت کا دن کب ہے؟

تشریح: **وَمِنْهَا كَيْفَ لِلْاِسْتِفْهَامِ** یعنی ظروف مبنیہ میں سے **کیف** ہے جو حالت وصفت کو دریافت کرنے کیلئے آتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **کیف انت** یعنی آپ کیسے ہیں؟ تندرست ہیں یا بیمار وغیرہ، حال سے مراد شئی کی صفت ہے زمان حال نہیں اور وہ مبنی اس وجہ سے ہے کہ وہ حرف استفہام کے معنی کو متضمن ہے۔

وَمِنْهَا اَيَّانَ لِلزَّمَانِ یعنی ظروف مبنیہ میں سے **ایان** ہے جو زمان کے لئے استفہام کے طور پر آتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **ایان یوم الدین** یعنی قیامت کا دن کب ہے؟ اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ کہ وہ حرف استفہام کو متضمن ہے اور **ایان** اور **متی** کے درمیان فرق یہ ہے کہ **ایان** صرف زمان مستقبل اور امر عظیم کے لئے آتا ہے جیسے مثال مذکور میں **یوم الدین** دریافت کے لئے آتا ہے **ایان قدوم الحاج** وغیرہ کے لئے نہیں برخلاف **متی** کہ وہ عام ہے اس لئے کہ زمان مستقبل و ماضی کے لئے بھی آتا ہے اور امر عظیم وغیر عظیم ہر ایک کیلئے آتا ہے۔

وَمِنْهَا مُذْ وَمُنْذُ بِمَعْنٰى اَوَّلِ الْمُدَّةِ اِنْ صَلَحَ جَوَابًا لِمَتٰى نَحْوُ مَا رَاَيْتُهٗ مُذْ اَوْ مُنْذُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ مَتٰى مَا رَاَيْتَ زَيْدًا اَيْ اَوَّلُ مُدَّةِ اِنْقِطَاعِ رُؤْيَتِيْ اِيَّاهُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَبِمَعْنٰى جَمِيْعِ الْمُدَّةِ اِنْ صَلَحَ جَوَابًا لِكَمْ نَحْوُ مَا رَاَيْتُهٗ مُذْ اَوْ مُنْذُ يَوْمَانِ فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ كَمْ مُدَّةً مَا رَاَيْتَ زَيْدًا اَيْ جَمِيْعُ مُدَّةِ مَا رَاَيْتُهٗ يَوْمَانِ وَمِنْهَا لَدٰى وَلَدُنْ بِمَعْنٰى عِنْدَ نَحْوُ اَلْمَالُ لَدَيْكَ وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا اَنَّ عِنْدَ لَا يُشْتَرَطُ فِيْهِ الْحُضُوْرُ وَيُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِيْ لَدٰى وَلَدُنْ وَجَاءَ فِيْهِ لُغَاتٌ اُخَرُ لَدْنِ وَلُدْنِ وَلَدَنْ وَلَدْ وَلُدْ وَلُدُّ

ترجمہ: اور ان ظروف مبنیہ میں سے مذ و منذ ہیں اول مدت کے معنی میں اگر **متی** کے جواب کی صلاحیت رکھے جیسے **ما رئیتہٗ مذ او منذ یوم الجمعۃ** یعنی اس کو میں نے جمعہ کے دن سے نہیں دیکھا۔ اس شخص کے جواب میں جس نے کہا: **متی ما رئیت زیدًا ای اول مدۃ انقطاع رویتی ایاہٗ یوم الجمعۃ** یعنی اس کو میرے دیکھنے کے انقطاع کے شروع مدت جمعہ کا دن ہے اور تمام مدت کے معنی میں اگر **کم** کے جواب کی صلاحیت رکھے جیسے **ما رأیتہ مذ او منذ یومان** اس شخص کے جواب میں جس نے یہ کہا: **کم مدۃً ما رئیت زیدًا** یعنی تمام ایسی مدت کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا دو دن اور ان میں سے **لدی** اور **لدن عند** کے معنی میں ہیں جیسے **المال لدیک** اور فرق ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ بے شک **عند** میں حضور کی شرط نہیں لگائی جاتی اور وہ **لدی** اور **لدن** میں شرط لگائی جاتی ہے اور اس میں دوسری لغتیں بھی آئی ہیں: **لَدْنِ ولُدْنِ ولَدَنْ ولَدْ ولُدْ ولُدُّ**۔

تشریح: **وَمِنْهَا مُذْ وَمُنْذُ** یعنی ظروف مبنیہ میں سے **مذ** اور **منذ** ہیں اور **مذ** چونکہ خفیف ہے اس لئے کہ اس کو **منذ** پر مقدم کیا گیا اور ان دونوں کا استعمال دو طریقے پر ہوتا ہے ایک بطور حرف جر اور دوسرا بطور اسم، بتقدیر اول اس کا مبنی ہونا ظاہر ہے اور بتقدیر دوم وہ مبنی اس وجہ سے ہیں کہ وہ اس **مذ و منذ** کے مشابہ ہیں جو حرف جر ہیں، دوسری وجہ یہ بھی کہ وہ غایات کے ساتھ مشابہ ہیں، جس طرح غایات مقطوع الاضافت ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بھی مقطوع الاضافت ہوتے ہیں۔

بمعنی أَوَّلِ الْمُدَّةِ مذ اور منذ جب کہ دونوں اسم ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے دو دو معنی ہیں، ایک اول مدت اور دوسرا جمیع مدت یعنی کسی فعل کی شروع مدت یا فعل کی تمام مدت یعنی فعل کا وجود جتنے زمانہ میں ہوا ہو اس کو بتایا جائے۔ ہر ایک معنی کے مراد لینے پر قرینہ متن میں یہ مذکور ہے کہ مذ و منذ میں سے ہر ایک اگر متی کا جواب ہو سکتا ہے تو وہ اول مدت کے معنی میں ہے اور اگر کم کا جواب ہو سکتا ہے تو وہ جمیع مدت کے معنی میں ہے، چنانچہ ما رأیته مذ اور منذ یوم الجمعة چونکہ متی ما رئیت زیدًا کے جواب کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا اس میں مذ و منذ اول مدت کے معنی میں ہے، پس مثال مذکور کا معنی یہ ہوا: اول مدة انقطاع رویتی ایاہُ یوم الجمعة یعنی اس کو میرے دیکھنے کے انقطاع کی شروع مدت جمعہ کا دن ہے اور ما رأیته مذ اور منذ یومان چونکہ کم مدةً ما رئیت زیدًا کے جواب کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا اس میں مذ و منذ جمیع مدت کے معنی میں ہے، پس مثال مذکور کا معنی ہوا: جمیع مدة ما رأیته یومان یعنی تمام ایسی مدت کہ نہیں دیکھا میں نے اس کو دو دن سے۔

وَمِنْهَا لَدٰی وَلَدُنْ یعنی ظروف مبنیہ میں سے لدی بفتح لام بالف مقصورہ اور لَدُنْ بفتح لام وضم دال وسکون نون ہیں۔ دونوں بمعنی عند ہیں لیکن فرق عند اور لدی ولدن میں یہ ہے کہ عند میں حضور شرط نہیں یعنی شئی کا مدخول مخاطب کے پاس ہونا کوئی ضروری نہیں، چنانچہ المال عندك اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ مخاطب کے پاس مال موجود ہو اور اس وقت بھی جب کہ خزانہ یا مکان میں ہو برخلاف لدی ولدن کہ اس میں حضور شرط ہے، لہٰذا المال لدیك اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ مال مخاطب کے پاس موجود ہو۔

وَجَاءَ فِیْهِ: فیه میں ضمیر مجرور کا مرجع لدن ہے یعنی لدی میں، اگر چہ صرف ایک لغت ہے لیکن لدن میں دوسری چھ لغتیں ہیں: (۱) لَدْنِ بفتح لام وسکون دال وکسر نون (۲) لَدَنْ بفتح لام ودال وسکون نون (۳) لُدْ بضم لام وسکون دال (۴) لَدُ بفتح لام وضم دال (۵) لَدْ بفتح لام وسکون دال (۶) لُدُ بضم لام وضم دال۔ ان کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض تو قلت بناء کی وجہ سے حرف کے مشابہ ہیں اور بعض اُن پر محمول ہیں۔

وَمِنْهَا قَطُّ لِلْمَاضِي الْمَنْفِيِّ نَحْوُ مَا رَأَیْتُهُ قَطُّ وَمِنْهَا عَوَضُ لِلْمُسْتَقْبِلِ الْمَنْفِيِّ نَحْوُ لَا أَضْرِبُهُ عَوَضُ وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا أُضِيْفَ الظُّرُوْفُ إِلَى الْجُمْلَةِ أَوْ إِلٰى إِذْ جَازَ بِنَاؤُهَا عَلَى الْفَتْحِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ وَكَيَوْمَئِذٍ وَحِيْنَئِذٍ وَكَذٰلِكَ مِثْلُ وَغَيْرُ مَعَ مَا وَأَنْ وَأَنَّ تَقُوْلُ ضَرَبْتُهُ مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ وَغَيْرَ أَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ وَمِنْهَا أَمْسِ بِالْكَسْرِ عِنْدَ أَهْلِ الْحِجَازِ

ترجمہ: اور ظروف مبنیہ میں سے قط ہے ماضی منفی کے لئے جیسے ما رأیته قط یعنی میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا اور ان میں سے عوض ہے مستقبل منفی کے لئے جیسے لا اضربه عوض یعنی میں اس کو کبھی نہیں ماروں گا اور آپ جانیں کہ ظروف کی اضافت جب جملہ یا اذ کی طرف کی جائے تو جائز ہے، ان کی بناء فتح پر ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: هذا یوم ینفع

الصادقین صدقھم یعنی یہ دن سچوں کو نفع دے گا ان کا سچ اور یومئذ وحینئذ اور اسی طرح مثل اور غیر ہے ما اور أنْ اور انّ کے ساتھ آپ کہیں گے: ضربتہٗ یعنی میں نے مارا اس کو زید کے مارنے کی مانند اور سوائے اس کے کہ مارا زید نے اور ان میں سے أمسِ ہے سین کے کسرہ کے ساتھ اہل حجاز کے نزدیک۔

وَمِنْھَا قَطُّ ظروف مبنیہ میں سے قط ہے جو بفتح قاف وضم طاء مشددہ ہے، یہ مشہور لغت ہے دوسری لغت قُط بضم قاف و طاء مشددہ مضمومہ ہے اور تیسری لغت قَط بفتح قاف وسکون طاء، یہ اس قط کی مثل ہے جو اسم فعل ہے ماضی منفی عموم کے لئے۔ قط ماضی منفی کے لئے آتا ہے، چنانچہ ما ضربتہٗ قط کا معنی ہے: میں نے اس کو کبھی نہیں مارا اور قط کا ایک لغت چونکہ مخفف بھی گذرا اس لئے قلت بناء میں حروف کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس کو مبنی قرار دیا جاتا ہے اور دوسری لغتوں کو اسی پر حمل کیا گیا۔

وَمِنْھَا عوضُ یعنی ظروف مبنیہ میں سے عوض بفتح عین ہے اور وہ بضم عین بھی منقول ہے وہ مستقبل منفی کے لئے آتا ہے، چنانچہ لا اضربہٗ عوض کا معنی ہے: اس کو کبھی نہیں یعنی کسی زمانہ میں نہیں ماروں گا اور عوض کا مضاف الیہ چونکہ محذوف منوی ہوتا ہے اس لئے قبل و بعد کی طرح وہ بھی مبنی ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّہٗ اِذَا یعنی وہ ظروف جو جملہ کی طرف مضاف ہوں یا اذ کی طرف جو مضاف ہے جملہ کی طرف ان کا مبنی بر فتح ہونا جائز ہے کیونکہ ان ظروف میں بناء مضاف الیہ سے پیدا ہوتی ہے اگرچہ بواسطہ ہو جیسا کہ اِذْ میں ہے اس لئے کہ جملہ من حیث ھی ھی مبنی ہوتا ہے چنانچہ یوم ینفع الصادقین صدقھم اور یوم ینفخ فی الصور میں یوم جملہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مبنی بر فتح ہے اور یومئذ اور حینئذ میں یوم مبنی بر فتح ہے کہ وہ مضاف ہے اذ کی طرف اور حین بھی مبنی بر فتح ہے کہ وہ مضاف ہے اذ کی طرف اور اذ مضاف ہے جملہ کی طرف کیونکہ اصل عبارت یہ ہے: یوم اذ کان کذا اور حین اذ کان کذا جاز بناؤھا سے یہ اشارہ ہے کہ اس کا معرب ہونا بھی جائز ہے، چنانچہ ھذا یوم ینفع الخ میں یوم چونکہ ھذا کی خبر ہے، اس لئے اس کو مرفوع پڑھا جائے گا: وقس علیہ امثال الآخر۔

وَ کَذٰلِکَ مِثْلُ یعنی ظروف مذکورہ کی طرح لفظ مثل اور لفظ غیر بھی ہیں جبکہ ما یا انّ مثقلہ یا مخففہ کے ساتھ متصل ہوں وہ معرب و مبنی ہونے میں ظروف کی مانند ہیں کیونکہ وہ جملہ کی طرف مضاف ہونے میں ظروف کے مشابہ ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا مبنی بر فتح ہونا جائز ہے اور معرب ہونا بھی، چنانچہ کہا جائے گا: ضربتہٗ مثل مَا ضرب زیدٌ اور ضربتہٗ مثل ان ضرب زیدٌ اور ضربتہٗ غیر ان ضرب زیدٌ اور ضربتہٗ غیر ما ضرب زیدٌ اور ضربتہٗ غیر ما ضرب زیدٌ۔

وَمِنْھَا اَمْسِ بِالْکَسْرِ یعنی ظروف مبنیہ میں سے أمسِ بالکسر بھی ہے جو بمعنی گذشتہ کل ہے، بعض کے نزدیک وہ کسرہ پر مبنی و معرفہ ہے اور بعض کے نزدیک معرب و معرفہ ہے لیکن جب اس کو مضاف کیا جائے یا اس پر لام داخل ہو یا نکرہ کیا جائے تو وہ ہر ایک کے نزدیک بالاتفاق معرب ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: مضی أمسًا۔ مضی الامس المبارک۔ کل غد

صار امسا۔

وَالْخَاتِمَةُ فِي سَائِرِ اَحْكَامِ الْاِسْمِ وَلَوَاحِقِهِ غَيْرَ الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ وَفِيْهَا فُصُوْلٌ۔

ترجمہ: اور خاتمہ اسم کے باقی احکام اور اس کے ساتھ ملنے والی چیزوں کے بیان میں ہے اعراب و بناء کے علاوہ اور اس میں چند فصلیں ہیں۔

تشریح: **وَالْخَاتِمَةُ** اسم کے دو باب جو اسم معرب اور اسم مبنی کے متعلق ہیں ان دونوں کے بیان سے جب فارغ ہو چکے تو اب خاتمہ کو بیان کیا جاتا ہے، جو اسم کے باقی احکام اور اعراب و بناء کے علاوہ اس کے ساتھ ملنے والی چیزوں کے بیان میں ہے۔ **سائر** ماخوذ ہے **سور** سے جو بمعنی **بقیۃ ما اُکِل** کو کہا جاتا ہے یعنی جو چیز کھائی جائے اس کا بقیہ، پس **سائر** بمعنی باقی ہوا اور **غیر الاعراب والبناء** صفت ہے احکام الاسم کی۔

فصل: اِعْلَمْ اَنَّ الْاِسْمَ عَلٰى قِسْمَيْنِ مَعْرِفَةٌ وَنَكِرَةٌ اَلْمَعْرِفَةُ اِسْمٌ وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ وَهِيَ سِتَّةُ اَقْسَامٍ اَلْمُضْمَرَاتُ وَالْاَعْلَامُ وَالْمُبْهَمَاتُ اَعْنِيْ اَسْمَاءَ الْاِشَارَاتِ وَالْمَوْصُوْلَاتِ وَالْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ وَالْمُضَافُ اِلٰى اَحَدِهَا اِضَافَةً مَّعْنَوِيَّةً وَالْمُعَرَّفُ بِالنِّدَاءِ

ترجمہ: یہ فصل ہے آپ جانیں کہ اسم دو قسموں پر ہے: معرفہ اور نکرہ۔ معرفہ وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو شئ معین کے لئے اور وہ چھ قسمیں ہیں: مضمرات اور اعلام اور مبہمات مراد لیتا ہوں اسماء اشارات اور اسماء موصولات اور معرف باللام اور مضاف ہو، ان میں سے کسی ایک کی طرف، اضافت معنویہ اور نداء کے ساتھ معرفہ کیا ہوا۔

تشریح: **اِعْلَمْ اَنَّ الْاِسْمَ** یعنی اسم کی دو قسمیں ہیں: ایک معرفہ اور دوسری نکرہ اور معرفہ چونکہ مطلوب اصلی اور کثیر الاستعمال ہوتا ہے اس لئے معرفہ کو نکرہ پر مقدم کیا گیا کہ معرفہ وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو معین چیز کے لئے۔ تعریف میں وضع شئ بمنزلہ جنس ہے جو نکرہ کو بھی شامل ہے اور معین بمنزلہ فصل ہے جس سے نکرہ خارج ہو جاتا ہے کیونکہ وہ شئ معین کے لئے وضع نہیں کیا جاتا اور شئ معین سے مراد عام ہے کہ فرد معین ہو جیسے **زید** اور **الرجل** اور **انا وانت** وغیرہ یا جنس معین ہو جیسے اسامہ کہ وہ جنس اسد کا علم ہے یا جملہ معینہ ہو کل افراد جنس یا بعض افراد جنس کا جیسے معرف بہ لام استغراق۔

سِتَّةُ اَقْسَامٍ استقراء کے طور پر معرفہ کی چھ قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) مضمرات جیسے **ھو۔ ھما۔ ھم** (۲) اعلام وہ جمع ہے علم کی جیسے زید و بکر وغیرہ (۳) مبہمات یعنی اسماء اشارات و اسماء موصولات جیسے **ھذا وھذان** وغیرہ **والذی والتی** وغیرہ اسماء اشارہ کو مبہمات اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر مشار الیہ کے مبہم رہتا ہے اسی طرح اسماء موصولات کہ وہ بھی صلہ کے بغیر مبہم رہتا ہے (۴) معرف بہ لام جیسے **الرجل** (۵) مضاف ان میں سے کسی ایک کی طرف اضافت معنویہ کے طور پر جیسے **غلامھا** اور **غلام زید** اور **غلام الذی عندی** (۶) معرفہ بہ حرف نداء جیسے **یا رجل**۔ معرفہ کی حقیقۃً سات قسمیں ہیں اور یہاں اس کی صرف چھ قسمیں بیان کی گئ

ہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ مبہمات جس میں اسم اشارہ و اسم موصول داخل ہیں اس کو یہاں ایک قسم شمار کیا گیا ہے جب کہ وہ دو قسمیں ہیں۔

وَالْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يَتَنَاوَلُ غَيْرَهُ بِوَضْعٍ وَاحِدٍ وَاَعْرَفُ الْمَعَارِفِ الْمُضْمَرُ الْمُتَكَلِّمُ نَحْوُ اَنَا وَنَحْنُ ثُمَّ الْمُخَاطَبُ نَحْوُ اَنْتَ ثُمَّ الْغَائِبُ نَحْوُ هُوَ ثُمَّ الْعَلَمُ ثُمَّ الْمُبْهَمَاتُ ثُمَّ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ ثُمَّ الْمُعَرَّفُ بِالنِّدَاءِ وَالْمُضَافُ فِي قُوَّةِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَلنَّكِرَةُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ كَرَجُلٍ وَفَرَسٍ۔

ترجمہ: اور علم وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو معین چیز کے لئے دراں حالیکہ وہ شامل نہ ہو اس کے غیر کو ایک وضع کے ساتھ اور معارف میں سب سے زیادہ معرفہ ضمیر متکلم ہے جیسے **انا** اور **نحن** پھر مخاطب جیسے **انت** پھر غائب جیسے **ھو** پھر علم پھر مبہمات پھر معرف بہ لام پھر معرف بہ نداء اور مضاف، مضاف الیہ کی منزل میں اور نکرہ وہ اسم ہے جو غیر معین چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے مرد اور گھوڑا۔

تشریح: **وَالْعَلَمُ مَا وُضِعَ** مضمرات اور مبہمات کی تعریف ماقبل میں گزری اور ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہونے کا معنی بھی ظاہر ہے اور معرف بہ لام اور معرف بہ نداء بھی چونکہ تعریف کا محتاج نہیں، اس لئے صرف **عَلَمْ** کی تعریف بیان کی گئی کہ وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو معین چیز کے لئے دراں حالیکہ وہ شامل نہ ہو اس کے غیر کو ایک وضع کے ساتھ۔ تعریف میں وضع شئی معین بمنزلۂ جنس ہے جو تمام معارف کو شامل ہے اور **لا یتناول** بمنزلۂ فصل ہے جس سے علم کے علاوہ تمام معارف خارج ہو گئے، اس تقدیر پر اعلام مشترکہ مثلاً زید جب کہ متعدد آدمیوں کا نام ہو، تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ وہ اگرچہ غیر کو شامل ہے لیکن ایک وضع سے نہیں بلکہ چند وضعوں سے۔

اَعْرَفُ الْمَعَارِفِ یعنی معرفوں میں سب سے زیادہ معرفہ ضمیر متکلم مثلاً **انا** و **نحن** ہے کیونکہ اس میں اشتباہ مخاطب کے نزدیک محال ہے، پھر اس کے بعد **اعرف** مخاطب مثلاً **انت** ہے کہ اس میں اشتباہ ممکن ہے پھر اس کے بعد **اعرف** غائب مثلاً **ھو** ہے، پھر علم جیسے زید و بکر وغیرہ، پھر مبہمات یعنی اسماء اشارہ و اسماء موصولہ مثلاً **ھذا** و **الذی** پھر معرف بہ لام مثلاً **الرجل** پھر معرف بہ ندا مثلاً **یا رجل**، پھر مضاف مراتب تعریف میں مضاف الیہ کی قوت و منزل میں اس لئے کہ مضاف میں تعریف مضاف الیہ سے حاصل ہوتی ہے۔

فصل: اَسْمَاءُ الْعَدَدِ مَا وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلٰى كَمِّيَّةِ آحَادِ الْاَشْيَاءِ وَاُصُوْلُ الْعَدَدِ اِثْنَتَا عَشَرَةَ كَلِمَةً وَاحِدَةٌ اِلٰى عَشَرَةٍ وَمِائَةٌ وَاَلْفٌ وَاسْتِعْمَالُهُ مِنْ وَاحِدٍ اِلٰى اِثْنَيْنِ عَلَى الْقِيَاسِ اَعْنِيْ لِلْمُذَكَّرِ بِدُوْنِ التَّاءِ وَلِلْمُؤَنَّثِ بِالتَّاءِ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ وَاحِدٌ وَفِيْ رَجُلَيْنِ اِثْنَانِ وَفِي امْرَاَةٍ وَاحِدَةٌ وَفِي امْرَاَتَيْنِ اِثْنَتَانِ وَثِنْتَانِ وَمِنْ ثَلٰثَةٍ اِلٰى عَشَرَةٍ عَلٰى خِلَافِ الْقِيَاسِ اَعْنِيْ لِلْمُذَكَّرِ بِالتَّاءِ تَقُوْلُ ثَلٰثَةُ رِجَالٍ اِلٰى عَشَرَةِ رِجَالٍ وَلِلْمُؤَنَّثِ بِدُوْنِهَا تَقُوْلُ ثَلٰثُ نِسْوَةٍ اِلٰى عَشْرِ نِسْوَةٍ

ترجمہ: اسماء عدد وہ اسم ہیں جو وضع کئے گئے ہیں تاکہ دلالت کرے چیزوں کے افراد کی مقدار پر اور اصول عدد بارہ کلمہ ہیں،

واحد سے لے کر عشرہ تک اور مائۃ والف اور اس کا استعمال واحد سے اثنتین تک قیاس پر مراد لیتا ہوں مذکر کے لئے تاء کے بغیر اور مؤنث کے لئے تاء کے ساتھ۔ آپ کہیں گے: ایک رجل میں واحد اور دو رجل میں اثنان اور ایک عورت میں واحدۃ اور دو عورتوں میں اثنتان وثنتان اور ثلاثۃ سے لے کر عشرہ تک قیاس کے خلاف پر مراد لیتا ہوں مذکر کے لئے تاء کے ساتھ آپ کہیں گے: ثلاثۃُ رجالٍ سے عشرۃُ رجالٍ تک اور مؤنث کے لئے تاء کے بغیر آپ کہیں گے: ثلٰثُ نسوۃٍ سے عشر نسوۃٍ تک۔

تشریح: اَسْمَاءُ الْعَدَدِ یعنی اسماء عدد وہ الفاظ ہیں جو وضع کئے گئے ہیں تا کہ افراد اشیاء کی مقدار پر دلالت کرے۔ اشیاء سے مراد معدودات ہیں اور احاد جمع احد بمعنی افراد ہیں اور کمیت بمعنی مقدار ہے اور اعداد اگرچہ لاتعداد ہیں لیکن اُصول بارہ کلمے ہیں اور باقی ان ہی بارہ سے متخرج ہیں، دس تو واحد سے عشر تک اور گیارھواں مائۃ اور بارھواں الف ہے۔

وَاسْتِعْمَالُهُ مِنْ وَّاحِدٍ: استعمالہ میں ضمیر مجرور کا مرجع عدد ہے، اس عبارت سے ہر عدد کی تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ ایک سے دو تک قیاس کے موافق ہے مذکر کے لئے تاء کے بغیر اور مؤنث کے لئے تاء کے ساتھ، یعنی واحد مذکر کے لئے لفظ واحد اور تثنیہ مذکر کے لئے لفظ اثنان اور واحد مؤنث کے لئے واحدۃ اور تثنیہ مؤنث کے لئے اثنتان وثنتان لیکن تین سے دس تک خلاف قیاس یعنی مذکر کے لئے تاء کے ساتھ جیسے ثلاثۃُ رجالٍ وعشرۃُ رجالٍ اور مؤنث کے لئے تاء کے بغیر جیسے ثلاثُ نسوۃٍ وعشر نسوۃٍ اس کی دلیل یہ ہے کہ جمع چونکہ باعتبار جماعت کے مؤنث ہے اس لئے عدد میں اس کی علامت تانیث لائی جاتی ہے تا کہ ممیز وتمیز میں مناسبت برقرار رہے اور مؤنث میں تین سے دس تک علامت تانیث نہیں لائی جاتی تا کہ مذکر ومؤنث میں فرق واضح رہے۔ اس کا برعکس اس لئے نہیں کیا گیا کہ ذکر تخلیق میں سابق ہے۔

وَبَعْدَ الْعَشَرَةِ تَقُوْلُ اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا وَاِثْنَا عَشَرَ رَجُلًا وَثَلٰثَةَ عَشَرَ رَجُلًا اِلٰى تِسْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا وَاِحْدٰى عَشَرَةَ اِمْرَاَةً اِثْنَتَا عَشَرَةَ اِمْرَاَةً وَثَلٰثَ عَشَرَةَ اِمْرَاَةً اِلٰى تِسْعَ عَشَرَةَ اِمْرَاَةً وَبَعْدَ ذٰلِكَ تَقُوْلُ عِشْرُوْنَ رَجُلًا وَعِشْرُوْنَ اِمْرَاَةً بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ اِلٰى تِسْعِيْنَ رَجُلًا وَاِمْرَاَةً وَاَحَدٌ وَعِشْرُوْنَ رَجُلًا وَاِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اِمْرَاَةً وَاِثْنَانِ وَعِشْرُوْنَ رَجُلًا وَاِثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اِمْرَاَةً وَثَلٰثَةٌ وَعِشْرُوْنَ رَجُلًا وَثَلٰثٌ وَعِشْرُوْنَ اِمْرَاَةً اِلٰى تِسْعَةٍ وَتِسْعِيْنَ رَجُلًا وَتِسْعٌ وَتِسْعِيْنَ اِمْرَاَةً ثُمَّ تَقُوْلُ مِائَةُ رَجُلٍ وَمِائَةُ اِمْرَاَةٍ وَاَلْفُ رَجُلٍ وَاَلْفُ اِمْرَاَةٍ وَمِائَتَا رَجُلٍ وَمِائَتَا اِمْرَاَةٍ وَاَلْفَا رَجُلٍ وَاَلْفَا اِمْرَاَةٍ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ

ترجمہ: اور عشرہ کے بعد آپ کہیں گے: احد عشر رجلًا واثنا عشر رجلًا اور ثلاثۃ عشر رجلًا سے تسعۃ عشر رجلًا تک اور احدٰی عشرۃ امراۃً واثنتا عشرۃ امراۃً اور ثلاث عشرۃ امراۃً سے تسع عشرۃ امراۃً تک اور اس کے بعد آپ کہیں گے: عشرون رجلًا وعشرون امراۃً مذکر ومؤنث کے درمیان فرق کے بغیر تسعون رجلًا

امراۃً تک اور احد وعشرون رجلًا واحدیٰ وعشرون امراۃً واثنان وعشرون رجلًا واثنتان وعشرون امراۃً تک پھر آپ کہیں گے: مائۃ رجلٍ ومائۃ امراۃٍ والف رجلٍ والف امراۃٍ ومائتا رجلٍ ومائتا امراۃٍ والف رجلٍ والفا امراۃٍ مذکر ومؤنث کے درمیان فرق کے بغیر۔

تشریح: وَبَعْدَ الْعَشَرَةِ یعنی عشرہ کے بعد مذکر کے لئے یہ کہا جائے گا: احد عشر رجلًا اور اثنا عشر رجلًا اور ثلاثۃ عشر رجلًا سے تسعۃ عشر رجلًا تک اسی طرح مؤنث کے لئے کہا جائے گا: احدیٰ عشرۃ امراۃً واثنتا عشرۃ امراۃً وثلاث عشرۃ امراۃً سے تسع عشرۃ امراۃً تک اس میں احد عشر سے اثنا عشر تک مذکر میں دونوں جزء میں تذکیر کے ساتھ اور مؤنث میں دونوں جزء کی تانیث کے ساتھ اور واحد کو احد اور واحدۃ کو احدیٰ کی طرف تخفیف کی وجہ سے تغیر کر دیا گیا ہے اور ثلاثۃ عشر سے تسعۃ عشر تک تاء کے جزء ثانی سے ساقط کر دیا گیا ہے اور مذکر میں جزء اول کے اندر ثابت کر دیا گیا ہے اور اس کا برعکس مؤنث میں۔

وَبَعْدَ ذٰلِكَ: ذلك کا مشار الیہ تسعۃ عشر ہے یعنی تسعۃ عشر کے بعد عشرون اور اس کے نظائر یعنی عشرون سے تسعون تک مذکر ومؤنث کے درمیان فرق کے بغیر یوں کہا جائے گا: عشرون رجلًا وعشرون امراۃً وثلاثون رجلًا وثلاثون امراۃً اور تسعون رجلًا واثنانِ وعشرون رجلًا اور مؤنث میں موافق قیاس مذکر میں کہا جائے گا: احد وعشرون رجلًا واثنان وعشرون رجلًا اور مؤنث میں کہا جائے گا: احدیٰ وعشرون امراۃً واثنتان وعشرون امراۃً اور جزء اول میں خلافِ قیاس مذکر میں کہا جائے گا: ثلاثۃ وعشرون رجلًا واربعۃ وعشرون رجلًا اور تسعۃ وتسعون رجلًا تک اور خلافِ قیاس مؤنث میں کہا جائے گا: ثلاث وعشرون امراۃً واربع وعشرون امراۃً وتسع وتسعون امراۃً تک۔

ثُمَّ تَقُوْلُ یعنی مائۃ والف مذکر ومؤنث دونوں میں کوئی فرق نہیں، چنانچہ کہا جائے گا: مائۃُ رجلٍ ومائۃ امراۃٍ والفُ رجلٍ والفُ امراۃٍ ومائتا رجلٍ ومائتا امراۃٍ والفا رجلٍ والفا امراۃٍ مذکر ومؤنث دونوں میں برابر ہیں۔

فَإِذَا زَادَ عَلَى الْمِائَةِ وَالْأَلْفِ يُسْتَعْمَلُ عَلٰى قِيَاسِ مَا عَرَفْتَ وَيُقَدَّمُ الْأَلْفُ عَلَى الْمِائَةِ وَالْمِائَةُ عَلَى الْآحَادِ وَالْآحَادُ عَلَى الْعَشَرَاتِ تَقُوْلُ عِنْدِيْ أَلْفٌ وَمِائَةٌ وَاحَدٌ وَّعِشْرُوْنَ رَجُلًا وَأَلْفَانِ وَمِائَتَانِ وَاثْنَانِ وَعِشْرُوْنَ رَجُلًا وَأَرْبَعَةُ آلَافٍ وَتِسْعُ مِائَةٍ وَخَمْسٌ وَّأَرْبَعُوْنَ امْرَأَةً وَعَلَيْكَ بِالْقِيَاسِ۔

ترجمہ: پس جب مائۃ اور الف پر زیادہ ہو تو اس کے قیاس پر استعمال کیا جاتا ہے جو آپ نے پہچانا اور الف کو مائۃ پر مقدم کیا جاتا ہے اور مائۃ کو احاد پر اور احاد کو عشرات پر، آپ کہیں گے: عندی الف ومائۃ یعنی میرے پاس ایک ہزار ایک سو اکیس مرد ہیں اور دو ہزار دو سو بائیس مرد ہیں اور چار ہزار نو سو پینتالیس عورت ہیں اور اپنے اُوپر قیاس کو لازم پکڑ لیں۔

تشریح: فَاِذَا زَادَ: زادَ فعل کا فاعل چونکہ عدد ہے اس لئے معنی یہ ہوا کہ عدد جب کہ مائۃ اور الف پر زائد ہو اور ان دونوں سے تثنیہ و جمع پیدا ہوں تو اس کا استعمال اسی طور پر کیا جائے گا جو ماقبل میں گزرا کہ واحد واثنان میں موافق قیاس ہوگا یعنی مائۃ وواحد رجل ومائۃ واثنا رجلٍ اور مائۃ واحدی امرأۃٍ ومائۃ واثنتا امرأۃٍ اور ثلاثہ سے تسعۃ تک خلافِ قیاس ہوگا یعنی مائۃٌ وثلاثۃِ رجالٍ ومائۃٌ وثلاثِ نسوۃٍ اسی طرح مائۃ واحد عشر رجلًا ومائۃ واحدی عشرۃ رجلًا ومائۃ واحدی عشرۃ امرأۃً یہی حال مائۃ والف کے تثنیہ و جمع کا ہے ان تمام صورتوں میں عدد زائد کا عطف مائۃ پر ہوگا جب کہ اُس کا برعکس بھی جائز ہے یعنی واحد ومائۃ رجل وغیرہ۔

یُقَدَّمُ الْاَلْفُ یعنی الف کو مائۃ پر مقدم کیا جائے گا اور مائۃ کو احاد پر اور احاد کو عشرات پر یعنی پہلے الف کو بیان کیا جائے گا پھر مائۃ کو پھر احاد کو اس کے بعد عشرات کو، چنانچہ کہا جائے گا: عندی الفٌ ومائۃ واحدٌ وعشرون رجلًا اور الفانِ ومائتانِ واثنانِ وعشرون رجلًا اور اربعۃُ آلافٍ وتسعُ مائۃٍ وخمس واربعون امرأۃً اس کا برعکس بھی جائز ہے مثلاً واحد والف ومائۃ وغیرہ۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْوَاحِدَ وَالْاِثْنَيْنِ لَا مُمَيِّزَ لَهُمَا لِاَنَّ لَفْظَ الْمُمَيِّزِ يُغْنِيْ عَنْ ذِكْرِ الْعَدَدِ فِيْهِمَا تَقُوْلُ عِنْدِيْ رَجُلٌ وَرَجُلَانِ وَاَمَّا سَائِرُ الْاَعْدَادِ فَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ مُمَيِّزٍ فَتَقُوْلُ مُمَيِّزُ الثَّلٰثَةِ اِلَى الْعَشَرَةِ مَخْفُوْضٌ مَجْمُوْعٌ تَقُوْلُ ثَلٰثَةُ رِجَالٍ وَثَلٰثُ نِسْوَةٍ اِلَّا اِذَا كَانَ الْمُمَيِّزُ لَفْظَ الْمِائَةِ فَحِيْنَئِذٍ يَكُوْنُ مَخْفُوْضًا مُفْرَدًا تَقُوْلُ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَتِسْعُ مِأَةٍ وَالْقِيَاسُ ثَلٰثُ مِاٰتٍ اَوْ مِئِيْنَ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ واحد اور اثنین ان دونوں کا ممیز نہیں، اس لئے کہ لفظ ممیز کو عدد کے ذکر سے بے پرواہ کر دیتا ہے اور ان دونوں میں آپ کہیں گے: عندی رجلٌ ورجلانِ یعنی میرے پاس ایک مرد ہے اور دو مرد ہیں اور لیکن باقی اعداد تو ضروری ہے اس کے لئے ممیز کا ہونا، پس آپ کہیں گے: ثلاثۃ کا ممیز عشرتک مجرور مجموع آپ کہیں گے: ثلاثۃُ رجالٍ وثلاثُ نسوۃٍ مگر جب کہ ممیز لفظ مائۃ ہو تو اس وقت مجرور مفرد ہوگا آپ کہیں گے: ثلاثُ مائۃٍ وتسعُ مائۃٍ اور قیاس ثلاث ماتٍ یا مئین ہے۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّ الْوَاحِدَ اس سے قبل اسماء عدد کے طریقۂ استعمال کا بیان تھا اور جب اس سے فارغ ہو چکے تو اب اس کی تمیزوں کو بیان کیا جاتا ہے کہ واحد اور اثنان اور واحدۃ اور اثنتان کی تمیز نہیں لائی جاتی کیونکہ تمیز کا ذکر ہی عدد کے ذکر سے بے پرواہ کر دیتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: عندی رجلٌ وعندی رجلانِ برخلاف دوسرے اعداد کہ اس کی تمیز ضروری ہے کیونکہ تمیز سے مقصود یہ ہے کہ اجمال کے بعد تفصیل حاصل ہو اور وہ یہاں موجود ہے برخلاف واحد واثنانِ کہ اس میں اجمال کے بعد تفصیل نہیں ہوتی۔

فَتَقُوْلُ مُمَيِّزُ الثَّلٰثَةِ: ثلاثہ کی تمیز عشر تک مجرور اور مجموع لفظاً ومعناً دونوں ہوتی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ثلاثۃُ

رجالٍ وثلاثُ نسوۃٍ یا مجموع صرف معنا ہوتی ہے جیسے ثلاثۃُ رھطٍ وقومٍ ضمیر مجرور اس لئے ہوتی ہے کہ وہ کثیر استعمال میں عدد کا مضاف الیہ ہوتی ہے اور ظاہر ہے مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے اور مجموع اس لئے کہ ثلاثہ سے لے کر عشر تک جمع قلت ہے تو مناسب ہوا کہ تمیز کو جمع لایا جائے تا کہ عدد و معدود میں مطابقت برقرار رہے اور وہ جمعیت پر دلالت کرے۔

اِلَّا اِذَا کَانَ الْمُمَیِّزُ یعنی ممیز اگر ثلاثہ سے عشر تک ہو اور تمیز لفظ مائۃ ہو تو تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے جیسے ثلاثُ مائۃٍ وتسعُ مائۃٍ حالانکہ قیاس ثلاث مأتٍ یا ثلاث مئین ہونا چاہیے، لیکن مجرور اس لئے کہ وہ عدد کا مضاف الیہ ہے اور مفرد اس لئے کہ مائۃ کی ایک جمع مذکر سالم ہوتی ہے اور دوسری جمع مؤنث سالم ہوتی ہے لیکن مئون جمع مذکر سالم اس لئے نہیں کہ اضافت جمع مذکر سالم کی طرف جائز نہیں اور مأت جمع مؤنث سالم اس لئے نہیں کہ اس کی تمیز ہونے کی صورت میں چند تاء کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے ایک تاء مائۃ کا جو کہ تاء تانیث ہے اور دوسرا تاء جمع کا، تیسرا تاء مقدرہ جو کہ موافقت مائۃ سے ثلاثۃ میں ہوتی ہے، اس لئے تمیز کا مفرد ہونا ضروری ہے۔

وَمُمَیِّزُ اَحَدَ عَشَرَ اِلٰی تِسْعَةٍ وَتِسْعِیْنَ مَنْصُوْبٌ مُفْرَدٌ تَقُوْلُ اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا وَاِحْدٰی عَشَرَۃَ اِمْرَاَۃً وَتِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ رَجُلًا وَّتِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ اِمْرَاَۃً وَمُمَیِّزُ مِائَةٍ وَاَلْفٍ وَتَثْنِیَتُهُمَا وَجَمْعِ الْاَلِفِ مَخْفُوْضٌ مُفْرَدٌ تَقُوْلُ مِائَةُ رَجُلٍ وَمِائَةُ اِمْرَاَۃٍ وَاَلْفُ رَجُلٍ وَاَلْفُ اِمْرَاَۃٍ وَمِائَتَا رَجُلٍ وَمِائَتَا اِمْرَاَۃٍ وَاَلْفَا رَجُلٍ وَاَلْفَا اِمْرَاَۃٍ وَثَلٰثَةُ الٰافِ رَجُلٍ وَثَلٰثُ الٰافِ اِمْرَاَۃٍ وَقِسْ عَلٰی هٰذَا۔

ترجمہ: اور احد عشر کا ممیز تسعۃ وتسعین تک منصوب مفرد ہے، آپ کہیں گے: احد عشر رجلًا اور احدٰی عشرۃ امرأۃً اور تسعۃ وتسعون رجلًا اور تسع وتسعون امرأۃً اور مائۃ والف اور ان دونوں کے تثنیہ اور الف کی جمع اور الف کی جمع کا ممیز مجرور مفرد ہے، آپ کہیں گے: مائۃُ رجلٍ اور مائۃُ امرأۃٍ اور الفُ رجلٍ اور الفُ امرأۃٍ اور مائتا رجلٍ اور مائتا امرأۃٍ اور الفا رجلٍ اور الفا امرأۃٍ اور ثلاثۃُ الافِ رجلٍ اور ثلاثُ آلافِ امرأۃٍ اور اسی پر قیاس کریں۔

تشریح: مُمَیِّزُ اَحَدَ عَشَرَ یعنی احد عشر سے تسعۃ وتسعین تک کی تمیز منصوب ومفرد ہوتی ہے جیسے احد عشر رجلًا واحدٰی عشرۃ امرأۃً وتسعۃ وتسعون رجلًا وتسع وتسعون امرأۃً لیکن منصوب اس لئے کہ جر اضافت کی وجہ سے ہوتا ہے اور مد یہاں متعذر ہے اس لئے کہ اضافت سے یہ لازم آئے گا کہ تین کلمے مثل کلمۂ واحدہ کے ہوں، ظاہر ہے وہ قبیح ہے اور مفرد اس لئے کہ وہ اصل ہے اور جمع سے اخف ہے اور مقصود تمیز سے وہ تفسیر ہے اور وہ اس سے حاصل ہے، لہٰذا اس سے بلاضرورت عدول کی کوئی ضرورت نہیں۔

مُمَیِّزُ مِائَةٍ وَاَلْفٍ یعنی مائۃ والف کی تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے، چنانچہ کہا جائے گا: مائۃُ رجلٍ ومائۃُ امرأۃٍ والفُ رجلٍ والفُ امرأۃٍ ومائتا رجلٍ ومائتا امرأۃٍ والفا رجلٍ والفا امرأۃٍ وثلاثۃ آلافِ رجلٍ وثلاث

آلاف امرأۃٍ، لیکن مجرور اضافت کی وجہ سے ہوتا ہے اور مفرد اس لئے کہ **مائۃ** اور الف خود کثرت پر دلالت کرتے ہیں اور اسی طرح **مائۃ والف** کی تثنیہ اور الف کی جمع کا حال ہے نہ کہ **مائۃ** کی جمع کا اس لئے کہ **مائۃ** کی جمع کا استعمال مع اس کی تمیز کے متروک ہے، پس **ثلاث مائۃ رجل** نہیں کہا جائے گا۔

فصل: اَلْاِسْمُ اِمَّا مُذَکَّرٌ وَاِمَّا مُؤَنَّثٌ فَالْمُؤَنَّثُ مَا فِیْہِ عَلَامَۃُ التَّانِیْثِ لَفْظًا اَوْ تَقْدِیْرًا وَالْمُذَکَّرُ مَا بِخِلَافِہٖ وَعَلَامَۃُ التَّانِیْثِ ثَلٰثَۃٌ اَلتَّاءُ کَطَلْحَۃَ وَالْاَلِفُ الْمَقْصُوْرَۃُ کَحُبْلٰی وَالْاَلِفُ الْمَمْدُوْدَۃُ کَحَمْرَاءَ وَالْمُقَدَّرَۃُ اِنَّمَا ھُوَ التَّاءُ فَقَطْ کَاَرْضٍ وَدَارٍ بِدَلِیْلِ اُرَیْضَۃٍ وَدُوَیْرَۃٍ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے اسم آیا مذکر ہے یا مؤنث، پس مؤنث وہ ہے جس میں علامت تانیث لفظاً یا تقدیراً ہو اور مذکر وہ ہے جو اس کے خلاف ہو اور علامتِ تانیث تین ہیں۔ تاء جیسے طلحۃ اور الف مقصورہ جیسے **حُبْلٰی** اور الف ممدودہ جیسے حمراء اور علامتِ تانیث مقدرہ صرف تاء ہے جیسے **ارض** اور **دار**، **اُریضۃ** اور **دویرۃ** کی دلیل سے۔

تشریح: **اَلْاِسْمُ اِمَّا مُذَکَّرٌ** بحث عدد میں چونکہ مذکر و مؤنث کا ذکر ضمناً آیا تھا اس لئے یہاں اُس کے بعد ان دونوں کو قصداً او مستقلاً بیان کیا جاتا ہے کہ مذکر و مؤنث یہ دونوں اسم کی دو قسمیں ہیں: مؤنث وہ اسم ہے جس میں علامتِ تانیث لفظاً یا تقدیراً ہو اور مذکر وہ اسم ہے جو مذکور کے خلاف ہو۔ مذکر کو تقسیم میں مؤنث پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ مؤنث پر **خلقۃً ورتبۃً** مقدم ہے اور اس لئے بھی کہ مذکر کی تعریف عدمی ہے کیونکہ وہ نام ہے اس چیز کا جس میں علامت تانیث میں سے کچھ بھی نہ ہو اور ممکنات کا عدم اس کے وجود پر سابق ہوتا ہے لیکن تعریف میں مؤنث کو مذکر پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اختصار مطلوب حاصل ہو جائے۔

فَالْمُؤَنَّثُ مَا فِیْہِ یعنی مؤنث وہ اسم ہے جس میں علامت تانیث پائی جائے لفظاً ہو یا تقدیراً۔ لفظاً جیسے **طلحۃ** میں تاء علامت تانیث لفظوں میں ہے، تقدیراً جیسے ارض کہ وہ اصل میں **ارضۃ** تھا **اُریضۃ** کی دلیل سے۔ اسی طرح **دار** کہ وہ اصل میں **دارۃ** تھا **دویرۃ** کی دلیل سے کیونکہ تصغیر سے اسم اپنے اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ علامتِ لفظی سے مراد عام ہے کہ وہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔ حقیقۃً جیسے **امرأۃ** اور **ناقۃ**، حکماً جیسے عقرب کہ اُس کا چوتھا حرف تاء تانیث کے قائم مقام ہے کیونکہ اس کی تصغیر **عقیرب** آتی ہے اور جیسے حائض ایسی صفت ہے جو مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔

عَلَامَۃُ التَّانِیْثِ علامت تانیث تین ہیں: (۱) تاء جو حالت وقف میں ھا ہو جائے جیسے **طلحۃ** میں (۲) الف مقصورہ جو تین حرف کے بعد ہو اور الحاق کے لئے نہ ہو اور نہ محض زیادت کیلئے ہو جیسے **حبلٰی** میں الف مقصورہ علامت تانیث ہے لیکن **فتٰی** میں الف مقصورہ چونکہ دو حرف کے بعد ہے اور **ارطٰی** جو جعفر کے ساتھ ملحق ہے اور **کبعثرٰی** میں الف محض زیادت کیلئے ہے، لہٰذا وہ تینوں مؤنث نہیں (۳) الف ممدودہ یعنی وہ الف زائد جس کے بعد ہمزہ زائد ہو جیسے **حمراء** میں جو بمعنی سرخ رنگ کی عورت ہے۔

وَالْمُقَدَّرَةُ علامت تانیث میں صرف تاء مقدر ہوتی ہے اور باقی علامتیں ملفوظ ہوتی ہے اور وہ بھی مقدر سہ حرفی کلمات میں ہوتی ہے جیسے ارض و دار کہ ان کے اندر تاء تانیث مقدر ہوتی ہے کیونکہ اس کی تصغیر اریضة و دُویرة آتی ہے اس لئے کہ تصغیر سے اسماء کے تمام حروف ظاہر ہوجاتے ہیں۔

ثُمَّ الْمُؤَنَّثُ عَلٰی قِسْمَیْنِ حَقِیْقِیٌّ وَھُوَ مَا بِإِزَائِهٖ ذَكَرٌ مِّنَ الْحَيَوَانِ كَامْرَاةٍ وَنَاقَةٍ وَلَفْظِيٌّ وَهُوَ مَا بِخِلَافِهٖ كَظُلْمَةٍ وَعَيْنٍ وَقَدْ عَرَفْتَ اَحْكَامَ الْفِعْلِ إِذَا اُسْنِدَ إِلَى الْمُؤَنَّثِ فَلَا نُعِيْدُهَا۔

ترجمہ: پھر مؤنث دو قسموں پر ہے، حقیقی اور وہ مؤنث ہے جس کے مقابل میں حیوان مذکر ہو جیسے امراة و ناقة اور لفظی وہ مؤنث ہے جو اس کے خلاف ہو جیسے ظلمة و عین اور آپ نے فعل کے احکام کو پہچانا جب کہ مؤنث کی طرف مسند ہو تو ہم اُس کا اعادہ نہیں کریں گے۔

تشریح: ثُمَّ الْمُؤَنَّثُ مؤنث کی دو قسمیں ہیں: حقیقی و لفظی، حقیقی وہ مؤنث ہے جس کے مقابلہ میں حیوان مذکر ہو عام ہے، اس میں تاء لفظی ہو یا تقدیری۔ لفظی جیسے امراة کہ اس کے مقابل میں رجل ہے۔ تقدیری جیسے ھند میں اور لفظی وہ مؤنث ہے جو حقیقی کے خلاف ہو یعنی وہ مؤنث ہے جس کے مقابلہ میں حیوان مذکر نہ ہو، وہ بھی عام ہے کہ لفظی حقیقی ہو یا لفظی تقدیری، حقیقی جیسے ظلمة کہ اُس کے مقابل میں کوئی حیوان مذکر نہیں اور تقدیری جیسے عین کہ اس میں تاء مقدر ہے، اس دلیل سے کہ اس کی تصغیر عیینة آتی ہے اور تصغیر سے اسم کی اصل ظاہر ہو جاتی ہے۔

وَقَدْ عَرَفْتَ اَحْكَامَ یعنی فاعل کی بحث میں جب فعل کے احکام معلوم ہو گئے تو اب ان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ شئی کا اعادہ تکرار کو واجب کرتا ہے جو قبیح ہے اور لیکن مؤنث حقیقی کی تعریف کا اعادہ اس کو بحث فاعل میں ذکر کرنے کے بعد تکرار کو واجب نہیں کرتا کیونکہ وہاں اس کا ذکر ضمناً تھا اور یہاں اُس کا ذکر قصداً و مستقلاً ہے۔

فصل: اَلْمُثَنّٰى اِسْمٌ اُلْحِقَ بِاٰخِرِهٖ اَلِفٌ اَوْ يَاءٌ مَفْتُوْحٌ مَا قَبْلَهَا وَنُوْنٌ مَّكْسُوْرَةٌ لِيَدُلَّ عَلٰى اَنَّ مَعَهٗ اٰخَرُ مِثْلَهٗ نَحْوُ رَجُلَانِ وَرَجُلَيْنِ هٰذَا فِي الصَّحِيْحِ اَمَّا الْمَقْصُوْرُ فَاِنْ كَانَتْ اَلِفُهٗ مُنْقَلِبَةً عَنْ وَاوٍ وَكَانَ ثُلَاثِيًّا رُدَّ اِلٰى اَصْلِهٖ كَعَصَوَانِ فِيْ عَصًا وَاِنْ كَانَتْ عَنْ يَاءٍ اَوْ وَاوٍ وَهُوَ اَكْثَرُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ اَوْ لَيْسَتْ مُنْقَلِبَةً عَنْ شَيْءٍ تُقْلَبُ يَاءً كَرَحَيَانِ فِيْ رَحًى وَمَلْهَيَانِ فِيْ مَلْهًى وَحُبَارَيَانِ فِيْ حُبَارٰى وَحُبْلَيَانِ فِيْ حُبْلٰى

ترجمہ: یہ فصل ہے مثنیٰ کے بیان میں اور وہ اسم ہے جس کے آخر میں لاحق کیا گیا ہو الف یا یاء اُس کے ماقبل مفتوح اور نون مکسور تا کہ وہ دلالت کرے اس امر پر کہ اس کے ساتھ اس کی مانند دوسرا ہے جیسے رجلان اور رجلین یہ اسم صحیح میں ہے لیکن اسم مقصور تو اگر اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے اور وہ ثلاثی ہو تو اپنے اصل کی طرف لوٹایا جائے گا جیسے عصوان عصًا میں اور اگر وہ یاء یا واؤ سے بدلا ہوا ہو تو وہ تین حروف سے زائد ہو یا وہ کسی شئی سے بدلا ہوا نہ ہو تو یاء سے بدلا جائے گا جیسے رحیان رحٰی میں اور ملھیان ملھٰی میں اور حباریان حبارٰی میں اور حبلیان حبلٰی میں۔

تشریح: اَلْمُثَنّٰی اِسْمٌ اسم کی تقسیم جو ماقبل میں گزری وہ تذکیر و تانیث تھی اور یہاں اس کی تقسیم باعتبار افراد و تثنیہ و جمع بیان کی جاتی ہے کہ اسم تین قسموں پر ہے مفرد و مثنیٰ و مجموع اور ان میں سے مثنیٰ و مجموع چونکہ فرع ہیں اور مفرد اصل، اس لئے یہاں فرع کو بیان کیا جاتا ہے کہ جس سے مفرد جو اصل ہے اُس کا علم حاصل ہو جائے۔ مثنیٰ کو مجموع پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ مثنیٰ کا عدد سابق ہے مجموع کے عدد پر اور اس لئے بھی کہ وہ مفرد سے قریب ہے اور اس لئے بھی کہ وہ باعتبار مجموع کے کثیر الوقوع ہے۔

اِسْمٌ اُلْحِقَ یعنی مثنیٰ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسور لاحق ہوتا کہ وہ اس امر پر دلالت کرے کہ اس کے ساتھ اس کی مانند دوسرا ہے جیسے رجلان اور رجلین اور الف یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسور کا الحاق بغیر کسی تغیر و تبدل کے اسم صحیح میں ہوتا ہے، لیکن اسم منقوص اور اسم ممدود وغیرہ میں الحاق مذکور کے وقت کچھ نہ کچھ تغیر ضرور ہوتا ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے لیکن الحاق مذکور بغیر کسی تغیر کے جس طرح اسم صحیح میں ہوتا ہے، اسی طرح جاری مجریٰ صحیح اور منقوص یائی میں ہوتا ہے، اگرچہ متن میں صرف صحیح مذکور ہے۔

اَمَّا الْمَقْصُوْرُ یعنی ہر وہ اسم مقصور کہ جس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہو اور ثلاثی ہو، تثنیہ کے وقت اس الف کو اصل کی طرف ردّ کر دیا جائے گا یعنی الف کو واؤ سے بدل دیا جائے گا کہ وہ اصل میں واؤ ہی تھا جیسے عصوان، عصا اور اگر ثلاثی سے زائد ہو اور اس کا الف یاء سے بدلا ہوا ہو جیسے اغشی میں، یا اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہو جیسے ملھی میں، یا وہ کسی سے بدلا ہوا نہ ہو جیسے حباری میں، یا ثلاثی ہو لیکن اس کا الف یاء سے بدلا ہوا ہو جیسے رحی میں، یا کسی چیز سے بدلا ہوا نہ ہو جیسے فتی میں۔ ان تمام صورتوں میں اس الف کو یاء سے بدل دیا جائے گا جیسے اغشی سے اغشیان اور ملھی سے ملھیان اور حباری سے حباریان اور رحی سے رحیان اور فتی سے فتیان۔

وَاَمَّا الْمَمْدُوْدُ فَاِنْ کَانَتْ ھَمْزَتُہٗ اَصْلِیَّۃً تَثْبُتُ کَقُرَّاۤئَانِ فِیْ قُرَّاۤءٍ وَاِنْ کَانَتْ لِلتَّانِیْثِ تُقْلَبُ وَاوًا کَحَمْرَاوَانِ فِیْ حَمْرَاۤءَ وَاِنْ کَانَتْ بَدَلًا مِنْ اَصْلٍ وَاوًا اَوْ یَاۤءً جَازَ فِیْہِ الْوَجْھَانِ کَکِسَاۤوَانِ وَکِسَاۤئَانِ وَیَجِبُ حَذْفُ نُوْنِہٖ عِنْدَ الْاِضَافَۃِ تَقُوْلُ جَاۤءَنِیْ غُلَامَا زَیْدٍ وَمُسْلِمَا مِصْرٍ وَکَذٰلِکَ تُحْذَفُ تَاۤءُ التَّانِیْثِ فِیْ تَثْنِیَۃِ الْخُصْیَۃِ وَالْاِلْیَۃِ خَاصَّۃً تَقُوْلُ خُصْیَانِ وَاِلْیَانِ لِاَنَّھُمَا مُتَلَازِمَانِ فَکَاَنَّھُمَا شَیْءٌ وَاحِدٌ

ترجمہ: اور لیکن اسم ممدود تو اگر اس کا ہمزہ اصلی ہو تو ثابت رکھا جائے گا جیسے قُرَّاۤئَانِ قُرَّاۤءٌ میں اور اگر وہ تانیث کے لئے ہو تو واؤ سے بدلا جائے گا جیسے حمراوان حمراء میں اور اگر وہ ہمزہ سے بدلا ہوا اصل سے دراں حالیکہ واؤ ہو یا یاء تو اس میں دو وجہ جائز ہیں جیسے کساوان و کسائان اور واجب ہوتا ہے اضافت کے وقت اس کے نون کا حذف جیسے جاء نی غلاما زید ومسلما مصر اور اسی طرح خصیۃ والیۃ کی تثنیہ میں خصوصاً تاء تانیث حذف کی جاتی ہے، آپ کہیں گے: خصیان والیان کیونکہ دونوں متلازم ہیں، پس گویا دونوں شئی واحد ہیں۔

تشریح: وَاَمَّا الْمَمْدُوْدُ یعنی اسم کے آخر میں اگر الف ممدودہ ہو تو تثنیہ کے وقت ہمزہ ثابت رکھا جائے گا بشرطیکہ وہ ہمزہ اصلی

ہو یعنی زائدہ نہ ہو اور نہ اصلی سے بدلا ہوا ہو جیسے قُرَّاء بضم قاف وتشدید راء سے قرّان اور اگر ہمزہ تانیث کے لئے ہو تو تثنیہ کے وقت واؤ سے بدلا جائے گا اس لئے کہ واؤ ثقالت میں ہمزہ کے قریب ہے جیسے حمراء سے حمراوات اور اگر ہمزہ نہ اصلی ہو اور نہ تانیث کے لئے ہو بلکہ بدلا ہوا ہو حرف اصلی یعنی مثلاً واؤ سے جیسے کساء کہ اس کی اصل کساو ہے یا مثلاً وہ حرف اصلی یاء ہو جیسے رداء کہ اس کی اصل ردای ہے تو ایسی صورت میں دو وجہ جائز ہیں ایک یہ کہ ہمزہ کو ثابت رکھا جائے اور دوسری یہ کہ واؤ سے بدلا جائے جیسے کساان اور کساوان۔

وَيُحْذَفُ نُونُهُ یعنی اضافت کے وقت نون کو گرا دیا جاتا ہے اس لئے کہ نون کلمہ کے تمام ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اسم تام تغیر کے بغیر مضاف نہیں ہوتا، چنانچہ کہا جائے گا: جاءنی غلاما زیدٍ وجاءنی مسلما مصرٍ۔

كَذٰلِكَ تُحْذَفُ یعنی مثنیٰ کے نون کی طرح خصوصاً خصیۃ اور الیۃ کی تاء تانیث کو تثنیہ کے وقت حذف کر کے جیسے خصیانِ اور الیانِ کہا جاتا ہے اور ان کی اس تاء کا حذف خلافِ قیاس ہے جب کہ تاء کو باقی رکھنا قیاس کے موافق ہے جیسے شجرۃ سے شجرتان۔ خصیان اور الیان سے تاء کو حذف اس لئے کیا جاتا ہے کہ خصیۃ مرد کے آلۂ تناسل کی بیچ کو کہا جاتا ہے اور الیۃ چوتڑ کو اور ظاہر ہے ہر مرد میں دو خصیہ ہوتے ہیں، اسی طرح ہر انسان میں دو رانیں ہوتی ہیں، ایک خصیہ چونکہ دوسرے خصیہ کو لازم ہے اور اسی طرح ایک ران دوسری ران کو لازم ہے، اس لئے ہر ایک شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلہ مفرد ہو گیا تو اگر اس میں تاء کو محفوظ رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ مفرد حکمی کے وسط میں تاء تانیث ہو اور وہ ممنوع ہے، کیونکہ تاء تانیث کلمہ مفردہ کے وسط میں نہیں آتی۔

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ اِذَا اُرِيْدَ اِضَافَةُ مُثَنًّى اِلَى الْمُثَنّٰى يُعَبَّرُ عَنِ الْاَوَّلِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَفَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا وَذٰلِكَ لِكَرَاهَةِ اِجْتِمَاعِ تَثْنِيَتَيْنِ فِيْمَا تَاَكَّدَ الْاِتِّصَالُ بَيْنَهُمَا لَفْظًا وَمَعْنًا۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ جب ارادہ کیا جائے ایک مثنیٰ کی اضافت کا دوسرے مثنیٰ کی طرف تو اول کو لفظ جمع کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فقد صغت قلوبکما یعنی تحقیق کہ تم دونوں کے دل مائل ہوئے اور فاقطعوا ایدیھما یعنی آپ لوگ کاٹیں ان دونوں کے ہاتھ اور وہ بوجہ ناپسند ہونے دو تثنیوں کا جمع ہونا اس چیز میں کہ ان دونوں کے درمیان تعلق لفظ اور معنی کے اعتبار سے مضبوط ہو۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّهٗ اِذَا یعنی جب ایک مثنیٰ کو خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث، مرفوع ہو یا منصوب یا مجرور مضاف کیا جائے دوسرے مثنیٰ کی طرف تو مضاف کو لفظ جمع کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا جیسے قولِ باری تعالیٰ فقد صغت قلوبکما میں قلوب مضاف ہے اور کما مضاف الیہ، وہ اصل میں قلبان اور کما ہیں۔ مضاف کو جمع یعنی قلوب سے تعبیر کیا گیا، اسی طرح دوسری آیت فاقطعوا ایدیھما میں اور ایدی مضاف ہے اور ھما مضاف الیہ، وہ اصل میں ایدیین اور ھما ہے۔

فصل: اَلْمَجْمُوْعُ اِسْمٌ دَلَّ عَلٰى اٰحَادٍ مَّقْصُوْدَةٍ بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهٖ بِتَغَيُّرٍ مَّا اِمَّا لَفْظِيٌّ كَرِجَالٍ فِيْ رَجُلٍ اَوْ

تَقْدِيْرِيٌّ كَفُلْكٍ عَلٰى وَزْنِ اُسْدٍ فَاِنَّ مُفْرَدَهٗ اَيْضًا فُلْكٌ لٰكِنَّهٗ عَلٰى وَزْنِ قُفْلٍ فَقَوْمٌ وَرَهْطٌ وَنَحْوُهٗ وَاِنْ دَلَّ عَلٰى اٰحَادٍ لٰكِنَّهٗ لَيْسَ بِجَمْعٍ اِذْ لَا مُفْرَدَ لَهٗ

ترجمہ: یہ فصل ہے مجموع کے بیان میں۔ وہ اسم ہے جو افراد مقصودہ پر دلالت کرے، حروف مفردہ میں تھوڑے تغیر سے وہ تغیر آیا لفظی ہو جیسے **رجال، رجل** میں یا تقدیری ہو جیسے **فلک** بروزن **اسد** پس تحقیق کہ اُس کا مفرد بھی **فلک** ہے لیکن وہ قفل کے وزن پر ہے پس **فقوم ورهط** اور اس کی مثل اگرچہ احاد پر دلالت کرتے ہیں لیکن وہ جمع نہیں اس لئے کہ اُس کا کوئی مفرد نہیں۔

تشریح: **اَلْمَجْمُوْعُ** یعنی مجموع وہ اسم ہے جو حروف مفردہ میں تھوڑے تغیر سے افراد مقصودہ پر دلالت کرے اور وہ تغیر عام ہے لفظی ہو یا تقدیری۔ لفظی جیسے **رجال** جمع ہے **رجل** کی اور تقدیری جیسے **فلک** کہ اس کا مفرد بھی **فلک** ہے، مگر اس میں یہ تغیر ہے کہ مفرد کی حالت میں وہ قفل کے وزن پر ہے اور جمع کی حالت میں اسد کے وزن پر ہے اور تعریف میں احاد جمع احد بمعنی فرد ہے اور بحروف متعلق ہے ان کے قول **دَلَّ** کے ساتھ یا مقصودۃ کے ساتھ اور بتغیر **مّا** صفت ہے مفرد کی۔

فَقَوْمٌ وَرَهْطٌ اس عبارت سے حروف مفردہ کی قید کا فائدہ بیان کیا جاتا ہے کہ **قوم ورهط** اور اس کی مانند اسم جنس مثلاً **بقر، غنم، ابل** وغیرہ اگرچہ افراد مقصودہ پر دلالت کرتے ہیں مگر وہ جمع نہیں کیونکہ اُن کا کوئی مفرد نہیں کہ اُس کے حروف کے ساتھ احاد کا قصد کیا جائے۔

ثُمَّ الْجَمْعُ عَلٰى قِسْمَيْنِ مُصَحَّحٌ وَهُوَ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ بِنَاءُ وَاحِدِهٖ وَمُكَسَّرٌ وَهُوَ مَا يَتَغَيَّرُ فِيْهِ بِنَاءُ وَاحِدِهٖ وَالْمُصَحَّحُ عَلٰى قِسْمَيْنِ مُذَكَّرٌ وَهُوَ مَا اُلْحِقَ بِاٰخِرِهٖ وَاوٌ مَضْمُوْمٌ مَا قَبْلَهَا وَنُوْنٌ مَفْتُوْحَةٌ كَمُسْلِمُوْنَ اَوْ يَاءٌ مَكْسُوْرٌ مَا قَبْلَهَا وَنُوْنٌ كَذٰلِكَ لِيَدُلَّ عَلٰى اَنَّ مَعَهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ نَحْوُ مُسْلِمِيْنَ وَهٰذَا فِي الصَّحِيْحِ

ترجمہ: پھر جمع دو قسموں پر ہے۔ مصحح اور وہ جمع ہے جس کے واحد کا وزن متغیر نہ ہو اور مکسر وہ جمع ہے جس کے واحد کا وزن متغیر ہوا ہو اور مصحح دو قسموں پر ہے مذکر اور وہ جمع مصحح ہے جس کے آخر میں واؤ اُس کے ماقبل مضموم اور نون مفتوح لاحق ہوا ہو جیسے **مسلمون** یا یاء اس کے ماقبل مکسور اور نون مفتوح لاحق ہو، تاکہ وہ دلالت کرے اس امر پر کہ اس کے ساتھ اس سے اکثر ہے جیسے **مسلمین** اور یہ اسم صحیح میں ہے۔

تشریح: **ثُمَّ الْجَمْعُ عَلٰى قِسْمَيْنِ** یعنی جمع کی دو قسمیں ہیں: ایک مصحح جس کو جمع صحیح اور جمع سلامت یا سالم کہا جاتا ہے اور دوسری جمع مکسر، جس کو جمع غیر سالم اور غیر صحیح بھی کہا جاتا ہے۔ جمع صحیح وہ جمع ہے جس کے واحد کا وزن سلامت رہے اور جمع مکسر وہ جمع ہے جس کے واحد کا وزن سلامت نہ رہے۔ دونوں کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے لیکن مصحح کا اس لئے کہ وہ مفعول ہے تصحیح مصدر کا اور اس کی جمع میں واحد کا وزن صحیح و سالم رہتا ہے، اس لئے اس کا نام مصحح رکھا جاتا ہے لیکن مکسر کا اس لئے کہ وہ بھی اسم مفعول ہے باب تفعیل سے جس کا مصدر تکسیر بمعنی توڑنا ہے، اس کی جمع میں چونکہ واحد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے اس کا نام مکسر

یعنی ٹوٹا ہوا رکھا جاتا ہے۔
وَالْمُصَحَّحُ عَلٰی قِسْمَیْنِ یعنی جمع صحیح دو قسموں پر ہے، مذکر اور مؤنث۔ جمع صحیح مذکر وہ اسم صحیح ہے کہ اس کے واحد کے اخیر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح لاحق ہوتا کہ وہ لحوق اس امر پر دلالت کرے کہ واحد کے ساتھ واحد سے اکثر ہے جیسے **مسلمون** یا **مسلمین** کہ وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک مسلم کے ساتھ ایک مسلم سے زیادہ یعنی دو یا چند ہیں۔

اَمَّا الْمَنْقُوْصُ فَتُحْذَفُ یَاؤُهٗ مِثْلُ قَاضُوْنَ وَدَاعُوْنَ وَالْمَقْصُوْرُ یُحْذَفُ اَلِفُهٗ وَیُبْقٰی مَا قَبْلَهَا مَفْتُوْحًا لِیَدُلَّ عَلَی الْاَلِفِ مَحْذُوْفَةٍ مِثْلُ مُصْطَفَوْنَ وَیُخْتَصُّ بِاُوْلِی الْعِلْمِ وَاَمَّا قَوْلُهُمْ سِنُوْنَ وَاَرَضُوْنَ وَثُبُوْنَ وَقُلُوْنَ فَشَاذٌّ

ترجمہ: لیکن اسم منقوص تو اس کی یاء حذف کی جاتی ہے جیسے **قاضون** اور **داعون** اور اسم مقصور اس کا الف حذف کیا جاتا ہے اور اس کے ماقبل کو فتحہ کی حالت میں باقی رکھا جاتا ہے تاکہ وہ دلالت کرے الف محذوف پر جیسے **مصطفون** اور جمع مصحح مذکر علم والوں کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے اور لیکن ان لوگوں کا قول **سنون** اور **ارضون** اور **ثبون** اور **قلون** پس شاذ ہے۔

تشریح: **اَمَّا الْمَنْقُوْصُ** یعنی اسم منقوص وہ اسم ہے کہ جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو جیسے قاضی۔ اس کی جمع بنانے کے وقت یاء حذف ہو جاتی ہے جیسے **قاضون** کہ وہ اصل میں **قاضیون** تھا، یاء پر ضمہ دشوار جان کر اس کی حرکت کو ماقبل کی طرف نقل کر دیا گیا پس یاء کو التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ اسی قیاس پر **داعون** جمع **داع** کہ وہ اصل میں **داعیون** تھا۔

وَالْمَقْصُوْرُ اسم مقصور وہ اسم ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے **مصطفٰے** اس کی جمع بناتے وقت الف التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو جاتی ہے جیسے **مصطفون** کہ اس کی اصل **مصطفیون** تھا، یاء ماقبل مفتوح اس کو الف سے بدل دیا گیا تو التقاء ساکنین ہوا الف اور واؤ کے درمیان تو الف ساقط ہو گیا اور اس کے ماقبل مفتوح باقی رکھا گیا تاکہ وہ الف محذوف پر دلالت کرے۔

یُخْتَصُّ بِاُوْلِی الْعِلْمِ جمع صحیح مذکر یعنی جمع مذکر سالم کہ جس کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح لاحق ہوتا ہے علم والوں کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے یعنی وہ مفرد کہ جس میں وصفیت کا معنی نہ ہو اس کو جمع مذکر سالم بنانے کے لئے تین شرطیں ہیں، ایک علم والا ہونا اور دوسری مذکر ہونا اور تیسری عاقل ہونا یعنی جس کا اطلاق مذکر عالم بالغ پر ہو، اس کی جمع مذکر سالم لائی جاتی ہے۔ مذکر سے مراد وہ ہے جس میں تاء مطلقاً نہ ہو۔ نہ لفظاً جیسے **طلحة** اور نہ تقدیراً جیسے **ارض**۔

وَاَمَّا قَوْلُهُمْ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ **سِنون** بکسر سین جمع **سنة** بمعنی برس اور **ارضون** جمع **ارض** بمعنی زمین اور **ثبون** جمع **ثبة** بمعنی جماعت لوگوں کی اور **قلون** جمع **قلة** بمعنی گلی ڈنڈا۔ یہ کل جمع ہیں اسم مفرد مؤنث کی۔ ان کا اطلاق اگرچہ

ذی عقل پر نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ یعنی سنون و ارضون وثبون وقلون آتی ہے۔
جواب یہ کہ ان کی جمع واؤ نون کے ساتھ شاذ ہے یعنی قاعدہ مذکورہ کے خلاف منقول ہے۔

وَيَجِبُ اَنْ لَّا يَكُوْنَ اَفْعَلَ مُؤَنَّثُهٗ فَعْلَاءَ كَاَحْمَرَ وَحَمْرَاءَ وَلَا فَعْلَانَ مُؤَنَّثُهٗ فَعْلٰى كَسَكْرَانَ وَسَكْرٰى وَلَا فَعِيْلًا بِمَعْنٰى مَفْعُوْلٍ كَجَرِيْحٍ بِمَعْنٰى مَجْرُوْحٍ وَلَا فَعُوْلًا بِمَعْنٰى فَاعِلٍ كَصَبُوْرٍ بِمَعْنٰى صَابِرٍ وَيَجِبُ حَذْفُ نُوْنِهٖ بِالْاِضَافَةِ نَحْوُ مُسْلِمُوْ مِصْرٍ ۔

ترجمہ: اور واجب ہوتا ہے کہ ایسا افعل نہ ہو کہ اس کی مؤنث فعلاء ہے جیسے **احمر، حمراء** اور نہ ایسا فعلان ہو کہ جس کی مؤنث **فعلی** ہے جیسے **سکران** اور **سکری** اور نہ ایسا فعیل ہو جو بمعنی مفعول ہے جیسے **جریح** بمعنی مجروح اور نہ ایسا فعول ہو جو بمعنی فاعل ہے جیسے **صبور** بمعنی صابر اور اس کے نون کا حذف اضافت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جیسے **مسلمو مصرٍ**۔

تشریح: **يَجِبُ اَنْ لَّا يَكُوْنَ** یعنی مفرد اگر اسم صفت ہو یعنی جس میں وصفیت کا معنی ہو مثلاً اسم فاعل و اسم مفعول۔ اسم کی جمع مذکر سالم بنانے کے لئے سات شرطیں ہیں، تین تو وہی ہیں جو ماقبل میں گزریں اور وہ وجودی ہیں اور چار شرطیں عدمی ہیں اور وہ ایک یہ کہ وہ اسم صفت افعل کے وزن پر نہ ہو جس کا مؤنث فعلاء کے وزن پر آتا ہے جیسے **احمر** کہ اس کی مؤنث **حمراء** آتی ہے کیونکہ اس صفت کی جمع اگر واؤ نون کے ساتھ آئے تو دونوں افعل کے درمیان التباس پیدا ہو جائے گا دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم صفت فعلان کے وزن پر نہ ہو کہ اس کی مؤنث **فعلی** کے وزن پر آتی ہے جیسے **سکران** کہ اس کی مؤنث **سکری** آتی ہے کیونکہ اس فعلان کی جمع اگر واؤ نون کے ساتھ آئے تو **فعلان، فعلانة** میں التباس پیدا ہو جائے گا، پس التباس سے بچنے کے لئے فعلان کی جمع واؤ نون کے ساتھ نہ آئے گی۔ تیسری شرط یہ کہ وہ اسم صفت اس فعیل کے وزن پر نہ ہو جو مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسے **جریح** بمعنی مجروح۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ اسم صفت اس فعول کے وزن پر نہ ہو جو فاعل کے معنی میں آتا ہے جیسے صبور بمعنی صابر۔

حَذْفُ نُوْنِهٖ: **نونه** میں ضمیر مجرور کا مرجع جمع مذکر سالم ہے، اصل عبارت یہ ہے: **یجب حذف نون جمع المذکر السالم** یعنی اضافت کے وقت جمع مذکر سالم کے نون کو حذف کرنا واجب ہے جیسے **مسلمو مصرٍ** میں **مسلمو** اصل میں **مسلمون** تھا جب اس کی اضافت مصر کی طرف کی گئی تو نون کو حذف کر دیا گیا، پس **مسلمو مصرٍ** ہوا۔

وَمُؤَنَّثٌ وَهُوَ مَا اُلْحِقَ بِاٰخِرِهٖ اَلِفٌ وَتَاءٌ نَحْوُ مُسْلِمَاتٍ وَشَرْطُهٗ اِنْ كَانَ صِفَةً وَلَهٗ مُذَكَّرٌ اَنْ يَّكُوْنَ مُذَكَّرُهٗ قَدْ جُمِعَ بِالْوَاوِ وَالنُّوْنِ نَحْوُ مُسْلِمُوْنَ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ مُذَكَّرٌ فَشَرْطُهٗ اَنْ لَّا يَكُوْنَ مُؤَنَّثًا مُجَرَّدًا عَنِ التَّاءِ كَالْحَائِضِ وَالْحَامِلِ وَاِنْ كَانَ اِسْمًا غَيْرَ صِفَةٍ جُمِعَ بِالْاَلِفِ وَالتَّاءِ بِلَا شَرْطٍ كَهِنْدَاتٍ وَالْمُكَسَّرُ صِيْغَتُهٗ فِي الثُّلَاثِيِّ كَثِيْرَةٌ تُعْرَفُ بِالسِّمَاعِ كَرِجَالٍ وَاَفْرَاسٍ وَفُلُوْسٍ وَفِيْ غَيْرِ الثُّلَاثِيِّ عَلٰى وَزْنِ فَعَالِلَ وَفَعَالِيْلَ قِيَاسًا كَمَا عَرَفْتَ فِي التَّصْرِيْفِ

ترجمہ: اور جمع مؤنث ہے اور وہ جمع ہے کہ جس کے آخر میں الف اور تاء لاحق کیا گیا ہو جیسے **مسلمات** اور اس کی شرط اگر وہ اسم صفت ہو دراں حالیکہ اس کے لئے مذکر ہے یہ کہ اس کا مذکر جمع واؤ اور نون کے ساتھ بنایا گیا ہو جیسے **مسلمون** اور اگر اس کے لئے مذکر نہ ہو تو اس کی شرط یہ ہے کہ مؤنث نہ ہو تاء سے مجرد یعنی خالی کیا ہوا جیسے حائض اور حامل اور اگر اسم غیر صفت ہو تو الف اور تاء کے ساتھ جمع بنایا جائے کسی شرط کے بغیر جیسے **ھندات** اور جمع مکسر اُس کے صیغہ ثلاثی سے کثیر ہیں جو سماع سے پہچانے جاتے ہیں جیسے **رجال** اور **افراس** اور **فلوس** اور غیر ثلاثی میں **فعالل** اور **فعالیل** کے وزن پر ہے، قیاس کے اعتبار سے جیسا کہ آپ نے علم تصریف میں پہچانا۔

تشریح: **وَمُؤَنَّثٌ وَهُوَ** مؤنث کا عطف ماقبل میں مذکر پر ہے اور **ھو** کا مرجع جمع المؤنث الصحیح ہے یعنی جمع سالم کی دوسری قسم جمع مؤنث سالم ہے اور وہ جمع ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف اور تاء لاحق کیا گیا ہو جیسے **مسلمات** جمع **مسلمۃ** اور **ھندات** جمع **ھند** اور جمع مذکر سالم کی طرح اس کا مفرد بھی کبھی اسم صفت ہوتا ہے اور کبھی اس کا غیر۔ پس اگر اسم صفت ہو تو اس کی شرط جب کہ اس اسم مفرد کا مذکر ہو، یہ ہے کہ اس کے مذکر کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ لائی جاتی ہے جیسے **مسلمون** اور جب اس کے مفرد کا مذکر نہ ہو تو اس کی جمع مؤنث بنانے کی شرط یہ ہے کہ وہ لفظ تاء تانیث سے خالی نہ ہو کیونکہ مؤنث جو تاء سے خالی ہو اگر اس کی جمع الف و تاء کے ساتھ بنائی جائے تو التباس پیدا ہو جائے گا جیسے حائض و حامل کہ اس کی جمع حائضات و حاملات نہیں آتی بلکہ **ذوالتاء** یعنی **حائضۃ وحاملۃ** کی جمع **حائضات وحاملات** آتی ہے تو اگر حائض اور حامل کی جمع بھی **حائضات و حاملات** آئے تو التباس لازم آئے گا اور یہ معلوم نہ ہو گا کہ **حائضات وحاملات** جمع ہیں **حائضۃ وحاملۃ** کی یا حائض وحامل کی۔

خیال رہے کہ حائض زن بالغہ کو کہا جاتا ہے کہ جس میں حیض کی صلاحیت ہو اور **حائضۃ** اس عورت کو کہا جاتا ہے جو فی الحال حیض میں مبتلا ہو، اسی طرح حامل اس عورت کو کہا جاتا ہے جس میں حمل کی صلاحیت ہو اور حاملہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو فی الحال حمل میں مبتلا ہو۔

وَاِنْ كَانَ اِسْمًا غَيْرَ صِفَةٍ یعنی جمع مؤنث سالم کا مفرد اگر اسم صفت نہ ہو بلکہ اسم محض ہو تو اس صورت میں باعتبار شرط کے الف اور تاء کے ساتھ جمع لائی جائے گی جیسے **ھندات** جمع **ھند**۔

وَالْمُكَسَّرُ جمع مکسر یعنی وہ جمع جس میں واحد کا وزن سلامت نہ رہے جیسے رجال کہ وہ جمع ہے رجل کی۔ ظاہر ہے اس میں رجل کی صورت محفوظ نہیں۔ ثلاثی سے اُس کا وزن کثیر ہے جس کا علم سماع سے ہوتا ہے جیسے **رجال** جمع **رجل** اور **افراس** جمع فرس اور **فلوس** جمع فلس اور ثلاثی کے علاوہ یعنی غیر ثلاثی میں **قیاسًا** دو وزن پر جمع آتی ہے ایک **فعالل** کے وزن پر اور دوسرا **فعالیل** کے وزن پر جیسا کہ علم صرف میں ہے۔

فِي التَّصْرِيْفِ تصریف چونکہ علم صرف کا **عَلَمٌ** ہو گیا ہے اس لئے علم کو یہاں مقدر مانا گیا اور یہاں تصریف کہا گیا جبکہ لفظ

صرف زیادہ مشہور ہے، اس کی وجہ یہ کہ تصریف میں صرف سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے بہتر ہے اس لفظ کو بیان کیا جائے جو صرف سے زیادہ مبالغہ ہو کیونکہ علم تصریف وہ علم ہے جس میں تصرفات بکثرت واقع ہوتے ہیں۔

ثُمَّ الْجَمْعُ اَیْضًا عَلٰی قِسْمَیْنِ جَمْعُ قِلَّةٍ وَهُوَ مَا يُطْلَقُ عَلَى الْعَشَرَةِ فَمَا دُوْنَهَا وَاَبْنِيَتُهُ اَفْعُلٌ وَاَفْعَالٌ وَاَفْعِلَةٌ وَفِعْلَةٌ وَجَمْعَا الصَّحِيْحِ بِدُوْنِ اللَّامِ كَزَيْدُوْنَ وَمُسْلِمَاتٍ وَجَمْعُ كَثْرَةٍ وَهُوَ مَا يُطْلَقُ عَلٰى مَا فَوْقَ الْعَشَرَةِ وَاَبْنِيَتُهُ مَا عَدَا هٰذِهِ الْاَبْنِيَةِ۔

ترجمہ: پھر جمع بھی دو قسموں پر ہے ایک جمع قلت اور وہ جمع ہے جو دس یا اس سے کم پر بولی جاتی ہے اور اس کے وزن ہیں **افعلٌ** اور **افعالٌ** اور **افعِلةٌ** اور **فِعْلةٌ** اور دو جمع صحیح بغیر لام کے جیسے **زیدون** اور **مسلمات** اور جمع کثرت وہ جمع ہے جو دس سے زیادہ پر بولی جاتی ہے اور اس کے اوزان ان اوزان کے علاوہ ہیں۔

تشریح: **ثُمَّ الْجَمْعُ** ماقبل میں جمع کی تقسیم جو جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم اور جمع تکسیر کی طرف گزری وہ باعتبار لفظ ہے اور یہ تقسیم جو جمع قلت اور جمع کثرت کی طرف ہے باعتبار معنی ہے جس کا خلاصہ یہ کہ جمع کی دو قسمیں ہیں: ایک جمع قلت اور دوسری جمع کثرت۔ جمع قلت وہ جمع ہے جس کا اطلاق دس اور دس سے کم پر ہوتا ہے اور جمع کثرت وہ جمع ہے جس کا اطلاق دس سے اُوپر ہو۔ تعریف سے یہ ظاہر ہے کہ جمع قلت کا اطلاق دس پر ہوتا ہے کچھ لوگوں نے ان دونوں کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ جمع قلت وہ جمع ہے جس کا اطلاق تین سے دس تک ہو اور جمع کثرت وہ جمع ہے جس کا اطلاق دس سے غیر متناہی تک ہو۔ اس تقدیر پر جمع قلت کا اطلاق زیادہ سے زیادہ نو پر ہوتا ہے دس پر نہیں کیونکہ دس پر جمع کثرت کا اطلاق ہوتا ہے۔

وَاَبْنِيَتُهُ یعنی جمع قلت کے اوزان چھ ہیں اور ان کے علاوہ جتنے اوزان ہیں وہ سب جمع کثرت کے ہیں لیکن وہ چھ اوزان یہ ہیں: (۱) **اَفْعُلٌ** جیسے **اکلبٌ** جمع **کلبٌ** بمعنی کتا۔ (۲) **اَفْعَالٌ** جیسے اجسام جمع جسم (۳) **اَفْعِلَةٌ** جیسے **اَمْثِلَةٌ** جمع مثال (۴) **فِعْلَةٌ** جیسے **غِلْمَةٌ** جمع غلام۔ صحیح کی دو جمع، ایک (۵) جمع مذکر سالم بدون لام جیسے **مسلمون وزیدون** دوسری (۶) جمع مؤنث سالم بدون لام جیسے **مسلماتٌ**۔

فصل: اَلْمَصْدَرُ اِسْمٌ يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَقَطْ وَيُشْتَقُّ مِنْهُ الْاَفْعَالُ كَالضَّرْبِ وَالنَّصْرِ مَثَلًا وَاَبْنِيَتُهُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ غَيْرُ مَضْبُوْطَةٍ تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ وَمِنْ غَيْرِهٖ قِيَاسِيَّةٌ كَالْاِفْعَالِ وَالْاِنْفِعَالِ وَالْاِسْتِفْعَالِ وَالْفَعْلَلَةِ وَالتَّفَعْلُلِ مَثَلًا فَالْمَصْدَرُ اِنْ لَّمْ يَكُنْ مَفْعُوْلًا مُطْلَقًا يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهٖ اَعْنِيْ يَرْفَعُ الْفَاعِلَ اِنْ كَانَ لَازِمًا نَحْوُ اَعْجَبَنِيْ قِيَامُ زَيْدٍ وَيَنْصِبُ مَفْعُوْلًا اَيْضًا اِنْ كَانَ مُتَعَدِّيًا نَحْوُ اَعْجَبَنِيْ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًوا

ترجمہ: یہ فصل ہے مصدر کے بیان میں، مصدر وہ اسم ہے جو صرف حدث پر دلالت کرے اور جس سے افعال جیسے **ضرب** اور **نصر** مثال کے طور پر مشتق ہوتے ہیں اور ان کے اوزان ثلاثی مجرد سے غیر مضبوط ہیں وہ سماع سے پہچانے جاتے ہیں اور غیر

ثلاثی مجرد سے اس کے اوزان قیاسی ہیں، جیسے افعال اور انفعال اور استفعال اور فعللۃ
مصدر، اگر مفعول مطلق نہ ہو تو اپنے فعل کا عمل کرتا ہے یعنی فاعل کو رفع دیتا ہے اگر وہ لازم ہو
نصب بھی دیتا ہے مفعول کو، اگر وہ متعدی ہو جیسے اعجبنی ضرب زید عمروا۔

تشریح: المصدر اسم یعنی مصدر وہ اسم ہے جو صرف حدث پر دلالت کرے اور حدث
یعنی غیر سے صادر ہوتا ہے جیسے ضرب و نصر کہ وہ قائم بذاتہ نہیں بلکہ غیر یعنی زید و بکر وغیرہ کے ساتھ قائم
ہیں اور جیسے موت و جسامت وغیرہ کہ وہ زید وغیرہ کے ساتھ قائم ہیں لیکن اُن سے صادر نہیں۔
یشتق منہ یعنی مصدر سے افعال کا اشتقاق ہوتا ہے اور اشتقاق کہتے ہیں ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بنانے اور ان دونوں
کے درمیان لفظ و معنی میں مناسبت ہونے کو اور وہ مناسبت عام ہے کہ دونوں لفظوں کے درمیان مناسبت حروف و ترتیب دونوں
میں ہو جیسے ضرب ضرب سے یا صرف حروف میں مناسبت ہو ترتیب میں نہیں جیسے جلب اور جبذ میں کہ دوم اول سے
مشتق ہے یا صرف ترتیب میں مناسبت ہو حروف و مادہ میں نہیں جیسے نعق، نہق سے اول کو اشتقاق صغیر اور دوم کو اشتقاق
کبیر اور سوم کو اشتقاق اکبر کہا جاتا ہے اور یہاں اشتقاق سے مراد اشتقاق صغیر ہے۔
ابنیتہ من الثلاثی: ابنیتہ میں ضمیر مجرور کا مرجع مصدر ہے معنی یہ کہ مصدر کے اوزان ثلاثی مجرد سے مخصوص نہیں بلکہ
سماع پر موقوف ہیں۔ تتبع و تلاش سے سیبویہ نے بتیس تک کا قول کیے ہیں اور بعض نے پینتیس اور بعض نے چھتیس تک کہے
ہیں اور ثلاثی مجرد کے علاوہ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مجرد و مزید فیہ سے مصدر کے اوزان قیاسی ہیں، وہ مشہور یہ ہے کہ جس کا ماضی افعل
کے وزن پر ہو تو اس کا مصدر افعال کے وزن پر آتا ہے اور جس کا ماضی انفعل کے وزن پر ہو تو اس کا مصدر انفعال کے وزن
پر آتا ہے اور جس کا ماضی استفعل کے وزن پر ہو تو اس کا مصدر استفعال کے وزن پر آتا ہے اور جس کا ماضی فعلل کے
وزن پر ہو تو اس کا مصدر فعللۃ کے وزن پر آتا ہے اور جس کا ماضی تفعلل کے وزن پر ہو تو اس کا مصدر تفعلل کے وزن پر
آتا ہے، اسی طرح دوسرے اوزان ہیں۔
فالمصدر یعنی مصدر اگر مفعول مطلق نہ ہو تو اپنے جیسا عمل کرے گا یعنی فعل اگر لازم ہو تو وہ اپنے فاعل کو رفع دے گا جیسے
اعجبنی قیام زید میں قیام کو اضافت کے بغیر مرفوع اور زید کو بھی مرفوع پڑھنا جائز ہے، مصدر لازم ہے جو فاعل یعنی
زید کو رفع دیتا ہے اور فعل اگر متعدی ہو تو مفعول کو بھی نصب دے گا جیسے اعجبنی ضرب زید عمروا میں ضرب مصدر
متعدی ہے جو فاعل یعنی زید کو رفع اور مفعول یعنی عمرو کو نصب دیتا ہے۔ پس مصدر اپنے فعل کی مثل فاعل کو رفع اور مفعول کو
نصب دے گا اور مصدر کا یہ عمل ہر حالت میں ہے کہ مصدر خواہ بمعنی ماضی ہو یا بمعنی حال یا استقبال جیسے اعجبنی ضرب زید
عمروا امس اور اعجبنی اکرام زید عمروا غدا او الآن، یہ اس وقت ہے جب کہ مصدر مفعول مطلق نہ ہو لیکن اگر
مفعول مطلق ہو تو اس کی دوسری صورت ہے جیسا کہ متن میں آگے مذکور ہے۔

وَلَا یَجُوْزُ تَقْدِیْمُ مَعْمُوْلِ الْمَصْدَرِ عَلَیْهِ فَلَا یُقَالُ اَعْجَبَنِیْ زَیْدٌ ضَرْبُ عَمْرًوا وَلَا عَمْرًوا ضَرْبُ زَیْدٌ وَیَجُوْزُ اِضَافَتُهٗ اِلَی الْفَاعِلِ نَحْوُ کَرِهْتُ ضَرْبَ زَیْدٍ عَمْرًوا وَاِلَی الْمَفْعُوْلِ بِهٖ نَحْوُ کَرِهْتُ ضَرْبَ عَمْرٍو زَیْدٌ وَاَمَّا اِنْ کَانَ مَفْعُوْلًا مُطْلَقًا فَالْعَمَلُ لِلْفِعْلِ الَّذِیْ قَبْلَهٗ نَحْوُ ضَرَبْتُ ضَرْبًا عَمْرًوا فَعَمْرٌو مَنْصُوْبٌ بِضَرَبْتُ۔

ترجمہ: اور جائز نہیں ہوتی مصدر کے معمول کی تقدیم اس مصدر پر، لہٰذا یہ کہا نہیں جائے گا: زیدٌ ضربُ عمرًوا اور نہ عمرًوا ضربُ زیدٌ اور جائز ہوتی ہے اس مصدر کی اضافت فاعل کی طرف جیسے کرھتُ ضربَ زیدٍ عمرًوا اور مفعول کی طرف جیسے کرھتُ ضربَ عمرٍو زیدٌ اور لیکن اگر وہ مصدر مفعول مطلق ہو تو عمل اس فعل کا ہو گا جو اس سے قبل ہے جیسے ضربتُ ضربًا عمرًوا پس عمرو منصوب ہے ضربتُ سے۔

تشریح: وَلَا یَجُوْزُ تَقْدِیْمُ یعنی مصدر کے معمول کی تقدیم مصدر پر جائز نہیں ہوتی اور معمول عام ہے کہ فاعل ہو یا مفعول کیونکہ مصدر عامل ضعیف ہے اور ظاہر ہے عامل ضعیف کی تقدیم معمول پر جائز نہیں ہوتی، چنانچہ کہا نہیں جائے گا: اعجبنی زیدٌ ضربُ عمرًوا اور یہ بھی نہیں: اعجبنی عمرًوا ضربُ زیدٌ یہ جمہور کا مسلک ہے لیکن علامہ رضی نے ظروف میں بوجہ توسع جائز رکھا ہے۔

اِضَافَتُهٗ یعنی مصدر کی اضافت فاعل کی طرف جائز ہوتی ہے اس تقدیر پر فاعل جو مضاف الیہ ہے لفظاً مجرور ہو گا اور معنیً مرفوع کہ وہ مصدر کا فاعل ہے اور مفعول بہ اگر مذکور ہو تو وہ منصوب ہو گا جیسے کرھتُ ضربَ زیدٍ عمرًوا میں ضرب مصدر عمرو مفعول بہ کی طرف مضاف الیہ ہے اور اس مصدر کی مثال جو فاعل کی طرف مضاف ہو اور مفعول مذکور نہ ہو جیسے کرھتُ مجیءَ زیدٍ یعنی میں نے زید کے آنے کو مکروہ جانا۔ اس مصدر کی مثال جس کا مفعول بہ مذکور تو ہو لیکن فاعل مذکور نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے قول لا یسأم الانسان من دعاء الخیر یعنی انسان خیر کے طلب کرنے سے نہیں تھکتا، اس میں دعاء مصدر مضاف ہے خیر مفعول کی طرف۔

خلاصہ یہ کہ مصدر کا عمل دو طریقے سے ہوتا ہے ایک بلا اضافت تنوین کے ساتھ اور دوسرا اضافت کے ساتھ بلا تنوین۔ بتقدیر اول فاعل لفظاً مرفوع ہو گا اور اگر مفعول بہ مذکور ہو تو وہ لفظاً منصوب ہو گا اور بتقدیر دوم فاعل کی طرف مضاف ہو تو فاعل لفظاً مجرور ہو گا اور معنیً مرفوع اور مفعول بہ اگر مذکور ہو تو وہ منصوب ہو گا اور مفعول بہ کی طرف مضاف ہو تو مفعول بہ لفظاً مجرور ہو گا اور معنیً منصوب اور اگر فاعل مذکور ہو تو وہ لفظاً مرفوع ہو گا لیکن مصدر کی اضافت فاعل کی طرف بہ نسبت مفعول بہ کی طرف ہونے کے زیادہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا فاعل کی طرف محتاج ہونا بہ نسبت مفعول بہ کی طرف محتاج ہونے کے زیادہ ہے۔

وَاَمَّا اِنْ کَانَ یعنی مصدر اگر مفعول مطلق واقع ہو تو اس صورت میں عمل اس فعل کا ہو گا جو اس سے قبل مذکور ہے جیسے ضربتُ ضربًا عمرًوا یعنی میں نے مارا عمرو کو مارنا۔ اس میں ضربًا مصدر چونکہ ضربتُ کا مفعول مطلق واقع ہے، اس لئے عمل وہ نہیں

بلکہ ضربت فعل کرے گا اور عمروا کو نصب اسی ضربت کی وجہ سے ہوگا اور عمل اس صورت میں فعل کا اس لئے ہوتا ہے کہ فعل عامل قوی ہے۔ پس جب وہ موجود ہے تو مصدر جو عامل ضعیف ہے اس کو عمل دینا جائز نہیں۔

فصل: اِسْمُ الْفَاعِلِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ لِيَدُلَّ عَلٰى مَنْ قَامَ بِهِ الْفِعْلُ بِمَعْنَى الْحُدُوْثِ وَصِيْغَتُهٗ مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ عَلٰى وَزْنِ فَاعِلٍ كَضَارِبٍ وَنَاصِرٍ وَمِنْ غَيْرِهٖ عَلٰى صِيْغَةِ الْمُضَارِعِ مِنْ ذٰلِكَ الْفِعْلِ بِمِيْمٍ مَّضْمُوْمٍ مَكَانَ حَرْفِ الْمُضَارَعَةِ وَكَسْرِ مَا قَبْلَ الْاٰخِرِ كَمُدْخِلٍ وَمُسْتَخْرِجٍ

ترجمہ: یہ فصل ہے اسم فاعل کے بیان میں اور وہ اسم ہے جو مشتق ہے فعل سے تاکہ وہ دلالت کرے اس ذات پر کہ فعل بمعنی حدوث اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے بروزن فاعل ہے جیسے **ضارب** اور **ناصر** اور غیر ثلاثی مجرد سے مضارع کے صیغہ پر میم مضموم کے ساتھ ہے حرف مضارع کی جگہ میں اور اخیر کے ماقبل کے کسرہ کے ساتھ جیسے **مُدخلٌ ومستخرجٌ**۔

تشریح: **اِسْمُ الْفَاعِلِ** یعنی اسم فاعل وہ اسم ہے جو فعل لغوی یعنی مصدر سے مشتق ہوتا کہ وہ اس ذات پر دلالت کرے جس کے ساتھ وہ فعل لغوی بہ طریق حدوث وتجدد قائم ہے جیسے **ضارب و ناصر** وغیرہ۔

مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ: مشتق کی قید سے غیر مشتق یعنی جامد سے احتراز ہو گیا کہ اس کو اسم فاعل نہیں کہا جاتا اور فعل سے یہاں مراد فعل لغوی یعنی مصدر ہے اس لئے کہ اسم فاعل کا اشتقاق فعل لغوی سے ہوتا ہے فعل اصطلاحی سے نہیں۔ مصدر کے بجائے فعل کو بیان کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ صفات کا اشتقاق مصدر سے بواسطہ فعل ہوتا ہے اور **لیدل** متعلق ہے مشتق کے ساتھ اور اس میں ضمیر فاعل راجع ہے اسم کی طرف اور **من قام به الفعل** سے احتراز ہو گیا اسم مفعول اور اسم تفضیل سے کیونکہ اسم مفعول **من وقع علیه الفعلُ** کے لئے موضوع ہے اور اسم تفضیل **لمن قام به الفعلُ مع الزیادۃِ** کے لئے اور بمعنی الحدوث جار مجرور کے ساتھ حال واقع ہے، اصل عبارت یہ ہے: **حال کون ذلكِ الاسمِ کائنًا بمعنی الحدوثِ**۔ اس قید سے صفت مشبہ سے احتراز ہو گیا کہ وہ صفت دائمہ پر دلالت کرتا ہے جیسے **حسن و کریم** وغیرہ اس لئے کہ اسم فاعل صفت حادثہ پر دلالت کرتا ہے جیسے **ضاربٌ وداخِلٌ** وغیرہ۔

صِیْغَتُهٗ یعنی اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد سے اکثر فاعل کے وزن پر آتا ہے جیسے **ضاربٌ وناصرٌ وعالمٌ وقارئٌ** وغیرہ اکثر کی قید سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد سے کبھی دوسرے وزن پر بھی آتا ہے مثلاً **فعل و فعول** وغیرہ۔

مِنْ غَیْرِهٖ اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد کے علاوہ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مجرد اور رباعی مزید فیہ سے ہر باب کے فعل مضارع معروف کے وزن پر تھوڑے تغیر کے ساتھ یعنی حرف مضارع کی جگہ پر میم مضموم اور اخیر کے ماقبل کو کسرہ دیا جاتا ہے جیسے **مُدخلٌ** باب افعال سے اور **مستخرجٌ** باب استفعال سے۔

وَهُوَ يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَعْرُوْفِ اِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَالِ وَمُعْتَمِدًا عَلَى الْمُبْتَدَاءِ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ اَبُوْهُ اَوْ ذِي الْحَالِ نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ ضَارِبًا اَبُوْهُ عَمْرًوا اَوْ مَوْصُوْلٍ نَحْوُ مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ اَبُوْهُ عَمْرًوا اَوْ مَوْصُوْفٍ نَحْوُ عِنْدِيْ رَجُلٌ ضَارِبٌ اَبُوْهُ عَمْرًوا اَوْ هَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ نَحْوُ اَقَائِمٌ زَيْدٌ اَوْ حَرْفِ النَّفْيِ نَحْوُ مَا قَائِمٌ زَيْدٌ

ترجمہ: اور وہ یعنی اسم فاعل اپنے فعل معروف کا عمل کرتا ہے اگر وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور مبتداء پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **زیدٌ قائمٌ ابوہُ** یا ذوالحال پر جیسے **جاء نی زیدٌ ضاربًا ابوہُ عمرًوا** یا اسم موصول پر جیسے **مررتُ بالضاربِ ابوہُ عمرًوا** یا موصوف پر جیسے **عندی رجلٌ ضاربٌ ابوہ عمرًوا** یا ہمزۂ استفہام پر جیسے **اَقائمٌ زیدٌ** یا حرف نفی پر جیسے **ما قائمٌ زیدٌ**۔

تشریح: **وَهُوَ يَعْمَلُ: ھو** کا مرجع اسم فاعل ہے یعنی اسم فاعل اپنے فعل معروف کی طرح عمل کرتا ہے، پس اگر اس کا فاعل لازم ہو تو وہ فعل لازم کی طرح عمل کرے گا اور اگر متعدی ہو تو وہ فعل متعدی کی طرح عمل کرے گا لیکن اس کے عمل کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو کیونکہ اس کا عمل فعل مضارع کے ساتھ لفظاً و معنیً مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے، لفظاً یہ کہ وہ مضارع کے وزن پر قدرے تغیر کے ساتھ ہوتا ہے اور معنیً یہ کہ فعل مضارع جس طرح حال یا استقبال کا معنی دیتا ہے اسی طرح اسم فاعل بھی حال یا استقبال کا معنی دیتا ہے تا کہ قوت مشابہت فوت نہ ہو جائے دوسری شرط یہ کہ وہ مبتداء ذوالحال یا موصول یا موصوف یا ہمزۂ استفہام یا حرف نفی پر اعتماد کرنے والا ہو۔

خیال رہے کہ اعتماد لغت میں اگرچہ بمعنیٔ تکیہ کرنا ہے لیکن یہاں اس سے مراد اسم فاعل کا اپنے ماقبل کے ساتھ تعلق و رشتہ رکھنا ہے اور وہ یہ کہ اس سے قبل اگر مبتداء ہو تو یہ اس کی خبر ہو اور اگر ذوالحال ہو تو یہ اس سے حال ہو اور اگر موصول ہو تو یہ اُس کا صلہ ہو وعلیٰ ھذا القیاس۔ اعتماد مذکور کی شرط فعل کے ساتھ اس کی مشابہت کو قوی کرنے کے لئے ہے کہ وہ فعل کی مثل اپنے صاحب کی طرف مسند ہوتا ہے اسی طرح ہمزۂ استفہام و ما نافیہ پر اعتماد کہ وہ اکثر فعل پر داخل ہوتے ہیں۔

مُعْتَمِدًا وہ معطوف ہے **کان** کی خبر پر، اصل عبارت یہ ہے: **ان کان معتمدًا علی المبتداء الخ** یعنی اسم فاعل مبتداء پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **زیدٌ قائمٌ** میں **قائم** اسم فاعل ہے جس سے پہلے زید مبتداء اور **ابوہُ قائم** کا فاعل ہے، **قائم** اپنے فاعل "**ابوہ** سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے۔ ذی الحال کا عطف لفظ **المبتداء** پر ہے، اصل عبارت یہ ہے: **معتمدًا علی ذی الحال** یعنی اسم فاعل ذوالحال پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **جاء نی زیدٌ ضاربًا ابوہُ عمرًا** یعنی میرے پاس زید آیا دراں حالیکہ اُس کا باپ عمرو کو مارنے والا ہے۔ اس میں **ضاربًا** اسم فاعل ہے جس سے پہلے زید ذوالحال ہے اور **ابوہُ ضاربًا** کا فاعل ہے اور **عمرًوا** اس کا مفعول بہ اور موصول کا عطف وہی المبتداء پر ہے، اصل عبارت یہ ہے: **او معتمدًا علی موصولٍ** یعنی اسم فاعل اسم موصول پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **مررتُ بالضارب ابوہُ عمرًوا** یعنی میں

گزرا اس شخص کے پاس سے کہ اُس کا باپ عمرو کو مارنے والا ہے۔ اس میں **الضارب** کے اندر الف لام اسم موصول کا ہے اور **ابوہٗ ضاربٌ** کا فاعل ہے اور **عمرًوا** اس کا مفعول ہے۔ یہ تمام مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا اسم موصول کا۔ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور ہوا باء حرف جار کا۔ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا مررتُ فعل کا۔

اَوْ مَوْصُوْفٍ اس کا عطف بھی المبتداء پر ہے، اصل عبارت یہ ہے: **او معتمدًا علی موصوفٍ** یعنی اسم فاعل موصوف پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **عندی رجلٌ ضاربٌ ابوہٗ عمرًوا** یعنی میرے پاس مرد ہے جس کا باپ عمرو کو مارنے والا ہے، اس میں **ضارب** اسم فاعل ہے جس سے پہلے **رجل** موصوف ہے اور **ضاربٌ** صفت اور **ابوہٗ** اس کا فاعل ہے اور **عمرًوا** اس کا مفعول ہے اور ہمزۃ الاستفہام کا عطف بھی المبتداء پر ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: **معتمدًا علی ھمزۃِ الاستفھام** یعنی اسم فاعل ہمزۂ استفہام پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **أقائمٌ زیدٌ** میں **قائمٌ** اسم فاعل ہے جس سے پہلے ہمزۂ استفہام ہے اور **زیدٌ** **قائمٌ** کا فاعل ہے۔

اَوْ هَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ اس کا بھی عطف المبتداء پر ہے، اصل عبارت یہ ہے: **او معتمدًا علی ھمزۃِ الاستفھامِ** یعنی اسم فاعل ہمزۂ استفہام پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **أقائمٌ زیدٌ** میں **قائم** اسم فاعل ہے جس سے پہلے ہمزۂ استفہام ہے اور زید اس کا فاعل ہے، اسی طرح حرف النفی بھی المبتداء پر معطوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: **اَوْ معتمدًا علی حرف النفی** یعنی اسم فاعل حرف نفی پر اعتماد کرنے والا ہو جیسے **ما قائمٌ زیدٌ** میں **قائمٌ** اسم فاعل ہے جس سے پہلے **ما** حرف نفی ہے اور زید اُس کا فاعل ہے۔

فَاِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَاضِيْ وَجَبَتِ الْاِضَافَةُ مَعْنًى نَحْوُ زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو اَمْسِ هٰذَا اِذَا كَانَ مُنَكَّرًا اَمَّا اِذَا كَانَ مُعَرَّفًا بِاللَّامِ يَسْتَوِيْ فِيْهِ جَمِيْعُ الْاَزْمِنَةِ نَحْوُ زَيْدٌنِ الضَّارِبُ اَبُوْهُ عَمْرًوا اَلْاٰنَ اَوْ غَدًا اَوْ اَمْسِ۔

ترجمہ: پس اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اضافت واجب ہوگی معنی کے اعتبار سے جیسے **زیدٌ ضاربُ عمرو امس**۔ اسم فاعل کا یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ منکر ہو لیکن جب کہ معرف باللام ہو تو اس میں تمام زمانے برابر ہوتے ہیں جیسے **زیدنِ الضارب ابوہٗ عمرًوا الأن او غدًا او امس**۔

تشریح: **فَاِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَاضِيْ** یعنی اسم فاعل جب کہ بمعنی فعل ماضی ہو اور اس کا مفعول مذکور ہو تو اس کی اضافت مفعول کی طرف ضروری ہے اور یہ اضافت معنویہ ہوگی اس لئے کہ اضافت لفظیہ کی یہ شرط ہے کہ صیغۂ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف ہو اور اسم فاعل جب کہ فعل ماضی ہو وہ عمل نہیں کرے گا کیونکہ اس کے عمل کے لئے حال و استقبال کا معنی ہونا ضروری ہے اور یہاں ماضی کا معنی ہے، پس وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہوا، اس لئے یہاں اسم فاعل کی اضافت مفعول کی طرف اضافت لفظیہ نہیں بلکہ اضافت معنویہ ہوگی جیسے **زیدٌ ضاربُ عمرو امس** یعنی زید نے عمرو کو کل گذشتہ مارا۔

هٰذَا اِذَا كَانَ: **ھذا** کا مشار الیہ **اعمال اسم الفاعل بشرط معنی الحال او الاستقبال** ہے یعنی اسم فاعل کا یہ عمل

جو بشرط حال یا استقبال ہے، اس تقدیر پر ہے جب کہ وہ نکرہ ہو لیکن اگر معرف باللام ہو تو اس میں تمام زمانے ماضی و حال و استقبال برابر ہو جائیں گے کیونکہ اس صورت میں اسم فاعل مطلقاً فعل کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور فعل، ماضی بھی ہوتا ہے اور حال و استقبال بھی چونکہ **الضارب** بمعنی **الذی ضرب** ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **زید الضارب ابوہ عمروا الاٰن** یعنی زید کا باپ عمرو کو اس وقت مارنے والا ہے اور **زیدٌ الضاربُ ابوہُ عمرًوا غدًا** یعنی زید کا باپ عمرو کو کل مارے گا اور **زیدٌ الضاربُ ابوہُ عمرًوا امس** یعنی زید کے باپ نے عمرو کو کل گذشتہ مارا۔

فصل: اِسْمُ الْمَفْعُوْلِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِّنْ فِعْلٍ مُتَعَدٍّ لِیَدُلَّ عَلٰی مَنْ وَقَعَ عَلَیْهِ الْفِعْلُ وَصِیْغَتُهٗ مِنْ مُجَرَّدِ الثُّلَاثِیِّ عَلٰی وَزْنِ مَفْعُوْلٍ لَفْظًا کَمَضْرُوْبٍ اَوْ تَقْدِیْرًا کَمَقُوْلٍ وَمَرْمِیٍّ وَمِنْ غَیْرِهٖ کَاسْمِ الْفَاعِلِ بِفَتْحِ مَا قَبْلَ الْاٰخِرِ کَمُدْخَلٍ وَمُسْتَخْرَجٍ وَیَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَجْهُوْلِ بِالشَّرَائِطِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْ اِسْمِ الْفَاعِلِ نَحْوُ زَیْدٌ مَضْرُوْبٌ غُلَامُهُ الْاٰنَ اَوْ غَدًا اَوْ اَمْسِ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے اسم مفعول کے بیان میں، وہ اسم ہے جو مشتق ہو فعل متعدی سے تاکہ وہ دلالت کرے اس ذات پر جس پر فعل واقع ہوا اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر ہو، لفظ کے اعتبار سے جیسے **مضروب** یا تقدیر کے اعتبار سے جیسے مقول اور مرمی اور غیر ثلاثی مجرد سے اسم فاعل اخیر کے ماقبل کے فتح کے ساتھ جیسے مدخل اور مستخرج اور وہ اپنے فعل مجہول کا عمل کرتا ہے ان شرطوں کے ساتھ جو اسم فاعل میں مذکور ہوئیں جیسے **زیدٌ مضروبٌ غلامہٗ الاٰن او غدًا او امس**۔

تشریح: **اِسْمُ الْمَفْعُوْلِ** اسم مفعول وہ اسم ہے جو مشتق ہو فعل متعدی سے تاکہ وہ اس ذات پر دلالت کرے جس پر فعل واقع ہوا ہو۔ اس تعریف میں اسم بمنزلہ جنس ہے جو تمام صفات کو شامل ہے اور **مشتق من فعل الخ** بمنزلہ فصل ہے جس سے وہ اسم خارج ہو گیا جو مشتق نہیں۔ مشتق ہونا فعل متعدی سے کہا گیا ہے جب کہ اسم مفعول بلکہ تمام صفات مصدر سے مشتق ہوتے ہیں، اس کی وجہ وہ ہے جو بحث اسم فاعل میں گزری۔ فعل متعدی کی قید سے فعل لازم سے احتراز ہو گیا کہ اسم مفعول اس سے مشتق نہیں ہوتا اور **لیدل** متعلق ہے لفظ **مشتق** کے ساتھ اور ضمیر اسم کی طرف راجع ہے اور **علی من وقع علیه الفعل** سے فاعل اور صفت مشبہ خارج ہو گئے اور اسم تفضیل بھی جو فاعل و مفعول کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔

صِیْغَتُهٗ مِنْ مُجَرَّدِ اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے اکثر مفعول کے وزن پر آتا ہے اور اکثر کی قید اس لئے کہا گیا کہ وہ کبھی فعیل کے وزن پر بھی آتا ہے جیسے **جریح** بمعنی مجروح بمعنی زخمی کیا ہوا اور **قتیل** بمعنی مقتول یعنی قتل کیا ہوا اور اسم مفعول کا صیغہ جو مفعول کے وزن پر آتا ہے، وہ عام ہے کہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔ لفظاً جیسے **مضروب** بروزن مفعول ہے اور تقدیراً جیسے **مقول** کہ وہ اصل میں **مقوولٌ** بروزن مفعول تھا اور **مرمی** کہ وہ اصل میں **مرمویٌ** بروزن مفعول تھا دونوں میں تعلیل کی گئی۔

وَمِنْ غَیْرِهٖ یعنی اسم مفعول کا صیغہ غیر ثلاثی مجرد یعنی ثلاثی مزید و رباعی مجرد و رباعی مزید سے اسم فاعل کے صیغہ کی طرح ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ اس کے اخیر کے ماقبل کا حرف مفتوح ہوتا ہے اور اسم فاعل کا مکسور، اس کی وجہ یہ کہ اسم فاعل و اسم مفعول میں فرق واضح ہو جائے اور مضارع مجہول کے مطابق بھی ہو جائے جس کے موافق وہ عمل کرتا ہے اور وہ وزن مذکور پر یا تو لفظاً ہوگا جیسے **مدخل** بفتح خاء اور **مستخرج** بفتح راء یا تقدیراً ہوگا جیسے **مختار** کہ وہ اصل میں **مختیر** بفتح یاء تھا۔

وَيَعْمَلُ عَمَلَ یعنی اسم مفعول ان شرائط کے ساتھ جو بحث اسم فاعل میں گزر چکیں اپنے فعل مجہول کی طرح عمل کرتا ہے، لہٰذا اسم مفعول کے مفعول میں عمل نصب کے لئے جب کہ وہ منکر ہو، شرط یہ ہے کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور اعتماد کئے ہوئے ہو مذکورہ میں سے کسی ایک پر، پس وہ مفعول بہ جو نائب فاعل ہوگا اس کو رفع دے گا اور دوسرا مفعول ہو تو اس کو نصب دے گا جیسے **زید معطی غلامہ درھمًا غدًا** یعنی زید کے غلام کو ایک درہم کل دیا جائے گا اور اسم مفعول اگر بمعنی ماضی ہو تو اس کی اضافت مفعول بہ کی طرف اضافت معنویہ کے ساتھ ضروری ہے جیسے **زیدٌ معطی درھمٍ امس**۔ درہم کو کسرہ کے ساتھ اور اگر وہ معرف باللام ہو تو اس میں تمام زمانہ برابر ہوں گے اور وہ مفعول میں عمل کرے گا خواہ وہ بمعنی ماضی ہو یا بمعنی حال یا استقبال جیسے **زید المضروب غلامہ درھمًا الآن او غدًا او امس** میں **غلامہٗ** میم کے رفع کے ساتھ نائب فاعل ہے اور **درھمًا** اس کا دوسرا مفعول بہ ہے۔

فصل: **اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِّنْ فِعْلٍ لَازِمٍ لِّيَدُلَّ عَلٰى مَنْ قَامَ بِهِ الْفِعْلُ بِمَعْنَى الثُّبُوْتِ وَصِيْغَتُهَا عَلٰى خِلَافِ صِيْغَةِ اِسْمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ دَائِمًا تُعْرَفُ بِالسِّمَاعِ كَحَسَنٍ وَصَعْبٍ وَظَرِيْفٍ وَهِيَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهَا مُطْلَقًا بِشَرْطِ الْاِعْتِمَادِ الْمَذْكُوْرِ**

ترجمہ: یہ فصل ہے صفت مشبہ کے بیان میں۔ وہ اسم ہے جو مشتق ہو فعل لازم سے تاکہ وہ دلالت کرے اس ذات پر کہ جس کے ساتھ فعل بمعنی ثبوت قائم ہو اور اس کا صیغہ اسم فاعل و اسم مفعول کے صیغہ کے خلاف ہے اور وہ صرف سماع سے پہچانے جاتے ہیں جیسے **حسن** اور **صعب** اور **ظریف** اور وہ مطلقاً اپنے فعل کی طرح عمل کرتی ہے اعتماد مذکور کی شرط کے ساتھ۔

تشریح: **اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ** یعنی صفت مشبہ وہ اسم ہے جو مشتق ہو فعل لازم سے اور دلالت کرے اس ذات پر جس کے ساتھ فعل کا قیام بطور ثبوت ہو جیسے **حسن** میں صفت حسن بطور دوام و ثبوت قائم ہے، تقریباً یہی معنی اسم فاعل کا ہے لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ اسم فاعل میں صفت عارضی ہوتی ہے اور صفت مشبہ میں دائمی و لازمی، لہٰذا جس کے لئے **ضارب** کہا جائے اس سے مراد یہ ہے کہ صفت **ضرب** اس کیلئے پہلے حاصل نہ تھی اور اب حاصل ہوگئی اور تھوڑی دیر میں صدور **ضرب** کے ختم ہونے کے بعد یہ صفت **ضرب** بھی ختم ہو جائے گی لیکن **حسنٌ** جس شخص کے لئے کہا جائے اس کے لئے صفت حسن ہر وقت پائی جائے گی۔ اسی طرح کریم و رحیم وغیرہ صفات دائمی ہیں۔ اسی وجہ سے صفت مشبہ کو مشبہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسم فاعل کے مشابہ ہے جس طرح اسم فاعل تثنیہ، جمع مذکر و مؤنث ہوتا ہے، اسی طرح صفت مشبہ بھی تثنیہ و جمع و مذکر و مؤنث ہوتی ہے۔

مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ مشتق کی قید سے اس اسم سے احتراز ہو گیا جو مشتق نہیں اور فعل لازم کی قید سے اسم فاعل و اسم مفعول کا

اسم تفضیل سے احتراز ہو گیا کہ وہ تینوں فعل متعدی سے مشتق ہوتے ہیں اور لیدل متعلق ہے مشتق کے ساتھ اور ضمیر اس میں اسم کی طرف راجع ہے اس قید سے اسماء زمان و مکان اور آلہ سے احتراز ہو گیا اور بمعنی الثبوت کی قید سے اسم فاعل و اسم تفضیل سے احتراز ہو گیا کہ وہ شئی کے لئے بطور حدوث ہوتے ہیں، بطور ثبوت نہیں۔ بمعنی الثبوت جار مجرور سے ملکر حال واقع ہے، اصل عبارت یہ ہے: حال کون ذلك الاسم كائنا بمعنی الثبوت ای دالا علی صفة ثابتة لا حادثة یعنی دراں حالیکہ وہ اسم صفت ثابتہ پر دلالت کرے صفت حادثہ پر نہیں۔

صِيْغَتُهَا یعنی صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل و اسم مفعول کے صیغوں کے خلاف ہوتا ہے یہ جمہور کے نزدیک ہے لیکن ابن مالک کا خیال ہے کہ صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل کے وزن پر آتا ہے اگر چہ ایسا بطور قلیل ہے۔ اس کا صیغہ قیاسی نہیں، بلکہ سماعی یعنی عرب سے سن کر ہے جیسے حسن یعنی خوب و نیک و صاحب جمال، اور جیسے صعب بمعنی دشوار اور سخت کلام اور جیسے ظریف بمعنی خوش طبع۔

وَهِيَ تَعْمَلُ صفت مشبہ مطلقاً یعنی زمانہ حال یا استقبال کی شرط کے بغیر اپنے فعل لازم کی طرح عمل کرتا ہے اس لئے کہ وہ بمعنی ثبوت و دوام ہوتا ہے بمعنی حدوث نہیں اور زمانہ حال و استقبال کی شرط بوقت حدوث لگائی جاتی ہے لیکن اس کے عمل کے لئے اسم موصول کے علاوہ اعتماد مذکور کا ہونا شرط ہے، اسم موصول پر اعتماد کے نہ ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ وہ اسم جو صفت مشبہ پر داخل ہوتا ہے وہ بالاتفاق اسم موصول نہیں ہوتا بر خلاف اسم فاعل کہ اس پر لام اسم موصول ہوتا ہے۔

وَمَسَائِلُهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ لِاَنَّ الصِّفَةَ اِمَّا بِاللَّامِ اَوْ مُجَرَّدَةٌ عَنْهَا وَمَعْمُوْلُ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اِمَّا مُضَافٌ اَوْ بِاللَّامِ اَوْ مُجَرَّدٌ عَنْهُمَا فَهٰذِهٖ سِتَّةٌ وَمَعْمُوْلُ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهَا اِمَّا مَرْفُوْعٌ اَوْ مَنْصُوْبٌ اَوْ مَجْرُوْرٌ فَذٰلِكَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ

ترجمہ: اور صفت مشبہ کے مسائل اٹھارہ ہیں، اس لئے کہ صفت آیا لام کے ساتھ ہے یا لام سے مجرد ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک آیا مضاف ہے یا لام کے ساتھ ہے یا ان دونوں سے مجرد ہے تو یہ چھ مسئلے ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کا معمول آیا مرفوع ہے یا منصوب یا مجرور، پس وہ اٹھارہ ہیں۔

تشریح: **مَسَائِلُهَا** صفت مشبہ کے مسائل اور اس کی قسمیں اٹھارہ ہیں۔ اس کی ہر قسم کو مسئلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے حکم سے سوال اور اس سے بحث کی جاتی ہے، وہ اٹھارہ قسمیں اس طرح ہیں کہ صفت مشبہ آیا معرف بہ لام تعریف ہوگا جیسے الحسن یا معرف بہ لام تعریف نہ ہوگا جیسے حسن اور ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کا معمول آیا مضاف ہوگا جیسے وجهه یا معرف بہ لام تعریف ہوگا جیسے الوجه یا ان دونوں سے مجرد ہوگا جیسے وجہ، تین کو دو میں ضرب دیا جائے تو چھ قسمیں ہوئیں اور صفت مشبہ کے معمول کی حالتیں چونکہ اعراب کے اعتبار سے تین ہیں، مرفوع ہوگا، فاعلیت کی بناء پر یا منصوب ہوگا مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی بناء پر، اگر وہ معرفہ ہے اور اگر نکرہ ہے تو تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا اس بناء پر کہ صفت

مشبہ اس کی طرف مضاف ہے، پس جب چھ کو تین میں ضرب دیا جائے تو اٹھارہ قسمیں ہو جائیں گی۔ تفصیل آگے مذکور ہے۔

وَتَفْصِيْلُهَا نَحْوُ جَاءَ نِيْ زَيْدُنِ الْحَسَنُ وَجْهِهٖ ثَلٰثَةُ اَوْجُهٍ وَ كَذٰلِكَ الْحَسَنُ الْوَجْهِ وَالْحَسَنُ وَجْهٍ وَحَسَنُ وَجْهِهٖ وَحَسَنُ الْوَجْهُ وَحَسَنُ وَجْهٍ وَهِيَ عَلٰى خَمْسَةِ اَقْسَامٍ مِنْهَا مُمْتَنِعٌ اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ وَالْحَسَنُ وَجْهُهٗ وَمُخْتَلِفٌ فِيْهِ حَسَنُ وَجْهِهٖ وَالْبَوَاقِيْ اَحْسَنُ اِنْ كَانَ فِيْهِ ضَمِيْرٌ وَاحِدٌ وَحَسَنٌ اِنْ كَانَ فِيْهِ ضَمِيْرَانِ وَقَبِيْحٌ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ ضَمِيْرٌ وَالضَّابِطَةُ اَنَّكَ مَتٰى رَفَعْتَ بِهَا مَعْمُوْلَهَا فَلَا ضَمِيْرَ فِي الصِّفَةِ وَمَتٰى نَصَبْتَ اَوْ جَرَرْتَ فَفِيْهَا ضَمِيْرُ الْمَوْصُوْفِ نَحْوُ زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهُهٗ

ترجمہ: اور اس کی تفصیل یہ ہے جیسے جاء نی زیدن الحسن وجهه تین طریقے اور اسی طرح الحسن الوجه اور الحسن وجه اور حسن وجهه اور حسن الوجه اور حسن وجه اور وہ پانچ قسموں پر ہے اور ان میں سے کچھ ممتنع ہے جیسے الحسن وجه اور الحسن وجهه اور کچھ قسم ایسی ہے جس میں اختلاف ہے جیسے حسن وجهه اور باقی طریقے احسن ہیں اگر اس میں ایک ضمیر ہے اور حسن ہے، اگر اس میں دو ضمیریں ہیں اور قبیح ہے اگر اس میں کوئی ضمیر نہ ہو اور قاعدہ ہے کہ جب آپ رفع دیں اس کے ساتھ اس کے معمول کو تو صفت میں ضمیر نہ ہوگی اور جب آپ نصب یا جر دیں تو اس میں موصوف کی ضمیر ہوگی جیسے زید حسن وجهه۔

تشریح: وَتَفْصِيْلُهَا ضمیر مؤنث کا مرجع مسائل الصفة المشبهة ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: تفصيل مسائل الصفة المشبهة الثمانية عشر یعنی صفت مشبہ کے مسائل جو اٹھارہ ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے، مثلاً (۱) جاء نی زیدن الحسن وجهه میں صفت مشبہ معرف بہ لام اور معمول اضافت کے ساتھ ہے۔ مرفوع، منصوب، مجرور، تین طریقے کے ساتھ اسی طرح جاء نی زید الحسن الوجه میں صفت مشبہ اور معمول دونوں معرف بہ لام اور معمول مرفوع، منصوب، مجرور، تین طریقے کے ساتھ، اسی طرح (۳) جاء نی زیدن الحسن وجه میں صفت مشبہ معرف بہ لام اور معمول لام و اضافت سے مجرد اور وہ مرفوع، منصوب، مجرور تین طریقے کے ساتھ، اسی طرح (۴) جاء نی زید حسن وجهه میں صفت مشبہ لام سے مجرد اور معمول رفع کے ساتھ بر بناء فاعلیت یا نصب کے ساتھ مفعول کے ساتھ تشبیہ کی بناء پر یا اضافت کی وجہ سے جر کے ساتھ، اسی طرح (۵) جاء نی زید حسن الوجه میں صفت مشبہ لام سے مجرد اور معمول بہ لام اور وہ مرفوع و منصوب و مجرور تین طریقے کے ساتھ، اسی طرح (۶) جاء نی زید حسن وجه میں صفت مشبہ اور معمول دونوں لام سے مجرد اور معمول مرفوع و منصوب و مجرور تین طریقے کے ساتھ۔ یہ کل اٹھارہ مسائل ہیں، چھ کو اعراب کی تین صورتوں کے ساتھ تقسیم کرنے سے۔

هِيَ عَلٰى خَمْسَةِ اَقْسَامٍ یعنی صفت مشبہ کے مسائل جو اٹھارہ صورتوں میں ہیں وہ پانچ قسموں پر ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) ممتنع (۲) مختلف (۳) احسن (۴) حسن (۵) قبیح۔ ممتنع ان میں سے دو صورتیں ہیں: اول الحسن وجهه یعنی صفت مشبہ معرف باللام ہو اور معمول مجرور مضاف ہو۔ اس کے امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اضافت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ دوم: الحسن

وجهہ یعنی صفت مشبہ معرف بہ لام اور معمول مجرد لام و اضافت سے مجرور ہے۔ اس کے ممتنع ہونے کی وجہ یہ کہ معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہوتی ہے جو کہ ممتنع ہے اور مختلف حسن وجهه میں صفت مشبہ لام سے مجرد ہے اور معمول مجرور مضاف ہے، بعض اس کے عدم جواز کے قائل ہیں کہ وہ اضافت مستلزم ہے اضافت الشیئ الی نفسہ کو جو ممنوع ہے اور بعض اس امر کے قائل ہیں کہ حسن وجهہٖ میں اضافۃ الشیئ الی نفسہ جائز ہے۔ احسن وہ ہے کہ صفت مشبہ میں ایک ضمیر ہو جیسے زید حسن الوجہ اور حسن وہ ہے جس میں دو ضمیریں ہوں جیسے زیدان الحسن وجهہٗ اور قبیح وہ ہے جس میں کوئی ضمیر نہ ہو جیسے زیدٌ حسنٌ وجہٌ۔

وَالضَّابِطَةُ صفت مشبہ میں ضمیر کا وجود چونکہ ظاہر نہیں، اس لئے اس کے لئے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس سے صفت مشبہ میں ضمیر کا وجود و عدم ظاہر ہو جائے اور وہ یہ کہ صفت مشبہ کے معمول کو جب اس سے رفع دیا جائے تو صفت مشبہ میں کوئی ضمیر نہ ہوگی، اس لئے کہ اس تقدیر پر اُس کا معمول خود اُس کا فاعل ہے اور جب صفت مشبہ کے معمول کو نصب یا جر دیا جائے تو اس تقدیر پر صفت مشبہ میں ایک ضمیر ہوگی جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور وہی ضمیر صفت مشبہ کا فاعل ہوگی۔ اس صورت میں صفت کی تذکیر و تانیث اور تثنیہ و جمع موصوف کے لحاظ سے ہوگی کیونکہ ضمیر کا اپنے مرجع کے موافق ہونا لازمی ہے جیسے زید حسن وجهہٗ وھند حسنۃ وجھًا والزیدان حسنان وجھًا والزیدون حسنو وجہٍ۔

فصل: اِسْمُ التَّفْضِيْلِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَوْصُوْفِ بِزِيَادَةٍ عَلٰى غَيْرِهٖ وَصِيْغَتُهٗ اَفْعَلُ فَلَا يُبْنٰى اِلَّا مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ الَّذِيْ لَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ نَحْوُ زَيْدٌ اَفْضَلُ النَّاسِ فَاِنْ كَانَ زَائِدًا عَلَى الثُّلَاثِيِّ اَوْ كَانَ لَوْنًا اَوْ عَيْبًا يَجِبُ اَنْ يُّبْنٰى اَفْعَلُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ مُجَرَّدٍ لِيَدُلَّ عَلٰى مُبَالَغَةٍ وَشِدَّةٍ وَ كَثْرَةٍ ثُمَّ يُذْكَرُ بَعْدَهٗ مَصْدَرُ ذٰلِكَ الْفِعْلِ مَنْصُوْبًا عَلَى التَّمْيِيْزِ كَمَا تَقُوْلُ هُوَ اَشَدُّ اِسْتِخْرَاجًا وَاَقْوٰى حُمْرَةً وَاَقْبَحُ عَرَجًا وَقِيَاسُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لِلْفَاعِلِ كَمَا مَرَّ وَقَدْ جَاءَ لِلْمَفْعُوْلِ قَلِيْلًا نَحْوُ اَعْذَرُ وَاَشْغَلُ وَاَشْهَرُ

ترجمہ: یہ فصل ہے اسم تفضیل کے بیان میں۔ وہ اسم ہے جو مشتق ہو فعل سے تاکہ وہ دلالت کرے موصوف پر اپنے غیر پر زیادتی کے ساتھ اور اس کا صیغہ افعل ہے، پس وہ بنایا نہیں جاتا مگر ثلاثی مجرد سے جو لون و عیب سے نہ ہو جیسے زیدٌ افضلُ الناس پس اگر وہ ثلاثی پر زائد ہو یا لون و عیب ہو تو واجب ہے کہ افعل ثلاثی مجرد سے بنایا جائے تاکہ وہ مبالغہ اور شدت و کثرت پر دلالت کرے، پھر اس کے بعد اس فعل کا مصدر ذکر کیا جائے گا، دراں حالیکہ وہ فعل تمیز پر منصوب ہو جیسے آپ کہیں گے: ھو اشدُّ استخراجًا اور اقوی حمرةً اور اقبح عرجًا اور اس کا قیاس یہ کہ وہ فاعل کے لئے ہو جیسا کہ گذرا اور تحقیق کہ وہ مفعول کے لئے کم آتا ہے جیسے اعذر بمعنی معذور و اشغل بمعنی مشغول اور اشھر بمعنی مشہور۔

تشریح: اِسْمُ التَّفْضِيْلِ یعنی اسم تفضیل وہ اسم ہے جو فعل یعنی مصدر سے مشتق ہوتا کہ وہ اس ذات پر دلالت کرے جو اپنے غیر سے معنی مصدری کے ساتھ زیادتی کے ساتھ متصف ہو اور زیادتی کبھی فاعل کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی مفعول کے

ساتھ اول جیسے اعلم زیادہ علم والا، دوم جیسے اشہر زیادہ مشہور بمعنی شہرت یافتہ، اسی عموم کی وجہ سے **لیدل علی الموصوف** کہا گیا نہ کہ **لیدل علی من قام بہ** یا **علی من وقع علیہ** اور **بزیادۃ علی غیرہ** کی قید سے اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ بھی خارج ہو گئے، اسی طرح اس سے وہ اسم فاعل بھی خارج ہو گیا جو مبالغہ کے طور پر آتا ہے جیسے **ضروبٌ** بہت مارنے والا اگرچہ وہ زیادتی پر دال لیکن اس میں غیر پر زیادتی ملحوظ نہیں ہوتی۔

وَصِیْغَتُہٗ اَفْعَلُ یعنی اسم تفضیل کا صیغہ افعل ہے جو مذکر کے لئے آتا ہے اور **فعلی** ہے جو مؤنث کے لئے آتا ہے جیسے **زیدٌ افضلُ النّاسِ** یعنی زید لوگوں سے زیادہ فضیلت والا ہے۔ اس میں افضل اسم تفضیل ہے جو افعل کے وزن پر ہے اور مشتق ہے فضل ثلاثی مجرد سے اور وہ صیغہ صرف ثلاثی مجرد سے آتا ہے۔ ثلاثی مزید و رباعی مجرد و مزید سے نہیں کہ ان دونوں سے وزن مذکور پر آنا ممتنع ہے۔ اس لئے کہ اس میں حروف زائد ہوتے ہیں اور اگر کم کر دیئے جائیں تو لفظاً و معنیً دونوں اعتبار سے خلل لازم آئے گا اور وہ جو ثلاثی مجرد سے آتا ہے، اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ لون وعیب سے نہ ہوں کیونکہ افعل کا صیغہ جو لون وعیب سے آتا ہے۔ وہ صفت کے لئے آتا ہے کیونکہ اس سے اگر اسم تفضیل کا صیغہ ہو تو صفت کے ساتھ التباس لازم آئے گا جو ممنوع ہے، چنانچہ **اسود** بمعنی سیاہ رنگ والا اور **اعور** بمعنی کانا کہ ان کی مؤنث **سوداء و عوراء** آتی ہیں۔ پس اگر **اسود** کہا جائے تو معلوم نہ ہوگا کہ اس سے مراد سیاہ رنگ والا ہے یا زیادہ رنگ والا اور عیب سے مراد چونکہ عیب ظاہری ہے، اس لئے لفظ **اجھل** اور **ابلد** اسم تفضیل ہوں گے بمعنی زیادہ جہل والا اور زیادہ بلادت والا کیونکہ جہل و بلادت دونوں عیوب ظاہری ہیں۔

فَاِنْ کَانَ زَائِدًا وہ فعل جس سے تفضیل کا ارادہ ہو اگر ثلاثی مجرد سے زائد ہو یعنی ثلاثی مزید ہو یا رباعی مجرد یا مزید ہو یا ثلاثی مجرد ہو لیکن وہ لون وعیب کا معنی رکھتا ہو تو ایسی صورتوں میں ضروری ہے افعل کے وزن پر صیغہ بنایا جائے۔ ثلاثی مجرد سے لفظ شدت و کثرت یا قوت وضعف یا قباحت وحسن وغیرہ سے، پھر اس کے بعد اس فعل کا مصدر ذکر کیا جائے جو تمیز کی بناء پر منصوب ہو، چنانچہ ثلاثی مزید فیہ سے اسم تفضیل کی مثال یہ ہے: **ھو اشدُّ استخراجًا** اور **اقوٰی حمرۃً** یعنی وہ اس سے ازروئے نکالنے کے زیادہ سخت ہے اور ثلاثی مجرد سے جس میں لون کے معنی ہیں، اسم تفضیل کی مثال یہ ہے: **ھو اقوٰی منہ حمرۃً** یعنی وہ اس سے ازروئے سرخ ہونے کے زیادہ قوی ہے اور ثلاثی مجرد سے جس میں عیب کے معنی ہیں، اسم تفضیل کی مثال یہ ہے: **ھو اقبح منہ عرجًا** یعنی وہ اس سے ازروئے لنگڑا ہونے کے زیادہ قبیح ہے۔

قِیَاسُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ یعنی اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ وہ فاعل کی تفضیل و زیادتی کے لئے آتا ہے، مفعول کی تفضیل و زیادتی کے لئے نہیں جیسا کہ اس کی مثالیں گذریں۔ کیونکہ تفضیل اگر فاعل ومفعول دونوں کے لئے ہو تو التباس لازم آئے گا کہ فاعل کے لئے ہو یا مفعول کے لئے اور اگر مفعول کو ترجیح دی جائے تو اکثر افعال تفضیل کے بغیر باقی رہ جائیں گے کیونکہ فعل لازم کا صرف فاعل آتا ہے مفعول نہیں۔ اسی وجہ سے فاعل کی تفضیل قیاس کے موافق آتا ہے اگرچہ قیاس کے خلاف کبھی مفعول کی تفضیل بھی آتی ہے جیسے **اعذر** بمعنی زیادہ معذور اور **اشغل** بمعنی زیادہ مشغول اور **اشھر** بمعنی زیادہ مشہور۔

وَاِسْتِعْمَالُهٗ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ اِمَّا مُضَافٌ کَزَیْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ اَوْ مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ نَحْوُ زَیْدُ نِ الْاَفْضَلُ اَوْ بِمِنْ نَحْوُ زَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو وَیَجُوْزُ فِی الْاَوَّلِ الْاِفْرَادُ وَمُطَابَقَةُ اِسْمِ التَّفْضِیْلِ لِلْمَوْصُوْفِ نَحْوُ زَیْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ وَالزَّیْدَانِ اَفْضَلُ الْقَوْمِ وَاَفْضَلَا الْقَوْمِ وَالزَّیْدُوْنَ اَفْضَلُ الْقَوْمِ وَاَفْضَلُوا الْقَوْمِ وَفِی الثَّانِیْ یَجِبُ الْمُطَابَقَةُ نَحْوُ زَیْدُ نِ الْاَفْضَلُ وَالزَّیْدَانِ الْاَفْضَلَانِ وَالزَّیْدُوْنَ الْاَفْضَلُوْنَ وَفِی الثَّالِثِ یَجِبُ کَوْنُهٗ مُفْرَدًا مُذَکَّرًا اَبَدًا نَحْوُ زَیْدٌ وَهِنْدٌ وَالزَّیْدَانِ وَالْهِنْدَانِ وَالزَّیْدُوْنَ وَالْهِنْدَاتُ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو

ترجمہ: اور اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں پر ہے آیا مضاف ہوگا جیسے **زید افضل القوم** یا معرف باللام ہوگا جیسے **زید الافضل** یا من کے ساتھ ہوگا۔ جیسے **زید افضل من عمرو** اور اول میں افراد جائز ہوتا ہے اور موصوف کے لئے اسم تفضیل کی مطابقت جیسے **زیدٌ افضلُ القومِ** اور **الزیدان افضل القوم** اور **افضلا القوم** اور **الزیدون افضل القوم** اور **افضلوا القوم** اور ثانی میں مطابقت واجب ہوتی ہے جیسے **زیدن الافضل** اور **الزیدان الافضلان** اور **الزیدون الافضلون** اور تیسرے استعمال میں اُس کا ہمیشہ مفرد مذکر ہونا واجب ہوتا ہے جیسے **زیدٌ وھندٌ افضل من عمرٍو** اور **الزیدان والھندان افضل من عمرٍو** اور **الزیدون والھنداتُ افضلُ من عمرٍو**۔

تشریح: **وَاِسْتِعْمَالُهٗ عَلٰی ثَلٰثَةٍ** یعنی اسم تفضیل کے استعمال کیلئے تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کا ہونا ضروری ہے اور وہ ایک یہ کہ مضاف ہو جیسے **زیدٌ افضلُ القومِ** میں افضل قوم کی طرف مضاف ہے، دوسرا طریقہ یہ کہ وہ معرف بہ لام عہد خارجی ہو جیسے **زیدن الافضل** میں **الافضل** معرف باللام ہے، تیسرا طریقہ یہ کہ وہ **من** کے ساتھ ہو جیسے **زیدٌ افضل من عمرٍو**۔

خیال رہے کہ مذکورہ تینوں طریقوں میں سے صرف ایک ہی طریقہ ایک وقت میں جاری ہوگا، چنانچہ **زیدُ الافضلُ من عمرٍو** کہنا جائز نہیں کیونکہ ایک وقت میں یہاں دو طریقے جاری ہیں۔ ایک **من** اور دوسرا معرف بہ لام عہد خارجی۔

یَجُوْزُ فِی الْاَوَّلِ طریقہ اول جو مضاف ہوتا ہے اس میں یہ جائز ہے کہ اسم تفضیل کو ہر حال میں مفرد بیان کیا جائے۔ موصوف خواہ مفرد ہو یا مثنیٰ یا مجموع اور یہ بھی جائز ہے کہ موصوف کے مطابق بیان کیا جائے، چنانچہ بتقدیر اول کہا جائے گا: **زیدٌ افضلُ القومِ** اور **الزیدان افضلُ القومِ** اور **الزیدون افضلُ القومِ** اور بتقدیر دوم کہا جائے گا: **زید افضلُ القومِ** اور **الزیدان افضلا القومِ** اور **الزیدون افضلوا القومِ**۔

وَفِی الثَّانِیْ طریقہ دوم جو معرف بہ لام ہے، اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ موصوف کے مطابق ہو، اس لئے کہ اسم تفضیل صفت ہے اور **من ھو لہ** موصوف اور ظاہر ہے موصوف کے ساتھ صفت کی مطابقت ضروری ہوتی ہے اور اس کی مطابقت کے لئے کوئی مانع بھی نہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: **زیدُ الافضل** اور **الزیدانِ الافضلانِ** اور **الزیدون الافضلون**۔

وَفِي الثَّالِثِ طریقۂ سوم جو **من** کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے، اس میں یہ ضروری ہے کہ اسم تفضیل ہمیشہ مفرد مذکر ہوگا خواہ موصوف مفرد ہو یا تثنیٰ یا مجموع یا مذکر ہو یا مؤنث جیسے **زیدٌ افضل من عمرٍو** اور **هذا افضل من عمرٍو** اور **الزیدانِ افضل من عمرٍو** اور **الهندانِ افضل من عمرٍو** اور **الزیدون افضلُ من عمرٍو** اور **الهنداتُ افضل من عمرٍو** یہ کل چھ مثالیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ **افضل من عمرٍو** متعلق ہے لیکن اسم تفضیل مفرد مذکر اس لئے ہوتا ہے کہ اس پر علامت تانیث یا علامت جمع کا دخول آیا **من** سے پہلے ہوگا یا اس کے بعد بہر دو تقدیر ممنوع ہے لیکن **منْ** سے پہلے اس لئے ممنوع ہے کہ **منْ** شدت اتصال کی وجہ سے جزء کلمہ کی مثل ہے جو اس صورت میں علامت تانیث یا علامت جمع کا دخول وسط کلمہ میں لازم آئے گا جو محال ہے اور اگر علامت تانیث یا علامت جمع کا دخول **منْ** کے بعد ہو تو اس لئے ممنوع ہے کہ **منْ** حقیقۃً دوسرا کلمہ ہے، پس اس صورت میں ایک کلمہ کی علامت کا دخول دوسرے کلمہ پر لازم آئے گا جو بداہۃً باطل ہے۔

وَعَلَى الْاَوْجُهِ الثَّلٰثَةِ يُضْمَرُ فِيْهِ الْفَاعِلُ وَهُوَ يَعْمَلُ فِي ذٰلِكَ الْمُضْمَرِ وَلَا يَعْمَلُ فِي الْمُظْهَرِ اَصْلًا اِلَّا فِي مِثْلِ قَوْلِهِمْ مَا رَاَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ فَاِنَّ الْكُحْلَ فَاعِلٌ لِاَحْسَنَ وَهٰهُنَا بَحْثٌ۔

ترجمہ: اور تینوں طریقوں پر فاعل کو اس میں پوشیدہ کیا جائے گا اور وہ یعنی اسم تفضیل اس مضمر میں عمل کرے گا اور وہ مظہر میں قطعاً عمل نہیں کرتا مگر ان کے قول **ما رئیتُ رجلًا احسن فی عینہ الکحل منہ فی عینِ زیدٍ** یعنی میں نے کسی مرد کو زیادہ اچھا نہیں دیکھا اس کی آنکھ میں سرمہ اور سرمہ سے زید کی آنکھ میں اس لئے کہ **کحل** فاعل ہے **احسن** کا اور یہاں بحث ہے۔

تشریح: **وَعَلَى الْاَوْجُهِ** مذکورہ تین طریقے جو اسم تفضیل کے استعمال کے گزرے بہر تقدیر اسم تفضیل میں فاعل کی ضمیر لائی جاتی ہے۔ یعنی فاعل اس اسم تفضیل میں پوشیدہ ہوتا ہے اور وہ اس پوشیدہ و مضمر و مستتر میں عمل کرتا ہے اور **مظہر** میں قطعاً عمل نہیں کرتا، اس لئے کہ ضمیر مستتر معمول ضعیف ہے اور معمول ضعیف پر عمل کے لئے عامل ضعیف کافی ہے۔ عامل قوی کی ضرورت نہیں کیونکہ مظہر معمول قوی ہوتا ہے اور اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اور عامل ضعیف، معمول قوی پر عمل نہیں کرتا۔

مِثْلِ قَوْلِهِمْ یہ مستثنیٰ ہے قول مذکور یعنی **لا یعمل فی المظهر اصلًا** سے جس کا مطلب یہ کہ اسم تفضیل اسم مظہر میں عمل نہیں کرتا۔ لیکن مثال مذکور **ما رئیتُ رجلًا الخ** جیسی ترکیب میں عمل کرتا ہے لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں اور وہ ایک یہ کہ اسم تفضیل باعتبار لفظ کے شئی کی صفت ہو اور باعتبار معنی کہ اس شئی کے متعلق کی صفت ہو دراں حالیکہ وہ اس شئی کے متعلق اور دوسری شئی میں مشترک ہو، دوم یہ کہ وہ متعلق شئی ایسا ہو کہ جو اس شئی کے اعتبار سے مفضل ہو اور دوسری شئی کے اعتبار سے مفضل علیہ ہو۔ سوم یہ کہ وہ اسم تفضیل منفی ہو اور یہ تینوں مثال مذکور یعنی **ما رئیت رجلًا احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زیدٍ** میں موجود ہیں کیونکہ اس میں **احسن** اسم تفضیل ہے جو باعتبار لفظ ایک شئی یعنی **رجلًا** کی صفت ہے اور باعتبار

معنی یعنی متعلق رجل یعنی کحل کی صفت ہے اور یہ کحل رجل اور زید کی آنکھ میں مشترک ہے اور یہ کحل باعتبار عین رجل مفضل ہے اور باعتبار عین زید مفضل علیہ۔ پس اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے ایک مرد کو دیکھا جس کی آنکھ میں سرمہ زید کی آنکھ کے سرمہ سے زیادہ اچھا ہے۔ یہاں پر نفی کے علاوہ مذکورہ دونوں شرط ظاہر ہیں لیکن جب اس پر نفی داخل کی جائے تو تیسری شرط بھی پائی جائے گی کیونکہ نفی کے بعد کحل باعتبار عین رجل مفضل علیہ ہے اور باعتبار عین زید مفضل اور نفی کے بعد مقصود زید کی آنکھ کے سرمہ کی تعریف ہے۔ اس مثال میں ما نافیہ ہے اور رجلا مفعول بہ رئیت کا ہے اور احسن اسم تفضیل ہے جو الکحل کا عامل ہے اور الکحل اسم ظاہر ہے جو احسن کا فاعل ہے۔

ھٰھُنَا بَحْثٌ یعنی مثالِ مذکور میں بحث ہے اور وہ یہ کہ مثال مذکور کو اختصار کے لئے ما رئیتُ رجلًا احسن فی عینہ الکحل من عینِ زید بھی کہا جا سکتا ہے منہ فی عین زید کی جگہ پر من عین زید کہا جائے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے: ما رئیتُ کعین زیدٍ احسن فیھا الکحل۔ عین کو اسم تفضیل پر مقدم کر کے مِنْ کو اس کے ساتھ ذکر کئے بغیر۔ ظاہر ہے معنی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ بہرصورت اس کا معنی یہ ہے: میں نے زید کی آنکھ کی مانند کوئی سرگیں خوبصورت آنکھ نہیں دیکھی۔

اَلْقِسْمُ الثَّانِیْ فِی الْفِعْلِ وَقَدْ سَبَقَ تَعْرِیْفُهٗ وَاَقْسَامُهٗ ثَلٰثَةٌ مَاضٍ وَمُضَارِعٌ وَاَمْرٌ اَلْاَوَّلُ الْمَاضِیْ وَهُوَ فِعْلٌ دَلَّ عَلٰی زَمَانٍ قَبْلَ زَمَانِكَ وَهُوَ مَبْنِیٌّ عَلَی الْفَتْحِ اِنْ لَّمْ یَکُنْ مَعَهٗ ضَمِیْرٌ مَرْفُوْعٌ مُتَحَرِّكٌ وَلَا وَاوٌ کَضَرَبَ وَمَعَ الضَّمِیْرِ الْمَرْفُوْعِ الْمُتَحَرِّكِ عَلَی السُّکُوْنِ کَضَرَبْتُ وَعَلَی الضَّمِّ مَعَ وَاوٍ کَضَرَبُوْا

ترجمہ: دوسری قسم فعل کے بیان میں اور اس کی تعریف تحقیق کہ گزری اور اس کے اقسام تین ہیں: ماضی اور مضارع اور امر اول ماضی ہے اور وہ فعل ہے جو ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو ہونے والا ہے آپ کے زمانہ کے پہلے اور وہ فتح پر مبنی ہے اگر اس کے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک نہ ہو اور نہ واؤ ہو جیسے ضرب اور ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ سکون پر مبنی ہو گا جیسے ضربت اور ضم پر مبنی ہو گا واؤ کے ساتھ جیسے ضربوا۔

تشریح: **اَلْقِسْمُ الثَّانِیْ** یہ کتاب تین قسموں پر مشتمل ہے، پہلی قسم اسم کے بیان میں اور دوسری فعل اور تیسری حرف کے بیان میں اور جب پہلی قسم کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب دوسری قسم فعل کو بیان کیا جاتا ہے اور فعل جیسا کہ اس کی تعریف ماقبل میں گزری وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرے اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقترن ہو، اس کی تین قسمیں ہیں: ماضی، مضارع، امر۔ دلیل حصر یہ کہ فعل دو حال سے خالی نہیں، آیا وہ اخباری ہے یا انشائی، دوم امر ہے اور اول بھی دو حال سے خالی نہیں، آیا اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی حرف ہے یا نہیں، اول مضارع ہے اور دوم ماضی۔ ماضی کو مضارع پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ اصل ہے اور اس لئے بھی کہ اُس کا زمانہ مقدم ہے کہ وہ گزرا ہوا زمانہ پر دلالت کرتا ہے اور مضارع کو امر پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ امر آئندہ آنے والے زمانہ پر دلالت کرتا ہے اور مضارع موجودہ

اور آئندہ زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے زمانہ موجودہ مقدم ہے زمانہ آئندہ پر اور اس لئے بھی کہ امر بنایا جاتا ہے فعل مضارع سے، پس مضارع امر کے لئے ماخذ ہوا اور مأخذ مقدم ہوتا ہے اس سے جس سے شئی بنائی جائے۔

اَلْاَوَّلُ الْمَاضِيْ پہلی قسم فعل ماضی ہے اور وہ فعل ہے جو اس زمانہ سابق پر دلالت کرتا ہے جس میں مخاطب موجود ہے یعنی جس زمانے میں مخاطب موجود ہے، اس سے پہلے زمانے پر جس فعل کی دلالت ہو وہ فعل ماضی ہے جیسے **ضرب** مارا اُس ایک مرد نے زمانہ گزشتہ میں اور **کرم** بخشش کیا اس ایک مرد نے زمانہ گزشتہ میں۔

وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ یعنی فعل ماضی مبنی بر فتح ہوتی ہے لفظاً ہو یا تقدیراً۔ لفظاً جیسے **ضرب** اور تقدیراً جیسے **رمی** مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ ماضی میں ضمیر مرفوع متحرک نہ ہو اور نہ واؤ، لیکن مبنی اس لئے ہوتی ہے کہ ماضی میں اصل بناء ہے اور مبنی فتح پر اس لئے ہوتی ہے کہ فتح اخف حرکات ہے اور ضمیر مرفوع متحرک نہ ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ ضمیر فاعل بمنزلہ جزء فعل ہوتا ہے، پس اگر فعل کو ساکن نہ کیا جائے تو توالیٔ اربع حرکات لازم آئے گی جو بمنزلہ کلمۂ واحدہ ممنوع ہے، یعنی اس تقدیر پر ماضی مبنی بر سکون ہوگا جیسے **ضربتُ** میں اور واؤ نہ ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ اگر فعل ماضی میں واؤ ہو تو وہ مبنی بر فتح نہیں بلکہ مناسبت واؤ مبنی علی الضم ہونا لازم آئے گا، عام ہے کہ مبنی علی الضم لفظاً ہو جیسے **ضربوا** میں یا تقدیراً ہو جیسے **رَموا** میں۔

وَالثَّانِيْ اَلْمُضَارِعُ وَهُوَ فِعْلٌ يُشْبِهُ الْاِسْمَ بِاِحْدٰى حُرُوْفِ اَتَيْنَ فِيْ اَوَّلِهٖ لَفْظًا فِيْ اِتِّفَاقِ الْحَرَكَاتِ وَالسَّكَنَاتِ نَحْوُ يَضْرِبُ وَيَسْتَخْرِجُ كَضَارِبٍ وَمُسْتَخْرِجٍ وَفِيْ دُخُوْلِ لَامِ التَّاكِيْدِ فِيْ اَوَّلِهِمَا تَقُوْلُ اِنَّ زَيْدًا لَيَقُوْمُ كَمَا تَقُوْلُ اِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ وَفِيْ تَسَاوِيْهِمَا فِيْ عَدَدِ الْحُرُوْفِ وَمَعْنًى فِيْ اَنَّهٗ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَالِ كَاسْمِ الْفَاعِلِ وَلِذٰلِكَ سَمَّوْهُ مُضَارِعًا وَالسِّيْنُ وَسَوْفَ تُخَصِّصُهٗ بِالْاِسْتِقْبَالِ نَحْوُ سَيَضْرِبُ وَسَوْفَ يَضْرِبُ وَاللَّامُ الْمَفْتُوْحَةُ بِالْحَالِ نَحْوُ لَيَضْرِبُ

ترجمہ: اور دوسری قسم فعل مضارع ہے اور وہ فعل ہے جو مشابہ ہوتا ہے اسم کے حروف اَتین میں سے کسی ایک کے ساتھ، اس کے اول میں مشابہت لفظی ہو حرکات وسکنات کے اندر متفق ہونے میں جیسے **یضربُ ویستخرجُ ضاربٌ ومستخرجٌ** کی طرح اور ان دونوں کے شروع میں لام تاکید کے داخل ہونے میں، آپ کہیں گے: **انّ زیدًا لیقوم** جیسا کہ آپ کہیں گے: **انّ زیدًا لقائمٌ** اور ان دونوں کے برابر ہونے میں حرفوں کی گنتی میں۔ اور مشابہت معنوی ہے، اس امر میں کہ وہ حال و استقبال کے درمیان مشترک ہے جیسے اسم فاعل اور اسی وجہ سے اس کا نام مضارع رکھا جاتا ہے اور سین وسوف اس کو استقبال کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں جیسے **سیضربُ** اور **سوف یضربُ** اور لام مفتوح اس کو حال کے ساتھ خاص کر دیتا ہے جیسے **لیضربُ**۔

تشریح: **وَالثَّانِيْ اَلْمُضَارِعُ** فعل کی دوسری قسم فعل مضارع ہے اور وہ فعل ہے جو اسم کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو حروف **اتین** میں سے کسی ایک کے ساتھ اور وہ مشابہت عام ہے کہ لفظاً ہو یا معنیً۔ لفظاً مشابہت تین طرح پر ہے ایک یہ کہ مضارع

اور اسم فاعل دونوں حرکت وسکون میں برابر ہوتے ہیں یعنی فعل مضارع کے جتنے حروف ساکن یا متحرک ہوتے ہیں، اسم فاعل میں اتنے ہی حروف ساکن اور متحرک ہوتے ہیں جیسے **یضرب** مطابق ہے **ضارب** کے، **یستخرج** مطابق ہے **مستخرج** کے۔ دوسری مشابہت لام تاکید کے داخل ہونے میں کہ جس طرح اسم فاعل پر لام تاکید داخل ہوتا ہے، اسی طرح فعل مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے۔ تیسری مشابہت عدد حروف میں کہ جتنے حروف اسم فاعل میں ہوتے ہیں اتنے ہی حروف فعل مضارع میں بھی ہوتے ہیں اور معنیٰ مشابہت یہ ہے کہ اسم فاعل جس طرح حال واستقبال میں مشترک ہے، اسی طرح فعل مضارع بھی حال واستقبال میں مشترک ہے اور جس طرح اسم فاعل کی تخصیص قرینہ سے ہوتی ہے اسی طرح فعل مضارع کی تخصیص سین وسوف سے ہوتی ہے کہ سین وسوف جب فعل مضارع پر داخل ہو تو فعل مضارع استقبال کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور جب لام داخل ہو تو حال کے معنی کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے۔

ای یُشْبِہُ الْاِسْمَ اس عبارت سے فعل مضارع کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے کہ مضارع ماخوذ ہے مضارعت بمعنی مشابہت سے اور وہ چونکہ اسم فاعل کے ساتھ حال یا استقبال میں مشترک ہونے اور سین وسوف کے ساتھ خاص ہونے میں مشابہت رکھتا ہے، اس لئے اس کو مضارع کہا جاتا ہے۔

یَضْرِبُ وَیَسْتَخْرِجُ دو مثالیں اس لئے بیان کی گئیں کہ اول میں تین حرکتیں اور ایک سکون ہیں اور دوم میں چار حرکتیں اور دو سکون ہیں اور **فی دخول لام التاکید** کا عطف فی اتفاق الحرکات والسکنات پر ہے، اسی طرح **فی تساویھما فی عدد الحروف** کا عطف **فی اتفاق الحرکات والسکنات** پر ہے اور یہ دونوں معطوف اور معطوف علیہ تینوں کا تعلق **یشبھہ** فعل کے ساتھ ہے۔ **اولھما** میں ضمیر تثنیہ کے مرجع مضارع واسم ہیں، اول کی مثال **ان زیدًا لیقوم** ہے کہ لام تاکید **یقوم** مضارع پر داخل ہے اور دوم کی مثال **انّ زیدًا لقائمٌ** ہے کہ لام تاکید قائم اسم پر داخل ہے۔

وَمَعْنًی فِیْ اَنَّہٗ معنیً کا عطف لفظاً پر ہے، مطلب یہ کہ فعل مضارع اسم کے ساتھ لفظاً مشابہت رکھنے کے علاوہ معنیً بھی مشابہت رکھتا ہے، بایں طور کہ اسم فاعل جس طرح حال واستقبال کے معنی میں مشترک ہوتا ہے اسی طرح فعل مضارع بھی حال واستقبال کے معنی میں مشترک ہوتا ہے۔ ان ہی دونوں لفظاً ومعنیً مشابہت کی وجہ سے فعل مذکور کو فعل مضارع کہا جاتا ہے۔

وَحُرُوْفُ الْمُضَارِعَةِ مَضْمُوْمَۃٌ فِی الرُّبَاعِیِّ نَحْوُ یُدَحْرِجُ وَیُخْرِجُ لِاَنَّ اَصْلَہٗ یُاَخْرِجُ وَمَفْتُوْحَۃٌ فِیْ مَا عَدَاہُ کَیَضْرِبُ وَیَسْتَخْرِجُ وَاِنَّمَا اَعْرَبُوْہُ مَعَ اَنَّ اَصْلَ الْفِعْلِ الْبِنَاءُ لِمُضَارَعَتِہٖ اَیْ لِمُشَابَھَتِہِ الْاِسْمَ فِیْ مَا عَرَفْتَ وَاَصْلُ الْاِسْمِ الْاِعْرَابُ وَذٰلِکَ اِذَا لَمْ یَتَّصِلْ بِہٖ نُوْنُ تَاکِیْدٍ وَلَا نُوْنُ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ وَاِعْرَابُہٗ ثَلٰثَۃُ اَنْوَاعٍ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَزْمٌ نَحْوُ ھُوَ یَضْرِبُ وَلَنْ یَّضْرِبَ وَلَمْ یَضْرِبْ

ترجمہ: اور مضارع کے حروف رباعی میں مضموم ہیں جیسے **یدحرج** اور **یخرج** اس لئے کہ اس کی اصل **یأخرج** ہے اور مفتوح ہیں اس کے علاوہ میں جیسے **یضرب** اور **یستخرج** اور اہل عرب نے اس کو معرب قرار دیا ہے باوجودیکہ فعل کی اصل مبنی ہونا

ہے ایک یہ کہ اذن کا مابعد اس کے ماقبل پر اعتماد نہ رکھتا ہو یعنی اس کا مابعد، ماقبل کا معمول نہ ہو۔ دوسری یہ کہ فعل مضارع میں مستقبل کا معنی ہو حال کا نہیں، چنانچہ اذن تدخل الجنۃ یعنی اس وقت آپ جنت میں داخل ہوں، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ کوئی کہے: اسلمتُ یعنی میں اسلام لایا، تو اس مثال میں اذن کا مابعد چونکہ اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور فعل مضارع میں مستقبل کا معنی پایا جاتا ہے، اس لئے وہ اپنے مابعد کو نصب دے گا۔

اَنِ الْمُقَدَّرَۃُ جس طرح ان ملفوظ کے بعد فعل مضارع منصوب ہوتا ہے اسی طرح ان مقدرہ کے بعد بھی فعل مضارع منصوب ہوتا ہے اور ان چونکہ سات جگہوں میں مقدر ہوتا ہے اور وہ آگے تفصیلاً مذکور ہے۔ اس لئے یہاں اس کی مثال بیان نہ کر کے صرف اول چار کی مثال بیان کی جاتی ہے، چنانچہ ان جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اس کی مثال جیسے اُرید ان تحسن الیّ اور لن کی مثال جیسے انا لن اضربك یعنی میں ہرگز نہیں ماروں گا آپ کو اور کَیْ کی مثال جیسے اسلمتُ کَیْ ادخل الجنۃ یعنی میں اسلام لایا تا کہ جنت میں داخل ہو جاؤں۔ اور اذن کی مثال جیسے اذن یغفر اللہ لك یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ تجھے بخشے گا۔

وَتُقَدَّرُ اَنْ فِیْ سَبْعَةِ مَوَاضِعَ بَعْدَ حَتّٰی نَحْوُ اَسْلَمْتُ حَتّٰی اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَلَامِ کَیْ نَحْوُ قَامَ زَیْدٌ لِیَذْهَبَ وَلَامِ الْجَحْدِ نَحْوُ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَالْفَاءِ الْوَاقِعَةِ فِیْ جَوَابِ الْاَمْرِ وَالنَّهْیِ وَالْاِسْتِفْهَامِ وَالنَّفْیِ وَالتَّمَنِّیْ وَالْعَرْضِ نَحْوُ اَسْلِمْ فَتَسْلَمَ وَلَا تَعْصِ فَتُعَذَّبَ وَهَلْ تَعَلَّمَ فَتَنْجُوَ وَمَا تَزُوْرُنَا فَنُکْرِمَكَ وَلَیْتَ لِیْ مَالًا فَاُنْفِقَهٗ وَاَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِیْبَ خَیْرًا وَبَعْدَ الْوَاوِ الْوَاقِعَةِ فِیْ جَوَابِ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ کَذٰلِكَ نَحْوُ اَسْلِمْ وَتَسْلَمَ اِلٰی آخِرِهٖ وَبَعْدَ اَوْ بِمَعْنٰی اِلٰی اَنْ اَوْ اِلَّا اَنْ نَحْوُ لَاَحْبِسَنَّكَ اَوْ تُعْطِیَنِیْ حَقِّیْ وَوَاوِ الْعَطْفِ اِذَا کَانَ الْمَعْطُوْفُ عَلَیْهِ اِسْمًا صَرِیْحًا نَحْوُ اَعْجَبَنِیْ قِیَامُكَ وَتَخْرُجَ

ترجمہ: اور اَنْ سات جگہوں میں مقدر ہوتا ہے۔ حتّٰی کے بعد جیسے اسلمتُ حتی ادخل الجنۃَ اور لام کَیْ کے بعد جیسے قام زیدٌ لیذهب یعنی کھڑا ہوا زید تا کہ جائے اور لام جحد کے بعد جیسے ما کان اللہ لیعذبھم یعنی نہیں اللہ کہ عذاب دے ان کو اور ایسی فاء کے بعد جو واقع ہو امر اور نہی اور استفہام اور نفی اور تمنی اور عرض کے بعد جیسے اسلم فتسلم یعنی آپ اسلام لائے تو سالم رہیں گے اور لا تعص فتعذب یعنی نافرمانی مت کریں تو عذاب دیئے جائیں گے اور ھل تعلم فتنجو یعنی کیا آپ جانتے ہیں تو نجات پائیں گے اور ما تزورنا فنکرمك یعنی آپ ہماری زیارت نہیں کرتے تو ہم آپ کی تعظیم کریں گے اور لیت لی مالًا فانفقہٗ یعنی کاش ہوتا میرے پاس مال تو میں اُس کو خرچ کرتا اور الا تنزل بنا فتصیب خیرًا یعنی کیا آپ ہمارے پاس نہیں اُتریں گے تو بھلائی کو آپ پالیں گے اور اس واؤ کے بعد جو واقع ہونے والا ہو ان جگہوں کے جواب میں اسی طرح جیسے اسلم وتسلم اس کے اخیر تک اور اَوْ کے بعد دراں حالیکہ وہ بمعنی الی اَن یا اِلّا اَنْ ہو جیسے لاحبسنك اَوْ تعطینی حقی یعنی البتہ ضرور روکوں گا میں آپ کو یہاں تک یا یہ کہ آپ دیں مجھ کو میرا حق

اور واؤ عطف کے بعد جب کہ معطوف علیہ اسم صریح ہو جیسے **اعجبنی قیامك وتخرج** یعنی تعجب میں ڈالا مجھ کو آپ کے کھڑے ہونے نے اور یہ کہ آپ نکلیں۔

تشریح: **اَنْ تُقَدَّرُ** یعنی اَنْ سات جگہوں میں مقدر ہوتا ہے، اول حتی کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے جیسے **اسلمتُ ادخل الجنۃ وسرت حتی ادخل الجنۃ** دوم لام کَیْ کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے جیسے **قام زیدٌ لیذھب** یعنی کھڑا ہوا زید تا کہ وہ جاوے۔ سوم لام جحد، بمعنی انکار کے بعد جیسے **ما کانَ اللہُ لیعذبھم** یعنی نہیں اللہ کہ عذاب دے اُن کو۔ لام جحد وہ لام ہے جو **کان** منفی کی خبر پر داخل ہو کر تاکید نفی کے لئے آتا ہے جیسے مثال مذکور میں ہے اور یہ حرف چونکہ جار ہے اور فعل پر داخل نہیں ہوتا اس لئے اس کے بعد اَن مصدر یہ مقدر ہوگا تاکہ فعل مضارع **بتأویل** مصدر ہو کر خبر میں داخل ہو سکے۔ چہارم اس فاء کے بعد اَن مقدر ہوتا ہے جو امر و نہی و استفہام وغیرہ کے جواب میں واقع ہو جیسے **اسلم فتسلم ولا تعص فتعذب**۔ پنجم اس واؤ کے بعد اَن مقدر ہوتا ہے جو ان جگہوں کے جواب میں ہو، جیسے **اسلم وتسلم**۔ ششم اس **اَوْ** کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے جو بمعنی اِلٰی اَنْ یا اِلَّا اَنْ ہو جیسے **لاحبسنك او تعطینی حقی** یعنی البتہ میں ضرور آپ کو روکوں گا یہاں تک یا یہ کہ آپ مجھ کو میرا حق دیں۔ ہفتم اس واؤ عاطفہ کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے جب کہ معطوف علیہ صراحۃً ہو جیسے **اعجبنی قیامك وتخرج** یعنی تعجب میں ڈالا مجھ کو آپ کے کھڑے ہونے نے اور یہ کہ آپ نکلیں۔

لَامِ الْجُحْدِ یہ معطوف ہے حتیٰ پر، اصل عبارت یہ ہے: **بعد لام الجحد** یعنی لام جحد یا جحود وہ لام ہے جو **کان** منفی کے بعد نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔ اس لام کے بعد فعل مضارع بتقدیر اَن منصوب ہوتا ہے جیسے **ما کان اللہ لیعذبھم** اس میں **کانَ** کا اسم جو اسم جلالت ہے اس سے قبل مضاف مقدر ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: **ما کان صفۃ اللہ تعذبھم** تو جب اسم **کان** سے پہلے مضاف مقدر ہوگا تو **کان** کے اسم وخبر کے درمیان حمل درست ہو جائے گا اور اس کا معنی یہ درست ہوگا کہ نہیں ہے اللہ کی صفت اُن کو عذاب دینا۔

اَلْفَاءُ الْوَاقِعَۃِ یہ بھی معطوف ہے حتیٰ پر یعنی وہ فاء کہ جس کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے اس کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ فاء کا ماقبل اس کے مابعد کے لئے سبب ہو، دوسری یہ کہ فاء واقع ہو امر و نہی و استفہام وغیرہ، مذکورہ چھ اُمور کے جواب میں۔

نَحْوُ اَسْلِمْ فَتَسْلَمَ یہ مثال ہے اس فاء کی جو امر کے جواب میں واقع ہے اور **لا تعص فتعذب** یہ مثال ہے اس فاء کی جو واقع ہے نہی کے جواب میں اور **ھل تعلم فتنجو** یہ مثال ہے اس فاء کی جو استفہام کے جواب میں واقع ہے اور **ما تزورنا فنکرمك** اس فاء کی مثال ہے جو نفی کے جواب میں واقع ہے اور **لیت لی مالا فانفقہ** اس فاء کی مثال ہے جو تمنی کے جواب میں واقع ہے اور **الا تنزل بنا فتصیب خیرًا** اس فاء کی مثال ہے جو عرض کے جواب میں واقع ہے۔

وَبَعْدَ الْوَاوِ یہ بھی معطوف ہے حتیٰ پر، یعنی اس واؤ کے بعد بھی اَنْ مقدر ہوتا ہے جو مذکورہ چھ اُمور کے جواب میں واقع ہو۔ اس واؤ کو واؤ جمع اور واؤ صرف بھی کہا جاتا ہے۔ اس واؤ کے بعد **اَن** دو شرطوں سے مقدر ہوتا ہے ایک یہ کہ جمعیت کا معنی ہو

یعنی واؤ کا ماقبل اس کے بعد کا مصاحب ہو، مطلب یہ کہ دونوں کے حصول کا زمانہ ایک ہو۔ دوسری شرط یہ کہ واؤ سے پہلے مذکورہ چھ چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور ہو۔ واؤ کی مثالیں بعینہ وہی ہیں جو فاء کی مثالیں ہیں جیسے **اسلم فتسلم** کی جگہ پر **اسلم وتسلم** ہے، اسی طرح دوسری مثالوں کو قیاس کیا جائے۔

وَبَعْدَ اَوْ بِمَعْنٰی اس کا عطف **بعد** حتیٰ پر ہے یعنی واؤ کے بعد مضارع بتقدیر **اَنْ** اس وقت منصوب ہوتا ہے جب کہ وہ بمعنی **اِلٰی اَنْ** یا **اِلَّا اَنْ** ہو جیسے **لاحبسنك او تعطینی حقی** یعنی **لاحبسنك اِلٰی اَنْ تعطینی حقی او الا ان تعطینی حقی** یعنی البتہ ضرور روکوں گا میں تجھ کو یہاں تک یا یہ کہ آپ مجھ کو میرا حق دیں۔

وَوَاوِ الْعَطْفِ یعنی واؤ عطف کے بعد بھی **اَنْ** مقدر ہوتا ہے جب کہ واؤ عطف سے پہلے اسم صریح ہو جیسے **اعجبنی قیامك وتخرج** اصل میں یہ ہے: **اعجبنی قیامك وان تخرج** اس میں **اَنْ** کی تقدیر اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اسم کی تأویل میں ہو جائے کیونکہ فعل کا عطف اسم پر درست نہیں ہوتا اور مضارع جس طرح واؤ عطف کے بعد تقدیر **اَن** کے ساتھ منصوب ہوتا ہے جب کہ معطوف علیہ اسم صریح ہو، اسی طرح باقی حروف عطف کے بعد بھی فعل مضارع منصوب ہوتا ہے جبکہ معطوف علیہ اسم صریح ہو، اس لئے یہاں مطلقاً واؤ عطف کے بجائے بعد حروف العطف کہنا چاہیے تھا۔

وَيَجُوْزُ اِظْهَارُ اَنْ مَعَ لَامِ كَيْ نَحْوُ اَسْلَمْتُ لِاَنْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَمَعَ وَاوِ الْعَطْفِ نَحْوُ اَعْجَبَنِيْ قِيَامُكَ وَاَنْ تَخْرُجَ وَيَجِبُ اِظْهَارُ اَنْ فِيْ لَامِ كَيْ اِذَا اتَّصَلَتْ بِلَامِ النَّافِيَةِ نَحْوُ لِئَلَّا يَعْلَمَ

ترجمہ: اور جائز ہوتا ہے **اَنْ** کو ظاہر کرنا لام کَیْ کے ساتھ جیسے **اسلمت لان ادخل الجنة** یعنی میں اسلام لایا تا کہ جنت میں داخل ہو جاؤں اور واؤ عطف کے ساتھ جیسے **اعجبنی قیامك وان تخرج** یعنی تعجب میں ڈالا مجھ کو آپ کے کھڑے ہونے نے اور یا یہ کہ آپ نکلیں اور **اَن** کو ظاہر کرنا لام کَیْ میں واجب ہوتا ہے جبکہ وہ لائے نافیہ کے ساتھ متصل ہو جیسے **لئلا یعلم** یعنی تا کہ نہ جانے وہ۔

تشریح: **يَجُوْزُ اِظْهَارُ** اس سے قبل **اَنْ** مصدریہ کے مقدر ماننے سے متعلق گفتگو تھی اور اب اس کو ظاہر کرنے سے متعلق گفتگو ہے کہ **اَنْ** مصدریہ کو لام کَیْ اور واؤ عطف کے ساتھ ظاہر کرنا جائز ہے، مثال لام کَیْ کے ساتھ اَنْ کو ظاہر کرنے کی **اسلمتُ لان ادخل الجنة** ہے اور مثال واؤ عطف کے ساتھ ظاہر کرنے کی **اعجبنی قیامك وان تخرج** ہے۔

وَيَجِبُ اِظْهَارُ یعنی **اَنْ** مصدریہ کو ظاہر کرنا واجب ہے اس وقت جبکہ لام کَیْ کے ساتھ لائے نافیہ بھی ہو، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **لئلا یعلم** کیونکہ اگر اس کو ظاہر نہ کیا جائے تو دو متعدد لام کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اَنِ الْوَاقِعَةَ بَعْدَ الْعِلْمِ لَيْسَتْ هِيَ النَّاصِبَةُ لِلْفِعْلِ الْمُضَارِعِ وَاِنَّمَا هِيَ الْمُخَفَّفَةُ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ نَحْوُ عَلِمْتُ اَنْ سَيَقُوْمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاَنِ الْوَاقِعَةُ بَعْدَ الظَّنِّ جَازَ فِيْهِ الْوَجْهَانِ النَّصْبُ بِهَا وَاَنْ تَجْعَلَهَا كَالْوَاقِعَةِ بَعْدَ الْعِلْمِ نَحْوُ ظَنَنْتُ اَنْ سَيَقُوْمُ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک اَنْ جو واقع ہے علم کے بعد وہ فعل مضارع کو نصب دینے والا نہیں اور جزیں نیست کہ وہ اَنْ ہے جو مخففہ ہے مثقلہ سے جیسے علمت اَنْ سیقوم یعنی میں نے جانا بے شک شان یہ کہ عنقریب وہ کھڑا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: علم ان سیکون منکم مرضٰی یعنی جانا اس نے بے شک شان یہ ہے کہ عنقریب آپ میں سے بیمار ہوں گے اور اَنْ جو واقع ہے ظن کے بعد اس میں دو وجہ جائز ہیں۔ نصب اس اَن کے ساتھ اور یہ کہ آپ کریں اس کو اس اَن کی مانند جو کہ علم کے بعد واقع ہے جیسے ظننت ان سیقوم یعنی میں نے گمان کیا بے شک شان یہ ہے کہ عنقریب وہ کھڑا ہوں گے۔

تشریح: اَنِ الْوَاقِعَةَ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ قاعدۂ مذکور کہ اَنْ اگر فعل مضارع پر داخل ہو تو اس کو نصب دیتا ہے، تسلیم نہیں کیونکہ علمت ان سیقوم میں اَنْ فعل مضارع پر داخل ہے، اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ: ان سیکون منکم مرضٰی میں سیکون پر اَنْ داخل ہے لیکن وہ نصب نہیں دیتا، جواب یہ کہ اَنْ جو علم کے بعد واقع ہو وہ فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا کیونکہ وہ مخففہ ہوتا ہے مثقلہ سے، چنانچہ مثال مذکور علمت ان سیقوم میں اَنْ چونکہ علم کے بعد واقع ہے، اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ان سیکونُ منکم مرضٰی میں بھی اَنْ علم کے بعد واقع ہے۔ اس لئے وہ فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا کیونکہ وہ مخففہ ہے مثقلہ سے۔

بَعْدَ الْعِلْمِ علم سے یہاں مراد وہ فعل ہے جو مفید یقین ہو خواہ وہ لفظ علم ہو یا اس کے علاوہ دوسرے الفاظ مثلاً رؤیت و وجدان ویقین وتحقیق وانکشاف وشہادت وغیرہ ہوں اور علم کے بعد فعل مضارع پر اَنْ مخففہ آئے تو اس اَنْ کے بعد فعل مضارع پر چار اُمور یعنی سین یا سوف یا قد یا حرف نفی میں سے کوئی ایک ضرور ہوتا کہ ابتداء ہی سے اَنْ مخففہ اور اَنْ مصدریہ کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے کیونکہ اَنْ مصدریہ اور فعل مضارع کے درمیان کوئی حرف فاصل نہیں آتا۔

اَنِ الْوَاقِعَةَ بَعْدَ الظَّنِّ یعنی وہ اَنْ جو ظن کے بعد واقع ہو، اس میں دو وجہ جائز ہیں، ایک اَنْ مخففہ، مثقلہ سے اور دوسرا اَنْ مصدریہ کیونکہ ظن چونکہ جانب راجح کو کہا جاتا ہے تو اگر اس کی جانب راجح پر نظر کیا جائے تو اس کے مناسب اَنْ مخففہ ہوگا جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور اگر مرجوح پر نظر کیا جائے تو ان کے مناسب اَنْ مصدریہ ہے چنانچہ ظننتُ ان سیقوم میں سیقوم کو بتقدیر اول مرفوع پڑھا جائے گا اور بتقدیر دوم منصوب ظن کے علاوہ رجاء وطمع وخشیت وخوف وشک ووہم وغیرہ کے بعد اَنْ مصدریہ ہوتا ہے جیسے رجوت ان تقوم وغیرہ۔

فصل: اَلْمَجْزُوْمُ عَامِلُهُ لَمْ وَلَمَّا وَلَامِ الْاَمْرِ وَلَا فِي النَّهْيِ وَكَلِمِ الْمُجَازَاتِ وَهِيَ اِنْ وَمَهْمَا وَاِذْ مَا وَحَيْثُمَا وَاَيْنَ وَمَتٰى وَمَا وَمَنْ وَاَيٌّ وَاَنّٰى وَاِنِ الْمُقَدَّرَةُ نَحْوُ لَمْ يَضْرِبْ وَلَمَّا يَضْرِبْ وَلِيَضْرِبْ وَلَا تَضْرِبْ وَاِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ

ترجمہ: یہ فصل ہے مضارع مجزوم کے بیان میں۔ اس کا عامل لم ولما ولام لامر اور لائے نہی ہیں اور کلم مجازات اور وہ

إنْ ومهما واذ ما وحيثما واين ومتى وما ومن وايٌّ وانّٰى اور ان مقدرہ جیسے لم يضرب ولما يضرب وليضرب ولا تضرب وان تضرب اضرب۔

تشریح: اَلْمَجْزُوْمُ اس سے قبل فعل مضارع کے نصب سے متعلق کلام تھا اور اب اس کے جزم سے متعلق کلام ہے کہ وہ مجزوم ہوتا ہے لم اور لمّا اور لام امر اور لائے نہی اور کلم مجازات سے اور کلم مجازات یہ ہیں: ان اور مهما اور اذما اور حيثما واين ومتى وما ومن وايّ وانّى اور ان مقدرہ ان کو کلم مجازات اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا دخول چونکہ دو جملوں پر ہوتا ہے جن میں سے ایک جملہ دوسرے جملہ کا جزء ہوتا ہے اور بعض ان میں سے اسم ہوتا ہے اور بعض حرف، اس لئے ان کو کلم کہا گیا تا کہ وہ دونوں کو شامل ہو جائے۔

نَحْوُ لَمْ يَضْرِبْ حروف جازم چونکہ چار ہیں، اس لئے اس کی مثالیں بھی چار بیان کی گئی ہیں لیکن کلم مجازات وہ اگرچہ نو ہیں لیکن ان کی مثال صرف ایک یعنی اَنْ کی بیان کی گئی ہے اور باقیوں کو اسی پر قیاس کر لیا گیا ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ لَمْ تَقْلِبُ الْمُضَارِعَ مَاضِيًا مَنْفِيًا وَلَمَّا كَذٰلِكَ اِلَّا اَنَّ فِيْهَا تَوَقُّعًا بَعْدَهٗ وَدَوَامًا قَبْلَهٗ نَحْوُ قَامَ الْاَمِيْرُ لَمَّا يَرْكَبْ وَاَيْضًا يَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ بَعْدَ لَمَّا خَاصَّةً تَقُوْلُ نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمَّا اَيْ وَلَمَّا يَنْفَعْهُ النَّدَمُ وَلَا تَقُوْلُ نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمْ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک لم فعل مضارع کو ماضی منفی بنا دیتا ہے اور لما اسی طرح مگر بے شک لا میں توقع ہے اس کے بعد اور دوام ہے اس سے قبل جیسی "قام الامير لما يركب یعنی امیر کھڑا ہوا اور نیز فعل کا حذف لما کے بعد خاص کر جائز ہوتا ہے آپ کہیں گے: ندم زيدٌ ولما یعنی اور اب تک نفع نہیں دیا اس کو شرمندی نے اور آپ نہیں کہیں گے: ندم زيدٌ ولم۔

اِعْلَمْ اَنَّ یہ تفصیل ہے جوازم فعل مضارع کی کہ لم فعل مضارع کو ماضی منفی کی طرف بدل دیتا ہے اور یہی حال لما کا ہے مگر دونوں میں تین طریقے سے فرق ہے، اول یہ کہ لما میں نفی استغراق کے لئے ہوتی ہے یعنی وقت انتفاء سے وقت تکلم تک تمام سابقہ زمانہ کو شامل ہو برخلاف لم کے کہ وہ صرف زمانہ ماضی میں نفی فعل کا فائدہ دیتا ہے، اس میں استغراق کا معنی نہیں دیتا۔ دوم یہ کہ لما کا استعمال اکثر اس فعل میں ہوتا ہے جس کے وقوع کی توقع و امید ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ لما کے فعل کا حذف کرنا جب کہ اس پر کوئی قرینہ موجود ہو، جائز ہے۔ جیسے کوئی شخص اس مقام میں کہے کہ جہاں امر کے سوار ہونے کا ذکر ہو جئت ولما کہے ای لما يركب اور کبھی لما کا استعمال فعل غیر متوقع میں ہوتا ہے جیسے ندم فلانٌ ولما ينفع الندم کہے یعنی فلاں شخص نادم ہوا اور اب تک ندامت نے اس کو فائدہ نہیں دیا۔ سوم یہ کہ لما پر ادوات شرط داخل نہیں ہوتے، چنانچہ ان لما يضرب ومن لما يضرب نہیں کہا جاتا جیسا کہ ان لم يضرب ومن لم يضرب کہا جاتا ہے۔

وَاَمَّا كَلِمُ الْمَجَازَاتِ حَرْفًا كَانَتْ اَوْ اِسْمًا فَهِيَ تَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَتَيْنِ لِتَدُلَّ عَلٰى اَنَّ الْاُوْلٰى سَبَبٌ

لِلثَّانِيَةِ وَتُسَمَّى الْأُوْلٰى شَرْطًا وَالثَّانِيَةُ جَزَاءً ثُمَّ إِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مُضَارِعَيْنِ يَجِبُ الْجَزْمُ فِيْهِمَا لَفْظًا نَحْوُ إِنْ تُكْرِمْنِيْ أُكْرِمْكَ وَإِنْ كَانَ مَاضِيَيْنِ لَمْ تَعْمَلْ فِيْهِمَا لَفْظًا نَحْوُ إِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ وَإِنْ كَانَ الْجَزَاءُ وَحْدَهُ مَاضِيًا يَجِبُ الْجَزْمُ فِي الشَّرْطِ نَحْوُ إِنْ تَضْرِبْنِيْ ضَرَبْتُكَ وَإِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَحْدَهُ مَاضِيًا جَازَ فِي الْجَزَاءِ وَجْهَانِ نَحْوُ إِنْ جِئْتَنِيْ أُكْرِمْكَ

ترجمہ: اور لیکن مجازات کے کلمے خواہ وہ حرف ہوں یا اسم تو وہ دونوں جملوں پر داخل ہوتے ہیں تا کہ وہ اس امر پر دلالت کرے کہ پہلا جملہ سبب ہے دوسرے جملہ کا، پہلے جملہ کا نام شرط رکھا جاتا ہے اور دوسرے کا جزاء، پھر اگر شرط و جزا مضارع ہوں تو ان دونوں میں لفظاً جزم واجب ہوتا ہے جیسے **ان تکرمنی اکرمک** یعنی اگر آپ میری عزت کریں گے تو میں آپ کی عزت کروں گا اور اگر وہ دونوں ماضی ہوں تو وہ کلمات ان دونوں میں لفظاً عمل نہیں کریں گے جیسے **ان ضربت ضربتُ** اور اگر صرف جزا ماضی ہو تو شرط میں جزم واجب ہوتا ہے جیسے **ان تضربنی ضربتک** اور اگر صرف شرط ماضی ہو تو جزاء میں دو وجہ جائز ہیں جیسے **ان جئتنی اکرمک**۔

تشریح: **وَاَمَّا كَلِمُ الْمُجَازَاتِ** کلم مجازات یعنی کلمات شرط و جزاء خواہ وہ حرف ہوں یا اسم، دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں جن میں سے پہلا جملہ سبب ہوتا ہے اور دوسرا مسبب، جملہ اول کو شرط کہا جاتا ہے اور جملۂ دوم کو جزا جیسے **ان کانت الشمسُ طالعۃً فالنھارُ موجودٌ** اِنْ دو جملوں پر داخل ہے پہلا جملہ **الشمسُ طالعۃٌ** سبب ہے اور دوسرا جملہ **النھار موجودٌ** مسبب لہٰذا جملۂ اول شرط ہوا اور جملہ دوم جزاء۔

ثُمَّ اِنْ كَانَ الشَّرْطُ یعنی شرط و جزاء اگر دونوں فعل مضارع ہوں تو شرط اور جزاء دونوں میں لفظاً جزم ضروری ہوتا ہے جیسے **اِنْ تکرمنی اُکرمک**۔ اس لئے کہ فعل مضارع معرب ہے جو کلم مجازات کی وجہ سے جزم کو قبول کرتا ہے اور شرط و جزاء اگر دونوں ماضی ہوں تو کلم مجازات شرط و جزاء کے اندر تلفظ میں عمل نہ کریں گے کیونکہ ماضی مبنی ہوتا ہے اور وہ کلم مجازات کا اثر قبول نہیں کرتا جیسے **اِنْ ضربتَ ضربتُ**۔

اِنْ كَانَ الْجَزَاءُ صرف جزاء اگر ماضی ہو یعنی شرط اگر فعل مضارع ہو اور جزاء ماضی تو شرط میں جزم ضروری ہوتا ہے جزاء میں نہیں کہ وہ ماضی ہے جیسے **ان تضربنی ضربتک** اور اگر صرف شرط ماضی ہو یعنی شرط ماضی ہو اور جزاء فعل مضارع تو جزاء میں دو وجہ جائز ہیں: جزم اور رفع، جزم اس لئے کہ جزم کے قبول کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن رفع اس لئے کہ شرط میں ماضی کی وجہ سے جب جزم باطل ہو گیا تو جزاء میں بھی باطل ہو جائے گا جیسے **اِنْ جئتنی اکرمْک** جزم کے ساتھ اور **ان جئتنی اکرمُک** رفع کے ساتھ۔

وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا كَانَ الْجَزَاءُ مَاضِيًا بِغَيْرِ قَدْ لَمْ يَجُزِ الْفَاءُ فِيْهِ نَحْوُ إِنْ أَكْرَمْتَنِيْ أَكْرَمْتُكَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَإِنْ كَانَ مُضَارِعًا مُثْبَتًا أَوْ مَنْفِيًّا بِلَا جَازَ فِيْهِ الْوَجْهَانِ نَحْوُ إِنْ تَضْرِبْنِيْ أَضْرِبْكَ

أَوْ فَاَضْرِبُكَ اِنْ تَشْتِمْنِيْ لَا اَضْرِبُكَ اَوْ فَلَا اَضْرِبُكَ وَاِنْ لَّمْ يَكُنِ الْجَزَاءُ اَحَدَ الْقِسْمَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ فَيَجِبُ الْفَاءُ فِيْهِ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ جزاء جبکہ ماضی ہو قد کے بغیر تو فاء اس میں جائز نہ ہوگا جیسے ان اکرمتنی اکرمتك اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ومن دخلہ کان امنا یعنی جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ امن والا ہوگا اور اگر مضارع مثبت یا منفی لا کے ساتھ ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہوں گی جیسے ان تضربنی اضربك او فاضربك اور ان تشتمنی لا اضربك او فلا اضربك اور اگر جزاء مذکورہ دو قسموں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو فاء اس میں واجب ہوگا۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّهٗ اِذَا كَانَ یعنی جزاء جبکہ ماضی بغیر قد ہو، عام ازیں کہ ماضی لفظاً ہو جیسے اِن ضربت ضربتُ یا معنیً ہو جیسے اِن ضربت لم اضرب تو ایسی صورت میں جزاء پر فاء کا دخول جائز نہ ہوگا جیسے ان اکرمتنی اکرمتك ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ومن دخلہ کان امنا کیونکہ فاء کے ذریعہ جزاء کو شرط کے ساتھ ربط مقصود ہوتا ہے اور واسطہ کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ حرف شرط کی تاثیر متحقق ہوگی اور یہاں چونکہ حرف شرط نے ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیا ہے، اس لئے حرف شرط کی تاثیر متحقق ہوگی اور واسطہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ برخلاف وہ ماضی کہ جو قد کے ساتھ ہو وہ چونکہ اپنے معنی پر باقی ہے اس لئے حرف شرط کی تاثیر بالکل متحقق نہ ہوگی اور ربط کے لئے فاء کا دخول واجب ہوگا جیسے ان دعوتنی الیوم فقد دعوتك امس۔

وَاِنْ كَانَ مُضَارِعًا جزاء جبکہ مضارع ہو خواہ مثبت ہو یا منفی لا کے ساتھ تو اس پر فاء کا دخول اور عدم دخول دونوں جائز ہیں۔ فاء کا دخول اس لئے کہ حرف شرط معنی کے تغیر میں مؤثر نہیں جیسا کہ وہ ماضی میں مؤثر ہے تو جزاء پر فاء کو داخل کیا جائے گا اور معنی کے تغیر میں وہ مؤثر ہے بایں طور کہ اس کو استقبال کے معنی کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، پس فاء کو لایا نہیں جائے گا کیونکہ حرف شرط کی تاثیر من وجہٍ موجود ہے اگرچہ تاثیر قوی نہیں۔

وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ جزاء اگر مذکور دونوں قسموں میں سے کوئی بھی نہ ہو، یعنی نہ وہ ماضی بغیر قد ہو اور نہ مضارع مثبت یا منفی بلا ہو تو اس پر فاء کا دخول ضروری ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: من جاء بالحسنة فلهٗ عشر امثالها۔

وَذَالِكَ فِيْ اَرْبَعِ صُوَرٍ اَلْاُوْلٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْجَزَاءُ مَاضِيًا مَعَ قَدْ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ وَالثَّانِيَةُ اَنْ يَّكُوْنَ مُضَارِعًا مَنْفِيًّا بِغَيْرِ لَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَالثَّالِثَةُ اَنْ يَّكُوْنَ جُمْلَةً اِسْمِيَّةً كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَالرَّابِعُ اَنْ يَّكُوْنَ جُمْلَةً اِنْشَائِيَّةً اِمَّا اَمْرًا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاِمَّا نَهْيًا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ وَقَدْ يَقَعُ اِذَا مَعَ الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ مَوْضِعَ الْفَاءِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ

ترجمہ: اور وہ چار صورتوں میں ہے، پہلی صورت یہ کہ جزاء ماضی ہو قد کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبلُ یعنی اگر وہ چوری کرنے گا تو تحقیق کہ چرایا اس سے پہلے اس کے بھائی نے۔ دوسری صورت یہ کہ وہ جزاء مضارع منفی بغیر لا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ومن یبتغ غیر الاسلامِ دینًا فلن یقبل منہ یعنی جو شخص اسلام کے علاوہ دین کو طلب کرے تو وہ ہرگز اس سے دین کو قبول نہیں کرے گا اور تیسری صورت یہ کہ وہ جملہ اسمیہ ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: من جاء بالحسنۃِ فلہٗ عشر امثالھا یعنی جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس کی دس مثل ہے اور چوتھی صورت یہ کہ وہ جملہ انشائیہ ہو، آیا امر ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یعنی اے محبوب! آپ فرما دیں کہ اگر آپ لوگ اللہ کو محبوب رکھنا چاہتے ہیں تو آپ لوگ میری پیروی کریں۔ یا نہی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار یعنی اگر آپ لوگ ان عورتوں کو مؤمن عقیدے پر جان لیں تو ان لوگوں کو کافروں کی طرف مت لوٹائیں اور کبھی اذا جملہ اسمیہ کے ساتھ فاء کی جگہ پر واقع ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وان تصبھم سیئۃٌ بما قدمت ایدیھم اذا ھم یقنطون یعنی اگر ان لوگوں کو بُرائی پہنچے اس چیز کے سبب سے جو آگے کیا اس کو ان کے ہاتھوں نے اچانک وہ لوگ نا اُمید ہو جاتے ہیں۔

تشریح: وَذَالِکَ فِیْ اَرْبَعٍ جزاء اگر مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی ہو تو اس کی چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور ہر ایک صورتوں میں فاء کا دخول ضروری ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہ جزاء ماضی ہو قد کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اِنْ یسرق فقد سرق اخ لہٗ من قبلُ میں جزاء فقد سرق ہے جو ماضیَ ہے قد کے ساتھ، دوسری یہ کہ جزاء مضارع منفی ہو لا کے علاوہ کے ساتھ، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ومن یبتغ غیرَ الاسلامِ دینًا فلن یقبل منہ میں جزاء فلن یقبل ہے جو مضارع منفی ہے لا کے علاوہ یعنی لن کے ساتھ، تیسری یہ کہ جزاء جملہ اسمیہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: من جاء بالحسنۃِ فلہٗ عشر امثالھا میں جزاء فلہٗ عشر امثالھا جملہ اسمیہ ہے، چوتھی یہ کہ جزاء جملہ انشائیہ ہو عام ہے امر ہو یا نہی۔ امر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی میں جزاء فاتبعونی ہے جو جملہ انشائیہ ہے اس میں اتبعوا فعل امر ہے۔ نہی جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فان علمتموھن مؤمناتٍ فلا ترجعوھن الی الکفارِ میں جزاء فلا ترجعوھن جملہ انشائیہ ہے جو نہی ہے۔

وَقَدْ یَقَعُ یعنی فاء کی جگہ پر کبھی اذا مفاجاتیہ کو رکھا جاتا ہے، یہ اس وقت ہے جبکہ جزاء جملہ اسمیہ ہو، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وان تصبھم سیئۃٌ بما قدمتْ ایدیھم اذا ھم یقنطون میں ھم یقنطون اصل میں فھم یقنطون ہے کیونکہ جو معنی اذا مفاجاتیہ کا ہے وہی فاء کا ہے کہ اذا عادۃً ایک امر کے بعد دوسرے امر کے حدوث پر دلالت کرتا ہے او ریہی معنی فاء تعقیبیہ کا ہے۔

وَاِنَّمَا تُقَدَّرُ اِنْ بَعْدَ الْاَفْعَالِ الْخَمْسَةِ الَّتِیْ ھِیَ الْاَمْرُ نَحْوُ تَعَلَّمْ تَنْجُ وَالنَّھْیُ نَحْوُ لَا تَکْذِبْ یَکُنْ خَیْرًا لَّکَ وَالْاِسْتِفْھَامُ نَحْوُ ھَلْ تَزُوْرُنَا نُکْرِمْکَ وَالتَّمَنِّیْ نَحْوُ لَیْتَکَ عِنْدِیْ اَخْدِمْکَ وَالْعَرْضُ نَحْوُ اَلَا تَنْزِلُ بِنَا

تُصِبْ خَيْرًا وَبَعْدَ النَّفْيِ فِيْ بَعْضِ الْمَوَاضِعِ نَحْوُ لَا تَفْعَلْ شَرًّا يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ وَذٰلِكَ إِذَا قَصَدَ اَنَّ الْاَوَّلَ سَبَبٌ لِلثَّانِيْ كَمَا رَاَيْتَ فِي الْاَمْثِلَةِ فَاِنَّ مَعْنٰى قَوْلِنَا تَعَلَّمْ تَنْجُ هُوَ اِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ وَكَذَالِكَ الْبَوَاقِيْ فَلِذَالِكَ اِمْتَنَعَ قَوْلُكَ لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ لِامْتِنَاعِ السَّبَبِيَّةِ اِذْ لَا يَصِحُّ اَنْ يُّقَالَ اَنْ لَّا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ۔

ترجمہ: لفظ اِنْ صرف پانچ فعلوں کے بعد مقدر ہوتا ہے جو کہ وہ امر ہے جیسے **تعلم تنج** یعنی آپ سیکھیں نجات پائیں گے اور نہی ہے جیسے **لا تکذب یکن خیرًا لك** یعنی آپ جھوٹ نہ بولیں آپ کیلئے بہتری ہوگی اور استفہام ہے جیسے **ھل تزورنا نکرمك** یعنی کیا آپ ہماری ملاقات کریں گے تو ہم آپ کی عزت کریں گے اور تمنی ہے جیسے **لیتك عندی اخدمك** یعنی کاش آپ میرے پاس ہوتے تو میں آپ کی خدمت کرتا اور عرض ہے جیسے **الا تنزل بنا تصب خیرًا** یعنی آپ ہمارے پاس کیوں نہیں اُترتے؟ تو آپ بہتری کو پہنچتے اور نفی کے بعد بعض جگہوں میں جیسے آپ شر نہ کریں تو آپ کے لئے بہتری ہوگی اور وہ جب کہ قصد کیا جائے کہ اول سبب ہے ثانی کے لئے جیسا کہ آپ نے مثالوں میں دیکھا کیونکہ ہمارے قول **تعلم تنج** کا معنی ہے کہ اگر آپ سیکھیں گے تو نجات پائیں گے اور اسی طرح باقی ہیں، اسی وجہ سے ممنوع ہے، آپ کا قول **لا تکفر تدخل النار** یعنی آپ کفر نہ کریں جہنم میں داخل ہوں گے۔

تشریح: **وَاِنَّمَا تُقَدَّرُ** ماقبل میں اَنْ مصدریہ سے متعلق کلام تھا کہ وہ سات جگہوں میں مقدر ہوتا ہے اور اب اِنْ شرطیہ سے متعلق کلام ہے جو پانچ افعال کے بعد مقدر ہوتا ہے۔ان میں سے ایک امر کے بعد اور نہی کے بعد اور تیسرا استفہام کے بعد اور چوتھا تمنی کے بعد اور پانچواں عرض کے بعد، ہر ایک صورتوں میں فعل مضارع مجزوم ہوتا ہے لیکن امر کے بعد جیسے **تعلم تنج** اصل میں **تعلم ان تتعلم تنج** ہے۔نہی کے بعد جیسے **لا تکذب یکن خیرًا لك** اصل میں **لا تکذب ان لا تکذب یکن خیرًا لك** اور استفہام کے بعد جیسے **ھل تزورنا نکرمك** اصل میں **ھل تزورنا اِنْ تزورنا نکرمك**۔تمنی کے بعد جیسے **لیتك عندی اخدمك** اصل میں **لیتك اِنْ تکن عندی اخدمك** عرض کے بعد جیسے **الا تنزل بنا تصب خیرًا** اصل میں **الا تنزل بنا ان تنزل بنا تصب خیرًا**۔کلمۂ عرض چونکہ ہمزہ استفہام ہے اور وہ حرف نفی پر داخل ہے جو اثبات کا فائدہ دیتا ہے اس لئے شرط کو مثبت مقدر مانا گیا باوجودیکہ وہ منفی ہے جو اثبات پر دلالت نہیں کرتا۔

وَذٰلِكَ اِذَا قَصَدَ مذکورہ پانچوں افعال کے بعد اِنْ شرطیہ کی تقدیر اور فعل مضارع کا جزم اس صورت میں ہے جبکہ جملۂ اول کا مضمون سبب ہو جملۂ ثانی کے مضمون کا، چنانچہ **تعلم تنج** میں **تعلم** یعنی سیکھنا سبب ہے اور نجات پانا مسبب ہے، لہٰذا **تعلّم** صیغۂ امر کے بعد اِنْ شرطیہ مع فعل شرط کے مقدر ہوگا اور **تنج** مضارع مذکور جزاء ہوگا۔اصل عبارت یہ ہے: **تعلّم اِنْ تتعلّم تنج** اسی طرح **اسلم تدخل الجنة** میں **اسلم** یعنی اسلام لانا سبب ہے اور جنت میں داخل ہونا مسبب تو

أَسلِمْ صیغۂ امر کے بعد إنْ شرطیہ مع فعل شرط کے مقدر ہوگا، یعنی اسلم ان تسلم تدخل الجنۃ اسی طرح دوسری مثالوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

فَلِذَالِكَ إمْتَنَعَ مذکورہ پانچوں افعال کے بعد ان کو مقدر ماننے کیلئے چونکہ اول کا دوم کیلئے سبب ہونا شرط ہے اس لئے لا تکفر تدخل الجنۃ کو ممتنع قرار دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اصل میں لا تکفر ان لا تکفر تدخل النار ہے جس میں جملۂ اول کا مضمون جملہ ثانی کے لئے سبب نہیں ہوتا۔ معنی اس کا یہ ہے کہ آپ کفر نہ کریں، اگر آپ کفر نہ کریں گے تو جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے اُس کا معنی فاسد ہے۔

وَالثَّالِثُ: اَلْأَمْرُ وَهُوَ صِيغَةٌ يُطْلَبُ بِهَا الْفِعْلُ مِنَ الْفَاعِلِ الْمُخَاطَبِ بِأَنْ تَحْذِفَ مِنَ الْمُضَارِعِ حَرْفَ الْمُضَارِعَةِ ثُمَّ تَنْظُرُ فَإِنْ كَانَ مَا بَعْدَ حَرْفِ الْمُضَارِعَةِ سَاكِنًا زِدْتَّ هَمْزَةَ الْوَصْلِ مَضْمُومَةً إِنِ انْضَمَّ ثَالِثُهُ نَحْوُ اُنْصُرْ وَمَكْسُورَةً إِنِ انْفَتَحَ أَوِ انْكَسَرَ كَاعْلَمْ وَاضْرِبْ وَاسْتَخْرِجْ وَإِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْهَمْزَةِ نَحْوُ عِدْ وَحَاسِبْ وَالْأَمْرُ مِنْ بَابِ الْإِفْعَالِ مِنَ الْقِسْمِ الثَّانِي وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى عَلَامَةِ الْجَزْمِ كَاضْرِبْ وَاُغْزُ وَارْمِ وَاسْعَ وَاضْرِبَا وَاضْرِبُوا وَاضْرِبِي۔

ترجمہ: اور فعل کی تیسری قسم امر ہے اور وہ صیغہ ہے جس کے ذریعہ فعل کو فاعل مخاطب سے طلب کیا جاتا ہے بایں طور کہ فعل مضارع سے آپ حرف مضارع کو حذف کریں پھر نظر کریں، پس اگر حرف مضارع کے مابعد ساکن ہو تو ہمزۂ وصل مضموم کو زیادہ کریں، اگر اس کا تیسرا حرف مضموم ہو جیسے اُنْصُرْ اور ہمزۂ وصل مکسور کو زیادہ کریں اگر تیسرا حرف مفتوح یا مکسور ہو جیسے اِعْلَمْ اور اِضْرِبْ اور اِسْتَخْرِجْ اور اگر متحرک ہو تو پھر ہمزہ کی ضرورت نہیں جیسے عِدْ و حَاسِبْ اور امر باب افعال سے دوسری قسم سے ہے اور وہ مبنی ہے علامت جزم پر جیسے اضرب اور اغز اور ارم اور اسع اور اضربا اور اضربوا اور اضربی۔

تشریح: وَالثَّالِثُ فعل کی تیسری قسم امر ہے اور وہ صیغہ ہے جس کے ذریعہ فعل کو فاعل مخاطب سے طلب کیا جائے اور وہ اس طرح کہ فعل مضارع سے حرف مضارع کو حذف کیا جائے پھر دیکھا جائے کہ حرف مضارع کے بعد ساکن ہے یا متحرک، اگر ساکن ہے تو عین کلمہ جو تیسرا کلمہ ہے، اگر مضموم ہے تو ہمزۂ استفہام اس کے شروع میں زیادہ کیا جائے جیسے تنصر سے اُنصر اور اگر عین کلمہ مفتوح ہے یا مکسور بہر دو تقدیر ہمزۂ مکسور اس کے شروع میں زیادہ کیا جائے۔ جیسے تعلمُ سے اِعلمْ اور تضربُ سے اضربْ اور تستخرج سے استخرج اور اگر حرف مضارع کے بعد متحرک ہے تو اب ہمزۂ وصل کو زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے اخیر کو ساکن کیا جائے اگر حرف علت نہ ہو جیسے تعِدُ سے عِدْ اور تحاسِبُ سے حاسِبْ اور اگر حرف علت ہو تو گر جائے گا جیسے تقی سے قِ۔

يُطْلَبُ بِهَا: بہا بمعنی بواسطتہا کیونکہ باء بمعنی استعانت ہے فعل سے مراد صدور فعل ہے اس سے نہی خارج ہو گیا اور

من الفاعل کی قید سے اس سے احتراز ہو گیا جس سے قبول فعل مفعول مالم یسم فاعلہٗ سے طلب کیا جائے اور مخاطب کی قید سے امر غائب اور امر متکلم سے احتراز ہو گیا۔

بِأَنْ تَحْذِفَ باء اس میں حرف جار ہے اور **أَنْ تحذف** مجرور صفت ثانیہ ہے، لفظ فعل مذکور کی یعنی **فعلٌ متلبسٌ بحذفِ حرفِ المضارعةِ من المضارع**۔ بعض نے اس کو امر کی تعریف کا تتمہ بیان کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ وہ اس کا تتمہ نہیں کیونکہ تعریف اس کے بغیر بھی تام ہو جاتی ہے بلکہ وہ آغاز ہے امر بنانے کے طریقہ کا۔

ثُمَّ تَنْظُرُ: ثم کے بعد یہ عبارت محذوف ہے: **بعد حذف حرف المضارعة من المضارع المخاطب** یعنی مضارع مخاطب سے حرف مضارع کو حذف کرنے کے بعد آپ نظر کریں۔ **ساکناً** صفت ہے موصوف محذوف کی یعنی حرفاً ساکناً اور ہمزۂ الوصل کے بعد محذوف ہے: **فی اوله بعد حذف حرف المضارعة** یعنی حرف مضارع کو حذف کرنے کے بعد اس کے شروع میں ہمزۂ وصل کو زیادہ کیا جائے تاکہ ابتداء بالساکن لازم نہ آئے۔ **مضمومة** ترکیب میں حال ہے یعنی **حال کون تلك الهمزة مضمومة** اسی طرح **مكسورةً** بھی ترکیب میں حال واقع ہے یعنی **حال کونها مكسورةً**۔

وَالْأَمْرُ مِنْ بَابِ الْإِفْعَالِ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حرف مضارع کے مابعد اگر ساکن ہو اور اس کا عین کلمہ مضموم نہ ہو تو ہمزۂ وصل مکسور شروع میں لایا جاتا ہے جیسے **تضرب** سے **اضربُ** لیکن **اکرم** جو باب افعال سے **تكرم**، ماخوذ ہے حرف مضارع کا مابعد کاف ساکن ہے اور عین کلمہ غیر مضموم ہے اس کے باوجود امر میں ہمزۂ وصل کو مکسور نہیں بلکہ مفتوح لایا جاتا ہے۔
جواب یہ کہ ہمزۂ مکسور اس وقت لایا جاتا ہے جبکہ حرف مضارع کے مابعد ساکن ہو اور عین کلمہ مکسور ہو، حالانکہ **تکرم**، میں حرف مضارع کے مابعد ساکن نہیں بلکہ مفتوح ہے اس لئے کہ **تکرم** کی اصل **تاکرم** ہے کیونکہ اُس کا ماضی **اکرم** ہے اور متکلم **اکرم** کہ وہ اصل میں **أأكرم** ہے۔ فعل میں اجتماع ہمزتین کے مکروہ ہونے کی وجہ سے ایک ہمزہ کو حذف کر دیا گیا تو باقی صیغوں **یکرم و یکرمان** وغیرہ سے بھی ہمزہ حذف کر دیا گیا تاکہ باب کی موافقت قائم رہے اور جب اس سے امر بنانے کا ارادہ ہوا تو ہمزۂ محذوف کا اعادہ کر لیا گیا اور اس کو اسی حرکت اصلیہ پر باقی رکھا گیا اور وہ جو اس کا ہمزۂ وصلی تھا اب قطعی ہو گیا۔

وَهُوَ مَبْنِيٌّ یعنی امر حاضر معروف علامت جزم پر مبنی ہوتا ہے کہ جس طرح فعل مضارع سے بوقت جزم کبھی حرکت ساقط ہو جاتی ہے اور کبھی نون اعرابی اور کبھی حرف علت، اسی طرح امر حاضر معروف سے بھی حرکت کبھی ساقط ہو جاتی ہے جیسے **اضرب** اور کبھی نون اعرابی جیسے **اضربا واضربوا واضربی** اور کبھی حرف علت ساقط ہو جاتا ہے خواہ وہ واوی ہو جیسے **اغز** یا یائی ہو جیسے **ارم** یا الفی ہو جیسے **اخش واسع**۔

فصل: فِعْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ هُوَ فِعْلٌ حُذِفَ فَاعِلُهُ وَأُقِيمَ الْمَفْعُوْلُ مَقَامَهُ وَيُخْتَصُّ بِالْمُتَعَدِّيْ

وَعَلَامَتُهُ فِي الْمَاضِي اَنْ يَّكُوْنَ اَوَّلُهُ مَضْمُوْمًا فَقَطْ وَمَا قَبْلَ اٰخِرِهٖ مَكْسُوْرًا فِي الْاَبْوَابِ الَّتِيْ لَيْسَتْ فِيْ اَوَائِلِهَا هَمْزَةُ وَصْلٍ وَلَا تَاءٌ زَائِدَةٌ نَحْوُ ضُرِبَ وَدُحْرِجَ وَاُكْرِمَ وَاَنْ يَّكُوْنَ اَوَّلُهُ وَثَانِيْهِ مَضْمُوْمًا وَمَا قَبْلَ اٰخِرِهٖ كَذٰلِكَ فِيْمَا فِيْ اَوَّلِهٖ تَاءٌ زَائِدَةٌ نَحْوُ تُفُضِّلَ وَتُضُوْرِبَ وَاَنْ يَّكُوْنَ اَوَّلُهُ وَثَالِثُهُ مَضْمُوْمًا وَمَا قَبْلَ اٰخِرِهٖ كَذٰلِكَ فِيْمَا فِيْ اَوَّلِهٖ هَمْزَةُ وَصْلٍ نَحْوُ اُسْتُخْرِجَ وَاُقْتُدِرَ وَالْهَمْزَةُ تَتْبَعُ الْمَضْمُوْمَ اِنْ لَّمْ تُدْرَجْ

ترجمہ: یہ فصل ہے، فعل اس مفعول کا کہ فاعل جس کا مذکور نہ ہو وہ فعل ہے کہ فاعل جس کا حذف کیا جائے اور مفعول کو اس کی جگہ پر قائم کر دیا جائے اور وہ فعل متعدی کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے اور اس کی علامت ماضی میں یہ ہے کہ صرف اس کا اول مضموم ہو اور اس کے آخر کا ماقبل ان ابواب میں مکسور ہو جن کے شروع میں ہمزۂ وصل نہ ہو اور نہ تاء زائدہ ہو جیسے **ضُرِبَ** اور **دُحْرِجَ** اور **اُكْرِمَ** اور یہ ہے کہ اس کا اول و دوم مضموم ہو اور اس کے اخیر کا ماقبل اسی طرح ہو ان ابواب میں سے جس کے شروع میں تاء زائدہ ہو جیسے **تفضل و تضورب** اور یہ ہے کہ اس کا اول وسوم مضموم ہو اور اس کے اخیر کا ماقبل اسی طرح ہو ان ابواب میں کہ جس کے اول میں ہمزۂ وصل ہو جیسے **اُسْتُخْرِجَ** اور **اُقْتُدِرَ** اور ہمزہ حرف مضموم کے تابع ہوتا ہے اگر بیچ میں نہ ہو۔

تشریح: **فِعْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ: فعل** مضاف ہے اور **ما** اسم موصول بمعنی **الذی** مراد اس سے مفعول ہے اور **یسم** بمعنی **یذکر** ہے اور **فاعلہ** کی ضمیر **ما** اسم موصول کی طرف راجع ہے، اصل عبارت یہ ہے: **فعل المفعول الذی لم یذکر فاعل المفعول** یعنی اس مفعول کا فعل کہ جس کا فاعل مذکور نہیں، حاصل کلام یہ کہ **فعل ما لم یسم فاعلہ** فعل ہے جس کے فاعل کو حذف کیا گیا ہو اور مفعول کو اس کی جگہ پر قائم کیا گیا ہو، جیسے **ضُرِبَ زیدٌ** میں **ضُرِبَ** ایسا فعل ہے جس کے فاعل مثلاً عمرو کو حذف کر کے زید کو اس کی جگہ پر قائم کیا گیا ہے کہ وہ اصل میں **ضرب عمروٌ زیدًا** تھا۔

اُقِيْمَ الْمَفْعُوْلُ فعل کے لئے دو طرف ہوتے ہیں، ایک طرف صدور اور وہ فاعل ہے اور دوسرا طرف وقوع اور وہ مفعول ہے، پس فاعل و مفعول چونکہ دونوں ایک دوسرے کی طرف ہونے میں مشابہ ہیں، اس لئے مفعول، فاعل کی جگہ پر رفع قبول کرتا ہے کہ فاعل کی فاعلیت اس وجہ سے ہے کہ فعل کی اسناد اس کی طرف کی گئی ہے اس وجہ سے نہیں کہ اس نے فعل کا احداث کیا ہے جیسے **مات زیدٌ** میں زید فاعل ہے اس وجہ سے نہیں کہ موت کا احداث زید نے کیا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ موت کی اسناد زید کی طرف کی گئی ہے کیونکہ زید مفعول ہے کہ احداث موت کا فاعل حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہے۔

عَلَامَتُهُ یعنی علامت **فعل ما لم یسم فاعلہ** کی یعنی اس فعل کی کہ جس کے فاعل کو حذف کر کے اس کی جگہ پر مفعول کو رکھا جائے، یہ ہے کہ فعل ماضی میں اس کے شروع کو ضمہ اور اخیر کے ماقبل کو کسرہ دیا جائے جیسے **ضُرِبَ** وغیرہ کیونکہ اگر اس میں اس طریقے کا تصرف نہ کیا جائے تو معروف و مجہول میں کوئی امتیاز نہ رہے گا۔ تصرف مجہول میں اس لئے ہوتی ہے کہ وہ فرع ہے معروف کی۔ اور تصرف وتغیر بہ نسبت اصل کے فرع میں زیادہ مناسب ہے۔

فِي الْاَبْوَابِ الَّتِيْ حکم مذکور یعنی ماضی کے حرف اول میں ضمہ اور آخر کے ماقبل حرف کو کسرہ ان ابواب میں ہوگا جن کے ماضی

کے شروع میں ہمزہ وصل اور تاء زائدہ نہ ہو جیسے ضُرِبَ کہ اس کے شروع میں نہ ہمزۂ وصل ہے اور نہ تاء زائدہ ہے، اسی طرح دُحْرِجَ وغیرہ۔

وَاَنْ یَّکُوْنَ اَوَّلُہٗ یعنی فعل مالم یسم فاعلہٗ کی دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے ماضی کے اول وثانی حرف مضموم ہو اور اس کے اخیر کے ماقبل کا حرف ابواب مذکور کی طرح مکسور ہوگا یہ حکم ان ابواب میں جاری ہوگا جس کے ماضی کے شروع میں تاء زائدہ ہو جیسے تفضل و تضورب اور تیسری علامت فعل مالم یسم فاعلہٗ کی یہ کہ اس کے ماضی کے اول وسوم حرف مضموم ہوگا اور اخیر کے ماقبل کا حرف ابواب مذکور کی طرح مکسور ہوگا یہ حکم اس فعل ماضی میں جاری ہوگا جس کے اول میں ہمزۂ وصل ہو جیسے اُستخرِج واُقتدِرَ وانقلبَ واحرنجم واخشوشنَ اور ہمزۂ وصل جو ماضی مجہول میں ہوتا ہے حرف مضموم کے تابع ہوتا ہے اگر وہ بیچ میں آکر ساقط نہ ہو اور وہ حرف مکسور کے تابع نہیں ہوتا۔ تفصیل بڑی کتابوں میں ہے۔

وَفِی الْمُضَارِعِ اَنْ یَّکُوْنَ حَرْفُ الْمُضَارِعَۃِ مَضْمُوْمًا وَمَا قَبْلَ اٰخِرِہٖ مَفْتُوْحًا نَحْوُ یُضْرَبُ وَیُسْتَخْرَجُ اِلَّا فِیْ بَابِ الْمُفَاعَلَۃِ وَالْاِفْعَالِ وَالتَّفْعِیْلِ وَالْفَعْلَلَۃِ وَمُلْحِقَاتِہَا الثَّمَانِیَۃِ اِنَّ الْعَلَامَۃَ فِیْہَا فَتْحُ مَا قَبْلَ الْاٰخِرِ نَحْوُ یُحَاسَبُ وَیُدَحْرَجُ وَفِی الْاَجْوَفِ مَاضِیْہِ قِیْلَ وَبِیْعَ وَبِالْاِشْمَامِ قِیْلَ وَبِیْعَ وَبِالْوَاوِ وَقُوْلَ وَبُوْعَ وَکَذٰلِکَ بَابُ اُخْتِیْرَ وَاُنْقِیْدَ دُوْنَ اُسْتُخِیْرَ وَاُقِیْمَ لِفَقْدِ فُعِلَ فِیْہِمَا وَفِیْ مُضَارِعِہٖ تُقْلَبُ الْعَیْنُ اَلِفًا نَحْوُ یُقَالُ وَیُبَاعُ کَمَا عَرَفْتَ فِی التَّصْرِیْفِ مُسْتَقْصًی۔

ترجمہ: اور فعل مضارع میں یہ ہے کہ حرف مضارع مضموم اور اس کے آخر کا ماقبل مفتوح ہوگا جیسے یضرب و یستخرج مگر باب مفاعلت اور افعال اور تفعیل اور فعللۃ اور اس کے آٹھوں ملحقات میں بے شک ان میں علامت اخر کے ماقبل کا فتحہ ہے جیسے یحاسب اور یدحرج اور اجوف میں اس کا ماضی قیل وبیع ہے اور اشمام کے ساتھ قیل اور بیع اور واؤ کے ساتھ قول اور بوع ہے اور اسی طرح باب اختیر اور انقید ہے نہ کہ اُستخیر اور اقیم بوجہ مفقود ہونے، ان دونوں میں فُعِلَ کے اور اس اجوف کے مضارع میں عین کو الف سے بدلا جاتا ہے جیسے یقالُ ویباعُ جیسا کہ آپ نے علم صرف میں جانا دراں حالیکہ وہ گھیرا ہوا ہے۔

تشریح: وَفِی الْمُضَارِعِ وہ معطوف ہے فی الماضی پر اصل عبارت یہ ہے: علامتہٗ فعل مالم یسم فاعلہٗ فی المضارع یعنی مضارع میں فعل مالم یسم فاعلہٗ کی علامت یہ ہے کہ علامت مضارع مضموم اور اخیر کا ماقبل مفتوح ہوگا جیسے یُضْرَبُ ثلاثی مجرد میں اور یُسْتخرَجُ مزید فیہ میں اور یہ حکم اس وقت جاری ہوگا جب کہ آنے والے مذکورہ ابواب نہ ہوں کیونکہ ان مذکورہ ابواب میں فعل مالم یسم فاعلہٗ ہونے کے لئے صرف اخیر کے ماقبل کو فتحہ دیا جاتا ہے۔ ان کے معروف میں علامت مضارع پہلے ہی سے مضموم ہوتی ہے۔

اِلَّا فِیْ بَابِ الْمُفَاعَلَۃِ یعنی حکم مذکور تمام ابواب میں جاری ہوگا مگر چار ابواب میں ایک باب مفاعلت اور دوسرا باب افعال

اور تیسرا باب تفعیل اور چوتھا باب **فعللة** اور اس کے اصول ملحقات میں بھی جاری نہ ہوگا کیونکہ ان ابواب میں **فعل مالم یسم فاعلهٗ** ہونے کے لئے اخیر کے ماقبل کو فتحہ دینا کافی ہے اس لئے کہ علامت مضارع معروف میں بھی مضموم ہوتی ہے مجہول کے لئے مضموم ہونے کی ضرورت نہیں۔ جیسے **یُحَاسَبُ ویُکْرَمُ ویعظمُ ویدحرجُ** وغیرہ۔

وَفِي الْأَجْوَفِ: **اجوف** یعنی معتل عین واوی ہو یا یائی اس کا ماضی ثلاثی مجرد سے، افصح لغت میں **قِيلَ** اور **بِيعَ** ہے اور اشمام کے ساتھ بھی **قیلَ** اور **بیعَ** جائز ہے۔ اشمام کہتے ہیں: فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف اور عین کلمہ کو جو یاء ہے تھوڑا واؤ کی طرف مائل کرنا تا کہ یہ سمجھا جائے کہ فاء کلمہ میں اصل ضمہ ہے اور یاء کے بجائے واؤ **قولَ** اور **بوعَ** بھی پڑھا گیا ہے۔

كَذٰلِكَ بَابُ أُخْتِيْرَ یعنی ثلاثی مجرد کے ماضی میں جس طرح مذکورہ تین صورتیں جاری ہوتی ہیں: (۱) قیل اور بیع (۲) اشمام (۳) قول اور بوع، اسی طرح باب **اختیر** اور **انقید** یعنی باب افتعال و انفعال کے ماضی مجہول میں بھی جبکہ وہ معتل عین ہو، مذکورہ تین صورتیں جاری ہوں گی۔ چنانچہ **اختیر وانقید** کو ان کو تین طریقے سے پڑھا جاسکتا ہے۔ یاء کے ساتھ اور اشمام اور واؤ یعنی **اختور و انقود** برخلاف **اُستخیر و اُقیم** یعنی باب استفعال و افعال کے ماضی میں جبکہ وہ معتل عین ہو، مذکورہ تین صورتیں جاری نہ ہوں گی بلکہ اس میں صرف پہلی صورت یاء کے ساتھ ہوگی اشمام یا واؤ کے ساتھ نہیں کیونکہ **استخیر واقیم** کے عین کلمہ کا ماقبل متحرک نہیں، اس لئے کہ ان دونوں کی اصل **استخیر و اقوم** ہے۔ اول میں یاء مکسور ہے اور دوم میں واؤ مکسور جبکہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ ان دونوں کا ماقبل ساکن ہو اور ان دونوں کی حرکت کو نقل کر کے ماقبل کو دیا جائے اور عین کلمہ کو یاء کیا جائے جبکہ وہ واؤ ہے، اس لئے **استخیر واقیم** میں صرف ایک ہی لغت جاری ہوگا۔

وَفِيْ مُضَارِعِهٖ یعنی مضارع اگر معتل عین ہو خواہ واوی ہو یا یائی تو اس کے عین کلمہ کو الف سے بدلا جائے گا، چنانچہ **يُقَالُ** کہ اصل میں **يُقْوَلُ** تھا اور **يُبَاعُ** اصل میں **يُبْيَعُ** تھا جیسا کہ علم صرف میں گزرا کہ واؤ یا یاء جب کہ متحرک ہو اور اس کا ماقبل ساکن ہو تو اس کی حرکت کو نقل کر کے ماقبل کو دیا جائے گا اور اس کو الف سے بدل دیا جائے گا۔

فصل: اَلْفِعْلُ اِمَّا مُتَعَدٍّ وَهُوَ مَا يَتَوَقَّفُ فَهْمُ مَعْنَاهُ عَلٰى مُتَعَلِّقٍ غَيْرِ الْفَاعِلِ كَضَرَبَ وَاِمَّا لَازِمٌ وَهُوَ مَا بِخِلَافِهٖ كَقَعَدَ وَقَامَ. اَلْمُتَعَدِّيْ قَدْ يَكُوْنُ اِلٰى مَفْعُوْلٍ وَاحِدٍ كَضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا اَوْ اِلٰى مَفْعُوْلَيْنِ كَاَعْطٰى زَيْدٌ عَمْرًوا دِرْهَمًا وَيَجُوْزُ فِيْهِ الْاِقْتِصَارُ عَلٰى اَحَدِ مَفْعُوْلَيْهِ كَاَعْطَيْتُ زَيْدًا اَوْ اَعْطَيْتُ دِرْهَمًا بِخِلَافِ بَابِ عَلِمْتُ وَاِلٰى ثَلَاثَةِ مَفَاعِيْلَ نَحْوُ اَعْلَمَ اللّٰهُ زَيْدًا عَمْرًوا فَاضِلًا وَمِنْهُ اَرٰى وَاَنْبَأَ وَنَبَّأَ وَاَخْبَرَ وَخَبَّرَ وَحَدَّثَ وَهٰذِهِ السَّبْعَةُ مَفْعُوْلُهَا الْاَوَّلُ مَعَ الْاٰخِيْرَيْنِ كَمَفْعُوْلَيْ اَعْطَيْتُ فِيْ جَوَازِ الْاِقْتِصَارِ عَلٰى اَحَدِهِمَا تَقُوْلُ اَعْلَمَ اللّٰهُ زَيْدًا

ترجمہ: یہ فصل ہے فعل آیا متعدی ہے اور وہ ایسا فعل ہے کہ موقوف ہے، اس کے معنی کا سمجھنا ایسے متعلق پر جو فاعل کا غیر ہو جیسے **ضرب** یعنی مارا اُس نے اور یا لازم ہے اور وہ ایسا فعل ہے کہ ثابت ہے اس کے خلاف کے ساتھ جیسے **قعد و قام** یعنی بیٹھا

وہ اور کھڑا ہوا وہ اور متعدی کبھی ایک مفعول کی طرف ہوتا ہے جیسے ضرب زیدٌ عمرًوا یعنی مارا زید نے عمرو کو یا دو مفعولوں کی طرف جیسے اعطی زیدٌ عمرًوا درھمًا یعنی دیا زید نے عمرو کو درہم اور جائز ہے اس میں دو مفعولوں میں سے کسی ایک پر اقتصار جیسے اعطیتُ زیدًا یعنی دیا میں نے زید کو یا اعطیتُ درھمًا یعنی دیا میں نے درہم، یہ ثابت ہے باب علمت کے خلاف اور متعدی ہوتا ہے تین مفعولوں کی طرف جیسے اعلمَ اللہ زیدًا عمرًوا فاضلًا یعنی بتایا اللہ تعالیٰ نے زید کو کہ عمرو فاضل ہے اور اسی سے اَرٰی واَنبأَ وَنَبَّأَ واَخبرَ وخبرَ وَحدَّثَ ہیں اور ان ساتوں کا مفعول اول آخر کے دونوں مفعولوں کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے اعطیت کے دونوں مفعول دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کے جائز ہونے میں ہیں جیسے تو کہے: اَعْلَمَ اللہُ زَیْدًا۔

تشریح: اَلْفِعْلُ اِمَّا مُتَعَدٍّ فعل کی دو قسمیں ہیں: متعدی اور لازم، متعدی وہ فعل ہے کہ اس کے معنی کا سمجھنا متعلق غیر فاعل پر موقوف ہو۔ متعلق غیر فاعل سے مراد مفعول بہ ہے چنانچہ ضرب کہ اس کے معنی کا سمجھنا جس طرح فاعل یعنی ضَارِبٌ پر موقوف ہے، اسی طرح اس کا سمجھنا غیر فاعل یعنی مضروب پر بھی موقوف ہے۔

اِمَّا لَازِمٌ یعنی فعل لازم فعل متعدی کے خلاف ہے کہ اس کا تعقل غیر فاعل کے تعقل پر موقوف نہیں بلکہ صرف فاعل سے بات مکمل ہو جاتی ہے جیسے قعدَ وقامَ کہ قعود وقیام کا سمجھنا متعلق پر موقوف نہیں۔

خیال رہے کہ فعل لازم کبھی بذریعہ حرف جر متعدی ہوتا ہے جیسے ذھبتُ بزیدٍ اور کبھی بذریعہ ہمزہ متعدی ہوتا ہے جیسے اذھبتُ زیدًا اور کبھی عین کلمہ کی تضعیف سے متعدی ہوتا ہے، جیسے فرحّتُ زیدًا اور کبھی الف مفاعلت سے متعدی ہوتا ہے جیسے ماشَیْتہٗ بمعنی صاحبتہٗ فی المشیِ کبھی سین استفعال سے متعدی ہوتا ہے، جیسے استخرجتہٗ بمعنی صیرتہٗ خارجًا اور متعدی کبھی نون انفعال سے لازم بنایا جاتا ہے جیسے انقطع اور کبھی تاء تفعل سے جیسے تدحرج۔

اَلْمُتَعَدِّیْ قَدْ یَکُوْنُ فعل متعدی کہ جس کے معنی کا سمجھنا غیر فاعل پر موقوف ہے وہ کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ضرب زیدٌ عمرًوا اور کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے عام ہے دوسرا مفعول پہلے مفعول کا غیر ہو جیسے اَعطی زیدٌ عمرًوا درھمًا یا دوسرا مفعول پہلے مفعول کا عین ہو جیسے علمتُ عمرًوا فاضلًا بتقدیر اول یعنی باب اعطیتُ میں دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار جائز ہے۔ عام ہے اقتصار اول پر ہو جیسے اعطیتُ زیدًا یا دوم پر جیسے اعطیتُ درھمًا برخلاف بتقدیر دوم یعنی باب علمتُ میں دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار جائز نہیں بلکہ جب ایک کو بیان کیا جائے تو دوسرے کو بیان کرنا ضروری ہے۔

اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَفَاعِیْلَ یعنی یہ فعل کبھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اعلم اللہ زیدًا عمرًا فاضِلًا اسی طرح اَرٰی وانبأَ ونبأَ واخبرَ وخبرَ وَحدّثَ بھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں چونکہ ان چھ کے اندر بھی اعلام کا معنی موجود ہے اس لئے ان کو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہونے میں اعلم کے قائم مقام کر دیا گیا۔

وَهٰذِهِ السَّبْعَةُ یعنی یہ چھ افعال اور اعلم کل ساتوں افعال تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ ان کے تینوں مفعول باب اعطیتُ کے دونوں مفعولوں کی مانند ہیں جس طرح باب اعطیتُ کے دومفعولوں سے کسی ایک مفعول پر اقتصار جائز ہے، اسی طرح ان افعال میں جائز ہے کہ مفعول اول کوذکر کیا جائے اور مفعول دوم وسوم کوحذف کیا جائے، چنانچہ کہا جائے گا: اعلم اللہ زیدًا کہ وہ اصل میں اعلم اللہ زیدًا عمرًوا فاضلًا اور یہ بھی جائز ہے کہ مفعول اول کوحذف کر کے مفعول دوم وسوم کو ذکر کیا جائے، چنانچہ کہا جائے گا: اعلم اللہ عمرًوا فاضلًا کہ وہ اصل میں اعلم اللہُ زیدًا عمرًوا فاضلًا۔

وَالثَّانِیْ مَعَ الثَّالِثِ کَمَفْعُوْلَیْ عَلِمْتُ فِیْ عَدَمِ جَوَازِ الْاِقْتِصَارِ عَلٰی اَحَدِہِمَا فَلَا تَقُوْلُ اَعْلَمْتُ زَیْدًا خَیْرَ النَّاسِ بَلْ تَقُوْلُ اَعْلَمْتُ زَیْدًا عَمْرًوا خَیْرَ النَّاسِ۔

ترجمہ: اور دوسرا مفعول تیسرے مفعول کے ساتھ علمت کے دومفعولوں کی مانند ہے اقتصار کے جائز نہ ہونے میں ان دو مفعولوں میں سے کسی ایک پر، پس آپ نہ کہیں گے: اعلمتُ زیدًا خیرَ الناسِ بلکہ آپ کہیں گے: اعلمتُ زیدًا عمرًوا خیرَ الناسِ یعنی یقین کرایا میں نے زید کو کہ عمر آدمیوں کا بہترین ہے۔

تشریح: وَالثَّانِیْ مَعَ الثَّالِثِ یعنی مذکورہ ساتوں افعال جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں، ان تین مفعولوں میں سے دوسرا اور تیسرا مفعول باب علمتُ کے دونوں مفعولوں کی مانند ہیں کہ جس طرح باب علمتُ کے دونوں مفعولوں کا ذکر لازم وضروری ہے اور ایک مفعول پر اقتصار ممنوع ہے، اسی طرح افعال مذکور کے مفعول دوم وسوم کا ذکر ضروری ہے، صرف ایک مفعول کے ذکر پر اقتصار جائز نہیں کہ ایک کو ذکر کیا جائے اور دوسرے کوحذف کیا جائے بلکہ یا تو دونوں کو ذکر کیا جائے گا یا دونوں کو حذف کیا جائے گا، چنانچہ یہ نہیں کہا جائے گا: اعلمتُ زیدًا خیرَ الناسِ بلکہ یہ کہا جائے گا: اعلمتُ زیدًا عمرًوا خیرَ الناسِ یعنی میں نے بتایا زید کو کہ عمرو آدمیوں کا بہترین ہے۔

فصل: اَفْعَالُ الْقُلُوْبِ عَلِمْتُ وَظَنَنْتُ وَحَسِبْتُ وَخِلْتُ وَرَاَیْتُ وَوَجَدْتُ وَزَعَمْتُ وَهِیَ اَفْعَالٌ تَدْخُلُ عَلَی الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ فَتَنْصِبُہُمَا عَلَی الْمَفْعُوْلِیَّةِ نَحْوُ عَلِمْتُ زَیْدًا عَالِمًا

ترجمہ: یہ فصل ہے افعالِ قلوب علمتُ اور ظننتُ اور حسبتُ اور خلتُ اور رئیتُ اور وجدتُ اور زعمتُ ہیں اور وہ افعال ہیں جو مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں تو وہ ان دونوں کو مفعول ہونے کی بناء پر نصب دیتے ہیں جیسے علمتُ زیدًا عالمًا یعنی جانا میں نے زید کو عالم۔

تشریح: اَفْعَالُ الْقُلُوْبِ ان افعال کا تعلق چونکہ دلوں سے ہوتا ہے اس لئے ان کو افعالِ قلوب یعنی دلوں کے افعال کہا جاتا ہے اور وہ باعتبار استقراء سات ہیں: (۱) علمتُ (۲) ظننتُ (۳) حسبتُ (۴) خلتُ (۵) رئیتُ (۶) وجدتُ (۷) زعمتُ اور وہ افعال مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں، اور ان دونوں کو مفعولیت کی بناء پر نصب دیتے ہیں جیسے علمتُ

زیدًا عالمًا وحسبت بکرًا فاضلًا وغیرہ۔

عَلِمْتُ ان افعال کو ماضی سے تعبیر کرنے سے مقصود خاص ماضی نہیں بلکہ مطلق فعل ہے خواہ ماضی ہو یا مضارع یا امر اور ان افعال کو صیغۂ متکلم سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ ہر شخص اپنے قلبی افعال سے خوب واقف ہے بہ نسبت دوسروں کے قلوب کے افعال کے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ لِهٰذِهِ الْاَفْعَالِ خَوَاصَّ مِنْهَا اَنْ لَّا تُقْتَصَرَ عَلٰى اَحَدِ مَفْعُوْلَيْهَا بِخِلَافِ بَابِ اَعْطَيْتُ فَلَا تَقُوْلُ عَلِمْتُ زَيْدًا وَمِنْهَا جَوَازُ الْاِلْغَاءِ اِذَا تَوَسَّطَتْ نَحْوُ زَيْدٌ ظَنَنْتُ قَائِمٌ اَوْ تَاَخَّرَتْ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ ظَنَنْتُ وَمِنْهَا اَنَّهَا تُعَلَّقُ اِذَا وَقَعَتْ قَبْلَ الْاِسْتِفْهَامِ نَحْوُ عَلِمْتُ اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌو وَقَبْلَ النَّفْيِ نَحْوُ عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَقَبْلَ لَامِ الْاِبْتِدَاءِ نَحْوُ عَلِمْتُ لَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ وَمِنْهَا اَنَّهَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ فَاعِلُهَا وَمَفْعُوْلُهَا ضَمِيْرَيْنِ لِشَيْءٍ وَاحِدٍ نَحْوُ عَلِمْتُنِيْ مُنْطَلِقًا وَظَنَنْتُكَ فَاضِلًا

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ ان افعال کے لئے خواص ہیں۔ ان خواص میں سے یہ کہ دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار نہ کیا جائے گا برخلاف باب اعطیتُ پس نہ کہا جائے گا: علمتُ زیدًا اور ان خواص میں سے اِلْغَاء کا جائز ہونا ہے جبکہ وہ وسط میں ہوں جیسے زیدٌ ظننتُ قائمٌ یا مؤخر ہوں جیسے زیدٌ قائمٌ ظننتُ اور ان خواص میں سے یہ کہ وہ افعال معلق کئے جاتے ہیں جبکہ استفہام سے قبل واقع ہوں۔ جیسے علمتُ ازیدٌ عندك ام عمرٌو اور نفی سے پہلے جیسے علمتُ ما زیدٌ فی الدارِ اور لام ابتداء سے پہلے جیسے علمت لزید منطلق اور ان خواص میں سے یہ کہ جائز ہے کہ ان کا فاعل ومفعول ضمیر ہوں ایک شئ کیلئے جیسے علمتنی منطلقًا وظننتك فاضلًا۔

تشریح: **وَاعْلَمْ اَنَّ** افعالِ قلوب کے خواص بکثرت ہیں۔ یہاں اُن میں سے چند خواص کو بیان کیا جاتا ہے جن میں سے ایک یہ کہ ان کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار جائز نہ ہوگا کہ جب ایک کو بیان کیا جائے تو دوسرے کو بیان کرنا لازم وضروری ہے، پس اگر ایک کو بیان کیا جائے اور دوسرے کو حذف کیا جائے تو بعض اجزاء کا حذف لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔ چنانچہ علمتُ زیدًا کہا نہیں جائے گا برخلاف باب اعطیتُ کہ اس کے دو مفعولوں میں سے کسی ایک مفعول پر اختصار جائز ہے جیسا کہ گزرا۔

جَوَازُ الْاِلْغَاءِ یعنی افعالِ قلوب کے خواص میں سے دوسرا خاصہ یہ ہے کہ جب وہ افعال دونوں مفعولوں کے وسط میں واقع ہوں یا اُن سے مؤخر ہوں تو ان کے عمل کا الغاء لفظاً ومعنیً دونوں اعتبار سے جائز ہے کیونکہ ان کے دونوں مفعول ایسے ہیں کہ ان کے اندر مبتداء وخبر ہونے کی صلاحیت ہے اور افعالِ قلوب عمل میں ضعیف، پس جب وہ ان دونوں مفعولوں کے وسط یا اخیر میں واقع ہوں گے تو وہ عمل نہ کرسکیں گے، وسط کی مثال یہ ہے: زیدٌ ظننتُ قائمٌ اور مؤخر ہونے کی مثال یہ ہے: زیدٌ قائمٌ ظننتُ۔

وَمِنْهَا اَنَّهَا تُعَلَّقُ یعنی افعالِ قلوب کے خواص میں سے تیسرا خاصہ یہ کہ وہ استفہام یا نفی یا لام ابتداء سے پہلے واقع ہوں تو معلق ہوجاتے ہیں یعنی بطریق وجوب لفظاً ان کا عمل باطل ہوجاتا ہے۔ استفہام سے پہلے جیسے **علمت أزيدٌ عندك أم عمرٌو** اور نفی سے پہلے جیسے **علمتُ ما زيدٌ في الدارِ** اور لام ابتداء سے پہلے جیسے **علمتُ لزيدٌ منطلقٌ** ان تینوں مذکورہ صورتوں میں افعالِ قلوب کا عمل اس لئے باطل ہوجاتا ہے کہ استفہام ونفی ولام ابتداء صدارت کلام کیلئے مقتضی ہے اور عمل کی تقدیر پر ان کی صدارت فوت ہوجاتی ہے، اس لئے ان افعال کا عمل لفظ میں مہمل قرار دیا جائے گا، اگرچہ معنی میں عمل برقرار رہے گا، چنانچہ مثال اول کا معنی یہ ہوگا: **علمتُ احدَهما بعينه** اور مثال دوم کا معنی ہوگا: **علمتُ زيدًا ليس في الدارِ** اور مثال سوم کا معنی ہوگا: **علمتُ زيدًا منطلقًا**۔

مِنْهَا اَنَّهَا یعنی افعالِ قلوب کے خواص میں سے چوتھا خاصہ یہ کہ فاعل اور مفعول دونوں ضمیر متصل ایک شئی کے لئے ہوں یعنی صرف متکلم کے لئے ہوں یا صرف مخاطب یا صرف غائب کیلئے جیسے **علمتني منطلقًا وظننتك فاضلًا**۔ ظاہر ہے اس میں فاعل ومفعول دونوں متکلم ومخاطب کی ضمیریں ہیں اور ایک شئی یعنی متکلم یا مخاطب کی طرف راجع ہے اور یہ اجتماع دوسرے افعال میں ممنوع ہے، چنانچہ **ضربتني** کہا نہیں جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا: **ضربتُ نفسي** اور یہ اجتماع افعال قلوب میں اس لئے جائز ہے کہ ان کا مفعول حقیقۃً دوسرا مفعول ہے۔ مفعول اول محض مفعول دوم کیلئے توطیہ وتمہید ہے، لہٰذا ان افعال کے فاعل اور مفعول اول کے درمیان شئی واحد کی ضمیر ہونے کی تقدیر پر اتحاد لازم نہیں آتا برخلاف دوسرے افعال کہ ان کے اندر فاعل ومفعول میں اتحاد لازم آتا ہے، اس وجہ سے مثال مذکور میں لفظ نفس سے فصل کیا گیا ہے، اسی طرح **ضربت نفسك** ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّهُ قَدْ يَكُوْنُ ظَنَنْتُ بِمَعْنٰى اِتَّهَمْتُ وَعَلِمْتُ بِمَعْنٰى عَرَفْتُ وَرَاَيْتُ بِمَعْنٰى اَبْصَرْتُ وَوَجَدْتُ بِمَعْنٰى اَصَبْتُ الضَّالَّةَ فَتَنْصِبُ مَفْعُوْلًا وَاحِدًا فَقَطْ فَلَا تَكُوْنُ حِيْنَئِذٍ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ۔

ترجمہ: اور آپ جانیں شان یہ ہے کہ **ظننتُ** کبھی بمعنی **اتهمتُ** ہوتا ہے یعنی میں نے تہمت لگائی اور **علمتُ** بمعنی **عرفتُ** ہوتا ہے یعنی میں نے پہچانا اور **رئيتُ** بمعنی **ابصرتُ** ہوتا ہے یعنی میں نے دیکھا اور **وجدتُ** بمعنی **اصبتُ الضالة** ہوتا ہے یعنی میں نے پایا گم شدہ کو، پس وہ صرف ایک مفعول کو نصب دیتے ہیں تو وہ اس وقت افعال قلوب سے نہ ہوں گے۔

تشریح: **اِعْلَمْ اَنَّهُ قَدْ يَكُوْنُ** افعالِ قلوب کے دوسرے معنی بھی ہیں مذکورہ معنی کے علاوہ، پس وہ اس معنی کے اعتبار سے صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے **ظننتُ** بمعنی **اتهمتُ** بھی ہے، وہ اس تقدیر پر صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا اور اسی طرح **علمتُ** بمعنی **عرفتُ** بھی ہے۔ پس وہ بھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ولقد علمتم الذين اعتدوا منكم في السبتِ** اسی طرح **رئيتُ** بمعنی **ابصرتُ** بھی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ماذا ترٰى** اور اسی طرح **وجدتُ** بمعنی **اصبتُ الضالةَ** ہے، پس اس تقدیر پر ایک مفعول کی طرف متعدی

ہوتے ہیں۔

فصل: اَلْاَفْعَالُ النَّاقِصَةُ هِيَ اَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِتَقْرِيْرِ الْفَاعِلِ عَلٰى صِفَةٍ غَيْرِ صِفَةِ مَصْدَرِهَا وَهِيَ كَانَ وَصَارَ وَظَلَّ وَبَاتَ اِلٰى اٰخِرِهَا تَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ لِاِفَادَةِ نِسْبَتِهَا حُكْمَ مَعْنَاهَا فَتَرْفَعُ الْاَوَّلَ وَتَنْصِبُ الثَّانِيَ فَتَقُوْلُ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔

ترجمہ: یہ فصل ہے افعال ناقصہ کے بیان میں اور وہ افعال ہیں جو وضع کئے گئے ہیں فاعل کو ثابت کرنے کے لئے ایسی صفت پر کہ وہ صفت مغایر ہوں ان کے مصدر کی صفت کے اور وہ ہے **کانَ** اور **صارَ** اور **ظلَّ** اور **باتَ** ان کے اخیر تک وہ داخل ہوتے ہیں جملہ اسمیہ پر بہ نسبت فائدہ دینے اس کی نسبت کے اپنے معنی کے حکم کا تو وہ اول کو رفع دیتے ہیں اور دوم کو نصب دیتے ہیں، چنانچہ آپ کہتے ہیں: **کان زیدٌ قائمًا**۔

تشریح: **اَلْاَفْعَالُ النَّاقِصَةُ** افعالِ قلوب کے بعد اب افعالِ ناقصہ کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ افعال ہیں جو فاعل کو ان افعال کے صفاتِ متغارہ کے ساتھ ربط کیلئے وضع کیا گیا ہے، چنانچہ **کان زیدٌ قائمًا** میں **کان** کو زید کے ساتھ قیام کو ربط پیدا کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور صفت کو ان کے ساتھ ربط پیدا کرنے کیلئے نہیں، وہ کل سترہ ہیں اور وہ یہ ہیں: **کانَ۔ صارَ۔ ظلَّ۔ باتَ۔ اصبحَ۔ امسٰی۔ اضحٰی۔ عادَ۔ آضَ۔ غدا۔ راحَ۔ مازالَ۔ ما انفكَ۔ ما برحَ۔ ما فتئَ۔ ما دامَ۔ لیسَ**۔ اور اس کی تفصیل چونکہ مرفوعات کے بیان میں گزر چکی ہے۔ اس لئے یہاں صرف چار افعالِ ناقصہ کو بیان کر کے باقی کی طرف **اِلٰی آخرہٖ** سے اشارہ کر دیا گیا۔ ان افعال کو ناقصہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ کلام صرف فاعل پر تام نہیں ہوتا بلکہ خبر کا محتاج ہوتا ہے۔

تَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَةِ افعالِ ناقصہ چونکہ اپنے معنی کا اثر خبر کو دیتے ہیں، اس لئے وہ جملہ اسمیہ پر داخل ہو کر اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں جیسے **کان زیدٌ قائمًا** میں **کان** فعل ناقص ہے جو زید کو رفع اور قائم کو نصب دیتا ہے۔

وَكَانَ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ نَاقِصَةٍ وَهِيَ تَدُلُّ عَلٰى ثُبُوْتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا فِي الْمَاضِيْ اِمَّا دَائِمًا نَحْوُ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اَوْ مُنْقَطِعًا نَحْوُ كَانَ زَيْدٌ شَابًّا وَتَامَّةٍ بِمَعْنٰى ثَبَتَ وَحَصَلَ نَحْوُ كَانَ الْقِتَالُ اَيْ حَصَلَ الْقِتَالُ وَزَائِدَةٍ لَا يَتَغَيَّرُ بِاِسْقَاطِهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ، شعر، جِيَادُ اِبْنِيْ اَبِيْ بَكْرٍ تَسَامٰى۔ عَلٰى كَانَ الْمُسَوَّمَةِ الْعِرَابِ اَيْ عَلَى الْمُسَوَّمَةِ

ترجمہ: اور **کان** تین قسموں پر ہے ناقصہ اور وہ دلالت کرتا ہے اس کی خبر کے ثبوت پر اس کے فاعل کیلئے زمانہ ماضی میں، آیا ہمیشہ ہے جیسے **کان اللہ علیمًا حکیمًا** یعنی اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا، یا منقطع ہے جیسے **کان زیدٌ شابًّا** یعنی زید جوان تھا اور تامہ بمعنی **ثبت وحصلَ** ہے جیسے **کان القتال** یعنی **حصل القتال** یعنی لڑائی موجود ہوئی اور زائدہ کہ اس کے ساقط کرنے سے جملے کا معنی متغیر نہیں ہوتا، جیسے شاعر کا قول **جیاد ابنی الخ** یعنی میرا بیٹا ابوبکر کے عمدہ گھوڑے بلندی

رکھتے ہیں نشان لگائے ہوئے خالص عربی گھوڑوں پر، یعنی علی المسومۃ۔

تشریح: وَکَانَ عَلٰی ثَلٰثَۃٍ: کان تین قسموں پر ہے: (۱) ناقصہ (۲) تامہ (۳) زائدہ۔ ناقصہ وہ کانَ ہے جو اپنے فاعل کیلئے اپنی خبر کے ثبوت پر زمانۂ ماضی میں دلالت کرے، عام ازیں کہ وہ ثبوت دائم ہو جیسے کان اللہ علیمًا حکیمًا یا منقطع ہو جیسے کان زیدٌ شابًا۔

تَامَّۃٍ اس کا عطف ناقصہ پر ہے، ناقصہ چونکہ ثلاثۂ اقسام سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، اس لئے تامۃ مجرور ہے اور اسی طرح زائدہ بھی مجرور ہے کہ وہ بھی ناقصہ پر معطوف ہے۔ ظاہر ہے معطوف ومعطوف علیہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تامہ وہ کان ہے جو بمعنی ثبتَ وحصلَ ہو اس کا نام تامہ اس لئے رکھا جاتا ہے کہ وہ فاعل سے تام ہو جاتا ہے اور خبر کا محتاج نہیں ہوتا جیسے کانَ القتال بمعنی حصلَ القتالُ ہے اور زائدہ وہ کانَ ہے کہ جب اس کو عبارت سے ساقط کر دیا جائے تو معنی مقصود میں خلل واقع نہ ہو، وہ بمنزلۂ عدم ہوتا ہے اور وہ کبھی لفظ ومعنی دونوں میں زائد ہوتا ہے اور کبھی صرف لفظ میں، اول جیسے شاعر کے قول علی کان المسّومۃِ میں کانَ اور دوم جیسے زیدٌ کان قائمٌ اس میں کانَ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قیام زمانۂ ماضی میں ثابت ہے۔

خیال رہے کہ زائد ہونا صرف لفظ کان کے ساتھ خاص ہے، اس کے مشتقات مثلاً یکون و کن وغیرہ کے اندر نہیں برخلاف ناقصہ وتامہ ہونا کہ وہ کان کے علاوہ اس کے مشتقات میں بھی جاری ہوتا ہے۔

جِیَادُ اِبْنِیْ: جیاد جمع جید یعنی عمدہ تیز گھوڑا، تسامی دراصل تتسامی تھا، ایک تاء تخفیف کی وجہ سے حذف کر دی گئی وہ ماخوذ ہے سمو بمعنی بلندی ہے۔ مسومۃ ماخوذ ہے تسویم بمعنی علامت لگانے سے عِراب بالکسر تازی عربی گھوڑے جیاد ترکیب میں مبتداء ہے جو مضاف ہے ابنی کی طرف اور ابی بکر بدل واقع ہے ابنی سے تسامی اس کی خبر ہے اور علی کان المسّومۃ متعلق ہے تسامی کے ساتھ اور العراب صفت ہے المسومۃ کی۔ ترجمہ یہ ہے کہ میرے بیٹے ابوبکر کے تیز رفتار گھوڑے ان عربی گھوڑوں جن پر عمدہ ہونے کے نشان لگائے گئے ہیں، پر فوقیت رکھتے ہیں۔ محل استشہاد یہاں پر علی کان المسّومۃ میں کانَ ہے جو لفظاً ومعنیً زائد ہے، وزن شعری کی وجہ سے اس کا اضافہ کیا گیا ہے، اصل عبارت ہے: علی المسّومۃِ۔

وَصَارَ لِلْاِنْتِقَالِ نَحْوُ صَارَ زَیْدٌ غَنِیًّا وَاَصْبَحَ وَاَمْسٰی وَاَضْحٰی تَدُلُّ عَلٰی اِقْتِرَانِ مَضْمُوْنِ الْجُمْلَۃِ بِتِلْکَ الْاَوْقَاتِ نَحْوُ اَصْبَحَ زَیْدٌ ذَاکِرًا اَیْ کَانَ ذَاکِرًا فِیْ وَقْتِ الصُّبْحِ وَبِمَعْنٰی صَارَ نَحْوُ اَصْبَحَ زَیْدٌ غَنِیًّا وَتَامَّۃً بِمَعْنٰی دَخَلَ فِی الصَّبَاحِ وَالضُّحٰی وَالْمَسَا وَظَلَّ وَبَاتَ یَدُلَّانِ عَلٰی اِقْتِرَانِ مَضْمُوْنِ الْجُمْلَۃِ بِوَقْتَیْہِمَا نَحْوُ ظَلَّ زَیْدٌ کَاتِبًا وَبِمَعْنٰی صَارَ

ترجمہ: اور صار انتقال کیلئے ہے جیسے صارَ زیدٌ غنیًّا یعنی زید امیر ہوا اور اصبح وامسٰی واضحٰی دلالت کرتے ہیں

جملہ کے مضمون کے ملنے پر ان اوقات کے ساتھ جیسے **اصبح زیدٌ ذاکرًا** یعنی وہ صبح کے وقت ذکر کرنے والا ہوا اور **صارَ** کے معنی میں جیسے **اصبح زیدٌ غنیًا** یعنی زید امیر ہوا۔ اور تامہ ہیں بمعنی صبح کے وقت اور چاشت کے وقت اور شام کے وقت داخل ہوا۔ اور **ظل و بات** دونوں دلالت کرتے ہیں مضمون جملہ کے اقتران پر، ان دونوں کے وقت میں جیسے **ظل زیدٌ کاتبًا** اور **صارَ** کے معنی میں۔

تشریح: **صَارَ لِلْاِنْتِقَالِ** یعنی **صار انتقال** کیلئے آتا ہے خواہ وہ انتقال ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ہو یا ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف ہو، اول جیسے **صارَ زیدٌ غنیًا** یعنی زید حال فقر سے حال غناء کی طرف منتقل ہو گیا۔ دوم جیسے **صارَ الطینُ حجرًا** یعنی مٹی ٹھیکری ہو گئی اور **صار** کبھی ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال کیلئے آتا ہے اور کبھی ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف انتقال کیلئے بھی آتا ہے۔ اس وقت وہ **الی** کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسے **صار زیدٌ من قریۃٍ الی قریۃٍ یا صارَ زیدٌ من خالدٍ الی بکرٍ**۔

اَصْبَحَ وَاَمْسٰی وَاَضْحٰی یہ تینوں مضمون جملہ کے اقتران پر اپنے اوقات میں دلالت کرتے ہیں جیسے **اَصبح زیدٌ ذاکرًا** یعنی زید صبح کے وقت ذکر کرنے والا ہے۔ **امسٰی زیدٌ جالسًا** یعنی زید شام کے وقت بیٹھ گیا **و اضحٰی زیدٌ قائمًا** یعنی زید چاشت کے وقت کھڑا ہو گیا۔

بِمَعْنٰی صَارَ یعنی یہ تینوں افعال کبھی بمعنی **صار** ہوتے ہیں، اس تقدیر پر ان کے معنی کے اندر اوقات ملحوظ نہ ہوں گے جیسے **اصبح زیدٌ غنیًا ای صار زیدٌ غنیًا** اور وہ تینوں کبھی افعال تامہ ہوتے ہیں۔ اس تقدیر پر وہ خبر کے محتاج نہ ہوں گے جیسے **اصبح زیدٌ** یعنی زید صبح کے وقت داخل ہوا۔ اور **امسٰی زیدٌ** یعنی زید شام کے وقت داخل ہوا اور **اضحٰی زیدٌ** یعنی زید چاشت کے وقت داخل ہوا۔

ظَلَّ وَبَاتَ یعنی **ظل وبات** دونوں جملہ کے مضمون کو اپنے اپنے وقت کے ساتھ ملانے کیلئے آتے ہیں جیسے **ظَلَّ زیدٌ کاتبًا** یعنی زید تمام دن لکھنے والا رہا اور **باتَ زیدٌ قائمًا** یعنی زید تمام رات سویا رہا اور وہ دونوں فعل بمعنی **صارَ** ہوتے ہیں جیسے **ظل زیدٌ غنیًا** یعنی زید مالدار ہو گیا اور **باتَ زیدٌ فقیرًا** یعنی زید فقیر ہو گیا۔

وَمَا زَالَ وَمَا فَتِئَ وَمَا بَرِحَ وَمَا انْفَكَّ تَدُلُّ عَلٰی اِسْتِمْرَارِ ثُبُوْتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا مُذْ قَبِلَهٗ نَحْوُ مَا زَالَ زَيْدٌ اَمِيْرًا وَيَلْزَمُهَا حَرْفُ النَّفْيِ وَمَا دَامَ يَدُلُّ عَلٰی تَوْقِيْتِ اَمْرٍ بِمُدَّةِ ثُبُوْتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا نَحْوُ اَقُوْمُ مَا دَامَ الْاَمِيْرُ جَالِسًا وَلَيْسَ يَدُلُّ عَلٰی نَفْيِ مَعْنَی الْجُمْلَةِ حَالًا وَقِيْلَ مُطْلَقًا وَقَدْ عَرَفْتَ بَقِيَّةَ اَحْكَامِهَا فِي الْقِسْمِ الْاَوَّلِ فَلَا نُعِيْدُهَا۔

ترجمہ: اور **مازالَ** اور **ما فتئ** اور **ما برحَ** اور **ما انفكّ** دلالت کرتے ہیں ان کی خبر کے ثبوت کے مستمر ہونے پر ان کے فاعل کیلئے اُس کے پہلے ہی سے جیسے **ما زالَ زیدٌ امیرًا** یعنی زید ہمیشہ امیر رہا اور ان کو حرف نفی لازم ہوتا ہے اور **ما دام**

دلالت کرتا ہے ایک امر کے مقرر کرنے پر، اس کی خبر کے ثبوت کی مدت کے ساتھ اس کے فاعل کیلئے جیسے **اقوم ما دام الامیرُ جالسًا** یعنی میں کھڑا ہوں گا جب تک امیر بیٹھنے والا ہے اور **لیس** معنیٰ جملہ کی نفی پر باعتبار حال دلالت کرتا ہے اور کہا گیا مطلقاً اور آپ نے پہچانا افعالِ ناقصہ کے بقیہ احکام کو تیسری قسم میں تو ہم ان کا اعادہ نہیں کریں گے۔

تشریح: **مَا زَالَ وَمَا فَتِیءَ وَمَا بَرِحَ وَمَا انْفَكَّ** یعنی **ما زال** اور **ما برح** اور **ما فتیء** اور **ما انفك** چاروں فعل اپنی خبروں کو اپنے فاعل کیلئے ثبوت کے استمرار پر دلالت کرتے ہیں لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اُن کے فاعلوں نے خبر کو قبول کیا ہو جیسے **ما زالَ زیدٌ امیرًا** یعنی زید نے جب سے امیری قبول کی اس وقت سے زید میں امیری کی صفت مستمر اور دائمی ہے۔

یَلْزَمُهَا حَرْفُ النَّفْیِ یعنی افعالِ مذکورہ سے جبکہ دوام و استمرار مقصود ہو تو نفی لازم ہوتی ہے، نفی خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔ لفظاً کی مثال تو ظاہر ہے اور معنیٰ کی مثال جیسے **تاللہ تفتئو تذکر یوسف**۔ وہ اصل میں **لا تفتئو یوسف** ہے۔

مَا دَامَ یَدُلُّ: ما دامَ کسی امر کی توقیت کو اس مدت کے ساتھ کرنے کیلئے آتا ہے جو خبر کے ثابت ہونے کی اس کے فاعل کیلئے ہے جیسے **اقومُ ما دام زیدٌ جالسًا** یعنی میں اس وقت تک کھڑا ہوں گا جب تک کہ زید بیٹھا ہے یہاں پر مخاطب کے کھڑے ہونے کو اس مدت کے ساتھ موقت کیا گیا ہے جو زید کے بیٹھنے کی ہے۔ **ما دامَ** میں **ما** مصدریہ ہے اور **ما دامَ** اپنے اسم وخبر سے مل کر **بتاویل مصدر** ہے اور اس سے قبل زمان مقدر ہے، پس **اقومُ ما دام زیدٌ جالسًا** اصل میں **اقومُ مدةَ دوامِ جلوسِ زیدٍ** ہے۔

لَیْسَ یَدُلُّ یعنی **لیسَ** زمانۂ حال میں مضمون جملہ کی نفی کیلئے آتا ہے۔ جیسے **لیس زیدٌ قائمًا** یعنی زید زمانۂ حال میں کھڑا ہونے والا نہیں اور بعض نحویوں نے کہا کہ **لیس مطلقًا** مضمون جملہ کی نفی کیلئے آتا ہے نفی خواہ زمانۂ حال میں ہو یا زمانۂ استقبال و ماضی میں۔

وَقَدْ عَرَفْتَ احکامها میں ضمیر مجرور کا مرجع افعالِ ناقصہ ہے اور **فلا نعیدها** میں ھاء کا مرجع بقیۃ الاحکام ہے، حاصل یہ کہ افعالِ ناقصہ کے کل احکام چونکہ قسم اول میں تفصیل سے گزر چکے، اس لئے یہاں بطور تمثیل بعض ہی احکام کو بیان کیا گیا ہے اور بعض کو چھوڑ دیا گیا کہ اس کا اعادہ فضول ہے۔

فصل: اَفْعَالُ الْمُقَارَبَةِ هِیَ اَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِلدَّلَالَةِ عَلٰی دُنُوِّ الْخَبَرِ لِفَاعِلِهَا وَهِیَ ثَلٰثَةُ اَقْسَامٍ اَلْاَوَّلُ لِلرَّجَاءِ وَهُوَ عَسٰی وَهُوَ فِعْلٌ جَامِدٌ لَا یُسْتَعْمَلُ مِنْهُ غَیْرُ الْمَاضِیْ وَهُوَ فِی الْعَمَلِ مِثْلُ کَادَ اِلَّا اَنَّ خَبَرَهٗ فِعْلٌ مُضَارِعٌ مَعَ اَنْ نَحْوُ عَسٰی زَیْدٌ اَنْ یَّقُوْمَ وَیَجُوْزُ تَقْدِیْمُ الْخَبَرِ عَلٰی اِسْمِهٖ نَحْوُ عَسٰی اَنْ یَّقُوْمَ زَیْدٌ وَقَدْ یُحْذَفُ اَنْ نَحْوُ عَسٰی زَیْدٌ یَقُوْمُ

ترجمہ: یہ فصل ہے افعالِ مقاربہ کے بیان میں۔ وہ افعال ہیں کہ جو خبر کو ان کے فاعل کے قریب ہونے پر دلالت کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں اور وہ افعال تین قسمیں ہیں، اول رجاء کیلئے اور وہ **عسٰی** ہے اور وہ فعل جامد ہے جس سے غیر ماضی استعمال

نہیں کیا جاتا اور وہ عمل میں کاد کی مانند ہے مگر اس کی خبر فعل مضارع ہے، لفظ اَنْ کے ساتھ جیسے عسٰی زیدٌ ان یقومَ یعنی اُمید ہے یہ کہ زید کھڑا ہو اور خبر کو اس کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہوتا ہے جیسے عسٰی ان یقومَ زیدٌ اور کبھی اَنْ کو حذف کیا جاتا ہے جیسے عسٰی زیدٌ یقومُ۔

تشریح: اَفْعَالُ الْمُقَارَبَةِ افعالِ مقاربہ چونکہ اقتضاء خبر میں افعالِ ناقصہ کے موافق ہیں اس لئے ان کو افعالِ ناقصہ کے بعد بیان کیا گیا مگر افعالِ مقاربہ کی خبر صرف فعل مضارع ہوتی ہے اور افعالِ ناقصہ کی خبر عام ہوتی ہے فعل مضارع بھی ہوتی ہے اور فعل ماضی بھی۔ افعالِ مقاربہ کہتے ہیں ان افعال کو جو خبر کو اپنے فاعل کے نزدیک کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور خبر کو نزدیک کرنا عام ہے کہ باعتبار رجاء واُمید کے ہو یا باعتبار حصول یا اخذ یعنی شروع فی الخبر۔

وَهِيَ ثَلٰثَةُ اَقْسَامٍ اس عبارت سے چونکہ افعالِ مقاربہ کی تقسیم بیان کی جاتی ہے، اس لئے ھی کا مرجع افعالِ مقاربہ ہے، جس کا خلاصہ یہ کہ افعالِ مقاربہ تین قسموں پر ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جو رجاء واُمید کیلئے موضوع ہو یعنی خبر کو باعتبار اُمید کے فاعل کے نزدیک کرنے کیلئے موضوع ہو اور اس کیلئے لفظ عسٰی ہے جو فعل جامد ہے جس سے ماضی کے علاوہ کوئی صیغہ مستعمل نہیں ہوتا جیسے عسٰی زیدٌ ان یخرجَ یعنی اُمید ہے کہ زید نکلے تو عسٰی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم فاعل کیلئے حصولِ خبر کی اُمید رکھتا ہے کہ قریب ہے کہ حاصل ہو۔

وَهُوَ فِي الْعَمَلِ یعنی عسٰی عمل میں کاد کی مثل ہے کہ جس طرح کاد کی خبر فعل مضارع ہوتی ہے، اسی طرح عسٰی کی خبر بھی فعل مضارع ہوتی ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ کاد کی خبر فعل مضارع اَنْ کے بغیر ہوتی ہے اور عسٰی کی خبر اَنْ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے عسٰی زیدٌ ان یقومَ اگرچہ اَنْ کبھی حذف بھی کیا جاتا ہے جیسے عسٰی زیدٌ یقومُ۔ خبر کی تقدیم عسٰی کے اسم پر جائز ہوتی ہے جیسے عسٰی اَن یقومَ زیدٌ۔

وَالثَّانِيْ لِلْحُصُوْلِ وَهُوَ كَادَ وَخَبَرُهٗ مُضَارِعٌ دُوْنَ اَنْ نَحْوُ كَادَ زَيْدٌ يَقُوْمُ وَقَدْ تَدْخُلُ اَنْ نَحْوُ كَادَ زَيْدٌ اَنْ يَّقُوْمَ وَالثَّالِثُ لِلْاَخْذِ وَالشُّرُوْعِ فِي الْفِعْلِ وَهُوَ طَفِقَ وَجَعَلَ وَكَرَبَ وَاَخَذَ وَاِسْتِعْمَالُهَا مِثْلُ كَادَ نَحْوُ طَفِقَ زَيْدٌ يَكْتُبُ وَاَوْشَكَ وَاِسْتِعْمَالُهَا مِثْلُ عَسٰى وَكَادَ۔

ترجمہ: اور دوسرا فعل حصول کیلئے ہے اور وہ کاد ہے اور اس کی خبر مضارع ہے اَنْ کے بغیر جیسے کاد زیدٌ یقومُ یعنی قریب ہے زید کہ کھڑا ہو اور کبھی اَنْ داخل ہوتا ہے جیسے کادَ زیدٌ ان یقومَ اور تیسرا فعل پکڑنے اور شروع کرنے کیلئے ہے فعل میں اور وہ طفقَ اور جعلَ اور کربَ اور اخذَ ہے اور ان کا استعمال کاد کی مانند ہے جیسے طفقَ زیدٌ یکتبُ یعنی شروع ہوا زید کہ لکھے اور اوشکَ اور اس کا استعمال عسٰی و کاد کی مانند ہے۔

تشریح: وَالثَّانِيْ لِلْحُصُوْلِ دوسری قسم افعالِ مقاربہ کی وہ ہے جو حصول کیلئے موضوع ہو، یعنی وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خبر کا حصول فاعل کیلئے یقینی ہونے والا ہے اور اس معنی کیلئے کاد آتا ہے جیسے کادَ زیدٌ یقومُ یعنی زید کیلئے حصول قیام

یقینی ہونے والا ہے۔اس میں **کَادَ** کا فاعل زید ہے اور **یقومُ** فعل مضارع اس کی خبر ہے جو محل نصب میں واقع ہے اس کی خبر پر اَنْ داخل نہیں ہوتا، اگر چہ کبھی داخل کیا جا سکتا ہے جیسے **کَادَ زیدٌ ان یقومَ**۔

وَالثَّالِثُ لِلْاَخْذِ تیسری قسم افعالِ مقاربہ کی وہ ہے جو فعل میں اخذ و شروع کیلئے موضوع ہو، یعنی جو فاعل کیلئے خبر کے نزدیک ہونے کا باعتبار اخذ وشروع کے بتایا جائے، اس معنی کیلئے **طفق** اور **جعل** اور **کربَ** اور **اخذَ** ہیں اور ان افعال کا استعمال بھی **کَادَ** کی طرح ہے کہ جس طرح **کَادَ** کی خبر فعل مضارع بغیر **اَنْ** آتی ہے اگر چہ کبھی **اَنْ** داخل کیا بھی جا سکتا ہے، اسی طرح ان چاروں افعال کی خبر بھی فعل مضارع بغیر **اَنْ** کے آتی ہے جیسے **طفقَ زیدٌ یکتُبُ** اور معنی مذکور کیلئے **اوشكَ** بھی آتا ہے اور وہ استعمال میں **عسٰی** اور **کَادَ** کی طرح ہے جیسے **اوشكَ زیدٌ ان یخرجَ** اور **اوشكَ اَنْ یخرجَ زیدٌ** اور کبھی اس کا استعمال **کَادَ** کی طرح **اَنْ** کے بغیر ہوتا ہے جیسے **اَوْشكَ زیدٌ یخرجُ**۔

فصل: فِعْلَا التَّعَجُّبِ مَا وُضِعَ لِاِنْشَاءِ التَّعَجُّبِ وَلَهٗ صِيْغَتَانِ مَا اَفْعَلَهٗ نَحْوُ مَا اَحْسَنَ زَيْدًا اَيْ اَيُّ شَيْءٍ اَحْسَنَ زَيْدًا وَفِيْ اَحْسَنَ ضَمِيْرٌ وَهُوَ فَاعِلُهٗ وَاَفْعِلْ بِهٖ نَحْوُ اَحْسِنْ بِزَيْدٍ وَلَا يُبْنَيَانِ اِلَّا مِمَّا يُبْنٰى مِنْهُ اَفْعَلُ التَّفْضِيْلِ وَيُتَوَصَّلُ فِي الْمُمْتَنِعِ بِمِثْلِ مَا اَشَدَّ اِسْتِخْرَاجًا فِي الْاَوَّلِ وَاَشْدِدْ بِاِسْتِخْرَاجِهٖ فِي الثَّانِيْ كَمَا عَرَفْتَ فِيْ اِسْمِ التَّفْضِيْلِ

ترجمہ: یہ فصل ہے تعجب کے دو فعل کے بیان میں۔تعجب کے دو فعل وہ ہیں جو تعجب کو پیدا کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں اور اس کیلئے دو صیغے ہیں ایک **ما افعلهٗ** جیسے **ما احسن زیدًا** یعنی کون چیز ہے کہ حسین کیا جس نے زید کو اور احسن میں ضمیر ہے اور وہ اس کا فاعل ہے اور دوسرا صیغہ افعل بہ ہے جیسے **احسن بزیدٍ** اور وہ دونوں صیغے نہیں بنائے جاتے مگر اس سے کہ جس سے افعل تفضیل بنایا جاتا ہے اور ممتنع میں وصیلہ پکڑا جاتا ہے **ما اشد استخراجًا** کی مثل کے ساتھ اول میں اور **اشدد باستخراجه** کی مثل کے ساتھ دوم مین جیسا کہ آپ نے اسم تفضیل میں پہچانا۔

تشریح: **فِعْلَا التَّعَجُّبِ** وہ دراصل **فعلان التعجب** ہے۔نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا، تعجب کہتے ہیں: نفس کا متاثر ہونا اس چیز کے ادراک کے وقت جس کا سبب خفی ہو اور **فعل التعجب** وہ فعل ہے جس کی وضع انشاء تعجب یعنی اظہارِ تعجب کیلئے ہوتی ہے اس کے دو صیغے ہیں: ایک **ما افعلهٗ** اور دوسرا **افعل بهٖ** جیسے **ما احسن زیدًا واحسن بزیدٍ**۔ **ما** مبتداء نکرہ بمعنی شئی ہے اور اس کا مابعد خبر ہے۔یہ سیبویہ کے نزدیک ہے لیکن اخفش **ما** کو موصولہ کہتے ہیں اور اس کا مابعد اُس کا صلہ اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء واقع ہے۔اور خبر **شیئٌ عظیمٌ** محذوف ہے، پس **ما احسنَ زیدًا** کا معنی سیبویہ کے نزدیک **شیئٌ احسنَ زیدًا** ہے اور اخفش کے نزدیک **الذی احسن زیدًا شیئٌ عظیمٌ** ہے۔اور **اَحْسِنْ بزیدٍ** میں **بزیدٍ** سیبویہ کے نزدیک فاعل ہے، پس **اَحْسِنْ** اگر چہ امر کا صیغہ ہے لیکن بمعنی **حَسُنَ** فعل ماضی ہے اور باء لفظ **بزیدٍ** میں زائدہ ہے اور زید اس کا فاعل ہے اور ہمزہ صیرورت کا ہے۔

وَلَا یُبْنَیَانِ یعنی فعل تعجب کے وہ دونوں صیغے اس صیغہ سے بنائے جاتے ہیں جس سے افعل التفضیل یعنی اسم تفضیل بنایا جاتا ہے اور وہ صیغہ ثلاثی مجرد کا ہے جولون وعیب سے مجرد ہے کیونکہ فعل تعجب اور اسم تفضیل کو ایک دوسرے کے ساتھ بایں طور مشابہت حاصل ہے کہ ہر ایک مبالغہ کیلئے آتا ہے۔ فعل تعجب اس صیغہ سے نہیں آتا جو زیادت ونقصان کو قبول نہ کرے، پس مَآ اَمَاتَ زَیْدًا نہیں کہا جائے گا کیونکہ موت زیادت ونقصان کو قبول نہیں کرتی اس لئے کہ ایک شخص کی موت دوسرے شخص کی موت سے کم وزیادہ نہیں ہوتی۔

یُتَوَصَّلُ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جس صیغہ سے فعل تعجب بنانا ممنوع ہے اگر اس سے فعل تعجب بنایا جائے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ جواب یہ کہ مثلاً شدت وضعف یا حسن وقبح کو اسم تفضیل کا صیغہ بنایا جائے اور اس کے بعد اس مصدر کو بیان کیا جائے کہ جس کے فعل سے تعجب کا صیغہ ممنوع ہے، چنانچہ غیر ثلاثی مجرد سے مثلاً استخراج کو تعجب کا پہلا صیغہ اس طرح بنایا جائے گا: مَا اَشَدَّ استخراجًا اور دوسرا صیغہ اَشْدِدْ باستخراجہٖ بنایا جائے گا۔ تفصیل اس کی اسم تفضیل کے بیان میں گزری۔

وَلَا یَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِیْهِمَا بِتَقْدِیْمٍ وَلَا تَأْخِیْرٍ وَلَا فَصْلٍ وَالْمَازِنِیُّ اَجَازَ الْفَصْلَ بِالظَّرْفِ نَحْوُ مَا اَحْسَنَ الْیَوْمَ زَیْدًا۔

ترجمہ: اور ان دونوں میں تقدیم سے تصرف جائز نہیں ہوتا اور نہ تاخیر اور فصل سے اور مازنی نے ظرف کے ساتھ فصل کو جائز رکھا ہے جیسے مَا احسنَ الیوم زیدًا۔

تشریح: وَلَا یَجُوْزُ یعنی تعجب کے دونوں صیغوں کے اندر تقدیم وتاخیر کے ذریعہ تصرف کرنا جائز نہیں، یعنی یہ ممنوع ہے کہ مفعول اور مجرور کو مقدم کیا جائے اور فعل کو ان دونوں سے مؤخر کیا جائے جیسے مَا زیدًا احسنَ اور بزیدٍ اَحْسِنْ جائز نہیں، اسی طرح فعل تعجب اور اس کے معمول کے درمیان بھی فصل جائز نہیں جیسے مَا اَحْسنَ الیومَ زیدًا اور نہ احسنَ الیومَ بزیدٍ ممنوع ہے۔ مازنی نے کہا کہ فصل اگر ظرف کے ذریعہ ہو تو جائز ہے کیونکہ اس میں یہ وسعت ہے دوسروں میں نہیں، پس احسنُ فی الدارِ زیدًا اور احسن الیوم بزیدٍ جائز ہے۔ جمہور اس کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں۔ فصل خواہ ظرف سے ہو یا ظرف کے علاوہ سے۔

فصل: اَفْعَالُ الْمَدْحِ وَالذَّمِّ مَا وُضِعَ لِاِنْشَاءِ مَدْحٍ اَوْ ذَمٍّ اَمَّا الْمَدْحُ فَلَهٗ فِعْلَانِ نِعْمَ وَفَاعِلُهٗ اِسْمٌ مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ نَحْوُ نِعْمَ الرَّجُلُ زَیْدٌ اَوْ مُضَافٌ اِلَی الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ نَحْوُ نِعْمَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَیْدٌ وَقَدْ یَکُوْنُ فَاعِلُهٗ مُضْمَرًا وَیَجِبُ تَمْیِیْزُهٗ بِنَکِرَةٍ مَنْصُوْبَةٍ نَحْوُ نِعْمَ رَجُلًا زَیْدٌ اَوْ بِمَا نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَنِعِمَّا هِیَ اَیْ نِعْمَ الشَّیْءُ شَیْئًا هِیَ وَزَیْدٌ یُسَمَّی الْمَخْصُوْصَ بِالْمَدْحِ وَحَبَّذَا زَیْدٌ حَبَّ فِعْلُ الْمَدْحِ وَفَاعِلُهٗ ذَا وَالْمَخْصُوْصُ بِالْمَدْحِ زَیْدٌ وَیَجُوْزُ اَنْ یَّقَعَ قَبْلَ مَخْصُوْصٍ اَوْ بَعْدَهٗ تَمْیِیْزٌ نَحْوُ حَبَّذَا رَجُلًا زَیْدٌ وَحَبَّذَا زَیْدٌ

رَجُلًا اَوْ حَالٌ نَحْوُ حَبَّذَا رَاكِبًا زَيْدٌ وَحَبَّذَا زَيْدٌ رَاكِبًا

ترجمہ: افعالِ مدح و ذم وہ ہیں جو مدح یا ذم کو پیدا کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں لیکن مدح تو اس کے دو فعل ہیں ایک **نعمَ** اور اس کا فاعل معرف باللام ہے۔ جیسے **نِعمَ الرجلُ زیدٌ** یعنی خوب ہی مرد وہ زید ہے یا مضاف ہو معرف باللام کی طرف جیسے **نعم غلامُ الرجلِ زیدٌ** اور کبھی اس کا فاعل مضمر و پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کی تمیز نکرہ منصوبہ کے ساتھ واجب ہوتی ہے جیسے **نعمَ رجلًا زیدٌ** یا اس کی تمیز **ما** کے ساتھ ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **فَنِعِمَّا هِیَ** یعنی خوب ہے وہ باعتبار چیز کے وہ وہ ہے اور زید کا نام رکھا جاتا ہے مخصوص بالمدح اور دوسرا **حبذا** ہے جیسے **حبذا زیدٌ** حب فعل مدح ہے اور ذا اس کا فاعل ہے اور مخصوص بالمدح زید ہے اور جائز ہے واقع ہو مخصوص سے قبل یا اس کے بعد تمیز جیسے **حبذا رجلًا زیدٌ** اور **حبذا زیدٌ رجلًا** یا حال ہو جیسے **حبذا راكبًا زیدٌ** اور **حبذا زیدٌ راكبًا**۔

تشریح: **اَفْعَالُ الْمَدْحِ** یعنی افعالِ مدح و ذم وہ افعال ہیں جو موضوع ہیں مدح و ذم کی انشاء کیلئے یعنی جن افعال سے تعریف یا بُرائی پیدا ہو، وہ افعال مدح و ذم ہیں پس وہ تعریف **کرم زیدٌ و شرف عمرٌو وقنع بکرٌ وعوزَ خالدٌ ومدحتُ زیدًا وذممتُ بکرًا** وغیرہ پر صادق نہ آئے گی کیونکہ ان سے مدح و ذم کی انشاء نہیں بلکہ اخبار متصور ہوتی ہے۔

اَمَّا الْمَدْحُ یعنی افعالِ مدح کے دو صیغے ہیں ایک **نِعمَ** بکسر نون وسکون عین ہے اور دوسرا **حبذا**۔ **نعم** فعل ماضی ہے جو اصل میں **نَعِمَ** بفتح فاء وکسر عین ہے۔ فاء کلمہ کو ساکن کیا اور عین کلمہ کی حرکت کو نقل کر کے فاء کلمہ کو دیا **نعم** کا فاعل معرف باللام ہوتا ہے جیسے **نعم الرجلُ** میں **الرجلُ** یا مضاف ہوتا ہے معرف باللام کی طرف جیسے **نعم غلامُ الرجلِ** میں **غلامُ الرجلِ** اور **نعم** کا فاعل کبھی ضمیر مستتر ہوتا ہے لیکن ضروری ہے اس کی تمیز یا تو نکرہ منصوبہ ہوگی جیسے **نعمَ رجلًا زیدٌ** میں **نِعمَ** کے اندر **ھو** فاعل ہے جس کی تمیز **رجلًا** ہے اور یا تمیز لفظ **ما** ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **فنعِمّا هِیَ** یعنی **نعم الشیئُ شیئًا**۔ اس میں **ما** نکرہ بمعنی شئی ہے اور وہ موصولہ نہیں اور نہ موصوفہ ہے۔ مخصوص بالمدح لفظ **ھی** ہے جس کا مرجع صدقات ہے اور زید جو مذکورہ مثالوں میں واقع ہے وہ مخصوص بالمدح ہے۔ ترکیب کے اعتبار سے اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ مبتداء ہو اور اس کا ماقبل خبر مقدم۔ دوسری یہ کہ وہ خبر ہو مبتداء محذوف کی اور **نعمَ الرجلُ** علیحدہ جملہ فعلیہ ہو، پس اس دوسری صورت میں **نِعم الرجلُ زیدٌ** دو جملے ہوں گے ایک جملہ فعلیہ اور دوسرا جملہ اسمیہ۔ **نعم الرجلُ** جملہ فعلیہ اور **ھو زیدٌ** جملہ اسمیہ۔

خیال رہے کہ مخصوص بالمدح فاعل کے ساتھ تذکیر و تانیث اور تثنیہ و جمع میں مطابق ہوتا ہے جیسے **نعم الرجلُ زیدٌ** اور **نعمت المرأۃُ زینبُ** اور **نعم الرجلانِ الزیدانِ** اور **نعم الرجالُ الزیدونَ**۔

نِعْمَ فعل ماضی ہے اس کی اصل **نَعِمَ** بروزنِ فَعِل بفتح فاء وکسر عین ہے، فَعِل کا صیغہ خواہ اسم ہو یا فعل، اس میں چار لغتیں منقول ہیں جبکہ اس کا فاء کلمہ مفتوح ہو اور عین کلمہ حلقی تو (۱) فتح فاء اور کسرہ عین کے ساتھ ہوگا (۲) فتح فاء وسکون عین کے ساتھ

(۳) کسر فاء وسکون عین کے ساتھ (۴) کسر فاء وکسر عین کے ساتھ۔
وَحَبَّذَا دوسرا فعل مدح حبذا ہے اور وہ مرکب ہے حبّ اور ذا سے، حبّ فعل مدح ہے اور ذا اُس کا فاعل اور وہ ایک حالت پر برقرار رہتا ہے یعنی تثنیہ وجمع وتانیث میں اپنے مخصوص کے مطابق نہیں ہوتا، جیسے کہا جاتا ہے: حبذا الزیدانِ اور حبذا ھندٌ۔ حبذا کے بعد جو اسم مذکور ہو اس کو مخصوص بالمدح کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی ترکیب کے اعتبار سے وہی دو صورتیں ہیں جو نعم کے مخصوص بالمدح میں مذکور ہوئیں۔
وَيَجُوْزُ اَنْ يَّقَعَ یعنی زید جو مثال مذکور میں مخصوص بالمدح ہے، اس سے قبل یا اس کے بعد جائز ہے تمیز واقع ہو جیسے حبذا رجلًا زیدٌ میں رجلًا تمیز ہے جو مخصوص بالمدح سے قبل واقع ہے اور حبذا زیدٌ رجلًا میں رجلًا تمیز ہے لیکن وہ مخصوص بالمدح کے بعد واقع ہے اور یہ بھی جائز ہے وہ حال واقع ہو، عام ہے کہ مخصوص بالمدح سے قبل ہو یا اسکے بعد جیسے حبذا راکبًا زیدٌ اور حبذا زیدٌ راکبًا۔

وَاَمَّا الذَّمُّ فَلَهٗ فِعْلَانِ اَيْضًا بِئْسَ نَحْوُ بِئْسَ الرَّجُلُ زَيْدٌ وَبِئْسَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَيْدٌ وَبِئْسَ رَجُلًا زَيْدٌ وَسَاءَ نَحْوُ سَاءَ الرَّجُلُ زَيْدٌ وَسَاءَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَيْدٌ وَسَاءَ رَجُلًا زَيْدٌ وَسَاءَ مِثْلُ بِئْسَ فِيْ سَائِرِ الْاَقْسَامِ۔

ترجمہ: اور لیکن ذم تو اس کیلئے بھی دو فعل ہیں ایک بئسَ جیسے بئسَ الرجلُ زیدٌ اور بئس غلامُ الرجلِ زیدٌ اور بئس رجلًا زیدٌ اور دوسرا ساء جیسے ساءَ الرجلُ زیدٌ اور ساءَ غلامُ الرجلِ زیدٌ اور ساءَ رجلًا زیدٌ اور ساءَ بئس کی طرح ہے تمام اقسام میں۔
تشریح: وَاَمَّا الذَّمُّ یعنی افعال ذم کے بھی دو صیغے ہیں، ایک بئسَ اور دوسرا ساءَ ان دونوں کے استعمال کی صورتیں بھی وہی ہیں جو نعم میں مذکور ہوئیں کہ اُس کا بھی فاعل معرف باللام ہوتا ہے جیسے بئس الرجلُ زَیْدٌ وساءَ الرجلُ زَیْدٌ بئسَ اور ساءَ فعل ذم ہیں اور الرجل اس کا فاعل معرف باللام اور زید مخصوص بالذم ہے۔
یا اس کا فاعل مضاف ہوتا ہے معرف باللام کی طرف جیسے بئس غلامُ الرجلِ زیدٌ وساءَ غلامُ الرجلِ زیدٌ اور اس کا فاعل بھی ضمیر مستتر ہوتا ہے لیکن اس کی تمیز نکرہ منصوبہ کے ساتھ آئے گی، جیسے بئسَ رجلًا زیدٌ کے اندر بئسَ میں ھو فاعل ضمیر مستتر ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ واقع ہے، اسی طرح ساءَ رجلًا زیدٌ۔

اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ فِي الْحُرُوْفِ وَقَدْ مَضٰى تَعْرِيْفُهٗ وَاَقْسَامُهٗ سَبْعَةَ عَشَرَ حُرُوْفُ الْجَرِّ وَالْحُرُوْفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ وَحُرُوْفُ الْعَطْفِ وَحُرُوْفُ التَّنْبِيْهِ وَحُرُوْفُ النِّدَاءِ وَحُرُوْفُ الْاِيْجَابِ وَحُرُوْفُ الزِّيَادَةِ وَحَرْفَا التَّفْسِيْرِ وَحُرُوْفُ الْمَصْدَرِ وَحُرُوْفُ التَّحْضِيْضِ وَحُرُوْفُ التَّوَقُّعِ وَحَرْفَا الْاِسْتِفْهَامِ وَحُرُوْفُ الشَّرْطِ وَحَرْفُ الرَّدْعِ وَتَاءُ التَّانِيْثِ السَّاكِنَةِ وَالتَّنْوِيْنِ وَنُوْنَا التَّاكِيْدِ۔

ترجمہ: تیسری قسم حروف کے بیان میں ہے تحقیق کہ اس کی تعریف گزری اور اس کے اقسام سترہ ہیں، حروفِ جر اور حروفِ مشبہ بہ فعل اور حروفِ عطف اور حروفِ تنبیہ اور حروفِ نداء اور حروفِ ایجاب اور حروفِ زیادت اور تفسیر کے دو حروف اور حروفِ مصدر اور حروفِ تحضیض اور حروفِ توقع اور استفہام کے دو حروف اور حروفِ شرط اور حرفِ ردع اور تاء تانیث ساکنہ اور تنوین اور تاکید کے دونون۔

تشریح: اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ پہلی دونوں قسموں کا بیان جب مکمل ہو گیا تو اب تیسری اور آخری قسم کو بیان کیا جاتا ہے جو حروف کے بیان میں ہے اور حرف کی تعریف چونکہ مقدمہ میں گزر چکی اس لئے دوبارہ اس کو بیان نہ کر کے اس کی تقسیم بیان کی جاتی ہے کہ حروف کی کل سترہ قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) حروفِ جر (۲) حروف مشبہ بہ فعل (۳) حروف عطف (۴) حروفِ تنبیہ (۵) حروفِ نداء (۶) حروفِ ایجاب (۷) حروفِ زیادت (۸) تفسیر کے دو حروف (۹) حروفِ مصدر (۱۰) حروفِ تحضیض (۱۱) حرفِ توقع (۱۲) استفہام کے دو حروف (۱۳) حروفِ شرط (۱۴) حرفِ ردع (۱۵) تاء تانیث ساکنہ (۱۶) تنوین (۱۷) تاکید کے دونون۔ آگے ہر ایک کی تفصیل مذکور ہے۔

فصل: حُرُوْفُ الْجَرِّ حُرُوْفٌ وُضِعَتْ لِاِفْضَاءِ الْفِعْلِ اَوْ شِبْهِهٖ اَوْ مَعْنَى الْفِعْلِ اِلٰى مَا يَلِيْهِ نَحْوُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَاَنَا مَارٌّ بِزَيْدٍ وَهٰذَا فِي الدَّارِ اَبُوْكَ اَیْ اُشِيْرُ اِلَيْهِ فِيْهَا وَهِيَ تِسْعَةَ عَشَرَ حَرْفًا

ترجمہ: یہ فصل ہے حروفِ جر کے بیان میں اور وہ حروف ہیں جو موضوع ہیں فعل یا شبہ فعل یا معنیٰ فعل کو اس چیز کی طرف پہنچانے کیلئے جو حروف کہ اس چیز سے ملتے ہیں جیسے **مررتُ بزیدٍ** یعنی میں گزرا زید کے پاس سے اور **انا مارٌّ بزیدٍ** یعنی میں گزرنے والا ہوں زید کے پاس سے اور **ھذا فی الدار ابوك** یعنی یہ گھر میں موجود تیرا باپ ہے۔ یعنی اشارہ کرتا ہوں اس کی طرف دراں حالیکہ وہ گھر میں موجود ہے اور وہ انیس حروف ہیں۔

تشریح: **حُرُوْفُ الْجَرِّ** حروفِ جر کو مقدم کیا گیا جب کہ حروفِ مشبہ بہ فعل کو مقدم کرنا چاہیے کہ حروفِ جر عامل مجرور ہیں اور حروفِ مشبہ عامل مرفوع ومنصوب اور ظاہر ہے مرفوع ومنصوب مقدم ہوتے ہیں مجرور پر، اس کی وجہ یہ کہ حروفِ جر چونکہ اپنے عمل میں اصل ہیں اور حروفِ مشبہ اپنے عمل میں فرع اور ظاہر ہے اصل کو تقدم حاصل ہے اس لئے حروفِ جر کو حروفِ مشبہ پر مقدم کیا گیا۔

حُرُوْفٌ وُضِعَتْ یہ تعریف ہے حروفِ جر کی جس کا خلاصہ یہ کہ حروفِ جر وہ حروف ہیں جو موضوع ہیں فعل یا شبہ فعل یا معنیٰ فعل کو اس چیز کی طرف پہنچانے کیلئے جو حروف کہ اس چیز سے متصل ہوتے ہیں۔ اس سے اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ جر لغت میں کھینچنے کو کہا جاتا ہے اور وہ حروف بھی فعل یا شبہ فعل یا معنیٰ فعل کو اپنے مدخول کی طرف کھینچتے ہیں، اس لئے ان کو حروفِ جر کہا جاتا ہے۔

لِاِفْضَاءِ الْفِعْلِ: افضاء بمعنی وصول لازم ہے اس کو متعدی بمعنی ایصال بمعنی افضاء، باء کے ذریعہ کیا گیا ہے کیونکہ **افضاءُ**

الفعلِ اصل میں اِفضاءٌ بالفعلِ ہے۔ فعل سے یہاں مراد اصطلاحی معنی ہے اور شبہ فعل سے مراد وہ ہے جو اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے جیسے اسم فاعل و اسم مفعول وصفت مشبہ وغیرہ اور معنیٰ فعل سے مراد وہ ہے جس سے فعل کا معنی مستنبط ہو جیسے ظرف اور جار مجرور اور اسماء اشارات و اسماء افعال وغیرہ کہ ان سے فعل کا معنی مستفاد ہوتا ہے اور ما تلیه میں ما سے مراد اسم ہے اور ضمیر مرفوع جو تلیه میں مستتر ہے حروف کی طرف راجع ہے اور ضمیر منصوب بارز راجع ہے لفظ ما کی طرف۔ اصل عبارت یہ ہے: اَیِّ اسم تلی الحروف ذلك الاسم۔

مَرَرْتُ بِزَیْدٍ یہ مثال ہے افضاء فعل کی اور اَنَا مَارٌّ بزیدٍ یہ مثال ہے افضاء شبہ فعل کی اور هذا فی الدارِ ابوك یہ مثال ہے معنیٰ فعل کے افضاء کی کہ اس میں هذا بمعنی اشیر الیه ہے۔

وَهِیَ تِسْعَةَ عَشَرَ یعنی حروفِ جر کل انیس ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) مِنْ (۲) الی (۳) حتّٰی (۴) فِی (۵) باء (۶) لام (۷) رُبَّ (۸) واوُ رُبَّ (۹) واوُ قسم (۱۰) تاء قسم (۱۱) باء قسم (۱۲) عَنْ (۱۳) علی (۱۴) کاف (۱۵) مُذْ (۱۶) منذ (۱۷) خلا (۱۸) حاشا (۱۹) عدا۔ آگے ہر ایک کی تفصیل مذکور ہے۔

مِنْ وَهِیَ لِابْتِدَاءِ الْغَایَةِ وَعَلَامَتُهٗ اَنْ یَّصِحَّ فِیْ مُقَابَلَتِهٖ اِلٰی لِلْاِنْتِهَاءِ كَمَا تَقُوْلُ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَی الْكُوْفَةِ وَلِلتَّبْیِیْنِ وَعَلَامَتُهٗ اَنْ یَّصِحَّ وَضْعُ لَفْظِ الَّذِیْ مَكَانَهٗ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَلِلتَّبْعِیْضِ وَعَلَامَتُهٗ اَنْ یَّصِحَّ لَفْظُ بَعْضٍ مَكَانَهٗ نَحْوُ اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَزَائِدَةٌ وَعَلَامَتُهٗ اَنْ لَّا یَخْتَلَّ الْمَعْنٰی بِاِسْقَاطِهَا نَحْوُ مَا جَاءَنِیْ مِنْ اَحَدٍ وَلَا تُزَادُ مِنْ فِیْ كَلَامِ الْمُوْجَبِ خِلَافًا لِّلْكُوْفِیِّیْنَ وَاَمَّا قَوْلُهُمْ قَدْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ وَشِبْهُهٗ فَمُتَاَوَّلٌ

ترجمہ: مِنْ اور وہ ابتداء غایت کیلئے ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ صحیح ہو اس کے مقابل میں اِلٰی جو انتہاء کیلئے آتا ہے جیسا کہ آپ کہیں گے: سرتُ من البصرةِ الی الکوفةِ یعنی میں نے سیر کی بصرہ سے کوفہ تک اور بیان کرنے کیلئے آتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ صحیح ہو لفظ الذی اس کی جگہ پر، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: فاجتنبوا الرجسَ من الاوثانِ یعنی بچیں آپ لوگ رجس یعنی بتوں سے اور تبعیض کیلئے آتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ صحیح ہو لفظ بعض اس کی جگہ پر جیسے اخذتُ من الدراهم یعنی میں نے لیا دراہم سے اور من زائد ہوتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ معنی اس کے ساقط کر دینے سے خراب نہ ہو جیسے ما جاءنی من احدٍ یعنی میرے پاس کوئی نہیں آیا اور من کلام موجب میں زیادہ نہیں کیا جاتا۔ کوفیین اس کے خلاف ہیں اور لیکن اُن لوگوں کا قول قد کان من مطر یعنی تحقیق کہ بارش ہوگئی اور اس کے مشابہ تو وہ تاویل کیا ہوا ہے۔

تشریح: مِنْ وَهِیَ لِابْتِدَاءِ پہلی قسم حرفِ جر کی مِنْ ہے اور وہ تمام حرفِ جر پر اس لئے مقدم ہے کہ وہ چونکہ ابتداء کیلئے آتا ہے، اس لئے کلام کا آغاز بھی مِنْ سے کیا گیا کہ اس سے بحث کی ابتداء ہو جائے۔

لِابْتِدَاءِ الْغَایَةِ: مِنْ زائد ہوتا ہے اور غیر زائد بھی، اور جو غیر زائد ہے وہ کبھی ابتداء غایت کیلئے آتا ہے اور کبھی تبیین اور کبھی

تبعیض کیلئے۔ ہر ایک معنی پر دلالت کرنے کیلئے یہ بیان کی جاتی ہے کہ من جبکہ ابتداء غایت کیلئے ہو، اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے بالمقابل الی کا استعمال صحیح ہوگا جو انتہاء کیلئے آتا ہے جیسے سرتُ من البصرةِ الی الکوفةِ یعنی میرے سیر کی ابتداء بصرہ سے کوفہ تک ہے اور مِن جبکہ تبیین کیلئے ہو تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ پر لفظ الذی کا استعمال صحیح ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول: فاجتنبوا الرجسَ من الاوثانِ میں مِنْ کی جگہ پر لفظ الذی کا استعمال صحیح ہے یعنی فاجتنبوا الرجسَ الذی الاوثان کہ بچیں اس پلیدی سے جو کہ بت ہیں اور مِنْ جبکہ تبعیض کیلئے ہو تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ پر لفظ بعض کا استعمال صحیح ہوگا جیسے اخذتُ من الدراھم میں مِنْ کی جگہ پر بعض کا استعمال صحیح ہے یعنی اخذتُ بعضَ الدراھم کہ میں نے بعض دراہم کو لیا۔

زَائِدَةً اس کا عطف چونکہ للابتداء پر ہے اس لئے وہ بر بناء خبر مرفوع ہے اور علامتہٗ میں ضمیر مجرور کا مرجع من زائدۃ ہے۔ خلاصہ یہ کہ من جو زائد ہوتا ہے اس کی علامت یہ کہ اس کو ساقط کر دینے سے عبارت میں خلل پیدا نہ ہو، جیسے ما جاءنی من احدٍ میں من کو ساقط کر کے یوں کہا جائے: ما جاءنی احدٌ یعنی کوئی میرے پاس نہیں آیا تو ظاہر ہے معنی بلاشبہ درست ہے، اس میں کوئی خلل نہیں لیکن مِنْ جو زائد ہوتا ہے وہ کلام غیر موجب میں۔ کلام موجب میں نہیں جیسا کہ مثال مذکور ہے۔

کلام موجب وہ کلام ہے جو نفی واستفہام وعرض وغیرہ کو شامل نہ ہو اور کلام غیر موجب وہ ہے جو نفی ونہی وغیرہ کو شامل ہو۔

وَاَمَّا قَوْلُهُمْ یہ جواب ہے کوفیوں کے اس سوال کا کہ من زائدہ صرف کلام غیر موجب میں نہیں بلکہ کلام موجب میں بھی ہوتا ہے، چنانچہ عرب کا قول ہے: قد کان مِنْ مطرٍ اصل میں قد کان مطرٌ ہے یعنی بارش ہوئی۔ جواب یہ کہ مثال مذکور اور اسی طرح دوسرے جملوں میں جو مِنْ مذکور ہے، اس میں حمل علی البعضِ یا حمل علی التبیینِ کے ساتھ ماول ہے۔ بتقدیر اول عبارت یہ ہے: قد کان بعض مَطرٍ اور بتقدیر دوم عبارت یہ ہے: قد کان شیءٌ من مطرٍ۔

وَاِلٰی وَهِیَ لِانْتِهَاءِ الْغَایَةِ کَمَا مَرَّ وَبِمَعْنٰی مَعَ قَلِیْلًا کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَحَتّٰی وَهِیَ مِثْلُ اِلٰی نَحْوُ نِمْتُ الْبَارِحَةَ حَتَّی الصَّبَاحِ وَبِمَعْنٰی مَعَ کَثِیْرًا نَحْوُ قَدِمَ الْحَاجُّ حَتَّی الْمُشَاةِ وَلَا تَدْخُلُ اِلَّا عَلَی الظَّاهِرِ فَلَا یُقَالُ حَتَّاهُ خِلَافًا لِلْمُبَرِّدِ وَقَوْلُ الشَّاعِرِ۔ شعر۔ فَلَا وَاللّٰهِ لَا یَبْقٰی اُنَاسٌ۔ فَتًی حَتَّاكَ یَا ابْنَ اَبِیْ زِیَادٍ۔ شَاذٌّ۔

ترجمہ: اور الی اور وہ غایت کی انتہاء کیلئے ہے جیسے کہ گزرا اور مع کے معنی میں کم آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافقِ یعنی آپ تمام دھوئیں اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور حتّٰی اور وہ الی کی مثل ہے جیسے نمتُ البارحةَ حتی الصباحِ یعنی میں گزشتہ رات صبح تک سویا اور مع کے معنی میں بہت آتا ہے جیسے قدمَ الحاجُّ حتی المشاةِ یعنی حاجی آئے یہاں تک کہ پیادے اور وہ داخل نہیں ہوتا مگر اسم ظاہر پر تو بولا نہیں جائے گا۔ حتاهُ مبرد کا خلاف ہے اور شاعر کا قول شعر واللہ لا یبقی الخ یعنی پس نہیں خدا کی قسم! کوئی آدمی جوان باقی نہیں رہیں

گے یہاں تک تو اے ابوزیاد کے بیٹے، شاذ ہے۔

تشریح: وَالٰی وَھِیَ دوسری قسم حرف جر کی حرف **الٰی** ہے اور وہ مسافت کی انتہاء کیلئے آتا ہے اور وہ انتہاء کبھی مکان میں ہوتی ہے اور کبھی زمان میں۔ مکان میں جیسے کہ اُس کی مثال گزری **سرتُ من البصرۃِ الی الکوفۃِ** یعنی میری مسافت مکان بصرہ سے شروع ہو کر مکان کوفہ تک تمام ہوئی۔ زمان میں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **ثم اَتموا الصیامَ الی اللیلِ** یعنی پھر روزہ تمام کریں زمانہ لیل تک اور **الٰی** کبھی بمعنی **مع** بھی آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافقِ** میں **الی** بمعنی **مع** یعنی **مع المرافق** ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **ولا تاکلوا اموالھم الی اموالِکم** میں **الی** بمعنی **مع** یعنی **مع اموالِکم**۔

حتّٰی وَھِیَ تیسری قسم حرف جر کی **حتّٰی** ہے اور وہ انتہاء غایت ہونے میں **الی** کی مثل ہے یعنی جس طرح **الی** انتہاء غایت کیلئے آتا ہے اسی طرح **حتّٰی** بھی انتہاء غایت کیلئے آتا ہے، جیسے **نمتُ البارحۃَ حتّٰی الصباحِ** یعنی میں سویا گزشتہ رات صبح تک اور وہ اکثر **مع** کے معنی میں آتا ہے جیسے **قدم الحاجُ حتّٰی المشاۃِ** میں **حتی المشاۃِ** بمعنی **مع المشاۃِ** یعنی حاجی آئے پیادے کے ساتھ۔ **مشاۃ** جمع **ماشی** بمعنی پیادہ، پیدل چلنے والا۔ اور **حتّٰی** صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اسم ضمیر پر نہیں، چنانچہ **حتاہ** نہیں کہا جاتا برخلاف **الٰی** کے کہ وہ اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے۔ مبرد نحوی کہتے ہیں کہ **حتّٰی** جس طرح اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح اسم ضمیر پر بھی داخل ہوتا ہے۔

قَوْلُ الشَّاعِرِ مبرد نحوی اپنے مدعیٰ کے ثبوت میں شاعر کے اس شعر کو پیش کرتے ہیں جس میں **حتّٰی** کو کاف ضمیر پر داخل کیا گیا ہے۔ مصنف کے نزدیک جمہور کا قول چونکہ مختار و پسندیدہ ہے، اس لئے انہوں نے شاعر کے قول کو شاذ و نادر کہہ کر ردّ کر دیا کہ وہ ضابطہ کے خلاف ہے، اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جائے گا، لہٰذا **قول الشاعر** مبتداء ہے اور شاذ اس کی خبر اور **فلا واللہ الخ** قول سے بدل واقع ہے۔ شعر کا معنی یہ ہے: اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ کوئی آدمی زندہ نہ رہے گا اور نہ کوئی جوان یہاں تک تو اے ابوزیاد کے بیٹے! عبداللہ دنیا کی زندگی پر مغرور مت ہو، اس لئے کہ دنیا فناء ہونے والی ہے۔ عبداللہ جو ابوزیاد کا بیٹا ہے، وہ چونکہ اپنی جوانی پر بڑا غرور و گھمنڈ کرتا ہے، اس لئے شاعر اس کو مخاطب کر کے نصیحت کر رہے ہیں۔ شعر میں فاء برائے تفریع ہے اور **لا** زائد ہے جیسے قول باری تعالیٰ **لا اقسم بھذا البلدِ** میں **لا** زائد ہے اور اناس میں ہمزہ کو بھی خلاف قیاس حذف کر کے ناس کیا جاتا ہے، جمع اس کی اناسی ہے۔ **فتی** معطوف ہے، اناس پر حرف عطف وزن شعری کی وجہ سے محذوف ہے یا بدل ہے اُناس سے لیکن اول زیادہ بہتر ہے۔ ابن ابی زیاد کا نام عبداللہ ہے۔

وَفِیْ وَھِیَ لِلظَّرْفِیَّۃِ نَحْوُ زَیْدٌ فِی الدَّارِ وَالْمَاءُ فِی الْکُوْزِ وَبِمَعْنٰی عَلٰی قَلِیْلًا نَحْوُ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ

ترجمہ: اور **فی** اور وہ ظرفیت کیلئے ہے جیسے **زیدٌ فی الدارِ** یعنی زید گھر میں ہے اور **الماءُ فی الکوزِ** یعنی پانی پیالے میں ہے

اور علی کے معنی میں کم آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ولاصلبنکم فی جذوع النخل یعنی اور البتہ ضرور میں لوگوں کو سولی دوں گا کھجور کے درخت کے تنوں پر۔

تشریح: وَفِيْ وَهِيَ لِلظَّرْفِيَّةِ چوتھی قسم حرف جر کی لفظ فی ہے اور وہ ظرفیت کیلئے آتا ہے، یعنی اس کا مدخول ماقبل کا ظرف بن جاتا ہے خواہ وہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔ حقیقۃً جیسے زیدٌ فی الدارِ یعنی زید گھر میں ہے اور الماءُ فی الکوزِ یعنی پانی پیالہ میں ہے، حکماً جیسے نظرتُ فی الکتابِ میں کتاب نظر کا حکماً ظرف ہے۔ اور النجاتُ فی الصدقِ یعنی صدق نجات کا حکماً ظرف ہے اور فی کبھی بمعنی علی آتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ولاصلبنکم فی جذوعِ النخلِ میں فی بمعنی علی ہے، یعنی البتہ ضرور میں سولی دوں گا کھجور کے تنوں پر اور فی کبھی بمعنی مع آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول اُدخلوا فی اُممٍ ای مع اُممٍ یعنی امتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور وہ کبھی تعلیل کیلئے آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فیما اخذتم فیہ عذاب عظیم ای لما اخذتم اور فی کبھی مقابلہ کیلئے بھی آتا ہے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ: فما مَتاعُ الحیوۃِ الدُنیا فِی الآخِرۃِ الا قلیل کے اندر فی الآخرۃِ مقابلہ کیلئے ہے۔

وَالْبَاءُ وَهِيَ لِلْاِلْصَاقِ نَحْوُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اَيْ اِلْتَصَقَ مُرُوْرِيْ بِمَوْضِعٍ يَقْرُبُ مِنْهُ زَيْدٌ وَلِلْاِسْتِعَانَةِ نَحْوُ كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ وَقَدْ يَكُوْنُ لِلتَّعْلِيْلِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ وَلِلْمُصَاحَبَةِ كَخَرَجَ زَيْدٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَلِلْمُقَابَلَةِ كَبِعْتُ هٰذَا بِذَاكَ وَلِلتَّعْدِيَةِ كَذَهَبْتُ بِزَيْدٍ وَلِلظَّرْفِيَّةِ كَجَلَسْتُ بِالْمَسْجِدِ وَزَائِدَةٌ قِيَاسًا فِيْ خَبَرِ النَّفْيِ نَحْوُ مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ وَفِي الْاِسْتِفْهَامِ نَحْوُ هَلْ زَيْدٌ بِقَائِمٍ وَسِمَاعًا فِي الْمَرْفُوْعِ نَحْوُ بِحَسْبِكَ زَيْدٌ اَيْ حَسْبُكَ زَيْدٌ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اَيْ كَفَى اللّٰهُ وَفِي الْمَنْصُوْبِ نَحْوُ اَلْقٰى بِيَدِهٖ اَيْ اَلْقٰى يَدَهٗ

ترجمہ: باء اور وہ الصاق کیلئے ہے جیسے مررتُ بزیدٍ یعنی ملا میرا گزرنا ایسی جگہ سے جس سے زید قریب ہوتا ہے اور استعانت کیلئے ہے جیسے کتبتُ بالقلمِ یعنی میں نے لکھا قلم کی مدد سے اور باء کبھی تعلیل کیلئے آتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول انکم ظلمتم انفسکم باتخاذِکم العجل یعنی بے شک لوگوں نے ظلم کیا تمہارے بچھڑا کو بنانے کی وجہ سے اور مصاحبت کیلئے ہے جیسے خرج زیدٌ بعشیرتہٖ یعنی نکلا زید اپنے قبیلہ کے ہمراہ اور مقابلہ کیلئے ہے جیسے بعتُ ھذا بذاک یعنی میں نے بیچا اس کے بدلے میں اور تعدیہ کیلئے ہے جیسے ذھبتُ بزیدٍ یعنی میں لے گیا زید کو اور ظرفیت کیلئے ہے جیسے جلستُ بالمسجدِ یعنی میں بیٹھا مسجد میں اور زائد ہوتا ہے قیاس کے اعتبار سے نفی کی خبر میں جیسے ما زیدٌ بقائمٍ یعنی زید کھڑا ہونے والا نہیں اور استفہام میں جیسے ھل زیدٌ بقائمٍ یعنی کیا زید کھڑا ہونے والا ہے اور سماع کے اعتبار سے مرفوع میں جیسے بحسبک زیدٌ یعنی آپ کو زید کافی ہے اور کفٰی باللہ شھیداً یعنی کافی ہوا اللہ اور منصوب میں جیسے القٰی بیدہٖ یعنی ڈالا اُس نے اپنے ہاتھ کو۔

تشریح: **اَلْبَاءُ** یعنی پانچویں قسم حرف جر کی باء ہے اور وہ کبھی زائد ہوتا ہے اور کبھی غیر زائد۔ غیر زائد متعدد معنوں کیلئے آتا ہے وہ الصاق کیلئے آتا ہے۔ الصاق کہتے ہیں ایک شئی کا دوسری شئی کے ساتھ متصل ہونا، یعنی اپنے مدخول کے ساتھ کسی شئی کے چپکنے کا فائدہ دیتا ہے اور وہ الصاق وچپٹنا کبھی حقیقۃً ہوتا ہے اور کبھی مجازاً۔ حقیقۃً جیسے **بِهٖ دَاءٌ** میں اور مجازاً جیسے **مَرَرْتُ بِزَيْدٍ** یعنی میرا گزرنا ایسی جگہ سے متصل ہے کہ اس سے زید قریب ہے اور باء استعانت کیلئے آتا ہے جیسے **كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ** یعنی میں نے لکھا قلم کی مدد سے۔

وَقَدْ يَكُوْنُ لِلتَّعْلِيْلِ باء الصاق و استعانت کیلئے بکثرت مستعمل ہوتا ہے لیکن وہ کبھی تعلیل و مصاحبت وغیرہ کیلئے بھی مستعمل ہوتا ہے، تعلیل کیلئے یعنی اس امر کو بتانے کیلئے کہ باء کا مدخول سبب وعلت ہے ماقبل کیلئے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **انكم ظلمتم انفسكم باتخاذكم العجل** یعنی بے شک تم لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اس وجہ سے بچھڑے کو تم لوگوں نے بت بنایا۔ اور مصاحبت یعنی بمعنی **مع** کیلئے آتا ہے یعنی اس کا مجرور دوسرے کے ساتھ تعلق فعل میں شرکت کیلئے آتا ہے۔ یہ اس مقام پر ہوگا کہ باء کے بجائے لفظ **مع** کو استعمال کیا جا سکے جیسے **خرج زيدٌ بعشيرته** میں **بعشيرته** بمعنی **مع عشيرته** ہے یعنی زید نکلا اپنے قبیلہ کے ساتھ۔

لِلْمُقَابَلَةِ باء کبھی مقابلہ کیلئے بھی آتا ہے یعنی اس امر کا فائدہ دینے کیلئے کہ باء کا مدخول ایک شئی کا مقابل ہے جیسے **بعتُ هذا بذالك** یعنی میں نے اس کو بیچا اس کے بدلے میں اور جیسے **ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون** میں دخولِ جنت عمل کا بدلہ ہے اور باء کبھی تعدیہ کیلئے بھی آتا ہے۔ تعدیہ لغت میں بمعنی تجاوز کرنا اور اصطلاح میں لازم کو متعدی بنانا ہے یعنی باء فعل لازم کو متعدی بنا دیتا ہے جیسے **ذهبتُ بزيدٍ** میں **ذهب** فعل لازم کو متعدی بمعنی **اذهبتُ** کر دیا ہے، اسی وجہ سے اُس کا معنی ہے: میں لے گیا زید کو اور باء کبھی ظرفیت کیلئے بھی آتا ہے جیسے **جلستُ بالمسجدِ** ای **في المسجدِ** یعنی میں بیٹھا مسجد میں۔

زَائِدَةٌ وہ چونکہ معطوف ہے للالصاق پر، اس لئے وہ مرفوع ہے خبر کی وجہ سے اور قیاسا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا یعنی **قسناها قياسًا** یا وہ خبر ہے **يكون** فعل محذوف کی، تقدیر عبارت یہ ہے: **تلك الزيادة يكون قياسًا** یا منصوب بنزع خافض ہے، اصل عبارت یہ ہے: **عرفنا زيادة الباء بالقياس**۔ فعل و فاعل ومفعول اور جار کو بھی حذف کر دیا جائے تو صرف قیاسا رہ جائے گا اور فی خبر النفی متعلق ہے زائدۃ کے ساتھ۔ خلاصہ یہ کہ باء دو جگہ پر قیاس کے اعتبار سے زائد ہوتا ہے، ایک اس نفی کی خبر پر جو **ليس** یا **ما** کی ہو جیسے **ليس زيد بقائمٍ** اور **ما زيدٌ بقائم** اور دوسری جگہ اس جزء میں زائد ہوتا ہے جو استفہام میں ہو یعنی جو صرف **هل** کے ساتھ ہو جیسے **هل زيدٌ بقائم** کیونکہ دوسرے استفہام میں باء زائد نہیں ہوتا۔

سَمَاعًا فِي الْمَرْفُوْعِ سماعا معطوف ہے قیاسا پر یعنی خبر مذکور کے غیر میں باء کا زائد ہونا سماعی ہے اور زائد ہونا عام ہے کہ مرفوع میں ہو یا منصوب میں اور مرفوع بھی عام ہے کہ مبتداء ہو یا خبر یا فاعل، مبتداء جیسے **بحسبك زيدٌ** میں **بحسبك** مبتداء

ہے اور زید اُس کی خبر اور باء مبتداء پر زائد ہے، اصل عبارت یہ ہے: حسبك زيدٌ اور خبر جب کہ نفی مذکور اور استفہام مذکور میں نہ ہو، جیسے بحسبك بزيدٍ میں بزيدٍ خبر ہے اس میں باء زائد ہے جبکہ بحسبك مبتداء ہے اس میں بھی باء زائد ہے، اصل عبارت یہ ہے: حسبك زيدٌ اور فاعل جیسے كفى بالله شهيدًا میں اللہ اسم جلالت فاعل ہے كفى کا اس پر باء زائد ہے، اصل عبارت یہ ہے: كفى اللهُ شهيدًا اور باء جو منصوب یعنی مفعول بہ میں زائد ہے جیسے القى بيده میں يده مفعول بہ ہے اس پر باء زائد ہے، اصل عبارت یہ ہے: القى يدهٗ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة میں ايديكم مفعول بہ ہے لا تلقوا فعل کا اس پر باء زائد ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: لا تلقوا ايديكم جب کہ ايديكم سے مراد انفسكم ہے، معنی آیت کا یہ ہے کہ جہاد کو چھوڑ کر اپنی ذات کو ہلاکت کی طرف مت ڈال کیونکہ اگر جہاد کو چھوڑ دو گے تو دشمن تم پر غالب آ جائیں گے اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

وَاللَّامُ وَهِيَ لِلْاِخْتِصَاصِ نَحْوُ اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ وَالْمَالُ لِزَيْدٍ وَلِلتَّعْلِيْلِ كَضَرَبْتُهٗ لِلتَّأْدِيْبِ وَزَائِدَةٌ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى رَدِفَ لَكُمْ اَيْ رَدِفَ كُمْ وَبِمَعْنٰى عَنْ اِذَا اسْتُعْمِلَ مَعَ الْقَوْلِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ وَبِمَعْنَى الْوَاوِ فِي الْقَسَمِ لِلتَّعَجُّبِ كَقَوْلِ الْهُذَلِي شعر: لِلّٰهِ يَبْقٰى عَلَى الْاَيَّامِ ذُوْ حَيَدٍ ـ بِمُشْمَخِرٍّ بِهِ الظَّيَّانُ وَالْاٰسُ۔

ترجمہ: اور لام اور وہ اختصاص کیلئے ہے جیسے الجلُّ للفرسِ یعنی جھول گھوڑے کیلئے ہے اور المالُ لزيدٍ یعنی مال زید کیلئے ہے اور لام تعلیل کے لئے ہے جیسے ضربتهٗ للتاديبِ یعنی میں نے اس کو ادب دینے کیلئے مارا اور زائد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول رَدِفَ لكم اى ردفكم یعنی وہ تمہارے پیچھے سوار ہوا اور عن کے معنی میں ہے جبکہ قول کے ساتھ استعمال کیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول قال الذين كفروا للذين آمنوا یعنی ان لوگوں نے کہا جس نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے اگر وہ اسلام بہتر ہے تو ہم اس کی طرف سبقت کرتے ہیں اور واؤ قسم میں تعجب کیلئے جیسے ھزلی کا قول شعر: لله يبقى الخ یعنی اللہ کی قسم! زمانے میں باقی نہیں رہے گا سینگوں والا پہاڑی بکرا ایسے اونچے پہاڑ میں کہ اس میں ظیان اور آس کے درخت ہیں۔

تشریح: وَاللَّامُ وَهِيَ چھٹی قسم حرف جر کی لام ہے اور وہ کبھی زائد ہوتا ہے اور کبھی غیر زائد۔ غیر زائد کی دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ وہ اختصاص کیلئے آتا ہے۔ یعنی لام کا مدخول ایک شئی کیلئے ثابت ہے اور دوسری شئی سے منفی ہوتا ہے اور اختصاص تین طریقوں پر ہوتا ہے، ایک بطور استحقاق جیسے الجلُّ للفرسِ اور دوسرا بطور ملکیت جیسے المالُ لزيدٍ اور تیسرا بطور نسبت جیسے زید بن بکر اور لام تعلیل کیلئے بھی آتا ہے یعنی شئی کی علت بیان کرنے کیلئے، خواہ وہ علت غائیہ ہو یا علت داعیہ۔ غائیہ جیسے ضربته للتاديب میں تادیب یعنی ادب دینا فعل ضرب کی علت غائیہ ہے کہ ضرب کا قصد اسی وجہ سے کیا گیا ہے اور علت داعیہ جیسے خرجتك لمخافتك میں مخافت خروج پر علت داعیہ ہے۔

زَائِدَۃٌ رفع کے ساتھ عطف ہے للاختصاص پر یعنی لام زائد بھی ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول رَدِفَ لکم کے اندر لکم میں لام زائد ہے۔ کیونکہ ردف متعدی بنفسہٖ یعنی بغیر کسی حرف جر کے متعدی ہوتا ہے، اصل میں وہ یہ ہے: ردفکم۔

بِمَعْنٰی عَنْ یعنی لام عن کے معنی میں بھی آتا ہے، بشرطیکہ لفظ قول کے ساتھ استعمال کیا جائے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وقال الذین کفروا للذین آمنوا کے اندر لام بمعنی عن ہے یعنی عن الذین آمنوا اور لام کبھی اس واؤ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جو قسم میں تعجب کیلئے ہو اور وہ صرف امر اہم میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ نہیں کہا جائے گا: للہ لقد طار الذباب یعنی قسم خدا کی تحقیق کہ مکھیاں اُڑ گئیں۔ کیونکہ مکھیوں کا اُڑنا ایک معمولی شئی ہے۔

للہ یبقٰی محل استشہاد للہ کا لام ہے جو بمعنی واؤ ہے اور وہ قسم کا معنی دیتا ہے۔ جار مجرور سے مل کر متعلق ہے أقسم فعل کا اور یبقٰی سے قبل لا مقدر ہے اور ذوحید فاعل ہے یبقٰی فعل کا اور اسی کے ساتھ بمشمخر بھی متعلق ہے اور بہ الظیان والآس جملہ اسمیہ ہے وہ صفت ہے بمشمخر کی اور حید جمع ہے حیدۃ کی اور وہ پہاڑی بکرے کے سینگ کو کہا جاتا ہے، جمع اس کی حید وحیود ہے جس طرح بدرۃ کی جمع بدر اور بدُور آتی ہے اور مشمخر بمعنی بلند پہاڑ اور ظیان ایک گھاس کا نام ہے جس سے اچھی خوشبو آتی ہے اور آس ایک مشہور درخت کو کہا جاتا ہے جس کو ریحان کہا جاتا ہے، بعض نے کہا کہ آس شہد کے اس قطرہ کو کہا جاتا ہے جو شہد کی مکھی سے پتھر پر گرے۔ اس شعر کا قائل ہلال ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! باقی نہیں رہے گا زمانے میں سینگوں والا پہاڑی بکرا، ایسے اونچے پہاڑ میں کہ اس میں ظیان اور آس کے درخت ہیں۔

وَرُبَّ وَهِيَ لِلتَّقْلِيْلِ كَمَا اَنَّ كَمِ الْخَبَرِيَّةِ لِلتَّكْثِيْرِ وَتَسْتَحِقُّ صَدْرَ الْكَلَامِ وَلَا تَدْخُلُ اِلَّا عَلٰى نَكِرَةٍ مَوْصُوْفَةٍ نَحْوُ رُبَّ رَجُلٍ كَرِيْمٍ لَقِيْتُهُ اَوْ مُضْمَرٍ مُبْهَمٍ مُفْرَدٍ مُذَكَّرٍ اَبَدًا مُمَيَّزٍ بِنَكِرَةٍ مَنْصُوْبَةٍ نَحْوُ رُبَّهُ رَجُلًا وَرُبَّهُ رَجُلَيْنِ وَرُبَّهُ رِجَالًا وَرُبَّهُ اِمْرَاَةً كَذٰلِكَ وَعِنْدَ الْكُوْفِيِّيْنَ يَجِبُ الْمُطَابَقَةُ نَحْوُ رُبَّهُمَا رَجُلَيْنِ وَرُبَّهُمْ رِجَالًا وَرُبَّهَا اِمْرَاَةً

ترجمہ: اور ربّ اور وہ کمی بیان کرنے کیلئے ہے جیسا کہ بے شک کم خبریہ بہتات بیان کرنے کیلئے ہے اور وہ صدر کلام کا مستحق ہوتا ہے اور وہ صرف نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے جیسے ربّ رجلٍ کریمٍ لقیتہٗ یا ضمیر مبہم مفرد مذکر پر جس کی ہمیشہ نکرہ منصوبہ کے ساتھ تمیز لائی جاتی ہے جیسے ربہٗ رجلًا اور ربہٗ رجلین اور ربہٗ رجالًا اور ربہٗ امراۃً اسی طرح ان کوفیوں کے نزدیک تمیز نکرہ اور ضمیر مبہم میں موافقت ضروری ہوتی ہے جیسے ربھما رجلین اور ربھم رجالًا اور ربھا امراۃً۔

تشریح: وَرُبَّ وَهِيَ ساتویں قسم حرف جر کی رب ہے اور وہ تقلیل کیلئے آتا ہے یعنی مدخول کے افراد کی کمی بیان کرنے کیلئے جس طرح کم خبریہ اپنے مدخول کے افراد کی کثرت ظاہر کرنے کیلئے آتا ہے، اگرچہ ربّ اکثر کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور کم خبریہ تقلیل کو ظاہر کرنے کیلئے نہیں۔

تَسْتَحِقُّ صَدْرَ الْكَلَامِ ربّ میں چونکہ انشاء کا معنی ہے، اس لئے وہ صدر کلام کا مقتضی ہے جس طرح کم خبریہ صدر کلام کا

مقتضی ہوتا ہے اور ربّ صرف نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے کیونکہ ربّ تقلیل کیلئے آتا ہے اور تقلیل صرف نکرہ سے حاصل ہوتی ہے اور نکرہ کے ساتھ موصوفہ کی قید اس لئے بیان کی جاتی ہے کہ شئ موصوف خاص ہوتی ہے شئ غیر موصوف سے اور خاص ظاہر ہے، اقل ہوتا ہے جیسے **ربّ رجلٍ کریمٍ لقیتہٗ** میں **رجل** نکرہ ہے جس کی صفت کریم ہے، معنی یہ ہے کہ میں نے چند بزرگ آدمیوں سے ملاقات کی، یا ربّ صرف ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ سے ہوتی ہے اور وہ ضمیر ہمیشہ مفرد مذکر ہوتی ہے خواہ اس کی تمیز مثنیٰ ہو یا مجموع۔ مذکر ہو یا مؤنث، چنانچہ کہا جائے گا: **ربّہٗ رجلًا وربّہٗ رجلَین وربّہٗ رجالًا وربّہٗ امرأۃً وربّہٗ امرأتین وربّہٗ نساءً**۔ یہ بصریوں کے نزدیک ہے لیکن کوفیوں نے کہا کہ ضمیر کا تمیز کے ساتھ افراد و تثنیہ و جمع اور تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہے، چنانچہ کہا جائے گا: **ربّہٗ رجلًا وربّھما رجلَین وربّھم رجالًا وربّھا امرأۃً وربّھما امرأتین وربّھن نساءً**۔

وَقَدْ تَلْحَقُهَا مَا الْكَافَّةُ فَتَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَتَيْنِ نَحْوُ رُبَّمَا قَامَ زَيْدٌ وَرُبَّمَا زَيْدٌ قَائِمٌ وَلَابُدَّلَهَا مِنْ فِعْلٍ مَاضٍ لِاَنَّ رُبَّ لِلتَّقْلِيْلِ الْمُحَقَّقِ وَهُوَ لَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِهٖ وَيُحْذَفُ ذٰلِكَ الْفِعْلُ غَالِبًا كَقَوْلِكَ رُبَّ رَجُلٍ اَكْرَمَنِيْ فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ هَلْ لَقِيْتَ مَنْ اَكْرَمَكَ اَيْ رُبَّ رَجُلٍ اَكْرَمَنِيْ لَقِيْتُهٗ فَاَكْرَمَنِيْ صِفَةُ الرَّجُلِ وَلَقِيْتُهٗ فِعْلُهَا وَهُوَ مَحْذُوْفٌ

ترجمہ: اور ربّ کو کبھی **ما** کافہ لاحق ہوتا ہے، پس وہ جملہ پر داخل ہوگا جیسے **ربّما قام زیدٌ** اور **ربّما زیدٌ قائمٌ** اور اس کے لئے فعل ماضی کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ربّ تقلیل محقق کیلئے آتا ہے اور وہ یعنی تقلیل حاصل نہیں ہوتی مگر فعل ماضی سے اور وہ فعل اکثر حذف کیا جاتا ہے، جیسے آپ کا قول ہے: **ربّ رجل اکرمنی** اس شخص کے جواب میں جس نے کہا: **ھل لقیت من اکرمك** یعنی آپ نے اُس کی ملاقات کی جس سے آپ کا اکرام و تعظیم کیا ای **ربّ رجل اکرمنی لقیتہٗ** کم ایسے مرد کہ اس نے میرا اکرام کیا۔ پس اس مثال میں **اکرمنی رجل** کی صفت ہے اور **لقیتہٗ** اُس کا فعل ہے جو محذوف ہے۔

تشریح: **وَقَدْ تَلْحَقُهَا** یعنی ربّ کو کبھی **ما** کافہ لاحق ہوتا ہے اس کو عمل سے روک دیتا ہے، پس وہ اس تقدیر پر جملہ پر داخل ہوگا خواہ وہ جملہ فعلیہ ہو یا اسمیہ، فعلیہ جیسے **ربّما قام زیدٌ** اور اسمیہ جیسے **ربّما زیدٌ قائمٌ**۔

وَلَابُدَّلَهَا یعنی ربّ خواہ **ما** کافیہ کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر وہ جس فعل کے ساتھ متعلق ہوگا، اس کا فعل ماضی ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ ربّ تقلیل واقعی کیلئے آتا ہے اور تقلیل واقعی فعل ماضی ہی سے حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے اُس کا متعلق فعل ماضی ہونا ضروری ہے۔

وَيُحْذَفُ ذٰلِكَ الْفِعْلُ یعنی وہ فعل ماضی کہ جس سے ربّ متعلق ہے قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے وقت، وہ اکثر حذف کیا جاتا ہے جیسے **ربّ رجل اکرمنی** اس شخص کے جواب میں جس نے یہ کہا: **ھل لقیت مَنْ اکرمك** یعنی آپ نے اس سے

ملاقات کی جس نے آپ کا اکرام وتعظیم کیا تو جواب میں کہا جاتا ہے: ربّ رجلٍ اکرمنی ای ربّ رجلٍ اکرمنی لقیتہ یعنی چند آدمیوں نے کہ جس نے میری تعظیم کی میں نے اُس سے ملاقات کی۔ لقیتُ ربَّ کا فعل ہے جو بقرینہ سوال مذکور محذوف ہے۔ غالب بمعنی اکثر اس لئے کہا گیا کہ اس کا فعل کبھی مذکور بھی ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ربَّ رجلٍ کریمٍ۔

وَوَاوُ رُبَّ وَهِيَ الْوَاوُ الَّتِيْ تُبْتَدَأُ بِهَا فِيْ اَوَّلِ الْكَلَامِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ شعر: وَبَلْدَةٍ لَيْسَ بِهَا اَنِيْسٌ ۔ اِلَّا الْيَعَافِيْرُ وَاِلَّا الْعِيْسُ۔ وَوَاوُ الْقَسَمِ وَهِيَ تَخْتَصُّ بِالظَّاهِرِ نَحْوُ وَاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ لَاَضْرِبَنَّ فَلَا يُقَالُ وَكَ

ترجمہ: اور ربَّ کا واؤ اور وہ واؤ ہے جس سے اول کلام میں ابتداء کی جائے، جیسے شاعر کا قول ہے: شعر وبلدة لیس الخ یعنی بہت سے شہر نہیں ہے اس میں کوئی درست مگر مٹیالے ہرن اور سفید بال والے اُونٹ اور واؤ قسم اور وہ خاص کیا جاتا ہے اسم ظاہر کے ساتھ جیسے واللہ والرحمٰن لاضربن پس وك نہیں کہا جاتا۔

تشریح: وَاوُ رُبَّ آٹھویں قسم حرف جر کی واؤ ربَّ ہے اور وہ واؤ ہے کہ جس سے اول کلام میں ابتداء کی جائے جیسے شاعر کا قول ہے: وبلدة لیس بها الخ وبلدة میں واؤ بمعنی ربَّ بلدةٍ اور بلد کہتے ہیں زمین کی ہر ایسی آبادی کو جو مقیم ومسافر کی پناہ گاہ ہو اور یعافیر جمع یعفور اور وہ ہرن کے ہر اس بچہ کو کہا جاتا ہے جو خاکی رنگ کا ہو اور عیس بکسر عین جمع عیسا ءوہ سفید اُونٹ ہے جس کی سفیدی مائل بہ زردہو۔ اس شعر کا قائل عامر بن حارث ہے جو اپنی دلیری وبہادری کی تعریف اس شعر سے کرتا ہے کہ میں نے بہت سے شہروں کو طے کیا کہ اس میں سوائے مٹیالہ رنگ کے ہرن اور سفید بال والے اُونٹوں کے کوئی انیس نہیں پایا۔

وَاوُ الْقَسَمِ نویں قسم حرف جر کی واؤ قسم ہے اور وہ فعل قسم کے حذف کے وقت مستعمل ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اسم ضمیر پر نہیں، جیسے کہا جاتا ہے: واللہ والرحمٰن لا اضربن اور وك لاضربن نہیں کہا جاتا، کیونکہ باء قسم کیلئے اصل ہے جو اسم ظاہر واسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے اور واؤ چونکہ قسم کیلئے فرع ہے اس لئے وہ صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تاکہ فرع کا درجہ اصل سے کم رہے۔

وَتَاءُ الْقَسَمِ وَهِيَ تَخْتَصُّ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ فَلَا يُقَالُ تَالرَّحْمٰنِ وَقَوْلُهُمْ تَرَبِّ الْكَعْبَةِ شَاذٌّ وَبَاءُ الْقَسَمِ وَهِيَ تَدْخُلُ عَلَى الظَّاهِرِ وَالْمُضْمَرِ نَحْوُ بِاللّٰهِ وَبِالرَّحْمٰنِ وَبِكَ وَلَا بُدَّ لِلْقَسَمِ مِنَ الْجَوَابِ وَهِيَ جُمْلَةٌ تُسَمَّى الْمُقْسَمُ عَلَيْهَا فَاِنْ كَانَتْ جُمْلَةً مُوْجِبَةً يَجِبُ دُخُوْلُ اللَّامِ فِي الْاِسْمِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ نَحْوُ وَاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ وَوَاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا وَاِنَّ فِي الْاِسْمِيَّةِ نَحْوُ وَاللّٰهِ اِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ وَاِنْ كَانَتْ مَنْفِيَّةً وَجَبَ دُخُوْلُ مَا وَلَا نَحْوُ وَاللّٰهِ مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ وَوَاللّٰهِ لَا يَقُوْمُ زَيْدٌ۔

ترجمہ: اور تاء قسم اور وہ صرف لفظ اللہ کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ تالرحمٰنِ کہا نہیں جائے گا اور ان لوگوں کا قول تربّ

الکعبۃ شاذ ہے اور باء قسم اور وہ اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے جیسے باللہ وبالرحمٰن وبک اور قسم کیلئے جواب کا ہونا ضروری ہے اور وہ جملہ ہے جس کا نام مقسم علیہا رکھا جاتا ہے، پس اگر وہ جملہ موجبہ ہو تو اس جملہ اسمیہ وفعلیہ میں لام کا دخول ضروری ہوتا ہے جیسے واللہ لزید قائم اور واللہ لافعلن کذا اور ضروری ہے اِنَّ کو جملہ اسمیہ میں داخل کرنا جیسے واللہ ان زیدا لقائم اور جملہ منفیہ ہو تو ما ولا کا دخول ضروری ہے جیسے واللہ ما زید بقائم اور واللہ لا یقوم زید۔

تشریح: تَاءُ الْقَسَمِ دسویں قسم حرف جر کی تاء قسم ہے اور اس کا بھی فعل قسم محذوف ہوتا ہے، جس طرح واؤ قسم میں فعل قسم محذوف ہوتا ہے اور وہ اسم ظاہر کے علاوہ صرف اللہ اسم جلالت پر داخل ہوتا ہے، چنانچہ کہا جائے گا: تاللہ نہ کہ تالرحمٰن۔

قَوْلُهُمْ تَرَبِّ یہ جواب ہے اخفش کے اس سوال کا کہ تاء اللہ اسم جلالت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کے علاوہ پر بھی داخل ہوتا ہے، چنانچہ عرب کے قول تربّ الکعبۃ میں تاء، ربّ الکعبۃ پر داخل ہے کہ اس کی اصل تاربّ الکعبۃ ہے الف تخفیف کی وجہ سے حذف ہو کر تَرَبِّ الکعبۃ ہو گیا ہے۔ جواب یہ کہ عرب کا قول مذکور شاذ پر مبنی ہے، اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

بَاءُ الْقَسَمِ گیارھویں قسم حرف جر کی باء قسم ہے اور وہ عام ہے واؤ قسم اور تاء قسم سے۔ اس کا فعل قسم مذکور ہوتا ہے اور مقدر بھی اور سوال کے ساتھ بھی مذکور ہوتا ہے اور اس کے بغیر بھی اور وہ اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اور اسم ضمیر پر بھی اور اسم ظاہر بھی عام ہے کہ اسم جلالت ہو یا اس کے علاوہ، چنانچہ کہا جائے گا: باللہ وبالرّحمٰنِ وبک اس لئے باب قسم میں باء اصل ہے، جس کا عام ہونا ضروری ہے۔

وَلَابُدَّ لِلْقَسَمِ قسم کیلئے جواب قسم کا ہونا ضروری ہے اور جواب قسم وہ ہے جس پر قسم کھائی جائے، اسی وجہ سے جواب قسم کو مقسم علیہا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ واللہ لاضربن زیدا میں واللہ قسم ہے اور لاضربن زیدا جواب قسم ہے جس کو مقسم علیہا کہا جاتا ہے، معنی یہ ہے کہ خدا کی قسم! میں زید کو ضرور ماروں گا۔

فَاِنْ كَانَتْ جُمْلَةً مُوْجِبَةً یعنی جواب قسم اگر جملہ موجبہ یعنی مثبتہ ہو خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ تو اس پر لام کا دخول ضروری ہوتا ہے، چنانچہ جملہ اسمیہ میں کہا جائے گا: واللہ لزید قائم اس میں واللہ قسم ہے اور زید قائم جواب قسم، جملہ اسمیہ موجبہ ہے جس پر لام داخل ہے، معنی یہ ہے: خدا کی قسم! البتہ زید کھڑا ہونے والا ہے اور جملہ فعلیہ میں جیسے واللہ لافعلن کذا میں واللہ قسم ہے اور افعلن کذا جواب قسم جملہ فعلیہ موجبہ ہے جس پر لام داخل ہے، معنی یہ ہے: خدا کی قسم! البتہ ضرور میں ایسا کروں گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: تاللہ لاکیدن اصنامکم۔

وَاِنَّ فِي الْاِسْمِيَّةِ وہ معطوف ہے دخول اللام پر، اصل عبارت یہ ہے: یجب دخول انّ المکسورۃ فی الجملۃ الاسمیۃ الموجبۃ دون الفعلیۃ الموجبۃ یعنی جواب قسم اگر جملہ موجبہ ہو تو جملہ اسمیہ موجبہ میں دخول اِنَّ مکسورہ ضروری ہے۔ جملہ فعلیہ میں نہیں، چنانچہ کہا جائے گا: واللہ ان زیدا لقائم۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: اِنَّ

سعیکم لشتّٰی یہ جواب ہے واللیل اذا یغشٰی کا۔

وَاِنْ کَانَتْ مَنْفِیَّۃً وہ جملہ جو جوابِ قسم ہو اگر وہ جملہ منفیہ ہو عام ہے اسمیہ ہو یا فعلیہ تو جوابِ قسم پر لفظ ما اور لا کا دخول ضروری ہے، چنانچہ جملہ اسمیہ میں کہا جائے گا: واللہ ما زیدٌ بقائمٍ یعنی خدا کی قسم! زید کھڑا ہونے والا نہیں اور جملہ فعلیہ میں کہا جائے گا: واللہ لا یقومُ زیدٌ یعنی خدا کی قسم! زید کھڑا نہیں ہوگا۔

وَاعْلَمْ اَنَّہٗ قَدْ یُحْذَفُ حَرْفُ النَّفْیِ لِزَوَالِ اللَّبْسِ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی تَاللّٰہِ تَفْتَؤُ تَذْکُرُ یُوْسُفَ اَیْ لَا تَفْتَؤُ وَقَدْ یُحْذَفُ جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ تَقَدَّمَ مَا یَدُلُّ عَلَیْہِ نَحْوُ زَیْدٌ قَائِمٌ وَاللّٰہِ اَوْ تَوَسَّطَ الْقَسَمُ نَحْوُ زَیْدٌ وَاللّٰہِ قَائِمٌ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک حرفِ نفی التباس کے زائل ہونے کے وقت کبھی محذوف ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: تاللہ تفتئو تذکر یوسف یعنی خدا کی قسم! یوسف ہمیشہ ذکر کرتا رہے گا، یعنی لا تفتؤ اور کبھی جوابِ قسم کو حذف کیا جاتا ہے اگر مقدم ہو وہ چیز جو جوابِ قسم پر دلالت کرے جیسے زیدٌ قائمٌ واللہ یا قسم درمیان میں واقع ہو جیسے زیدٌ واللہ قائمٌ۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّہٗ حرفِ نفی کو جوابِ قسم سے کبھی حذف کیا جاتا ہے جبکہ منفی کا مثبت کے ساتھ التباس کا خطرہ نہ ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: تاللہ تفتئو یوسف یعنی لا تفتؤ وجہ حرفِ نفی کے حذف ہونے کی یہ ہے کہ جوابِ قسم اگر مضارع مثبت ہو تو ضروری ہے اس پر لام داخل ہو اور وہ چونکہ یہاں مفقود ہے، اس لئے جان لیا گیا کہ وہ منفی ہے اور حرفِ نفی اس سے محذوف ہے۔

قَدْ یُحْذَفُ یعنی جوابِ قسم کو کبھی حذف کیا جاتا ہے جبکہ قسم پر وہ امر مقدم ہو جو جوابِ قسم پر دلالت کرے اور وہ دلالت قسم پر جملہ کے بعد یا اس کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، جملہ کے بعد مثلاً زیدٌ قائمٌ واللہ اور قام زیدٌ واللہ۔ بتقدیر اول عبارت یہ ہے: واللہ لزیدٌ قائمٌ اور بتقدیر دوم واللہ لقام زیدٌ جملہ کے درمیان مثلاً زیدٌ واللہ قائمٌ اور قامَ واللہ زیدٌ۔ بتقدیر اول عبارت یہ ہے: واللہ لزیدٌ قائمٌ اور بتقدیر دوم واللہ لقامَ زیدٌ۔

وَعَنْ لِلْمُجَاوَزَۃِ نَحْوُ رَمَیْتُ السَّھْمَ عَنِ الْقَوْسِ اِلَی الصَّیْدِ وَعَلٰی لِلْاِسْتِعْلَاءِ نَحْوُ زَیْدٌ عَلَی السَّطْحِ وَقَدْ یَکُوْنُ عَنْ وَعَلٰی اِسْمَیْنِ اِذَا دَخَلَ عَلَیْھِمَا مِنْ کَمَا تَقُوْلُ جَلَسْتُ مِنْ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَنَزَلْتُ مِنْ عَلَی الْفَرَسِ وَالْکَافُ لِلتَّشْبِیْہِ نَحْوُ زَیْدٌ کَعَمْرٍو وَزَائِدَۃٌ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَقَدْ یَکُوْنُ اِسْمًا کَقَوْلِ الشَّاعِرِ یَضْحَکْنَ عَنْ کَالْبَرَدِ الْمُنْھَمِّ

ترجمہ: اور عن مجاوزت کیلئے ہے جیسے رمیتُ السھمَ عَنِ القوسِ الی الصیدِ یعنی میں نے پھینکا تیر کو کمان سے شکار کی طرف اور علی استعلاء یعنی بلندی طلب کرنے کیلئے ہے جیسے زیدٌ علی السطحِ یعنی زید چھت پر ہے اور کبھی عن اور

علی دونوں اسم ہوتے ہیں جبکہ ان دونوں پر **من** داخل ہو جیسا کہ آپ کہیں گے: **جلستُ من عن یمینہٖ** یعنی بیٹھا میں اس کی داہنی جانب اور **نزلتُ من علی الفرس** یعنی میں اُترا گھوڑے کے اُوپر سے اور کاف تشبیہ کیلئے ہے جیسے **زیدٌ کعمرو** یعنی زید عمرو کی مانند ہے اور کاف زائد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **لیس کمثلہٖ شیئٌ** یعنی اس کی مانند کوئی چیز نہیں اور کبھی کاف اسم ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول **یضحکن عن کالبرد المنھم** یعنی وہ ہنستی ہیں ایسے دانتوں سے جو گلے ہوئے اَولے کی مانند ہیں۔

تشریح: **وَعَنْ لِلْمُجَاوَزَۃِ** بارھویں قسم حرفِ جر کی **عن** ہے جو مجاوزت کے لئے آتا ہے اور مجاوزت تین طریقے پر ہے: (۱) عن کے مدخول سے زائل ہو کر کسی دوسری شئی کی طرف منتقل ہو جائے جیسے **رمیتُ السھمَ عن القوس الی الصید** یعنی تیر کو کمان سے شکار کی طرف پھینکا (۲) مدخول **عن** سے زائد ہوئے بغیر دوسری شئی کی طرف پہنچ جائے جیسے **اخذتُ عنہ العلم** یعنی میں نے اس سے علم سیکھا (۳) مدخول **عن** سے بغیر وصول ہوئے زائل ہو کر کسی دوسری شئی کی طرف پہنچ جائے جیسے **ادیتُ الدینَ عنہ الی زید** یعنی میں نے اس کی طرف سے دین کو زید کی طرف ادا کر دیا۔ پس یہاں پر دین مدیون کی طرف پہنچے بغیر اس سے زائل ہو کر دائن کی طرف پہنچ گیا۔

عَلٰی لِلْاِسْتِعْلَاءِ تیرھویں قسم حرفِ جر کی **علی** ہے جو **استعلاء** یعنی بلندی طلب کرنے کیلئے آتا ہے، **استعلاء** کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی مجازی، حقیقی جیسے **زیدٌ علی السطحِ** یعنی زید چھت پر ہے۔ مجازی جیسے **علیہ دینٌ** یعنی اس پر قرض ہے۔

قَدْ یَکُوْنُ عَنْ وَعَلٰی یعنی **عن** اور **علی** دونوں حرف ہیں لیکن وہ کبھی اسم بھی ہوتے ہیں جبکہ ان دونوں پر **من جارہ** داخل ہو، پس اس تقدیر پر **عن** بمعنی جانب وطرف ہوگا اور **علی** بمعنی **فوق** ہوگا، چنانچہ کہا جاتا ہے: **جلستُ من عن یمینہٖ ای من جانب یمینہٖ** یعنی میں بیٹھا اُس کے داہنے جانب سے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: **نزلتُ من علی الفرس ای من فوق الفرس** یعنی میں اُترا گھوڑے کے اُوپر سے۔

وَالْکَافُ چودھویں قسم حرفِ جر کی کاف ہے جو تشبیہ کیلئے آتا ہے جیسے **زیدٌ کعمرو** یعنی زید عمرو کی طرح ہے تشبیہ کیلئے جو چار چیزیں ضروری ہیں وہ یہاں موجود ہیں: (۱) مشبہ اور وہ زید (۲) مشبہ بہ اور وہ عمرو (۳) وجہ تشبیہ اور وہ مناسبت جو ان دونوں کے درمیان ہے (۴) ادات تشبیہ اور وہ کاف ہے اور کاف کبھی زائد بھی ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول **لیس کمثلہٖ شیئٌ ای لیس مثلہٗ شیئٌ** یعنی اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور کاف کبھی **عن** و **علی** کی طرح اسم بھی ہوتا ہے جب کہ اس پر حرف جر داخل ہو، چنانچہ شاعر کے قول **یضحکن عن کالبرد المنھم** کے اندر **کالبرد** میں کاف پر چونکہ **عن** حرف جار داخل ہے اس لئے وہ اسم یعنی بمعنی مثل ہے۔ یہ دُوسرا مصرعہ ہے شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے: **بیض ثلاث کنعاج جم**۔ تحک بمعنی ہنسنا، دانت سفید کرنا اور کاف بمعنی مثل اور اس کا موصوف محذوف ہے، یعنی **عن اسنان مثل البرد**۔ **منھم** ماخوذ ہے، **انھمام** بمعنی گلنا و پگھلنا سے۔

وَمُذْ وَمُنْذُ لِلزَّمَانِ اِمَّا لِلْاِبْتِدَاءِ فِی الْمَاضِیْ کَمَا تَقُوْلُ فِیْ شَعْبَانَ مَا رَاَیْتُہٗ مُذْ رَجَبَ اَوْ لِلظَّرْفِیَّۃِ فِیْ

الْحَاضِرِ نَحْوُ مَا رَاَیْتُہٗ مُذْ شَھْرِنَا وَمُنْذُ یَوْمِنَا اَیْ فِیْ شَھْرِنَا وَفِیْ یَوْمِنَا وَخَلَا وَعَدَا وَحَاشَا لِلْاِسْتِثْنَاءِ نَحْوُ جَاءَنِی الْقَوْمُ خَلَا زَیْدٍ وَحَاشَا عَمْرٍو وَعَدَا بَکْرٍ

ترجمہ: اور مذ اور منذ زمان کیلئے ہیں آیا ابتداء کیلئے ہے زمانۂ ماضی میں، جیسے آپ کہیں گے شعبان میں **ما رأیتہ مذ رجب** یعنی میں نے اس کو نہیں دیکھا رجب سے یا ظرفیت کیلئے ہے زمانۂ حاضر میں، جیسے **ما رأیتہ مذ شھرنا ومنذ یومنا ای فی شھرنا وفی یومنا** یعنی میں نے اس کو نہیں دیکھا، اس مہینہ میں یا اس دن میں اور **خلا وعدا وحاشا** استثناء کیلئے ہے جیسے **جاءنی القوم خلا زید** اور **حاشا عمرو** اور **عدا بکر**۔

تشریح: **مُذْ وَمُنْذُ** پندرھویں قسم حرف جر کی **مذ** ہے اور سولھویں قسم **منذ** ہے، وہ دونوں حرف زمان کیلئے مستعمل ہوتے ہیں اور وہ یا تو زمانۂ ماضی میں فعل کی ابتداء کیلئے مستعمل ہوتے ہیں، چنانچہ شعبان میں کہا جائے گا: **ما رأیتہ مذ رجب** یعنی میں نے اس کو ماہِ رجب سے نہیں دیکھا یا زمانۂ حاضر میں ظرفیت کیلئے مستعمل ہوتے ہیں جیسے **ما رأیتہ مذ شھرنا ومنذ یومنا** یعنی میں نے اس کو اس مہینہ میں یا اس دن میں نہیں دیکھا، مطلب یہ کہ اس کو میرے نہ دیکھنے کا دن یہ آج کا دن ہے یا نہ دیکھنے کا مہینہ یہ آج کا مہینہ ہے۔

وَخَلَا وَعَدَا وَحَاشَا سترھویں قسم حرف جر کی **خلا** ہے اور اٹھارھویں **عدا** اور انیسویں **حاشا** ۔ یہ تینوں حروف استثناء کیلئے مستعمل ہوتے ہیں، چنانچہ کہا جائے گا: **جاءنی القوم حاشا او خلا او عدا زید** یعنی میرے پاس زید کے سوا قوم آئی اور وہ تینوں کبھی حروف ہوتے ہیں اور کبھی فعل، پس اگر ان کے مدخول کو جر دیا جائے تو وہ حروف جارہ ہوں گے اور اگر نصب دیا جائے تو وہ فعل ہوں گے۔

فصل: اَلْحُرُوْفُ الْمُشَبَّھَۃُ بِالْفِعْلِ سِتَّۃٌ اِنَّ وَاَنَّ وَکَاَنَّ وَلٰکِنَّ وَلَیْتَ وَلَعَلَّ ھٰذِہِ الْحُرُوْفُ تَدْخُلُ عَلَی الْجُمْلَۃِ الْاِسْمِیَّۃِ تَنْصِبُ الْاِسْمَ وَتَرْفَعُ الْخَبَرَ کَمَا عَرَفْتَ نَحْوُ اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ وَقَدْ یَلْحَقُھَا مَا الْکَافَّۃُ فَتَکُفُّھَا عَنِ الْعَمَلِ وَحِیْنَئِذٍ تَدْخُلُ عَلَی الْاَفْعَالِ تَقُوْلُ اِنَّمَا قَامَ زَیْدٌ

ترجمہ: یہ فصل ہے، حروف مشبہ بہ فعل چھ ہیں: **اِنّ واَنّ وکاَنّ ولکنّ ولیت ولعلّ** یہ حروف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اسم کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع جیسا کہ آپ نے پہچانا جیسے **اِنّ زیدًا قائمٌ** اور کبھی ان کو **ما** کافہ لاحق ہوتا ہے تو ان کو عمل سے روک دیتا ہے اور اس وقت وہ افعال پر داخل ہوتے ہیں، آپ کہیں گے: **انما قام زیدٌ**۔

تشریح: **اَلْحُرُوْفُ الْمُشَبَّھَۃُ** حروف مشبہ بہ فعل چھ ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱)**اِنَّ** (۲)**اَنَّ** (۳)**کاَنّ** (۴)**لکنّ** (۵)**لیت** (۶)**لعلّ**۔ ان کو حروف مشبہ بہ فعل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ فعل کے ساتھ لفظاً ومعنیً دونوں طرح مشابہت رکھتے ہیں لفظاً یہ کہ فعل ماضی جس طرح فتح پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح یہ حروف بھی فتح پر مبنی ہوتے ہیں اور فعل جس طرح ثلاثی ورباعی وخماسی ہوتا ہے، اسی طرح یہ حروف بھی ثلاثی ورباعی وخماسی ہوتے ہیں۔ معنیً یہ کہ فعل متعدی جس طرح فاعل ومفعول کا مقتضی ہوتا ہے،

اسی طرح یہ حروف بھی ایک اسم اور ایک خبر کے مقتضی ہیں اور یہ حروف فعل کا معنی بایں طور دیتے ہیں کہ انَّ اور انّ بمعنی حققتُ اور کانّ بمعنی شابهتُ اور لیت بمعنی تمنیتُ اور لعل بمعنی ترجیتُ ہے۔

هٰذِهِ الْحُرُوْفُ یہ حروف جملہ اسمیہ یعنی مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں اور اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں جیسا کہ مرفوعات کے بیان میں تفصیل سے گزرا جیسے اِنَّ زیدًا قائمٌ میں اِنَّ نے زید کو نصب دیا ہے کہ وہ اس کا اسم ہے اور قائمٌ کو رفع دیا ہے کہ وہ اس کی خبر ہے۔

وَقَدْ یَلْحَقُهَا حروف مشبہ کو کبھی ما کافہ لاحق ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان کو عمل سے روک دیتا ہے کیونکہ ان حروف کی مشابہت جو فعل کے ساتھ ہوتی ہے ما کافہ سے وہ مشابہت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے لحوق سے عامل و معمول کے درمیان فصل پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کا عمل ضعیف ہو جاتا ہے، پس ایسی صورت میں وہ حروف افعال پر داخل ہوں گے کیونکہ ما کافہ عمل سے روکنے کے علاوہ ان کو اسم پر داخل ہونے سے منع کر دیتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: انما قام زیدٌ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انما حرم علیکم المیتة یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار کو حرام فرما دیا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اِنَّ الْمَكْسُوْرَةَ الْهَمْزَةِ لَا تُغَيِّرُ مَعْنَى الْجُمْلَةِ بَلْ تُؤَكِّدُهَا وَاَنَّ الْمَفْتُوْحَةَ الْهَمْزَةِ مَعَ مَا بَعْدَهَا مِنَ الْاِسْمِ وَالْخَبَرِ فِيْ حُكْمِ الْمُفْرَدِ وَلِذٰلِكَ يَجِبُ الْكَسْرُ اِذَا كَانَ فِيْ اِبْتِدَاءِ الْكَلَامِ نَحْوُ اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَبَعْدَ الْقَوْلِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ وَبَعْدَ الْمَوْصُوْلِ نَحْوُ مَا رَاَيْتُ الَّذِيْ اِنَّهٗ فِي الْمَسَاجِدِ وَاِذَا كَانَ فِيْ خَبَرِهَا اللَّامُ نَحْوُ اِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک اِنَّ کہ جس کا ہمزہ کسرہ دیا گیا ہو جملہ کے معنی کو متغیر نہیں کرتا بلکہ اس کو مؤکد کر دیتا ہے اور انّ کہ جس کا ہمزہ فتحہ دیا گیا انّ مفتوحہ کے مابعد کے ساتھ اسم وخبر میں سے مفرد کے حکم میں ہے اور اسی وجہ سے کسر واجب ہوتا ہے جبکہ وہ کلام کے شروع میں ہو اِنَّ زیدًا قائمٌ اور قول کے بعد جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: قال انہ یقول انہا بقرةٌ اور موصول کے بعد جیسے ما رئیت الذی انہ فی المساجد اور جب کہ اِنَّ کی خبر میں لام ہو جیسے اِنَّ زیدًا لقائمٌ۔

تشریح: **وَاعْلَمْ اَنَّ** حروف مشبہ میں اِنَّ اور اَنَّ چونکہ شکل وصورت میں دونوں ایک معلوم ہوتی ہیں، اسلئے ان دونوں کے درمیان یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ اِنَّ مکسورہ جملہ کے معنی میں تغیر پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ اس میں تاکید اور تحقق کا معنی پیدا کرتا ہے۔ اور انّ مفتوحہ جملہ کے معنی میں تغیر پیدا کر دیتا ہے اور اس کو مفرد کی تاویل میں کر دیتا ہے، اس وجہ سے کہ اس میں اسناد تام نہیں ہوتی، کیونکہ جملہ کے موقعہ پر ان کو مکسورہ اور مفرد کے موقعہ پر انّ کو مفتوحہ پڑھا جاتا ہے۔ اور جملہ کو حکم میں مفرد کے اس طرح کیا جاتا ہے کہ خبر کے مصدر کو اسم کی طرف مضاف کیا جائے جیسے بلغنی انّ زیدًا قائمٌ میں بلغنی من قیام زیدٍ اور یا خبر اور اس کے مصدر کو اسم کی طرف مضاف کیا جائے جیسے بلغی ان زیدًا ان علموہ یکرمك یعنی مجھ کو یہ خبر پہنچی

کہ بے شک زید کو اگر تعلیم دیں تو وہ آپ کی تعظیم کرے گا ای بلغنی اکرام زید عند تعلیمک ایاہٗ۔

وَلِلذٰلِكَ یَجِبُ یعنی اسی وجہ سے کہ اِنَّ مکسورہ جملہ کے معنیٰ کو متغیر نہیں کرتا بلکہ مؤکد کرتا ہے اور اَنَّ مفتوحہ اپنے مابعد اسم وخبر کے ساتھ مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے ہمزہ کا کسر ضروری ہو جاتا ہے جبکہ ابتداء کلام میں ہو، کیونکہ وہ مقام جملہ ہے جیسے اِنَّ زیدًا قائمٌ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان اللہ غفورٌ رحیمٌ اور کسر اس وقت بھی ضروری ہوتا ہے جبکہ قول اور جو اس سے مشتق ہو کے بعد ہو کیونکہ قول کا مقولہ جملہ ہی ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قال انہ یقول انہا بقرۃٌ۔

وَبَعْدَ الْمَوْصُوْلِ یعنی کسر اس وقت بھی ضروری ہے جبکہ اِنَّ اسم موصول کے بعد مذکور ہو جیسے ما رئیت الذی انہ فی المساجد میں اس لئے کہ اسم موصول کا صلہ بھی جملہ ہوتا ہے اور کسر اس وقت بھی ضروری ہے جبکہ اس کی خبر میں لام ہو جیسے اِن زیدًا لقائمٌ اس لیے کہ لام معنیٰ جملہ کی تاکید پیدا کرتا ہے۔

وَیَجِبُ الْفَتْحُ حَیْثُ یَقَعُ فَاعِلًا نَحْوُ بَلَغَنِیْ اَنَّ زَیْدًا قَائِمٌ وَحَیْثُ یَقَعُ مَفْعُوْلًا نَحْوُ کَرِهْتُ اَنَّكَ قَائِمٌ وَحَیْثُ یَقَعُ مُبْتَدَاً نَحْوُ عِنْدِیْ اَنَّكَ قَائِمٌ وَحَیْثُ یَقَعُ مُضَافًا اِلَیْهِ نَحْوُ عَجِبْتُ مِنْ طُوْلِ اَنَّ بَکْرًا قَائِمٌ وَحَیْثُ یَقَعُ مَجْرُوْرًا نَحْوُ عَجِبْتُ مِنْ اَنَّ بَکْرًا قَائِمٌ وَبَعْدَ لَوْ نَحْوُ لَوْ اَنَّكَ عِنْدَنَا لَاَکْرَمْتُكَ وَبَعْدَ لَوْلَا نَحْوُ لَوْلَا اَنَّهٗ حَاضِرٌ لَغَابَ زَیْدٌ وَیَجُوْزُ الْعَطْفُ عَلٰی اِسْمِ اِنَّ الْمَکْسُوْرَةِ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ بِاِعْتِبَارِ الْمَحَلِّ وَاللَّفْظِ مِثْلُ اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ وَعَمْرٌو وَعَمْرًا

ترجمہ: اور ہمزہ کا فتحہ واجب ہوتا ہے جہاں کے وہ فاعل واقع ہو جیسے بلغنی انّ زیدًا قائمٌ یعنی یہ خبر مجھ کو پہنچی کہ زید کھڑا ہونے والا ہے اور جہاں کے وہ مفعول واقع ہو جیسے کرھتُ انّك قائمٌ یعنی میں نے ناپسند کیا کہ بے شک آپ کھڑا ہونے والے ہیں اور جہاں کے وہ مبتداء واقع ہو جیسے عندی انّك قائمٌ یعنی میرے پاس موجود ہے کہ بے شک آپ کھڑا ہونے والے ہیں اور جہاں کے وہ مضاف الیہ واقع ہو، جیسے عجبتُ من طولِ ان بکرًا قائمٌ یعنی میں نے تعجب کیا اس امر کی درازی سے کہ بے شک بکر کھڑا ہونے والا ہے اور جہاں کہ وہ مجرور واقع ہو جیسے عجبتُ من انّ بکرًا قائمٌ یعنی تعجب کیا میں نے اس امر سے کہ بکر کھڑا ہونے والا ہے اور لو کے بعد جیسے لو انك عندنا لاکرمتك یعنی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ ہمارے پاس ہیں تو میں آپ کی تعظیم کرتا اور لولا کے بعد جیسے لولا انہٗ حاضرٌ لغاب زیدٌ یعنی اگر یہ نہ ہوتا کہ وہ حاضر ہے تو زید غائب ہوتا اور عطف جائز ہوتا ہے اِن مکسورہ کے اسم پر رفع ونصب کے ساتھ محل اور لفظ کے اعتبار سے جیسے انّ زیدًا قائمٌ وعمرٌو وعمرًا۔

تشریح: یَجِبُ الْفَتْحُ: اِنّ کو مفتوح پڑھنا واجب ہوتا ہے (۱) جبکہ وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر فاعل ہو جیسے بلغنی اَنّ زیدًا قائمٌ (۲) یا جب کہ وہ مفعول واقع ہو جیسے کرھتُ انك قائمٌ (۳) یا جب کہ مبتداء واقع ہو جیسے عندی انك قائمٌ (۴) یا جب کہ مضاف الیہ واقع ہو جیسے عجبتُ من طولِ اَنّ بکرًا قائمٌ (۵) یا جب کہ مجرور واقع ہو جیسے عجبتُ من

اَنَّ بکرًا قائمٌ۔ ان پانچ صورتوں میں انّ کو مفتوح اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ فاعل ومفعول ومبتداء ومضاف الیہ ومجرور میں سے ہر ایک مفرد ہوتا ہے اور ظاہر ہے مفرد میں ان کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے۔ لیکن فاعل ومفعول ومبتداء کا مفرد ہونا تو ظاہر ہے اور مضاف الیہ ومجرور اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک گرچہ بظاہر جملہ ہوتا ہے لیکن وہ اصل میں مفرد ہوتا ہے اور انّ مفتوح اس وقت بھی ہوتا ہے جبکہ لو کے بعد ہو جیسے لو انك عندنا لاكرمتك یا لولا کے بعد ہو جیسے لولا انه حاضرٌ لغاب زیدٌ لیکن لو یا لولا کے بعد اس لئے کہ لو کا مابعد فاعل ہوتا ہے اور اس کا مدخول فعل ہی ہوگا خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً، کیونکہ وہ حرف شرط ہے اور حرف شرط کا دخول فعل پر ہی ہوتا ہے، فاعل ضروری ہے کہ مفرد ہو لیکن لولا کے مابعد اس لئے کہ لولا ابتدائیہ مبتداء محذوف الخبر ہوتا ہے اور ظاہر ہے مبتداء مفرد ہوتا ہے اور مفرد پر انّ مفتوحہ داخل ہوتا ہے۔

يَجُوْزُ الْعَطْفُ اس کا عطف لذلك يجب الكسر پر ہے یہ بھی ممکن ہے يجب الفتح پر ہو، خلاصہ یہ کہ جب کسی اسم کا عطف انّ مکسورہ کے اسم پر کیا جائے تو اس کو مرفوع ومنصوب دونوں پڑھا جاسکتا ہے۔ اسم انّ کے محل پر عطف کیا جائے تو مرفوع پڑھا جائے گا اس لئے کہ انّ کا اسم باعتبار محل کے مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے اور اسم انّ کے لفظ پر عطف کیا جائے تو نصب پڑھا جائے گا کیونکہ انّ کا اسم لفظاً منصوب ہے، چنانچہ انّ زیدًا قائمٌ وعمرٌو کہا جائے گا جب کہ اسم انّ کے محل پر عطف کیا جائے اور انّ زیدًا قائمٌ وعمرًوا کہا جائے گا جب کہ اسم انّ کے لفظ پر عطف کیا جائے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اِنَّ الْمَكْسُوْرَةَ يَجُوْزُ دُخُوْلُ اللَّامِ عَلٰى خَبَرِهَا وَقَدْ تُخَفَّفُ فَيَلْزَمُهَا اللَّامُ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ وَحِيْنَئِذٍ يَجُوْزُ اِلْغَاؤُهَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ كُلٌّ لَمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ وَيَجُوْزُ دُخُوْلُهَا عَلَى الْاَفْعَالِ عَلَى الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَكَذٰلِكَ اَنَّ الْمَفْتُوْحَةَ قَدْ تُخَفَّفُ فَحِيْنَئِذٍ يَجِبُ اِعْمَالُهَا فِيْ ضَمِيْرِ شَانٍ مُقَدَّرٍ فَتَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَةِ اِسْمِيَّةً كَانَتْ نَحْوُ بَلَغَنِيْ اَنْ زَيْدٌ قَائِمٌ اَوْ فِعْلِيَّةً نَحْوُ بَلَغَنِيْ اَنْ قَدْ قَامَ زَيْدٌ وَيَجِبُ دُخُوْلُ السِّيْنِ اَوْ سَوْفَ اَوْ قَدْ اَوْ حَرْفُ النَّفْيِ عَلَى الْفِعْلِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَالضَّمِيْرُ الْمُسْتَتِرُ اِسْمُ اَنَّ وَالْجُمْلَةُ خَبَرُهَا۔

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک انّ مکسورہ کہ اس کی خبر پر لام کا داخل ہونا جائز ہوتا ہے اور کبھی اس کو تخفیف کیا جاتا ہے، پس اس کو لام لازم ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وان کلا لما لیوفینھم یعنی اور بے شک ہر ایک البتہ ضرور اُن کو پورا دے گا اور اس وقت اس کا لغو ہونا جائز ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وان کل لما جمیع لدینا محضرون یعنی اور بے شک کل کا فر حساب کیلئے ہمارے پاس حاضر کئے جائیں گے اور اس وقت اس کا داخل ہونا افعال پر جائز ہوتا ہے جو افعال کہ داخل ہوتے ہیں مبتداء وخبر پر، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وان کنت من قبلہ لمن الغافلین یعنی اور بے شک آپ تھے اس کے پہلے سے البتہ غافلوں میں سے اور ان نظنك لمن الکاذبین یعنی اور بے شک ہم آپ کو گمان کرتے ہیں کہ آپ البتہ

جھوٹوں میں سے ہیں۔ اور اسی طرح أَنّ مفتوحہ کبھی تخفیف کیا جاتا ہے، پس اس وقت اس کو ضمیر شان مقدر میں عمل دینا واجب ہوتا ہے، پس وہ جملہ پر داخل ہوتا ہے، اسمیہ ہو جیسے بلغنی ان زیدٌ قائمٌ یعنی مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہونے والا ہے یا فعلیہ ہو جیسے بلغنی ان قد قام زیدٌ یعنی مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہوا۔ اور سین یا سوف یا قد یا حرف نفی کا داخل ہونا فعل پر واجب ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: علم ان سیکون منکم مرضی یعنی جانا اس نے بے شک شان یہ ہے کہ عنقریب ہوں گے تم میں سے بیمار اور ضمیر مستتر ان کا اسم ہے اور جملہ اس کی خبر ہے۔

تشریح: وَاعْلَمْ أَنَّ یعنی إنّ مکسورہ کی خبر پر لام ابتداء کا دخول جائز ہے کیونکہ لام ابتداء کا دخول جملہ کی تاکید کیلئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے إنّ مکسورہ اپنے اسم وخبر کے ساتھ جملہ ہوتا ہے برخلاف أنّ مفتوحہ کہ وہ بمعنی مفرد ہوتا ہے جیسے إنّ زیدًا لقائمٌ اور لام کبھی متعلق خبر میں مکرر ہوتا ہے جیسے انّ زیدًا لقلبك لراغبٌ اور وہ ایسا قلیل ہے۔ اور لام اس انّ پر بھی داخل ہوتا ہے جبکہ اُس کا ہمزہ ھاء سے بدل گیا ہو جیسے لھنّك زیدٌ اور ان مکسورہ کو ثقل تشدید اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے کبھی تخفیف کیا جاتا ہے اور اس کی خبر پر لام کا دخول ضروری ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وان کلا لما لیوفینھم۔

وَحِيْنَئِذٍ يَجُوْزُ: حینئذٍ کے ساتھ جس طرح یجوز الغاءُ ھا متعلق ہے اسی طرح یجوز دخولھا بھی کہ یہ اُس پر معطوف ہے، خلاصہ یہ کہ إنّ مکسورہ کو جب کہ تخفیف کر دیا جائے تو، انّ کے عمل کو ملغی یعنی باطل قرار دینا اکثر جائز ہے، کیونکہ وہ عمل، فعل سے مشابہت کی وجہ سے کرتا تھا کہ وہ ثلاثی ومفتوح تھا اور تخفیف کی وجہ سے وہ مشابہت باطل ہوگئی، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وان کل لما جمیع لدینا محضرون میں ان مکسورہ مخففہ ہے جس کا عمل باطل ہو گیا ہے اور کل کو رفع دیا گیا ہے اور لما میں لام خبر پر لزوماً آیا ہے اور لفظ ما تاکید کیلئے زیادہ کیا گیا ہے، اسی طرح إنّ مکسورہ کو جبکہ تخفیف کر دیا جائے تو اس کا دخول ان افعال پر جائز ہے جو مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں، مثلاً باب کان ویکون وباب علمتُ وغیرہ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وان کنت من قبله لمن الغافلین اور وان نظنك لمن الکاذبین ان دونوں آیتوں میں ان مخففہ ہے جو کنت اور نظن فعل پر داخل ہے اور خبر پر لام کا دخول لزوماً ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنَّ الْمَفْتُوْحَةَ یعنی انّ مکسور کی طرح جبکہ اس کو تخفیف کر دیا جائے انّ مفتوحہ ہے جب کہ اس کو بھی تخفیف کر دیا جائے۔ وہ ضمیر شان مقدر میں وجوبی طور پر عمل کرے گا اور جملہ پر داخل ہوگا، بایں طور کہ ضمیر شان اس کا اسم اور جملہ جو کہ ضمیر شان کی تفسیر کرتا ہے اس کی خبر ہے اور وہ جملہ عام ہے اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ اسمیہ جیسے بلغنی ان زیدًا قائمٌ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان الحمدُ للہ ربِّ العٰلمین اور فعلیہ بھی عام ہے کہ اُس کا فعل ان افعال سے ہو جو مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں یا اُن افعال سے نہ ہو، جیسے بلغنی انْ قد قام زیدٌ وبلغنی ان قد علمتُ زیدًا۔

وَيَجِبُ دُخُوْلُ السِّيْنِ یعنی أنّ مفتوحہ جبکہ تخفیف کر دینے سے فعل پر داخل ہو سکتا ہے تو جائز ہے اس فعل پر سین یا سوف یا قد یا حرف نفی داخل ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول علم ان سیکون منکم مرضی میں سین داخل ہے اور مصرعہ أنْ

سوف یاتی کل ما قدر میں سوف داخل ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول لیعلم ان قد ابلغوا میں قد داخل ہے اور قول باری تعالیٰ افلا یرون ان لا یرجع الیھم میں حرف نفی داخل ہے۔

وَكَاَنَّ لِلتَّشْبِيْهِ نَحْوُ كَاَنَّ زَيْدَ نِ الْاَسَدُ وَهُوَ مُرَكَّبٌ مِنْ كَافِ التَّشْبِيْهِ وَاِنَّ الْمَكْسُوْرَةِ وَاِنَّمَا فُتِحَتْ لِتَقَدُّمِ الْكَافِ عَلَيْهَا تَقْدِيْرُهُ اِنَّ زَيْدًا كَالْاَسَدِ وَقَدْ تُخَفَّفُ فَتُلْغٰى نَحْوُ كَاَنْ زَيْدٌ اَسَدٌ

ترجمہ: اور کانّ تشبیہ کیلئے ہے جیسے کانّ زیدن الاسدُ اور وہ مرکب ہے کاف تشبیہ اور انّ مکسورہ سے اور اس کو فتحہ اس لئے دیا گیا کہ کاف اس پر مقدم ہے، اس کی تقدیر یہ ہے کہ انّ زیدًا کالاسدِ اور کبھی تخفیف کیا جاتا ہے تو ملغی ہو جائے گا جیسے کان زیدٌ اسدٌ۔

تشریح: کَاَنَّ لِلتَّشْبِيْهِ تیسرا حرف مشبہ کانّ ہے جو تشبیہ کیلئے آتا ہے جیسے کانّ زیدنِ الاسدُ۔ کانّ کے مادہ سے متعلق اختلاف ہے کہ وہ مرکب ہے یا مستقل حرف۔ خلیل نحوی نے کہا کہ وہ کاف تشبیہ اور انّ مکسورہ سے مرکب ہے اور جمہور کا خیال ہے کہ وہ مستقل حرف ہے جس طرح دوسرے حروف انّ و انّ وغیرہ مستقل حروف ہیں۔

وَهُوَ مُرَكَّبٌ یعنی کانّ کو جبکہ مرکب مانا جائے تو اس کی ترکیب کاف تشبیہ اور انّ مکسورہ سے ہوگی، کاف کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ شروع ہی سے معلوم ہو جائے کہ کلام تشبیہ کیلئے ہے اور انّ مکسورہ کو فتحہ اس لئے دیا گیا کہ کاف اصل میں جو حرف جر ہے انّ پر مقدم ہے اور حرف جر کے بعد جو آتا ہے وہ انّ مفتوحہ ہوتا ہے اس لئے کان زیدًا کالاسدِ کی تقدیر عبارت یہ ہے: ان زیدًا کالاسدِ۔

قَدْ تُخَفَّفُ: کانّ میں کبھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس سے وہ ملغٰی ہو جاتا ہے یعنی عمل نہیں کرتا کیونکہ اس کا عمل فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا اور وہ مشابہت تخفیف کی وجہ سے زائل ہو گئی، اس لئے اس کا عمل بھی جاتا رہا جیسے کان زیدٌ اسدٌ۔

وَلٰكِنَّ لِلْاِسْتِدْرَاكِ وَيَتَوَسَّطُ بَيْنَ كَلَامَيْنِ مُتَغَايِرَيْنِ فِي الْمَعْنٰى نَحْوُ غَابَ زَيْدٌ لٰكِنَّ بَكْرًا حَاضِرٌ وَيَجُوْزُ مَعَهَا الْوَاوُ نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ وَلٰكِنَّ عَمْرًوا قَاعِدٌ وَقَدْ تُخَفَّفُ فَتُلْغٰى نَحْوُ مَشٰى زَيْدٌ لٰكِنْ بَكْرٌ عِنْدَنَا

ترجمہ: اور لکنّ استدراک کیلئے ہے اور وہ ایسے دو کلام کے اندر واقع ہوتا ہے جو معنی میں متغایر ہیں جیسے غاب زیدٌ لکنّ بکرًا حاضرٌ یعنی غائب ہوا زید لیکن بکر حاضر ہے اور لکن کے ساتھ واؤ جائز ہوتا ہے جیسے قام زیدٌ ولکنّ عمرًوا قاعدٌ اور کبھی وہ تخفیف کیا جاتا ہے پس وہ ملغٰی ہوگا جیسے مشی زیدٌ لکن بکرٌ عندنا یعنی چلا زید لیکن بکر ہمارے پاس ہے۔

تشریح: وَلٰكِنَّ لِلْاِسْتِدْرَاكِ یعنی چوتھا حرف مشبہ بہ فعل لکنّ ہے جو استدراک کیلئے آتا ہے، استدراک لغت میں بمعنی پانا کسی چیز کا اور اصطلاح میں استدراک کہتے ہیں: کلام سابق سے وہم دور کرنے کو اور وہ ایسے دو کلام کے اندر آتا ہے جو باعتبار معنی کے نفی و اثبات میں متغایر ہوں اور وہ متغایر عام ہے کہ لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے ہو یا صرف معنی کے اعتبار

سے، اول جیسے **جاء زیدٌ لکن عمرو لم یجئ** میں تغایر معنوی کے ساتھ تغایر لفظی بھی ہے کہ پہلا کلام مثبت ہے اور دوسرا منفی اور دوم جیسے **غاب زیدٌ لکنّ بکرًا حاضرٌ** میں اگرچہ تغایر لفظی نہیں لیکن تغایر معنوی موجود ہے۔

وَیَجُوْزُ مَعَھَا الْوَاوُ یعنی جائز ہے **لکنّ** کے ساتھ واؤ کا بیان کیا جائے۔ **لکنّ** خواہ مشدد ہو یا مخفف جیسے **قام زیدٌ ولکن عمرًوا قاعدٌ** اور اس واؤ کو **لکن** سے قبل اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ اس **لکنّ** اور **لکن** عاطفہ کے درمیان فرق ہو جائے کیونکہ عاطفہ پر حرف عطف کا دخول جائز نہیں اور **کانّ** وغیرہ کی طرح **لکنّ** میں بھی تخفیف کی جاتی ہے اور وہ اس وقت ملغیٰ ہو جاتا ہے یعنی عمل نہیں کرتا جیسے **مشٰی زیدٌ لکن بکرٌ عندنا** اس لئے کہ تخفیف کے بعد فعل کے ساتھ اس کی مشابہت ضعیف ہو جاتی ہے اور وہ **لکن** عاطفہ کے ساتھ لفظاً و معنیً مشابہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے **لکن** عاطفہ حروفِ عاملہ سے نہیں ہے اور یہ مذہب اکثر نحویوں کا ہے لیکن اخفش اور یونس جواز عمل کے قائل ہیں۔

وَلَیْتَ لِلتَّمَنِّیْ نَحْوُ لَیْتَ ھِنْدًا عِنْدَنَا وَاَجَازَ الْفَرَّاءُ لَیْتَ زَیْدًا قَائِمًا بِمَعْنٰی اَتَمَنّٰی وَلَعَلَّ لِلتَّرَجِّیْ کَقَوْلِ الشَّاعِرِ۔ شعر: اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ لَعَلَّ اللّٰہُ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا۔ وَشَذَّ الْجَرُّ بِھَا نَحْوُ لَعَلَّ زَیْدٍ قَائِمٌ وَفِیْ لَعَلَّ لُغَاتٌ عَلَّ وَعَنَّ وَاَنَّ، لَاَنَّ وَلَعَنَّ وَعِنْدَ الْمُبَرِّدِ اَصْلُہٗ عَلَّ زِیْدَ فِیْہِ اللَّامُ وَالْبَوَاقِیْ فُرُوْعٌ۔

ترجمہ: اور **لیت** تمنی کیلئے ہے جیسے **لیت ھندًا عندنا** یعنی کاش کہ ہندہ ہمارے پاس ہوتی اور جائز رکھا فراء نے **لیت زیدًا قائمًا** کو دراں حالیکہ **لیت اتمنی** کے معنی میں ہے، اور **لعل** اُمید ظاہر کرنے کیلئے ہے جیسے شاعر کا قول: **شعر اُحبُّ الصالحین الخ** یعنی میں محبوب رکھتا ہوں نیکوکاروں کو اور تو نہیں ہے ان میں سے اُمید کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو نیکی عطا کرے اور شاذ ہوا جر اس **لعل** کے ساتھ جیسے **لعل زیدٍ قائمٌ** یعنی شاید زید کھڑا ہونے والا ہے اور **لعل** میں چند لغتیں ہیں: **علّ۔ انّ۔ عنّ** اور **لانّ ولعنّ** اور مبرد کے نزدیک اس کی اصل **علّ** ہے، اس میں لام زیادہ کیا گیا ہے اور باقی لغتیں فرع ہیں۔

تشریح: **وَلَیْتَ لِلتَّمَنِّیْ** پانچواں حرف مشبہ بہ فعل **لیت** ہے اور وہ تمنی کیلئے ہے یعنی بطور محبت کسی شئی کے حصول کی طلب کیلئے ہے جیسے **لیت ھندًا عندنا** یعنی کاش ہندہ ہمارے پاس ہوتی **ولیت ایام الشباب تعود** یعنی کاش جوانی کے ایام لوٹ آتے، یہ جمہور کے نزدیک ہے کہ وہ **لیت** کو حرف مشبہ قرار دے کر اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں لیکن امام فراء **لیت** کے بعد دونوں جزؤں کو نصب دیتے ہیں کیونکہ **لیت** بمعنی **اتمنی یا تمنیت** ہے۔ ظاہر ہے اس کے بعد مفعول مذکور ہوں گے اور مفعول ظاہر ہے منصوب ہوتا ہے۔

وَلَعَلَّ لِلتَّرَجِّیْ یعنی **لعل ترجی** کیلئے ہے۔ **تمنی** اور **ترجی** میں فرق یہ ہے کہ تمنی ہر شئی کی کی جاسکتی ہے خواہ ممکن ہو یا محال لیکن **ترجی** اس شئی کی کی جاتی ہے جس کا حصول ممکن ہو، چنانچہ **لیت الشباب یعودُ** کہا جاسکتا ہے لیکن **لعل الشبابَ یعود** نہیں کیونکہ جوانی کا لوٹنا ممکن نہیں، لہٰذا **لعل** امر مرجو کی اُمید ظاہر کرنے کیلئے ہے، چنانچہ شاعر کا قول ہے: **اُحبُّ الصّالحین ولست منھم۔ لعل اللہ یرزقنی صلاحًا** یعنی میں محبوب رکھتا ہوں نیکوں کو اور آپ نہیں ہیں اُن میں سے

امید کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو نیکی عطا کرے، اس میں **لعل اللہ یرزقنی** کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے نیکی حاصل کرنے کی اُمید کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس شعر کا قائل سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کو بتایا گیا ہے اور مصنف علیہ الرحمہ کو غالباً اس کا علم نہیں تھا، اس لیے انہوں نے اس کو بیان نہیں فرمایا۔

شَذَّ الْجَرُّ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ **لعل** اپنے مدخول کو نصب و رفع ہی نہیں بلکہ وہ جر بھی دیتا ہے جیسے **لعل زیدٍ قائمٌ** میں زید کو جر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ **لعل** کی وجہ سے جر ہونا شاذ ہے، یعنی قیاس سے خارج ہے، قیاس یہ ہے کہ وہ رفع و نصب ہی دے سکتا ہے جر نہیں۔

وَفِیْ لَعَلَّ لُغَاتٌ یعنی **لعل** میں چند لغتیں ہیں: (۱) **علّ** بدون لام (۲) **عنّ** بدون لام اول اور لام ثانی کو نون سے بدل دیا گیا (۳) **انّ** عین کو الف سے بدل کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **انھا اذا جاءت لا یؤمنون ای لعلھا** جبکہ فتح کے ساتھ پڑھا جائے (۴) **لانّ** لام اول کو ثابت کر کے اور عین کو الف سے بدل کر اور لام ثانی کو نون سے (۵) **لعنّ** لام ثانی کو صرف نون سے بدل کر۔ مبرد کے نزدیک **لعل** کی اصل **علّ** بدون لام اول **علّ** میں لام کو زیادہ کیا گیا تو **لعل** ہو گیا۔ باقی لغتیں ان کی فرع ہیں۔

فصل: حُرُوْفُ الْعَطْفِ عَشَرَةٌ اَلْوَاوُ وَالْفَاءُ وَثُمَّ وَحَتّٰی وَاَوْ وَاِمَّا وَاَمْ وَلَا وَبَلْ وَلٰکِنْ فَالْاَرْبَعَۃُ الْاُوَلُ لِلْجَمْعِ فَالْوَاوُ لِلْجَمْعِ مُطْلَقًا نَحْوُ جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَعَمْرٌو سَوَاءٌ کَانَ زَیْدٌ مُقَدَّمًا فِی الْمَجِیْءِ اَوْ عَمْرٌو وَالْفَاءُ لِلتَّرْتِیْبِ بِلَا مُهْلَةٍ نَحْوُ قَامَ زَیْدٌ فَعَمْرٌو وَاِذَا کَانَ زَیْدٌ مُتَقَدِّمًا وَعَمْرٌو مُتَاَخِّرًا بِلَا مُهْلَةٍ

ترجمہ: یہ فصل ہے حروف عطف کے بیان میں اور وہ دس ہیں۔ واؤ اور فاء اور **ثم** اور **حتّٰی** اور **اوْ** اور **امّا** اور **امْ** اور **لا** اور **بل** اور **لکن** اول چار جمع کیلئے ہیں پس واؤ مطلقاً جمع کیلئے ہے جیسے **جاءنی زیدٌ وعمرٌو** یعنی آیا میرے پاس زید اور عمرو برابر ہے کہ آنے میں زید مقدم ہو یا عمرو، اور فاء بلا مہلت ترتیب کیلئے ہے جیسے **قام زیدٌ فعمرو** یعنی کھڑا ہوا زید پس عمرو جبکہ زید مقدم ہو اور عمرو مؤخر بلا مہلت۔

تشریح: **حُرُوْفُ الْعَطْفِ** عطف کا معنی لغت میں مائل کرنا ہے اور وہ حروف چونکہ معطوف کو حکم و اعراب میں معطوف علیہ کی طرف مائل کرتے ہیں، اس لئے ان کو حروف عطف کہا جاتا ہے اور وہ کل دس ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) **واؤ** (۲) **فاء** (۳) **ثم** (۴) **حتّٰی** (۵) **اَوْ** (۶) **امّا** (۷) **ام** (۸) **لا** (۹) **بل** (۱۰) **لکن مخففہ**۔

فَالْاَرْبَعَۃُ الْاُوَلُ فاء تفسیر ہے حروف عطف کی اور **اُوَل** جمع ہے اولیٰ کی۔ اول چار یعنی واؤ، فاء، ثم، حتّٰی جمع کیلئے آتے ہیں۔ ان میں سے واؤ مطلقاً جمع کیلئے آتا ہے، یعنی ترتیب یا اتصال بالتراخی یا تدرج و دھیرے دھیرے کی قید کے بغیر برخلاف فاء وثم وغیرہ کہ فاء بلا مہلت ترتیب کیلئے آتا ہے اور **ثم** مہلت کے ساتھ ترتیب کے لئے آتا ہے چنانچہ **جاءنی زیدٌ وعمرٌو** یعنی زید اور عمرو دونوں آئے۔ لیکن اس میں یہ قید نہیں زید آنے میں مقدم ہے یا عمرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: **وادخلوا**

الباب سجدًا و قولوا حطۃٌ ۔ واؤ کو سب سے پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ باب عطف میں اصل ہے اور اس لئے بھی کہ وہ مطلقاً جمع کے لئے آتا ہے۔

وَالْفَاءُ لِلتَّرْتِيْبِ یعنی فاء بلا مہلت ترتیب کیلئے آتا ہے، یعنی معطوف کا وجود معطوف علیہ کے بعد ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی تراخی نہیں بلکہ فی الفور ہو جاتا ہے جیسے قام زیدٌ فعمرو یعنی زید کھڑا ہوا، پس عمرو یعنی زید جو معطوف علیہ ہے وہ قیام میں عمرو پر مقدم ہے اور عمرو زید سے مؤخر ہے بلا مہلت یعنی فی الفور اور اتصالاً زید کے بعد ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فخلقنا العلقة مضغةً فخلقنا المضغة عظامًا اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وانزل من السماء ماءً فتصبح الارض مخضرةً ۔

وَثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ بِمُهْلَةٍ نَحْوُ دَخَلَ زَيْدٌ ثُمَّ خَالِدٌ إِذَا كَانَ زَيْدٌ مُتَقَدِّمًا وَبَيْنَهُمَا مُهْلَةٌ وَحَتّٰى كَثُمَّ فِي التَّرْتِيْبِ وَالْمُهْلَةِ إِلَّا أَنَّ مُهْلَتَهَا أَقَلُّ مِنْ مُهْلَةِ ثُمَّ وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُوْنَ مَعْطُوْفُهَا دَاخِلًا فِي الْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ وَهِيَ تُفِيْدُ قُوَّةً فِي الْمَعْطُوْفِ نَحْوُ مَاتَ النَّاسُ حَتَّى الْأَنْبِيَاءُ أَوْ ضُعْفًا نَحْوُ قَدِمَ الْحَاجُّ حَتَّى الْمُشَاةُ

ترجمہ: ثم مہلت و وقفہ کے ساتھ ترتیب کیلئے ہے جیسے دخل زیدٌ ثم خالدٌ یعنی زید داخل ہوا پھر خالد جبکہ زید مقدم ہو اور ان دونوں کے درمیان وقفہ ہو اور حتّٰی۔ ثم کی طرح ہے ترتیب و مہلت میں اور شرط لگائی جاتی ہے کہ اس کا معطوف، معطوف علیہ میں داخل ہو اور وہ یعنی حتی معطوف میں قوت کا فائدہ دیتا ہے جیسے مات الناس حتی الانبیاء یعنی آدمی مرے یہاں تک کہ انبیاء یا ضعف کا فائدہ دیتا ہے جیسے قدم الحاج حتی المشاة یعنی حاجی آئے یہاں تک کہ پیادے۔

تشریح: ثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ یعنی ثم مہلت کے ساتھ ترتیب کیلئے ہے، یعنی اس امر پر دلالت کرنے کیلئے کہ معطوف و معطوف علیہ میں ترتیب مہلت و وقفہ کے ساتھ ہے جیسے دخل زیدٌ ثم خالد یعنی زید گھر میں داخل ہوا پھر خالد داخل ہوا جبکہ زید جو کہ معطوف علیہ ہے دخول میں خالد یعنی معطوف پر مقدم ہو اور ان دونوں کے درمیان وقفہ و تراخی ہو اور ثم کبھی محض تعظیم کیلئے بھی آتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ثم ما ادراك ما یوم الدین اور ثم کلا سوف تعلمون اور اخفش کے نزدیک کبھی وہ زائد بھی ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ثم تاب علیهم لیتوبوا بعض کا خیال ہے کہ آیت میں ثم بمعنی لام ہے۔

حَتّٰى كَثُمَّ یعنی حتی ترتیب و وقفہ میں ثم کی طرح ہے لیکن فرق دونوں میں چند طریقوں سے ہے ایک یہ کہ حتی کا وقفہ ثم کے وقفہ سے کم ہو، لہٰذا حتّٰی فاء اور ثم کے درمیان ہوگا وہ یہ کہ حتّٰی میں یہ شرط ہے کہ اس کا معطوف، معطوف علیہ میں داخل ہوگا کیونکہ وہ غایت کیلئے آتا ہے اور نحویوں کے نزدیک یہ اتفاق ہے کہ حتّٰی کا معطوف، معطوف علیہ میں داخل ہوتا ہے اس وجہ سے معطوف اگر معطوف علیہ کا جزء قوی ہو تو فائدہ قوت کا دے گا جیسے مات الناس حتی الانبیاء یعنی تمام لوگ مرے یہاں تک کہ انبیاء بھی وفات پا گئے اور اگر جزء ضعیف ہو تو ضعف کا فائدہ دے گا جیسے قدم الحاجُ حتی المشاةُ یعنی

سب حاجی آئے یہاں تک کہ جو لوگ پیادے تھے وہ بھی آ گئے۔

وَاَوْ وَاِمَّا وَاَمْ ثَلٰثَتُهَا لِثُبُوْتِ الْحُكْمِ لِاَحَدِ الْاَمْرَيْنِ مُبْهَمًا لَا بِعَيْنِهٖ نَحْوُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ اَوْ اِمْرَاَةٍ وَاِمَّا اِنَّمَا تَكُوْنُ حَرْفُ الْعَطْفِ اِذَا تَقَدَّمَهَا اِمَّا اُخْرٰى نَحْوُ الْعَدَدُ اِمَّا زَوْجٌ وَاِمَّا فَرْدٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اِمَّا عَلٰى اَوْ نَحْوُ زَيْدٌ اِمَّا كَاتِبٌ اَوْ اُمِّيٌّ وَاَمْ عَلٰى قِسْمَيْنِ مُتَّصِلَةٌ وَهِيَ مَا يُسْئَلُ بِهَا عَنْ تَعْيِيْنِ اَحَدِ الْاَمْرَيْنِ وَالسَّائِلُ بِهَا يَعْلَمُ ثُبُوْتَ اَحَدِهِمَا مُبْهَمًا بِخِلَافِ اَوْ وَاِمَّا فَاِنَّ السَّائِلَ بِهِمَا لَا يَعْلَمُ ثُبُوْتَ اَحَدِهِمَا اَصْلًا

ترجمہ: واؤ اور اما اور ام تینوں حکم کے ثبوت کے لئے ہے دو امروں میں سے کسی ایک کیلئے دراں حالیکہ وہ ثبوت مبہم ہو دونوں میں سے کسی ایک کیلئے نہ کہ معین جیسے مررتُ برجلٍ او امراۃٍ یعنی میں گزرا مرد کے ساتھ یا عورت کے ساتھ اور جزئیں نیست کہ اما حرف عطف ہے جبکہ اس سے پہلے دوسرا اما ہو جیسے العددُ اما زوجٌ واما فردٌ یعنی عدد یا تو زوج ہے اور یا فرد ہے اور جائز ہوتا ہے اما مقدم ہو اَوْ پر جیسے زیدٌ اما کاتبٌ او اُمیٌّ یعنی زید آیا کاتب ہے یا ان پڑھ اور اَمْ دو قسموں پر ہے۔ متصلہ اور وہ وہ ہے کہ جس سے احد الامرین کے تعین سے متعلق سوال کیا جائے اور اس کے ساتھ سوال کرنے والا جانتا ہے، ان دو میں سے ایک کے ثبوت کو مبہم طور پر برخلاف اَوْ اور اما تو بیشک وہ شخص جو سوال کرنے والا ہے ان دونوں کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ثبوت کو بالکل نہیں جانتا۔

تشریح: وَاَوْ وَاِمَّا یعنی او اور اما اور ام تینوں حکم کے ثبوت کیلئے ہے دو یا ان سے زائد امروں کیلئے دراں حالیکہ وہ ثبوت مبہم ہو معین نہ ہو جیسے مررتُ برجلٍ او امراۃٍ یعنی میں گزرا مرد اور عورت میں سے بغیر معین کے کسی ایک کے ساتھ یعنی متکلم کو یہ یقین ہے کہ وہ مرد و عورت میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور گزرا ہے لیکن یہ شک ہے کہ ان دونوں میں سے مرد کے ساتھ گزرا ہے یا عورت کے ساتھ۔

وَاِمَّا اِنَّمَا اما حرف عطف ہے چونکہ شکل میں حرف شرط کے ساتھ مشابہ ہے، اس لئے حرف عطف کی یہ علامت بیان کی جاتی ہے کہ اما حرف عطف کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے دوسرا اما مذکور ہے، جیسے کہا جاتا ہے: العددُ اما زوجٌ واما فردٌ اور جائز ہے اما مذکور ہو اَوْ سے پہلے اور یہ بھی کہ اَوْ سے پہلے مذکور نہ ہو، چنانچہ بتقدیر اول کہا جاتا ہے: زید اما کاتب اَوْ امیٌّ اور بتقدیر دوم کہا جاتا ہے: زید کاتبٌ او امیٌّ۔

اَمْ عَلٰى قِسْمَيْنِ اس عبارت سے ام اور اما اور او کے درمیان فرق اور ام کی قسموں کو بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک متصلہ اور دوسری منقطعہ۔ منقطعہ کا بیان آگے مذکور ہے لیکن متصلہ وہ ہے جس کے ذریعہ دو امروں میں سے کسی ایک کے تعین کا سوال کیا جائے اور سائل اس کے ذریعہ یہ جانتا ہے کہ مخاطب کے نزدیک دو امروں میں سے کوئی ایک ضرور ثابت ہے، سوال صرف تعین کا ہے برخلاف او اور اما کے کہ سائل ان کے ذریعہ دو امروں میں سے کسی ایک کے ثبوت کو قطعاً نہیں

جانتا نہ معین کے طور پر اور نہ مبہم کے طور پر۔

وَتُسْتَعْمَلُ بِثَلٰثَةِ شَرَائِطَ اَلْاَوَّلُ اَنْ يَّقَعَ قَبْلَهَا هَمْزَةٌ نَحْوُ اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌو وَالثَّانِيْ اَنْ يَّلِيَهَا لَفْظٌ مِثْلُ مَا يَلِيْ الْهَمْزَةَ اَعْنِيْ اِنْ كَانَ بَعْدَ الْهَمْزَةِ اِسْمٌ فَكَذٰلِكَ بَعْدَ اَمْ كَمَا مَرَّ وَاِنْ كَانَ بَعْدَ الْهَمْزَةِ فِعْلٌ فَكَذٰلِكَ بَعْدَهَا نَحْوُ اَقَامَ زَيْدٌ اَمْ قَعَدَ فَلَا يُقَالُ اَرَاَيْتَ زَيْدًا اَمْ عَمْرًوا وَالثَّالِثُ اَنْ يَّكُوْنَ اَحَدُ الْاَمْرَيْنِ الْمُسْتَوِيَيْنِ مُحَقَّقًا وَاِنَّمَا يَكُوْنُ الْاِسْتِفْهَامُ عَنِ التَّعْيِيْنِ فَلِذٰلِكَ يَجِبُ اَنْ يَّكُوْنَ جَوَابُ اَمْ بِالتَّعْيِيْنِ دُوْنَ نَعَمْ اَوْ لَا فَاِذَا قِيْلَ اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌو فَجَوَابُهٗ بِتَعْيِيْنِ اَحَدِهِمَا اَمَّا اِذَا سُئِلَ بِاَوْ وَاِمَّا فَجَوَابُهٗ نَعَمْ اَوْ لَا

ترجمہ: اور **اَمْ** متصلہ تین شرطوں کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے پہلی شرط یہ کہ اس کے قبل ہمزہ واقع ہو جیسے **اَزَيْدٌ عندك ام عمرو** یعنی کیا زید تیرے پاس ہے یا عمرو، دوسری شرط یہ کہ متصل ہو اس کے ساتھ ایک لفظ اس کی مانند کہ متصل ہو اس کے ساتھ ہمزہ مراد لیتا ہوں اگر ہمزہ کے بعد اسم ہو، پس اسی طرح ام کے بعد جیسا کہ گزرا اور اگر ہمزہ کے بعد فعل ہو، پس اسی طرح اس **ام** کے بعد جیسے **اقام زيدٌ ام قعدَ** یعنی کیا زید کھڑا ہوا یا بیٹھا، پس کہا نہیں جائے گا: **ارئيت زيدًا ام عمرًا** تیسری شرط یہ کہ دو مستوی امروں میں سے ایک محقق ہو اور جز یں نیست کہ وہ دریافت کرنا ہے معین کرنے سے، پس اس وجہ سے واجب ہوتا ہے یہ کہ **ام** کا جواب معین کرنے کے ساتھ ہو نہ کہ **نعم** یا **لا** کے ساتھ، پس جب کہا جائے: **ازيدٌ عندك ام عمرٌو** تو اس کا جواب ان دونوں میں سے کسی ایک کو معین کرنے کے ساتھ ہے لیکن جب سوال کیا جائے **اوْ** یا **اما** کے ذریعہ تو اس کا جواب **نعم** یا **لا** ہوگا۔

تشریح: **تُسْتَعْمَلُ** یعنی **اَمْ** متصلہ تین شرطوں کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے ایک یہ کہ اس سے قبل ہمزۂ استفہام واقع ہو جیسے **ازيدٌ عندك ام عمرٌو** کیونکہ ہمزہ استفہام میں کامل ہے اور **هل** بھی اگرچہ استفہام کیلئے آتا ہے لیکن وہ کامل نہیں کیونکہ وہ بمعنی **قد** بھی آتا ہے، دوسری شرط یہ کہ **اَمْ** کے ساتھ اس طرح کا لفظ متصل ہو جس طرح کا لفظ ہمزہ کے ساتھ متصل ہوتا ہے، یعنی ہمزہ کے ساتھ اگر اسم متصل ہو تو **ام** کے ساتھ بھی اسم متصل ہو، جیسے **ازيدٌ عندك ام بكرٌ** تیسری شرط یہ کہ متکلم کے نزدیک دو امروں میں سے کوئی ایک ضرور ثابت ہو۔ استفہام صرف دو امروں میں سے کسی ایک کے تعین سے متعلق ہو جیسے **ازيدٌ عندك ام خالدٌ** سے متکلم کو یہ معلوم ہے کہ زید اور خالد میں سے کوئی ایک ضرور موجود ہے لیکن وہ مخاطب سے دونوں میں سے کسی ایک کے تعین کا سوال کرتا ہے کہ وہ آپ کے پاس زید موجود ہے یا خالد تو جواب احد الامرین کے تعین سے ہوگا، یعنی سوال مذکور کے جواب میں ایک معین کو بیان کرنا ہوگا **نعم** یا **لا** کے ساتھ نہیں۔

فَاِذَا قِيْلَ یعنی جبکہ **ازيدٌ عندك ام عمرٌو** کہا جائے تو اس کا جواب ان دونوں میں سے کسی ایک کے تعین سے ہوگا، یعنی جواب میں زید یا عمرو کہا جائے گا **نعم** یا **لا** نہیں برخلاف جبکہ **او** یا **امّا** کے ذریعہ ہمزہ کے ساتھ یہ کہا جائے: **أجاءك زيدٌ**

او عمرٌو یا جاءك زیدٌ امّا عمرو تو ان کا جواب نعم یا لا سے دیا جائے گا کیونکہ سوال سے مطلوب ان دونوں میں سے کوئی ایک ہے لا بعینہٖ۔

وَمُنْقَطِعَةٌ وَهِيَ مَا تَكُوْنُ بِمَعْنٰى بَلْ مَعَ الْهَمْزَةِ كَمَا إِذَا رَأَيْتَ شَبَحًا مِنْ بَعِيْدٍ قُلْتَ إِنَّهَا لَإِبِلٌ عَلٰى سَبِيْلِ الْقَطْعِ ثُمَّ حَصَلَ لَكَ شَكٌّ إِنَّهَا شَاةٌ فَقُلْتَ أَمْ هِيَ شَاةٌ تَقْصُدُ الْإِعْرَاضَ عَنِ الْأَخْبَارِ الْأَوَّلِ وَالْإِسْتِيْنَافَ بِسُؤَالٍ اٰخَرَ مَعْنَاهُ بَلْ هِيَ شَاةٌ۔

ترجمہ: اور أم منقطعہ وہ ہے جو بل کے معنی میں ہمزہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ آپ کسی شبح کو دور سے دیکھیں تو کہیں گے کہ اخبارِ اول سے، وہ البتہ یقین کے طور پر اُونٹ ہے اور آپ کو شک حاصل ہوگا کہ وہ بکری ہے تو آپ کہیں گے: بلکہ وہ بکری ہے، اخبارِ اول سے آپ اعراض کا قصد کرتے ہیں اور استیناف کا سوال آخر سے، اس کا معنی ہے: بلکہ وہ بکری ہے۔

تشریح: **وَمُنْقَطِعَةٌ**: اَمْ کی دوسری قسم منقطعہ ہے اور وہ یہ ہے جو بل کے معنی میں ہمزہ کے ساتھ آئے یعنی کلام اول سے اعراض اور کلام دوم میں شک کیا جائے، چنانچہ ایک شئی کو جب دور سے دیکھا جائے اور اُونٹ سمجھ کر یقین سے یہ کہہ دیا جائے: انها لابل یعنی وہ بے شک اُونٹ ہے، پھر شک ہوجائے کہ وہ شکل بکری کی معلوم ہوتی ہے اُونٹ کی نہیں تو اس کے بعد کلام اول انها لابل سے اعراض کر کے یہ کہا جائے: ام هی شاة یعنی بل هی شاة ام شیئی آخر یعنی بلکہ وہ بکری ہے یا دوسری چیز ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّ أَمِ الْمُنْقَطِعَةَ لَا تُسْتَعْمَلُ إِلَّا فِي الْخَبَرِ كَمَا مَرَّ وَفِي الْإِسْتِفْهَامِ نَحْوُ أَعِنْدَكَ زَيْدٌ أَمْ عَمْرٌو وَسَأَلْتَ أَوَّلًا عَنْ حُصُوْلِ زَيْدٍ ثُمَّ أَضْرَبْتَ عَنِ السُّؤَالِ الْأَوَّلِ وَأَخَذْتَ فِي السُّؤَالِ الْاٰخَرِ عَنْ حُصُوْلِ عَمْرٍو

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ ام منقطعہ صرف خبر میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ گزرا یا استفہام میں جیسے أعندك زیدٌ ام عمرٌو یعنی کیا زید تیرے پاس ہے یا عمرو اور سوال کیا آپ نے سب سے پہلے زید کے موجود ہونے سے، پھر اعراض کیا سوال اول سے اور شروع کیا آپ نے سوال آخر میں عمرو کے حصول کے بارے میں۔

تشریح: **وَاعْلَمْ أَنَّ أَمْ**: ام منقطعہ دو طریقے سے مستعمل ہوتا ہے ایک وہ ہے کہ خبر کے بعد واقع ہوتا ہے جیسا کہ اس کی مثال گزری اور وہ انها لابل هی شاة اور دوسری وہ ہے کہ استفہام کے بعد واقع ہوتا ہے جیسے أعندك زیدٌ أم عمرٌو میں پہلے زید کے حصول سے متعلق سوال کیا جاتا ہے، پھر سوال اول سے اعراض کر کے عمرو کے موجود ہونے سے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔

وَلَا وَبَلْ وَلٰكِنْ جَمِيْعُهَا لِثُبُوْتِ الْحُكْمِ لِأَحَدِ الْأَمْرَيْنِ مُعَيَّنًا أَمَّا لَا فَلِنَفْيِ مَا وَجَبَ لِلْأَوَّلِ عَنِ الثَّانِيْ نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ لَا عَمْرٌو وَبَلْ لِلْإِضْرَابِ عَنِ الْأَوَّلِ وَالْإِثْبَاتِ لِلثَّانِيْ نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو مَعْنَاهُ بَلْ

جَاءَنِي عَمْرٌو وَمَا جَاءَ بَكْرٌ بَلْ خَالِدٌ مَعْنَاهُ بَلْ مَا جَاءَ خَالِدٌ وَلٰكِنْ لِلْاِسْتِدْرَاكِ وَيَلْزَمُهَا النَّفْيُ قَبْلَهَا نَحْوُ مَا جَاءَنِي زَيْدٌ لٰكِنْ عَمْرٌو جَاءَ أَوْ بَعْدَهَا نَحْوُ قَامَ بَكْرٌ لٰكِنْ خَالِدٌ لَمْ يَقُمْ۔

ترجمہ: اور لا و بل ولکن تمام حکم کو ثابت کرنے کیلئے ہے دو امروں میں سے ایک کیلئے دراں حالیکہ وہ ایک معین ہو لیکن لا تو اس شئی کی نفی کیلئے ہے جو ثابت ہے اول کیلئے دوسرے سے، جیسے جاءنی زیدٌ لا عمرٌو یعنی آیا میرے پاس زید نہ کہ عمرو اور بل اعراض کیلئے ہے اول سے اور اثبات کیلئے ہے دوسرے کیلئے جیسے جاءنی زیدٌ بل عمرٌو یعنی آیا میرے پاس زید بلکہ عمرو، اس کا معنی ہے: بلکہ آیا میرے پاس عمرو، وما جاءنی بکرٌ بل خالدٌ یعنی نہیں آیا بکر بلکہ خالد، اس کا معنی ہے: بلکہ نہیں آیا خالد اور لکن استدراک کیلئے ہے اور اس کو نفی اس سے پہلے لازم ہوتی ہے جیسے ما جاءنی زیدٌ لکن عمرٌو یعنی میرے پاس زید نہیں آیا لیکن عمرو آیا، یا لکن کے بعد جیسے قام بکرٌ لکن خالدٌ لم یقم یعنی کھڑا ہوا بکر لیکن خالد کھڑا نہیں ہوا۔

تشریح: وَلَا وَبَلْ وَلٰكِنْ یعنی لا و بل ولکن تینوں کا حکم پہلے اجمالی بیان کیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد ہر ایک کا تفصیلی حکم بیان کیا جائے گا۔ اجمالی یہ کہ تینوں دو امروں میں سے کسی ایک کیلئے حکم کو ثابت کرنے کیلئے آتے ہیں دراں حالیکہ وہ ایک معین ہو یعنی ثانی سے اس شئی کی نفی کی جائے جس کو اول کیلئے ثابت کیا گیا ہے، چنانچہ جاءنی زیدٌ لا عمرٌو میں حرف لا کے ذریعہ معطوف سے اس حکم کی نفی کی گئی ہے جو معطوف علیہ کیلئے ثابت ہے یعنی حکم مذکور صرف معطوف علیہ کیلئے ثابت ہے۔

بَلْ لِلْاِضْرَابِ دوسرا حرف بل ہے جو اول سے اضراب اور دوم کے اثبات کیلئے ہے، یعنی حکم کو معطوف علیہ سے اعراض کر کے معطوف کیلئے ثابت کیا جاتا ہے، چنانچہ جاءنی زیدٌ بل عمرٌو یعنی میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو اس میں آنے کے حکم کو زید سے اعراض کر کے عمرو کیلئے ثابت کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے پاس عمرو آیا نہ کہ زید اور ما جاءنی بکرٌ بل خالدٌ یعنی میرے پاس بکر نہیں آیا بلکہ خالد، مطلب یہ کہ میرے پاس خالد آیا نہ کہ بکر۔

وَلٰكِنْ لِلْاِسْتِدْرَاكِ: لکن استدراک کیلئے ہے یعنی وہم سابق کو دفع کرنے کیلئے ہے، پس اس کو نفی لازم ہوگی۔ نفی خواہ لکن سے پہلے ہو یا اس کے بعد، اول جیسے ما جاءنی زیدٌ لکن عمرٌو جاء یعنی میرے پاس زید نہیں آیا لیکن عمرو آیا، دوم جیسے قام بکرٌ لکن خالدٌ لم یقم یعنی بکر کھڑا ہوا لیکن خالد کھڑا نہیں ہوا۔

فصل: حُرُوْفُ التَّنْبِيْهِ ثَلٰثَةٌ اَلَا وَاَمَا وَهَا وُضِعَتْ لِتَنْبِيْهِ الْمُخَاطَبِ لِئَلَّا يَفُوْتَهُ شَيْءٌ مِّنَ الْكَلَامِ فَاَلَا وَاَمَا لَا يَدْخُلَانِ اِلَّا عَلَى الْجُمْلَةِ اِسْمِيَّةً كَانَتْ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالٰى اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَقَوْلِ الشَّاعِرِ شعر: اَمَا وَالَّذِيْ اَبْكٰى وَاَضْحَكَ وَالَّذِيْ اَمَاتَ وَاَحْيٰى وَالَّذِيْ اَمْرُهُ الْاَمْرُ۔ اَوْ فِعْلِيَّةً نَحْوُ اَمَا لَا تَفْعَلْ وَاَلَا لَا تَضْرِبْ وَالثَّالِثُ هَا تَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَةِ مِثْلَ اَلَا وَاَمَا اِسْمِيَّةً نَحْوُ هَا زَيْدٌ قَائِمٌ اَوْ فِعْلِيَّةً نَحْوُ هَا اِفْعَلْ كَذَا وَالْمُفْرَدِ نَحْوُ هٰذَا وَهٰؤُلَاءِ

ترجمہ: یہ فصل ہے، حروف تنبیہ تین ہیں: اَلَا اور اَمَا اور ھا وضع کیے گئے ہیں مخاطب کوتنبیہ کرنے کیلئے تا کہ اس سے کلام سے کوئی شئی نہ چھوٹے، پس اَلَا اور اَمَا دونوں جملہ پر ہی داخل ہوتے ہیں، جملہ خواہ اسمیہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول الا انھم ھم المفسدون یعنی خبردار بے شک وہی فساد پیدا کرنے والے ہیں اور شاعر کا قول شعر: اما والذی ابکی الخ یعنی خبردار قسم کھاتا ہوں میں اس ذات کی جس نے رُلایا اور ہنسایا اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مارا اور زندہ کیا اور قسم ہے اس ذات کی کہ اس کا امرامر ہے یا فعلیہ ہو جیسے اما لا تفعل یعنی خبردار آپ نہ کریں والا لا تضرب یعنی خبردار آپ نہ ماریں اور تیسرا حرف ھا ہے جو الا واما کی طرح جملہ پر داخل ہوتا ہے، اسمیہ جیسے ھا زیدٌ قائمٌ یعنی خبردار زید کھڑا ہونے والا ہے اور فعلیہ جیسے ھا افعل کذا یعنی خبردار آپ کریں اس طرح۔ اور مفرد جیسے ھذا۔ وھؤلاء یعنی خبردار یہ اور خبردار وہ لوگ۔

تشریح: حُرُوْفُ التَّنْبِیْہِ تنبیہ لغت میں بمعنی بیدار کرنا، کسی چیز پر خبردار کرنا۔ حروفِ تنبیہ تین ہیں: (۱) اَلَا بفتح ہمزہ وتخفیف لام (۲) اما بفتح ہمزہ وتخفیف لام (۳) ھاء ان کی وضع، اس غرض سے ہے کہ ان کے ذریعہ مخاطب کوتنبیہ کی جائے۔ یہ حروف جملہ کے شروع میں داخل ہوتے ہیں تا کہ مخاطب اس کلام کے کسی جزء سے غفلت نہ کرے جس کو متکلم اس کی طرف القاء کررہا ہے، اسی وجہ سے ان کو حروفِ تنبیہ کہا جاتا ہے اور وہ چونکہ شروع میں غرض مذکور پر دلالت کرنے کی وجہ سے داخل ہوتے ہیں، اس لئے ان کو حروفِ استفتاح بھی کہا جاتا ہے۔

فَاَلَا وَاَمَا اول دونوں یعنی اَلَا وَاَمَا وہ دونوں صرف جملہ پر داخل ہوتے ہیں خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ اسمیہ پر اَلَا کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: الا انھم ھم المفسدون یعنی خبردار بے شک وہ لوگ فساد کرنے والے ہیں اور اسمیہ پر اما کی مثال ابوصخر ہذلی شاعر کا یہ شعر ہے: اما والذی ابکی واضحك والذی اَمات واحیی والذی امرہٗ الامر یعنی خبردار اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس نے رُلایا اور ہنسایا اور اس ذات کی قسم جس نے مارا اور زندہ کیا اور اس ذات کی قسم کہ اس کا امرامر ہے۔ اس میں اَمَا حرفِ تنبیہ ہے اور واؤ قسم کیلئے ہے اور باقی کلام اس موصول کا صلہ ہے اور استشہاد یہاں پر اَمَا ہے جو تنبیہ کے واسطے جملہ اسمیہ پر داخل ہوا ہے۔ جملہ فعلیہ پر اما کی مثال اما لا تفعل یعنی خبردار آپ نہ کریں اور الا کی مثال الا لا تضرب یعنی خبردار آپ نہ ماریں۔

وَالثَّالِثُ ھَا تیسرا حرف تنبیہ ھا ہے جو الا واما کی طرح جملہ پر داخل ہوتا ہے خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ بلکہ وہ مفرد پر بھی داخل ہوتا ہے۔ اسمیہ جیسے ھا زیدٌ قائمٌ یعنی خبردار زید کھڑا ہونے والا ہے اور فعلیہ جیسے ھا افعل کذا یعنی خبردار آپ کریں اس طرح۔ مفرد پر جو کہ وہ اسم اشارہ ہے جیسے ھذا وھؤلاء اسی طرح ھذان وھاتانِ۔ خلاصہ یہ کہ تینوں حروف تنبیہ جملہ پر داخل ہوتے ہیں اور ھا صرف مفرد یعنی اسم اشارہ پر داخل ہوتا ہے۔

فصل: حُرُوْفُ النِّدَاءِ خَمْسَۃٌ یَا وَاَیَا وَھَیَا وَاَیْ وَالْھَمْزَۃُ الْمَفْتُوْحَۃُ فَاَیْ وَالْھَمْزَۃُ لِلْقَرِیْبِ وَاَیَا وَھَیَا

لِلْبَعِيْدِ وَيَا لَهُمَا وَلِلْمُتَوَسِّطِ وَقَدْ مَرَّ اَحْكَامُ الْمُنَادٰی

ترجمہ: یہ فصل ہے، حروف نداء پانچ ہیں: **یا** اور **آیا** اور **ھیا** اور **ای** اور ہمزہ مفتوحہ، پس **آئی** اور ہمزہ مفتوحہ قریب کے لئے ہیں اور **آیا و ھیا** بعید کیلئے اور **یا** ان دونوں اور متوسط کیلئے ہے اور تحقیق کہ احکام منادیٰ کے گزرے۔

تشریح: **حُرُوْفُ النِّدَاءِ** نداء کسرہ مد کے ساتھ بمعنی آواز دینا ہے۔ ان حروف سے بھی چونکہ چیزوں کو آواز دی جاتی ہے، اس لئے ان کو حروف نداء کہا جاتا ہے۔ وہ کل پانچ ہیں: (۱) **یا** (۲) **آیا** (۳) **ھیا** (۴) **ای** (۵) **ہمزہ مفتوحہ**۔ ان میں سے **ای** جو بفتح ہمزہ وسکون یاء ہے اور ہمزہ مفتوحہ دونوں نداء قریب کیلئے مستعمل ہوتے ہیں اور **ایا** اور **ھیا** دونوں نداء بعید کیلئے مستعمل ہوتے ہیں اور **یا** قریب وبعید ومتوسط تینوں کو عام ہے، یعنی ہر ایک کیلئے مستعمل ہوتا ہے۔ لہٰذا **الھما** میں ضمیر تثنیہ کا مرجع قریب وبعید ہے اور متوسط کیلئے ضمیر اس لئے بیان نہیں کی گئی کہ وہ ماقبل میں مذکور نہیں اور للمتوسط میں الف لام مضاف کے عوض ہے، اسی طرح **للقریب** اور **للبعید** میں بھی یعنی **لنداء متوسط ولنداء قریب ولنداء بعید** اور نداء کیلئے چونکہ منادیٰ کا ہونا ضروری ہے۔ اور منادیٰ کے احکام ماقبل میں تفصیل کے ساتھ گزرے، اس لئے یہاں اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

فصل: حُرُوْفُ الْاِيْجَابِ سِتَّةٌ نَعَمْ وَبَلٰی وَاَجَلْ وَجَيْرِ وَاِنَّ وَاِیْ اَمَّا نَعَمْ فَلِتَقْرِيْرِ كَلَامٍ سَابِقٍ مُثْبَتًا كَانَ اَوْ مَنْفِيًّا نَحْوُ اَجَاءَ زَيْدٌ قُلْتَ نَعَمْ وَاَمَا جَاءَ زَيْدٌ قُلْتَ نَعَمْ وَبَلٰی تُخْتَصُّ بِاِيْجَابِ مَا نُفِيَ اِسْتِفْهَامًا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی اَوْ خَبَرًا كَمَا يُقَالُ لَمْ يَقُمْ زَيْدٌ قُلْتَ بَلٰی اَیْ قَدْ قَامَ وَاِیْ لِلْاِثْبَاتِ بَعْدَ الْاِسْتِفْهَامِ وَيَلْزَمُهَا الْقَسَمُ كَمَا اِذَا قِيْلَ هَلْ كَانَ كَذَا قُلْتَ اِیْ وَاللّٰهِ وَاَجَلْ وَجَيْرِ وَاِنَّ لِتَصْدِيْقِ الْخَبَرِ كَمَا اِذَا قِيْلَ جَاءَ زَيْدٌ قُلْتَ اَجَلْ اَوْ جَيْرِ اَوْ اِنَّ اَیْ اُصَدِّقُكَ فِیْ هٰذَا الْخَبَرِ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے حروف ایجاب چھ ہیں: **نعم** اور **بلی** اور **اجل** اور **جیر** اور **انّ** اور **ای** اور لیکن **نعم** بوجہ ثابت کرنے کے کلام سابق کو مثبت ہو یا منفی جیسے **اجاء زیدٌ** یعنی کیا زید آیا، آپ نے کہا: نعم! یعنی ہاں اور **اما جاء زیدٌ** یعنی زید نہیں آیا، آپ نے کہا: نعم یعنی ہاں اور بلیٰ خاص کیا جاتا ہے اس چیز کے اثبات کے ساتھ کہ وہ باعتبار استفہام کے نفی کیا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **الست بربکم قالوا بلی** یعنی کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، یا باعتبار خبر کے، جیسے کہا جاتا ہے: **لم یقم زیدٌ** یعنی زید کھڑا نہیں ہوا، آپ کہیں گے: **بلی** یعنی کیوں نہیں، یعنی تحقیق کہ کھڑا ہوا اور **ای** اثبات کے لئے ہے استفہام کے بعد اور اس کو قسم لازم ہوتی ہے۔ جیسا کہ جبکہ کہا جائے: **ھل کان کذا** یعنی کیا وہ ایسا ہے، آپ کہیں گے: **ای واللہ** یعنی ہاں! اللہ تعالیٰ کی قسم! اور **اجل و جیر و انّ** خبر کی تصدیق کیلئے ہے جیسا کہ جب کہا جائے: **جاء زیدٌ** یعنی زید آیا تو آپ کہیں گے: **اجل یا جیر یا انّ** یعنی میں اس خبر میں تیری تصدیق کرتا ہوں۔

تشریح: **حُرُوْفُ الْاِيْجَابِ** ایجاب مصدر ہے باب افعال کا، جو بمعنی جواب دینا اور ثابت کرنا ہے اور ان حروف سے چونکہ کسی کو جواب دینا یا اس کا اثبات یا تحقیق کرنا ہوتا ہے، اس لئے ان کو حروف ایجاب کہا جاتا ہے، وہ کل چھ ہیں: (۱) **نعم**

(۲) بلیٰ (۳) ای (۴) اجل (۵) جیر (۶) انّ۔ تفصیل ہر ایک کی آگے مذکور ہے۔

اَمَّا نَعَمْ یعنی **نعم** میں چار لغتیں ہیں: (۱) بفتح نون وعین وہ مشہور ہے (۲) بفتح نون وکسر عین (۳) بکسر نون وعین (۴) نحم کے عین کو ح سے بدل کر **نحم**۔ بہر تقدیر نعم کلام سابق یعنی مضمون سابق کی تقریر کیلئے آتا ہے کہ مضمون سابق اگر مثبت ہے تو ثبت کی تقریر کیلئے آئے گا، چنانچہ اگر کوئی شخص کہے: **أقام زيدٌ** تو اس کے جواب میں نعم کہا جائے گا، مطلب یہ کہ **نعم قام زيدٌ** اور مضمونِ سابق اگر منفی ہے تو نفی کی تقریر کیلئے آئے گا، چنانچہ اگر کوئی شخص کہے: **ما جاء زيدٌ** تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: نعم یعنی **نعم ما جاء زيدٌ**۔

بَلٰی مُخْتَصٌّ یعنی **بلیٰ** ایجاب نفی کے ساتھ خاص ہے یعنی وہ صرف نفی کو ثابت کرتا ہے اور وہ نفی عام ہے کہ باعتبار استفہام ہو یعنی متصل باداۃ اتصال ہو یا باعتبار خبر ہو، اول جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **الستُ بربكم** یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس کے جواب میں کہا گیا: **بلیٰ** یعنی **بلیٰ انت ربنا** اور دوم جیسے کہا جاتا ہے: **لم يقم زيدٌ** یعنی نہیں کھڑا ہوا زید، اس کے جواب میں کہا گیا: **بلیٰ** یعنی **بلیٰ قد قام زيدٌ**۔

وَاِیْ لِلْاِثْبَاتِ: اِیْ بکسر ہمزہ وسکون یاء استفہام کے بعد ایجاب واثبات کیلئے آتا ہے۔ بعض نحویوں نے کہا کہ وہ تصدیق خبر کیلئے بھی آتا ہے اور ابن مالک اس امر کی طرف گئے ہیں کہ **اِیْ** بمعنی **نعم** ہے جبکہ وہ مصنف اور علامہ ابن حاجب کے بھی مخالف ہے اور **اِیْ** قسم کو لازم ہے یعنی اس کا استعمال جب بھی ہوگا قسم کے ساتھ ہوگا مگر فعل قسم اس کے بعد صراحۃً نہیں بلکہ ضمناً مذکور ہوگا، چنانچہ جب کہا جائے: **هل كان كذلك** تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: **اِیْ واللّٰه** یعنی ہاں اللہ کی قسم! نہ کہ **أقسمتُ واللّٰه**۔

اَجَلْ وَجَیْرِ وَاِنَّ بقیہ تینوں حروفِ ایجاب یعنی **اجل بفتحتين و سكون لام** اور **جير بكسر راء** اور **انّ بكسر همزه وتشديد نون** کے ساتھ خبر کی تصدیق کیلئے آتا ہے۔ خبر خواہ مثبت ہو یا منفی، چنانچہ جب کہا جائے: **جاء زيدٌ** تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: **اجل او جير او انّ اَیْ اصدقك فى هذا الخبر** یعنی میں اس خبر میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔

فصل: حُرُوْفُ الزِّيَادَةِ سَبْعَةٌ اِنْ وَاَنْ وَمَا وَلَا وَمِنْ وَالْبَاءُ وَاللَّامُ فَاِنْ تُزَادُ مَعَ مَا النَّافِيَةِ نَحْوُ مَا اِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ وَمَعَ مَا الْمَصْدَرِيَّةِ نَحْوُ اِنْتَظِرْ مَا اِنْ يَّجْلِسُ الْاَمِيْرُ وَمَعَ لَمَّا نَحْوُ لَمَّا اِنْ جَلَسْتَ جَلَسْتُ وَاَنْ تُزَادُ مَعَ لَمَّا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ وَبَيْنَ لَوْ وَالْقَسَمِ الْمُتَقَدِّمِ عَلَيْهَا نَحْوُ وَاللّٰهِ اَنْ لَوْ قُمْتَ قُمْتُ

ترجمہ: حروفِ زیادت سات ہیں: **اِنْ** اور **اَنْ** اور **ما** اور **لا** اور **من** اور **باء** اور **لام**۔ پس **اِنْ ما** نافیہ کے ساتھ زیادہ کیا جاتا ہے جیسے **ما ان زيدٌ قائمٌ** یعنی زید کھڑا ہونے والا نہیں اور ما مصدریہ کے ساتھ جیسے **انتظر ما ان يجلس الامير** یعنی آپ انتظار کریں امیر کے بیٹھنے کا اور **لما** کے ساتھ جیسے **لما ان جلست جلستُ** یعنی جب آپ بیٹھیں گے تو میں بیٹھوں گا اور **اَنْ لما** کے ساتھ زیادہ کیا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: **فلما اَنْ جاء البشير** یعنی جب خوشخبری دینے والا آیا اور **لو** اور ایسی قسم کے درمیان جو کہ اس پر مقدم ہے جیسے **واللّٰه اَن لو قمت قمتُ** یعنی خدا کی قسم! اگر آپ کھڑا ہوتے تو میں کھڑا ہوتا۔

تشریح: **حُرُوْفُ الزِّیَادَۃِ** حروفِ زیادت کل سات ہیں: (۱) **اِنْ** (۲) **اَنْ** (۳) **ما** (۴) **لا** (۵) **من** (۶) **باء** (۷) **لام**۔ زیادت سے یہاں مراد وہ ہے کہ اصل معنی ان کے ذکر کے بغیر مختل نہ ہو۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ ان کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ کلام عرب میں ان کیلئے فائدہ لفظی ومعنوی دونوں ہوتے ہیں، فائدہ معنوی، معنی کی تاکید ہے اور فائدہ لفظی لفظ کی فصاحت وتزئین ووزنِ شعر اور حسن سمع وغیرہ مراد ہیں۔

فَاِنْ تُزَادُ فاء برائے تفسیر ہے اور اِنْ بکسر ہمزہ وسکون نون ہے، خلاصہ یہ کہ اِنْ بکسر ہمزہ وسکون نون اکثر ما نافیہ کے ساتھ زائد ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: **ما ان زید قائمٌ** اور جیسے سیّدنا حسان رضی اللہ عنہ کے شعر: **ما ان مدحتُ محمدًا بمقالتی۔ لکن مدحتُ مقالتی بمحمدٍ** میں، **ما** کے بعد اِنْ زائد ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **انتظر ما ان یجلس الامیر** اسی طرح **ان ما** اسمیہ کے ساتھ بھی زائد ہوتا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ولقد مکناھم فیما ان مکنا کم فیه** اور وہ **لما** کے ساتھ بھی زائد ہوتا ہے، جیسے **لما ان جلستَ جلستُ** میں اِنْ لما کے ساتھ زائد ہے اور وہ **آلا** جو تنبیہ کے لئے آتا ہے، اس کے ساتھ بھی زائد ہوتا ہے جیسے **الا ان قام زیدٌ**۔

وَاَنْ تُزَادُ یعنی اَنْ بفتح ہمزہ وسکون نون اکثر **لما** کے ساتھ زائد ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **فلما اَنْ جاء البشیرُ** اور اَنْ بفتح ہمزہ **لو** اور اس قسم کے درمیان بھی زائد ہوتا ہے جو **لو** سے پہلے ہوتی ہے جیسے **واللہ ان لو قمتَ قمتُ** اور اَنْ کبھی کاف تشبیہ کے ساتھ بھی زائد ہوتا ہے جیسے **کانْ ظبیةٌ**۔

وَمَا تُزَادُ مَعَ اِذَا وَمَتٰی وَاَیِّ وَاَنّٰی وَاَیْنَ وَاِنْ شَرْطِیَّاتٌ کَمَا تَقُوْلُ اِذَا مَا صُمْتَ صُمْتُ وَکَذَا الْبَوَاقِیْ وَبَعْدَ بَعْضِ حُرُوْفِ الْجَرِّ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَعَمَّا قَلِیْلٍ لَیُصْبِحُنَّ نَادِمِیْنَ وَمِمَّا خَطِیْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا وَزَیْدٌ صَدِیْقِیْ کَمَا اَنَّ عَمْرًوا اَخِیْ

ترجمہ: اور **ما** زیادہ کیا جاتا ہے **اذا** اور **متی** اور **ایّ** اور **انّی** اور **این** اور اِن کے ساتھ دراں حالیکہ وہ شرطیہ ہوں جیسا کہ آپ کہیں گے: **اذا ما صمتَ صمتُ** یعنی جب آپ روزہ رکھیں گے تو میں روزہ رکھوں گا اور اسی طرح باقی اور **ما** کو بعض حروف جر کے ساتھ زیادہ کیا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **فبما رحمةٍ من اللہ** یعنی پس ایسی رحمت کے سبب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی ہے اور **عما قلیلٍ لیصبحن نادمین** یعنی تھوڑی مدت کے بعد، البتہ ضرور نادم ہوں گے اور **مما خطیئٰتھم اُغرقوا فادخلوا نارًا** یعنی ان کے قصوروں کی وجہ سے وہ لوگ ڈبو دیئے گئے، پس وہ لوگ آگ میں داخل کئے گئے اور **زیدٌ صدیقی** یعنی زید میرا دوست ہے جیسا کہ عمرو میرا بھائی ہے۔

تشریح: **وَمَا تُزَادُ**: **ما** زائد ہوتا ہے **اذا** کے ساتھ اور **متی** اور **آیّ** اور **انّی** اور **این** اور اِن کے ساتھ بھی جب کہ وہ شرطیہ ہوں، لہٰذا متن میں شرطیات حال واقع ہے **اذا** و **متی** وغیرہ سے معنی یہ کہ ما کا زائد ہونا کلماتِ مذکورہ کے بعد اس وقت ہوگا جب کہ وہ شرطیہ ہوں، پس اگر وہ شرطیہ نہ ہوں تو ان کے بعد ما کی زیادتی ثابت نہ ہوگی۔

وَكَذَا الْبَوَاقِيْ یعنی اذا کے علاوہ باقی دوسرے کلمات کی مثالیں بھی اسی طرح ہیں یعنی معنی ما تخرج اخرج اور ایّا ما تضرب اضرب اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنٰی اور اینما تجلس اجلس اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اما ترینّ واما تذھبنّ بك اور اما تخافنّ۔

بَعْدَ بَعْضِ حُرُوْفِ وہ معطوف ہے مع اذا پر، تقدیر عبارت یہ ہے: تزاد ما بعد بعض حروف الجر یعنی ما زائد ہوتا ہے، بعض حروفِ جر کے بعد، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ فبما رحمۃٍ من اللہ میں ما زائد ہے کہ وہ باء حرف جار کے بعد ہے، اسی طرح عما قلیلٍ لیصبحن نادمین میں ما زائد ہے کہ وہ عن کے بعد ہے اور مما خطیئاتھم اُغرقوا فادخلوا نارًا میں ما زائد ہے کہ وہ من حرف جار کے بعد واقع ہے اور زیدٌ صدیقی کما انّ عمرًوا اخی میں ما زائد ہے کہ وہ کاف حرفِ جار کے بعد واقع ہے۔

وَلَا تُزَادُ مَعَ الْوَاوِ بَعْدَ النَّفْيِ نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو وَبَعْدَ اَنِ الْمَصْدَرِيَّةِ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ وَقَبْلَ الْقَسَمِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ بِمَعْنٰى اُقْسِمُ وَاَمَّا مِنْ وَالْبَاءُ وَاللَّامُ فَقَدْ مَرَّ ذِكْرُهَا فِيْ حُرُوْفِ الْجَرِّ فَلَا نُعِيْدُهَا۔

ترجمہ: اور لا نفی کے بعد واؤ کے ساتھ زیادہ کیا جاتا ہے جیسے ما جاءنی زیدٌ ولا عمرٌو یعنی میرے پاس زید آیا اور نہ عمرو اور اَنْ مصدریہ کے بعد جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ما منعك ان لا تسجد یعنی کون سی چیز ہے کہ اس نے روکا تم کو یہ کہ تم سجدہ کرو؟ اور قسم سے پہلے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: لا اقسم بھذا البلد یعنی قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی، یہ اقسم کے معنی میں ہے اور لیکن من اور باء اور لام تحقیق کہ ان کا ذکر حروفِ جر کے بیان میں گزرا، پس ہم اُن کا اعادہ نہیں کریں گے۔

تشریح: وَلَا تُزَادُ یعنی لا نفی کے بعد واؤ عاطفہ کے ساتھ زائد ہوتا ہے، نفی خواہ لفظاً ہو یا معنیً، لفظاً جیسے ما جاءنی زیدٌ ولا عمرٌو اور معنیً جیسے اللہ تعالیٰ کا قول غیر المغضوبِ علیھم ولا الضالین میں غیر بمعنی لا نافیہ ہے اسی طرح لا زائد ہوتا ہے نہی کے بعد جیسے لا تضربْ زیدًا ولا عمرًوا اور اِنْ مصدریہ کے بعد زائد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ما منعك ان لا تسجد میں لا۔ انْ مصدریہ کے بعد زائد ہے، وہ اصل میں ان تسجد ہے اور لا بھی لفظِ قسم سے پہلے بھی زائد ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لا اقسم بھذا البلد میں اصل اقسم بھذا البلد ہے۔

وَاَمَّا مِنْ وَالْبَاءُ یعنی من اور باء اور لام کی زیادتی چونکہ حروفِ جر کے بیان میں تفصیل کے ساتھ گزری، اس لئے یہاں ان کو دوبارہ بیان نہیں کیا جاتا اور کاف بھی اگرچہ زائد ہے لیکن چونکہ اس کی زیادتی بہ نسبت مذکورہ تینوں کی زیادتی کے کم ہے، اس لئے اس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا۔

فصل: حَرْفَا التَّفْسِيْرِ اَيْ وَاَنْ فَاَيْ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ اَيْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ كَاَنَّكَ تُفَسِّرُهٗ اَهْلَ الْقَرْيَةِ وَاَنْ اِنَّمَا يُفَسَّرُ بِهَا فِعْلٌ بِمَعْنَى الْقَوْلِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ فَلَا يُقَالُ قُلْتُ لَهٗ اَنْ

اُكْتُبْ اِذْهُوَ لَفْظُ الْقَوْلِ لَا مَعْنَاهُ

ترجمہ: یہ فصل ہے تفسیر کے دو حروف اَیْ اور اَنْ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **واسئل القریۃ** یعنی دریافت کر گاؤں سے ای **اھل القریۃ** یعنی گاؤں والوں سے گویا کہ آپ اس کی تفسیر کرتے ہیں **اھل القریۃ** اور اَنْ کے ذریعہ ایسا فعل تفسیر کیا جاتا ہے جو بمعنی قول ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **ونادیناہُ اَنْ یا ابراھیم** یعنی ہم نے اس کو پکارا: اے ابراہیم! پس کہا نہیں جائے گا: **قلتُ لہٗ ان اکتبْ** اس لئے کہ وہ لفظِ قول ہے نہ کہ اس کا معنی۔

تشریح: **حَرْفَا التَّفْسِيْرِ** یعنی وہ حروف جو تفسیر مبہم کے لئے موضوع ہیں۔ وہ دو ہیں ان میں سے ایک اَیْ بفتح ہمزہ وسکون یاء ہے اور دوسرا اَنْ بفتح ہمزہ وسکون نون۔ تفسیر کا اعراب اپنے ماقبل کے اعراب کے تابع ہوتا ہے، اسی کو حدیثی نے کہا کہ تفسیر کا اعراب مفسر کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کا تابع ہے۔ مالکی نے کہا کہ اَیْ حرف تفسیر ہے لیکن وہ درست نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مابعد اپنے ماقبل کو واضح کرتا ہے حالانکہ عطف مغایرت کو مقتضی ہوتا ہے۔

فَاَیْ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی یعنی اَیْ امر مبہم کی تفسیر کرتا ہے۔ امر مبہم خواہ مفرد ہو یا جملہ۔ مفرد جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں **واسأل ای اھل القریۃ** اور جملہ جیسے قطع اللص کی تفسیر مات اللص ہے۔

وَاَنْ اِنَّمَا یعنی حرف اَنْ ہمیشہ اس فعل کے مفعول کی تفسیر کرتا ہے جو بمعنی قول ہو پھر وہ مفعول جس کی یہ تفسیر کرتا ہے اکثر مقدر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **ونادیناہُ ان یا ابراھیم** میں نداء بمعنی قول ہے اور **ان یا ابراھیم** تفسیر ہے مفعول مقدر کی یعنی بشئی یا بلفظ اور کبھی عام ملفوظ مفعول کی تفسیر کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **واوحیناہُ الی امك ما یوحٰی ان اقذفیه** اور فعل اگر قول کے معنی میں نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، آیا صریح قول ہے یا ایسا فعل ہے جو قول کے معنی میں نہیں تو لفظ اَنْ کے ذریعہ اس کے مفعول مقدر یا ملفوظ کی تفسیر نہیں کی جائے گی، چنانچہ **قلت لہٗ ان اکتب** کہنا درست نہیں کیونکہ وہ لفظ قول ہے نہ کہ اس کا معنی۔

فصل: حُرُوْفُ الْمَصْدَرِ ثَلٰثَةٌ مَا وَاَنْ وَاَنَّ فَالْاَوَّلَيَانِ لِلْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اَیْ بِرُحْبِهَا وَقَوْلِ الشَّاعِرِ۔ شعر: يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِیْ۔ وَكَانَ ذِهَابُهُنَّ لَهٗ ذِهَابًا۔ وَاَنْ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَیْ قَوْلِهِمْ وَاَنَّ لِلْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ نَحْوُ عَلِمْتُ اَنَّكَ قَائِمٌ اَیْ قِيَامَكَ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے حروف مصدر تین ہیں۔ ما اور اَنْ اور اَنَّ پس اول دونوں جملہ فعلیہ کیلئے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **وضاقتْ علیھم الارضُ بما رحبتْ ای برحبھا** یعنی ان پر زمین تنگ ہوگئی باوجودیکہ اس کے وسیع ہونے کے، یعنی رحبھا اور شاعر کا قول **یسر المرء الخ** یعنی مرد کو راتوں کا جانا خوش کرتا ہے حالانکہ ان کا جانا ہے اس کیلئے جانا اور اَنْ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **فما کان جواب قومہٖ الا ان قالوا ای قولھم** یعنی پس اس کی قوم کا جواب نہیں تھا مگر یہ کہ کہا انہوں نے یعنی اُن

کا قول۔ اور اَنَّ جملہ اسمیہ کیلئے ہے جیسے علمتُ انك قائمٌ ای قیامك یعنی جانا میں نے بے شک آپ کھڑا ہونے والے ہیں یعنی آپ کے کھڑے ہونے کو۔

تشریح: حُرُوْفُ الْمَصْدَرِ یہ حروف چونکہ جملہ کو مصدر کے معنی مین کر دیتے ہیں اس لئے ان کو حروف مصدر یہ کہا جاتا ہے اور وہ تین ہیں: ما اور اَنْ اور اَنَّ۔ بعض نحویوں نے کیْ اور لو کو بھی حروف مصدر یہ میں شمار کیا ہے۔

فَالْاَوَّلَیَانِ حروف مصدر یہ جو تین ہیں، ان میں سے اول دونوں ما اور اَنْ دونوں صرف جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول وضاقت علیهم الارض بما رحبت میں ما جملہ فعلیہ پر داخل ہے جو مصدر کے معنی میں کر دیا ہے یعنی برحبھا اور اسی طرح شاعر کا قول ہے یسر المرء ما ذهب اللیالی وکان ذهابهن له ذهابًا میں ذهب اللیالی جملہ فعلیہ ہے اس کو مانے بمعنی مصدر کر دیا ہے۔

وَاَنْ نَحْوُ قَوْلِهٖ یعنی اَنْ جو جملہ فعلیہ پر داخل ہو کر مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: فما کان جواب قومه الا ان قالوا اس میں قالوا جملہ فعلیہ ہے جس پر اَنْ داخل ہو کر بمعنی قولهم کر دیا ہے۔

وَاَنَّ لِلْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ یعنی اَنَّ بفتح الہمزۃ وتشدید النون بھی مصدر یہ ہے لیکن وہ صرف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے، بایں طور کہ خبر کا مصدر نکال کر اس کے اسم کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے، چنانچہ علمتُ انك قائمٌ میں قائمٌ جو خبر ہے اس کے مصدر قیام کو انَّ کے اسم کاف کی طرف اضافت کر کے یہ کہا جائے گا: قیامك یعنی علمتُ قیامك۔

فصل: حُرُوْفُ التَّحْضِيْضِ اَرْبَعَةٌ هَلَّا وَاَلَّا وَلَوْلَا وَلَوْمَا لَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ وَمَعْنَاهَا حَضٌّ عَلَى الْفِعْلِ اِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمُضَارِعِ نَحْوُ هَلَّا تَأْكُلُ وَلَوْمٌ اِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمَاضِيْ نَحْوُ هَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا وَحِيْنَئِذٍ لَا يَكُوْنُ تَحْضِيْضًا اِلَّا بِاعْتِبَارِ مَا فَاتَ وَلَا تَدْخُلُ اِلَّا عَلَى الْفِعْلِ كَمَا مَرَّ

ترجمہ: یہ فصل ہے، حروف تحضیض چار ہیں: هلّا اور الّا اور لولا اور لوما۔ ان کیلئے صدر کلام ہوتا ہے اور ان کا معنی فعل پر اُبھارنا ہے اگر فعل مضارع پر داخل ہو جیسے هلا تاکل یعنی آپ کیوں نہیں کھاتے اور ملامت کرنا ہے، اگر وہ ماضی پر داخل ہوں جیسے هلا ضربت زیدًا یعنی آپ نے زید کو کیوں مارا؟ اور اس وقت تحضیض نہ ہوگی مگر اس چیز کے اعتبار سے جو فوت ہوگئی اور وہ صرف فعل پر داخل ہوتے ہیں، جیسا کہ گزرا۔

تشریح: حُرُوْفُ التَّحْضِيْضِ: تحضیض لغت میں بمعنی اُبھارنا اور آمادہ کرنا ہے اور یہ حروف چونکہ فعل کے کرنے پر اُبھار و آمادہ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو حروف تحضیض کہا جاتا ہے اور وہ حروف چار ہیں: هلّا اور الّا اور لولا اور لوما۔ یہ تمام صدارت کلام کے مقتضی ہوتے ہیں یعنی کلام کے شروع میں داخل ہوتے ہیں اور وہ کبھی فعل مضارع پر داخل ہوتے ہیں اور کبھی فعل ماضی پر اور اگر فعل مضارع پر داخل ہوں تو ان کا معنی فعل پر برانگیختہ کرنا ہوگا، مطلب یہ کہ یہ حروف مخاطب سے

متکلم کی طلب پر دلالت کریں گے، اس تقدیر پر مضارع امر کے حکم میں ہوگا، چنانچہ **ھلا تاکل** کا معنی ہوگا: **کُلْ** یعنی آپ کھالیں اور اگر وہ حروف فعل ماضی پر داخل ہوں تو **لوم** یعنی گزرے ہوئے فعل پر ندامت کا فائدہ دیتے ہیں جیسے **ھلا ضربت زیدًا** یعنی آپ نے زید کو کیوں مارا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان حروف کو حروف تحضیض کے علاوہ حروف تندیم بھی کہنا چاہیے، یعنی حروف تحضیض وتندیم مگر تندیم کا انجام بھی چونکہ حض و برانگیختہ کرنا ہوتا ہے، اس وجہ سے ان کو مطلقاً حروف تحضیض کہہ دیا جاتا ہے۔

وَلَوْمٌ: لوم کا عطف حض علی الفعل پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **معناہ لوم** یعنی مذکورہ چاروں حروف اگر فعل ماضی پر داخل ہوں تو ان کا معنی لوم وتعییر یعنی ترک فعل پر توبیخ وتندیم ہوگا۔ **حینئذٍ** میں عبارت یہ ہے: **حین اذا دخلت علی الماضی** یعنی جب وہ حروف فعل ماضی پر داخل ہوں تو اس صورت میں تحضیض کا معنی حاصل نہ ہوگا مگر مافات کے اعتبار سے اور ان حروف سے چونکہ حض و برانگیختگی ہوتی ہے اور وہ صرف فعل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، اس لئے وہ صرف فعل پر داخل ہوتے ہیں، جیسا کہ مثالیں گزریں۔

وَاِنْ وَقَعَ بَعْدَهَا اِسْمٌ فَبِاِضْمَارِ فِعْلٍ كَمَا تَقُوْلُ لِمَنْ ضَرَبَ قَوْمًا هَلَّا زَيْدًا اَيْ هَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا وَجَمِيْعُهَا مُرَكَّبَةٌ جُزْءُهَا الثَّانِيْ حَرْفُ النَّفْيِ وَالْاَوَّلُ حَرْفُ الشَّرْطِ اَوِ الْاِسْتِفْهَامِ اَوْ حَرْفُ الْمَصْدَرِ وَلِلَوْلَا مَعْنًى اٰخَرَ اِمْتِنَاعُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ لِوُجُوْدِ الْجُمْلَةِ الْاُوْلٰى نَحْوُ لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ وَحِيْنَئِذٍ يَحْتَاجُ اِلَى الْجُمْلَتَيْنِ اُوْلٰهُمَا اِسْمِيَّةٌ اَبَدًا۔

ترجمہ: اور اگر ان کے بعد اسم واقع ہو تو فعل کو مقدر ماننے کے ساتھ، جیسا کہ آپ کہیں گے: **لمن ضرب قومًا ھلا زیدًا** یعنی اس نے مارا قوم کو۔ کیوں آپ نے زید کو مارا۔ اور وہ سب مرکب ہیں ان کا دوسرا جزء حرف نفی ہے اور پہلا جزء حرف شرط یا حرف استفہام یا حرف مصدر ہے اور **لولا** کے لئے ایک دوسرا معنی ہے، وہ دوسرے جملہ کا ممتنع ہونا پہلے جملہ کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے **لولا علی لھلک عمر** یعنی علی اگر نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتے۔ اور اس وقت دو جملوں کی طرف محتاج ہوگا جن میں سے پہلا جملہ ہمیشہ اسمیہ ہوگا۔

تشریح: **وَاِنْ وَقَعَ** حروف تحضیض کا دخول چونکہ صرف فعل پر ہوتا ہے، اس لئے اگر ان کے بعد اسم واقع ہو تو اس اسم سے پہلے فعل مقدر مانا جائے گا چنانچہ **لمن ضرب قومًا ھلا زیدًا** میں **ھلا** کے بعد زید اسم واقع ہے، اس لئے اس سے پہلے **ضربت** فعل مقدر مانا گیا ہے، یعنی **ھلا ضربت زیدًا**۔

جَمِیْعُھَا تحضیض کے کل حروف مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں دو جزء سے۔ جزء ثانی حرف نفی ہے اور جز اول حرف شرط ہے یا حرف استفہام یا حرف مصدر، چنانچہ **لولا ولوما** کہ اس کا جزء ثانی لائے نفی و مائے نفی ہے اور جزء اول **لو** حرف شرط ہے اور **ھلا** میں بھی جزء ثانی لائے نفی ہے اور جزء اول **ھل** حرف استفہام ہے اور **الّا** میں بھی جزء ثانی لائے نفی ہے اور جزء اول **اَنْ**

حرفِ مصدر ہے جو بقاعدۂ یرملون آلّا ہو گیا ہے۔

وَلِلَوْلَا مَعْنًی یعنی **لولا** کا تحضیض کے علاوہ ایک دوسرا معنی بھی ہے اور وہ جملۂ اول کے وجود کی وجہ سے جملہ ثانیہ کا ممتنع ہونا ہے، اس صورت میں وہ دو جملوں کا محتاج ہوگا جن میں سے پہلا جملہ ہمیشہ اسمیہ ہوگا اور دوسرا جملہ عام ہوگا کہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، چنانچہ کہا جاتا ہے: **لو لا علیٌ لھلک عمرٌ** اصل میں **لو لا علیٌ موجودٌ لھلک عمرٌ** ہے، اس میں پہلا جملہ **علیٌ موجودٌ** اسمیہ ہے اور دوسرا جملہ **ھلک عمرٌ** فعلیہ ہے۔

فصل: حَرْفُ التَّوَقُّعِ قَدْ وَهِيَ فِي الْمَاضِيْ لِتَقْرِيْبِ الْمَاضِيْ إِلَى الْحَالِ نَحْوُ قَدْ رَكِبَ الْأَمِيْرُ أَيْ قُبَيْلَ هٰذَا وَلِأَجْلِ ذٰلِكَ سُمِّيَتْ حَرْفُ التَّقْرِيْبِ أَيْضًا وَلِهٰذَا تَلْزَمُ الْمَاضِيَ لِيَصْلُحَ أَنْ يَّقَعَ حَالًا وَقَدْ تَجِيْئُ لِلتَّاكِيْدِ إِذَا كَانَ جَوَابًا لِمَنْ يَسْأَلُ هَلْ قَامَ زَيْدٌ تَقُوْلُ قَدْ قَامَ زَيْدٌ وَفِي الْمُضَارِعِ لِلتَّقْلِيْلِ نَحْوُ إِنَّ الْكَذُوْبَ قَدْ يَصْدُقُ أَوْ إِنَّ الْجَوَادَ قَدْ يَبْخَلُ وَقَدْ تَجِيْئُ لِلتَّحْقِيْقِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ

ترجمہ: یہ فصل ہے حرفِ توقع **قد** ہے اور وہ فعل ماضی میں ماضی کو حال کے قریب کر دینے کے لئے ہوتا ہے جیسے **قد رکب الامیرُ** یعنی امیر ابھی سوار ہوا۔ یعنی اس کے کچھ پہلے اور اسی وجہ سے اس کا نام حرفِ تقریب بھی رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے وہ ماضی کو لازم ہوتا ہے تاکہ صلاحیت رکھے کہ وہ حال واقع ہو اور کبھی تاکید کے لئے آتا ہے جب کہ وہ جواب ہو اس شخص کا جو سوال کرتا ہے **ھل قام زیدٌ** یعنی کیا زید کھڑا ہوا؟ آپ کہیں گے: **قد قام زیدٌ** یعنی تحقیق کہ زید کھڑا ہوا اور مضارع میں تقلیل کیلئے ہے جیسے **ان الکذوبَ قد یصدقُ** یعنی بے شک جھوٹا کبھی سچ بولتا ہے اور **ان الجوادَ قد یبخلُ** یعنی سخی کبھی بخل کرتا ہے اور مضارع میں کبھی تحقیق کے لئے آتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **قد یعلم اللّٰہ المعوقین** یعنی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے رکاوٹ ڈالنے والوں کو۔

تشریح: **حَرْفُ التَّوَقُّعِ**: توقع لغت میں بمعنی اُمید ہے اور اس حرف سے چونکہ متوقع اخبار کی اطلاع دی جاتی ہے اس لئے اس کو حرفِ توقع کہا جاتا ہے اور اس کا دوسرا نام حرفِ تقریب بھی ہے کیونکہ وہ اگر فعل ماضی پر داخل ہو تو اس کو حال کے قریب کر دیتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **قد رکب الامیر ای قبیل ھذا** یعنی امیر ابھی کچھ دیر پہلے سوار ہوا۔ اسی تقریب کی وجہ نے **قد** کا دخول ماضی پر لازم وضروری ہے تاکہ ماضی حال ہونے کی صلاحیت رکھ سکے۔

قَدْ تَجِيْئُ لِلتَّاكِيْدِ یعنی **قد** کبھی محض تاکید کیلئے آتا ہے اور تقریب کے معنی سے خالی ہوتا ہے جبکہ ماضی جو **قد** کا مدخول ہے کسی سوال کے جواب میں واقع ہو، چنانچہ جب کوئی سوال کرے: **ھل قام زیدٌ** تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: **قد قام زیدٌ** یعنی تحقیق کہ زید کھڑا ہوا۔

وَفِي الْمُضَارِعِ لِلتَّقْلِيْلِ وہ معطوف ہے **فی الماضی** پر، خلاصہ یہ کہ **قد** مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کا فائدہ دیتا ہے، یعنی فعل کے کبھی کبھی ہونے کو واضح کرتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **ان الکذوبَ قد یصدقُ وان الجوادَ قد یبخلُ** یعنی بے

شک جھوٹا کبھی سچ بولتا ہے اور بے شک سخی کبھی بخل کرتا ہے اور مقام مدح میں کبھی تکثیر کے لئے آتا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا اور قد اگر مضارع پر داخل ہو تو وہ کبھی تحقیق کیلئے آتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: قد یعلم اللہ المعوقین اور قد کے مضارع پر دخول کیلئے یہ ضروری ہے کہ مضارع ناصب و جازم اور سین و سوف وغیرہ سے خالی ہو کیونکہ وہ اگر ان سے خالی نہ ہو تو اس پر قد داخل نہ ہوگا۔

وَيَجُوْزُ الْفَصْلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْفِعْلِ بِالْقَسَمِ نَحْوُ قَدْ وَاللهِ اَحْسَنْتَ وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ بَعْدَ قَدْ عِنْدَ الْقَرِيْنَةِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ۔ شعر: اَفِدَ التَّرَحُّلُ غَيْرَ اَنَّ رِكَابَنَا۔ لَمَّا تَزُلْ بِرِحَالِنَا وَكَاَنْ قَدِنْ۔ اَىْ وَكَاَنْ قَدْ زَالَتْ۔

ترجمہ: اور قد اور فعل کے درمیان قسم کے ذریعہ فصل وجدا کرنا جائز ہے جیسے قد واللہ احسنت اور فعل کبھی قد کے بعد بوقت قرینہ حذف کیا جاتا ہے، جیسے شاعر کا قول افد الترحل غیر انّ رکابنا الخ یعنی قریب ہوا ہمارا کوچ کرنا مگر تحقیق کہ ہماری سواری کجاوے کے پاس سے اب تک نہیں ہٹی اور گویا شان یہ ہے کہ نہیں ہے وہ یعنی وکان قد زالت ۔

تشریح: یجوز الفصل یعنی قد اور اس کے فعل کے درمیان بذریعہ قسم فصل وجدا کرنا جائز ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: قد واللہ احسنت اسی طرح قد لعمری بت ساھرًا اور قد کے بعد فعل کو کبھی بوقت قرینہ حذف کیا جاتا ہے، شاعر کے قول: افد الترحل غیر انّ رکابنا۔ لما تزل برحالنا وکان قدن میں کان قدنْ اصل میں قد زالت تھا۔ زالت کو ماقبل کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور قد پر تنوین ترنم ہے۔ یہ شعر نابغہ ذبیانی کا ہے جس کا نام زیاد بن معاویہ ہے۔ افد فعل ماضی بروزن سمع بمعنی نزدیک ہوا۔ الترحل بمعنی کوچ کرنا وہ فاعل ہے افد کا اور رکاب بالکسر بمعنی وہ اُونٹ جن پر سفر کیا جائے۔ اور جملہ لما تزل برحالنا خبر ہے انّ کی۔ رحال جمع رحل بمعنی پالان اور کان مخفف ہے، کانّ کا اس کا اسم ضمیر واحد مؤنث محذوف ہے جو رکاب کی طرف راجع ہے اور قد زالت خبر ہے۔ ترجمہ یہ ہے: کوچ قریب ہو گیا مگر تحقیق ہماری سواری کے اُونٹ ہمیشہ کجاووں کے ساتھ رہے، یعنی انہوں نے کوچ نہیں کیا، گویا شان یہ ہے کہ وہ سواریاں عنقریب زائل ہو جائیں گی یعنی وہ کوچ کریں گے کیونکہ ہمارا ارادہ کوچ کرنے کا پختہ ہے۔

فصل: حَرْفَا الْاِسْتِفْهَامِ اَلْهَمْزَةُ وَهَلْ لَهُمَا صَدْرُ الْكَلَامِ وَتَدْخُلَانِ عَلَى الْجُمْلَةِ اِسْمِيَّةً كَانَتْ نَحْوُ اَزَيْدٌ قَائِمٌ اَوْ فِعْلِيَّةً نَحْوُ هَلْ قَامَ زَيْدٌ وَدُخُوْلُهُمَا عَلَى الْفِعْلِيَّةِ اَكْثَرُ اِذِ الْاِسْتِفْهَامُ بِالْفِعْلِ اَوْلٰى وَقَدْ تَدْخُلُ الْهَمْزَةُ فِيْ مَوَاضِعَ لَا يَجُوْزُ دُخُوْلُ هَلْ فِيْهَا نَحْوُ اَزَيْدًا ضَرَبْتَ وَاَتَضْرِبُ زَيْدًا وَهُوَ اَخُوْكَ وَاَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌو وَاَوَمَنْ كَانَ وَاَفَمَنْ كَانَ وَاَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ وَلَا تُسْتَعْمَلُ هَلْ فِيْ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ وَهٰهُنَا بَحْثٌ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے استفہام کے دو حرف ہمزہ اور ھل ہیں ان دونوں کے لئے صدر کلام ہے اور وہ دونوں جملہ پر داخل ہوتے ہیں، اسمیہ ہو جیسے ازید عندك یا فعلیہ ہو جیسے ھل قام زید اور ان دونوں کا فعلیہ پر داخل ہونا زیادہ ہے، اس لئے کہ دریافت کرنا فعل کے ساتھ زیادہ بہتر ہے اور کبھی ہمزہ ایسی جگہوں میں داخل ہوتا ہے کہ جس میں ھل کا داخل ہونا جائز نہیں ہوتا

جیسے أزیدًا ضربت اور أتضرب زیدًا اور هو اخوك اور ازیدٌ عندك ام عمرٌو اور أو من كان اور أفمن كان اور أثم اذا ما وقع اور هل ان جگہوں میں مستعمل نہیں ہوتا اور یہاں بحث ہے۔

تشریح: حَرْفَا الْاِسْتِفْهَامِ استفہام جو بمعنی دریافت کرنا ہے، اس کے دو حروف ہیں، ہمزہ اور هل ان دونوں کیلئے بھی صدر کلام ہے تاکہ شروع ہی سے یہ معلوم ہو جائے کہ آنے والا کلام استفہامی ہے، اسی وجہ سے ان کا ماقبل ان کے مابعد میں عمل نہیں کرتا اور نہ ہی اُن کا مابعد ان کے ماقبل میں عمل کرتا ہے۔

تَدْخُلَانِ عَلَی الْجُمْلَةِ یعنی ہمزہ اور هل دونوں مطلقاً جملہ پر داخل ہوتے ہیں خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، اسمیہ پر ہمزہ جیسے أزیدٌ قائمٌ اور فعلیہ پر جیسے أقامَ زیدٌ اور هل اسمیہ پر جیسے هل زیدٌ قائمٌ اور فعلیہ پر جیسے هل قامَ زیدٌ ان دونوں کا دخول جملہ فعلیہ پر بکثرت ہوتا ہے کیونکہ فعل سے دریافت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وَقَدْ تَدْخُلُ الْهَمْزَةُ یعنی ہمزہ اور هل دونوں کا عمل اگرچہ ایک ہے لیکن دونوں میں چند طریقوں سے فرق ہے، ان میں سے ایک یہ کہ ہمزہ استفہام ہر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، خواہ اس کی خبر فعل ہو یا اسم لیکن هل صرف اس جملہ پر داخل ہوتا ہے جس کی خبر صرف اسم ہو، چنانچہ أزیدًا ضربت جائز ہے لیکن هل زیدًا ضربت جائز نہیں، دوسرا یہ کہ ہمزہ انکار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے هل نہیں، چنانچہ جائز ہے کہا جائے: أتضربُ زیدًا وهو اخوك اور جائز نہیں کہ کہا جائے: هل تضرب زیدًا وهو اخوك تیسرا یہ کہ ہمزہ أمْ متصلہ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے هل نہیں چنانچہ جائز ہے کہ کہا جائے: أزیدٌ عندك أمْ عمرٌو اور جائز نہیں کہ کہا جائے هل زیدٌ عندك أمْ عمرو چوتھا یہ کہ ہمزہ حروف عطف پر داخل ہوتا ہے هل نہیں چنانچہ جائز ہے کہا جائے: أوَمنْ كان وافمن كان واثم اذا ما وقع اور هل ان پر داخل نہیں ہوتا۔

فصل: حُرُوْفُ الشَّرْطِ اِنْ وَلَوْ وَاَمَّا لَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ وَيَدْخُلُ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهَا عَلَى الْجُمْلَتَيْنِ اِسْمِيَّتَيْنِ كَانَتَا اَوْ فِعْلِيَّتَيْنِ اَوْ مُخْتَلِفَتَيْنِ فَاِنْ لِلْاِسْتِقْبَالِ وَاِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمَاضِيْ نَحْوُ اِنْ زُرْتَنِيْ اَكْرَمْتُكَ وَلَوْ لِلْمَاضِيْ وَاِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمُضَارِعِ نَحْوُ لَوْ تَزُوْرُنِيْ اَكْرَمْتُكَ وَيَلْزَمُهَا الْفِعْلُ لَفْظًا كَمَا مَرَّ اَوْ تَقْدِيْرًا نَحْوُ اِنْ اَنْتَ زَائِرِيْ فَاَنَا اُكْرِمُكَ

ترجمہ: یہ فصل ہے حروف شرط کے بیان میں اور وہ اِنْ اور لو اور امّا ہیں۔ ان کے لئے صدر کلام ہے اور ان میں سے ہر ایک دو جملوں پر داخل ہوتا ہے دونوں اسمیہ ہوں یا دونوں فعلیہ یا دونوں مختلف ہوں، پس اِن استقبال کیلئے ہے اگرچہ وہ ماضی پر داخل ہوں جیسے اِنْ زرتنی اکرمتك یعنی اگر آپ میری ملاقات کرتے تو آپ کی تعظیم کرتا اور لو ماضی کیلئے ہے اگرچہ وہ مضارع پر داخل ہو جیسے لو تزورنی اکرمتك یعنی آپ اگر میری ملاقات کرتے تو میں آپ کی تعظیم کرتا اور ان دونوں کو لفظاً فعل لازم ہوتا ہے جیسا کہ اس کی مثال گزری یا تقدیراً جیسے ان انت زائری فانا اکرمك یعنی اگر آپ میری ملاقات کرنے والے ہیں تو میں آپ کی تعظیم کروں گا۔

تشریح: **حُرُوْفُ الشَّرْطِ** یعنی حروف شرط تین ہیں: (۱) **اِنْ** بکسر ہمزہ وسکون نون (۲) **لو** (۳) **اَمَّا** بفتح الہمزہ۔ **اِنْ** کیلئے صدارت کلام ہے اور وہ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے خواہ وہ دونوں جملہ اسمیہ ہوں یا فعلیہ یا ایک اسمیہ ہو اور ایک فعلیہ۔

فَاِنْ لِلْاِسْتِقْبَالِ یعنی حروف شرط میں سے **اِنْ** استقبال کیلئے آتا ہے اگرچہ وہ ماضی پر داخل ہو، چنانچہ **ان زرتنی اکرمتك** کا معنی ہے: اگر آپ میری ملاقات کریں گے تو میں آپ کی تعظیم کروں گا۔ برخلاف **لو** کے کہ وہ ماضی کیلئے آتا ہے، اگرچہ مضارع پر داخل ہو، چنانچہ **لو تزورنی اکرمتك** کا معنی ہے: اگر آپ میری ملاقات کرتے تو میں آپ کی تعظیم کرتا۔

یَلْزَمُهَا الْفِعْلُ یعنی **ان** اور **لو** کیلئے فعل کا ہونا ضروری ہے۔ فعل خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔ لفظاً جیسا کہ اُس کی مثال گزری، یعنی **اِن زرتنی اکرمتك** اور **لو تزورنی اکرمتك** اور تقدیراً جیسے **اِنْ انت زائری فانا اکرمك** میں فعل مقدر ہے، یعنی **ان کنت زائری فانا اکرمك**۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اِنْ لَا تُسْتَعْمَلُ اِلَّا فِی الْاُمُوْرِ الْمَشْکُوْکَةِ فَلَا یُقَالُ اٰتِیْكَ اِنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ بَلْ یُقَالُ اٰتِیْكَ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ

ترجمہ: اور آپ جانیں کہ بے شک **اِنْ** مستعمل نہیں ہوتا مگر ایسے اُمور میں جو مشکوک ہیں، چنانچہ کہا نہیں جائے گا **آتیك ان طلعت الشمس** بلکہ کہا جائے گا **آتیك اذا طلعت الشمس**۔

تشریح: **اِعْلَمْ اَنَّ** یعنی **اِن** ایسے اُمور میں مستعمل ہوتا ہے جن کے وجود وعدم میں شک ہو، اسی وجہ سے یہ کہنا جائز نہیں **آتیك ان طلعت الشمس** یعنی میں آپ کے پاس آؤں گا اگر آفتاب طلوع ہوا۔ کیونکہ آفتاب کا طلوع ہونا اُمورِ یقینیہ سے ہے برخلاف **اذا** کہ وہ اُمورِ یقینیہ میں مستعمل ہوتا ہے، چنانچہ **آتیك اذا طلعت الشمس** کہنا جائز ہے۔

وَلَوْ تَدُلُّ عَلٰی نَفْیِ الْجُمْلَةِ الثَّانِیَةِ بِسَبَبِ نَفْیِ الْجُمْلَةِ الْاُوْلٰی کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا وَاِذَا وَقَعَ الْقَسَمُ فِیْ اَوَّلِ الْکَلَامِ وَتَقَدَّمَ عَلَی الشَّرْطِ یَجِبُ اَنْ یَّکُوْنَ الْفِعْلُ الَّذِیْ تَدْخُلُ عَلَیْهِ حَرْفُ الشَّرْطِ مَاضِیًا لَفْظًا نَحْوُ وَاللّٰهِ اِنْ اَتَیْتَنِیْ لَاُکْرِمُتُكَ اَوْ مَعْنًی نَحْوُ وَاللّٰهِ اِنْ لَّمْ تَأْتِنِیْ لَاَهْجُرَتُكَ وَحِیْنَئِذٍ تَکُوْنُ الْجُمْلَةُ الثَّانِیَةُ فِی اللَّفْظِ جَوَابًا لِّلْقَسَمِ لَا جَزَاءً لِّلشَّرْطِ فَلِذٰلِكَ وَجَبَ فِیْهَا مَا وَجَبَ فِیْ جَوَابِ الْقَسَمِ مِنَ اللَّامِ وَنَحْوِهَا کَمَا رَأَیْتَ فِی الْمِثَالَیْنِ اَمَّا اِنْ وَقَعَ الْقَسَمُ فِیْ وَسْطِ الْکَلَامِ جَازَ اَنْ یُّعْتَبَرَ الْقَسَمُ بِاَنْ یَّکُوْنَ الْجَوَابُ لَهٗ نَحْوُ اِنْ اَتَیْتَنِیْ وَاللّٰهِ لَاٰتِیَنَّكَ وَجَازَ اَنْ یُّلْغٰی نَحْوُ اِنْ تَأْتِنِیْ وَاللّٰهِ اٰتِكَ

ترجمہ: اور **لو** دوسرے جملہ کی نفی پر دلالت کرتا ہے پہلے جملہ کی نفی کے سبب سے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: **لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا** یعنی اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا چند معبود ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے اور جب قسم اول کلام میں واقع ہے اور وہ شرط پر مقدم ہے تو ضروری ہوا کہ وہ فعل کہ جس پر حرف شرط داخل ہے ماضی ہو لفظ کے اعتبار سے، جیسے **والله ان اتیتنی لاکرمتك** یعنی قسم خدا کی اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کی تعظیم کروں گا یا معنی کے اعتبار سے،

جیسے واللہ ان لم تاتنی لاھجرتك یعنی قسم خدا کی آپ اگر میرے پاس نہیں آئیں گے تو میں آپ کو چھوڑ دوں گا اور اس وقت دوسرا جملہ لفظ میں قسم کا جواب ہوگا نہ کہ شرط کی جزا، اسی وجہ سے واجب ہے، اس میں وہ جو قسم میں واجب ہے لام وغیرہ میں سے جیسا کہ آپ نے دونوں مثالوں میں دیکھا، لیکن اگر قسم کلام کے بیچ میں واقع ہو تو جائز ہے قسم کا اعتبار بایں طور کیا جائے کہ وہ اس کا جواب ہو، جیسے ان اتیتنی واللہ لا تیتك اور جائز ہے لغو کیا جائے جیسے ان تاتنی واللہ اتك۔

تشریح: وَلَوْ تَدُلُّ یعنی لو دوسرے جملہ کی نفی پر دلالت کرتا ہے پہلے جملہ کی نفی کی وجہ سے، چنانچہ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا میں لو انتفاء فساد پر دلالت کرتا ہے چند معبودوں کے انتفاء کی وجہ سے۔ اس معنی میں لو کا استعمال بکثرت ہے اور کبھی وہ دوسرے جملہ کے اثبات کے واسطے آتا ہے، پہلے جملہ کے وجود وعدم کی تقدیر پر، چنانچہ نعم العبد صھیب لو لم یخف اللہ ای لم یعصہ یعنی صہیب اچھا بندہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے، اس میں عصیان کی نفی خوف کی نفی کیلئے لازم ہے جس طرح خوف کے وجود کیلئے لازم ہے، اسی طرح لو اتیتنی لا کرمتك یعنی اگر آپ میرے پاس آتے تو میں آپ کی تعظیم کرتا۔ یہاں پر میرا اکرام مخاطب کیلئے ثابت ہے خواہ وہ میرا اکرام کرے یا میری اہانت کرے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَسَمُ یعنی قسم جب کہ کلام کے شروع میں شرط سے پہلے واقع ہو تو شرط کو ماضی لانا ضروری ہے، ماضی خواہ لفظاً ہو یا معنیً۔ لفظاً جیسے واللہ ان اتیتنی لا کرمتك۔ معنیً بایں طور کہ لم فعل مضارع پر داخل ہے جیسے واللہ ان لم تاتنی لاھجرتك تاکہ شرط مذکور عدم عمل حرف شرط میں جوابِ قسم کے مطابق ہو، یعنی جواب میں چونکہ حرف شرط نے لفظاً بوجہ جواب قسم ہونے کے عمل نہیں کیا، اس لئے شرط کو ہمیشہ فعل ماضی لایا جائے گا، تاکہ اس میں حرف شرط عمل نہ کرے اور وہ عدم عمل حرف شرط میں جواب کے مطابق ہوجائے۔

وَحِیْنَئِذٍ تَکُوْنُ یعنی جب کہ قسم شروع کلام میں واقع ہو اور شرط پر مقدم ہو تو دوسرا جملہ لفظ کے اعتبار سے جواب ہوگا قسم کا شرط کی جزاء نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ وہ مجزوم بھی ہو اور غیر مجزوم بھی اور شیٔ واحد کا مجزوم وغیر مجزوم دونوں ہونا باطل ہے، اسی وجہ سے دوسرے جملہ میں ان چیزوں کا لاحق ہونا ضروری ہے جو جوابِ قسم میں لام وغیرہ ضروری ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں مثالوں میں گزرا، یعنی واللہ ان اتیتنی لا کرمتك اور واللہ ان لم تاتنی لا ھجرتك البتہ معنی کے اعتبار سے جملہ ثانی قسم کا جواب بھی ہوسکتا ہے اور شرط کی جزا بھی لیکن قسم کا جواب اس لئے کہ اس پر قسم کھایا گیا ہے اور شرط کی جزا اس لئے کہ وہ شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

اَمَّا اِنْ وَقَعَ یعنی قسم جب کہ شرط وغیرہ مقدم ہونے کی وجہ سے کلام کے درمیان واقع ہو تو اس میں دونوں صورتیں ممکن ہیں، جوابِ قسم بھی ہوسکتا ہے اور شرط کی جزاء بھی اور قسم کا اعتبار کیا جائے تو جوابِ قسم کہا جائے گا اور ضروری ہوگا کہ شرط ماضی ہو جیسے ان اتیتنی واللہ لَاٰتِیَنَّكَ اور شرط کا اگر اعتبار کیا جائے اور قسم کو ملغی قرار دیا جائے تو جملہ ثانی کو جوابِ قسم کہا جائے گا جیسے ان تاتنی واللہ آتك۔

وَاَمَّا لِتَفْصِيْلِ مَا ذُكِرَ مُجْمَلًا نَحْوُ اَلنَّاسُ سَعِيْدٌ وَشَقِيٌّ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ وَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ وَيَجِبُ فِيْ جَوَابِهَا الْفَاءُ وَاَنْ يَّكُوْنَ الْاَوَّلُ سَبَبًا لِلثَّانِيْ وَاَنْ يُّحْذَفَ فِعْلُهَا مَعَ اَنَّ الشَّرْطَ لَابُدَّ لَهٗ مِنْ فِعْلٍ وَذٰلِكَ لِيَكُوْنَ تَنْبِيْهًا عَلٰى اَنَّ الْمَقْصُوْدَ بِهَا حُكْمُ الْاِسْمِ الْوَاقِعِ بَعْدَهَا نَحْوُ اَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ تَقْدِيْرُهٗ مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ فَحُذِفَ الْفِعْلُ وَالْجَارُّ وَالْمَجْرُوْرُ وَاُقِيْمَ اَمَّا مَقَامَ مَهْمَا حَتّٰى بَقِيَ اَمَّا فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ وَلَمَّا لَمْ يُنَاسِبْ دُخُوْلُ حَرْفِ الشَّرْطِ عَلٰى فَاءِ الْجَزَاءِ نَقَلُوا الْفَاءَ اِلَى الْجُزْءِ الثَّانِيْ وَوَضَعُوا الْجُزْءَ الْاَوَّلَ بَيْنَ اَمَّا وَالْفَاءِ عِوَضًا عَنِ الْفِعْلِ الْمَحْذُوْفِ ثُمَّ ذٰلِكَ الْجُزْءُ الْاَوَّلُ اِنْ كَانَ صَالِحًا لِلْاِبْتِدَاءِ فَهُوَ مُبْتَدَاٌ كَمَا مَرَّ وَاِلَّا فَعَامِلُهٗ مَا يَكُوْنُ بَعْدَ الْفَاءِ كَاَمَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ فَمُنْطَلِقٌ عَامِلٌ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ

ترجمہ: اور **اَمّا** اس چیز کی تفصیل کیلئے ہے جو مجمل کے طور پر ذکر کیا جائے جیسے **اَلنَّاسُ سعیدٌ وشقیٌّ اما الذین سعدوا ففی الجنۃ واما الذین شقوا ففی النار** یعنی آدمی نیک اور بد ہیں لیکن وہ جو نیک ہوئے تو وہ جنت میں ہیں اور لیکن وہ جو بُرے ہوئے تو وہ جہنم میں ہیں۔ اور **اما** کے جواب میں فاء واجب ہوتا ہے اور یہ کہ اول سبب ہوتا ہے ثانی کیلئے اور یہ کہ اُس کا فعل حذف کیا جاتا ہے باوجود اس امر کے کہ شرط کیلئے ضروری ہے فعل اور وہ اس لئے کہ تا کہ اس امر پر تنبیہ ہو جائے کہ مقصود اس سے اس اسم کا حکم ہے جو اس کے بعد واقع ہے جیسے **اما زیدٌ فمنطلقٌ** اس کی تقدیر **مهما یکن من شیءٍ فزیدٌ منطلقٌ** ہے، پس فعل اور جار و مجرور حذف کیا گیا اور **اما** کو **مهما** کی جگہ پر قائم کیا گیا یہاں تک کہ باقی رہا **اما فزیدٌ منطلقٌ** اور جب کہ فاء جزاء پر حرف شرط کا دخول مناسب نہیں تو فاء کو جزء ثانی کی طرف ان لوگوں نے نقل کر دیا اور جزء اول کو انہوں نے فعل محذوف کے عوض رکھ دیا، پھر وہ جزء اول اگر ابتداء کی صلاحیت رکھے تو وہ مبتداء ہوگا جیسا کہ گزرا اور نہ پس اُس کا عامل وہ ہوگا جو فاء کے بعد ہوگا، جیسے **اما یوم الجمعۃ فزیدٌ منطلقٌ** تو **منطلق یوم الجمعۃ** میں ظرفیت کی بناء پر عمل کرتا ہے۔

تشریح: **وَاَمَّا لِتَفْصِیْلِ** یعنی **اَمّا** بفتح ہمزہ اور تشدید میم اس چیز کی تفصیل کیلئے آتا ہے جس کو متکلم نے سابقاً بطریق اجمال ذکر کیا ہو، چنانچہ آیت کریمہ **اَلنَّاسُ سعیدٌ وشقیٌّ واَمّا الذین سعدوا ففی الجنۃ واَما الذین شقوا ففی النارِ** یعنی آدمی نیک و بد ہیں لیکن وہ جو نیک کئے تو وہ جنت میں ہیں اور جو بُرا کئے وہ جہنم میں ہیں۔ اس میں **اَمّا** اجمال کے بعد تفصیل کیلئے مذکور ہے اور **اَمّا** چونکہ شرط ہے اس لئے اس کیلئے جزاء اور جواب کا ہونا ضروری ہے اور جواب کیلئے تین امر کا ہونا ضروری ہے، ایک یہ کہ جواب پر فاء داخل ہو جیسے **ففی الجنۃ** اور **ففی النارِ** میں دوسرا یہ کہ اول سبب ہو دوم کیلئے جیسے نیک بخت ہونا، دخولِ جنت کا سبب ہے اور بد بخت ہونا دخولِ جہنم کا سبب ہے، تیسرا یہ کہ **اَمّا** جس فعل پر داخل ہو اس کا حذف ضروری ہے، اس کی دو وجہ ہیں: ایک ثقل لفظی اور دوسری غرض معنوی۔ ثقل لفظی اس وجہ سے کہ **اَمّا** اصل میں تفصیل کیلئے موضوع ہے اور تفصیل تکرار کو مقتضی ہے اور تکرار موجب ثقل ہوتی ہے، پس حصول تخفیف اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے فعل کا

حذف ضروری ہے اور غرض معنوی یہ کہ حذف فعل سے مقصود اما کے ساتھ اس اسم پر حکم کرنا جو اس کے بعد واقع ہے حالانکہ شرط کیلئے فعل کا ہونا ضروری ہے۔

اَمَّا زَیْدٌ فَمُنْطَلِقٌ یہ مثال حذف فعل کی ہے کہ **اما زیدٌ فمنطلقٌ** اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: **مهما یکن من شیئ فزیدٌ منطلقٌ** اس میں فعل شرط **یکن** کو حذف کر دیا پھر جار و مجرور یعنی **من شیئ** کو حذف کر دیا اور **مهما** کی جگہ پر **اَمّا** رکھ دیا گیا تو **اَمّا فزیدٌ منطلقٌ** ہو گیا اور حرف شرط چونکہ فاء جزائیہ پر داخل ہے، اس لئے حرف شرط اور فاء جزائیہ کے درمیان اس چیز کو لایا گیا جو فاء کے تحت ہے تا کہ بعد حذف فعل شرط کے علامت شرط اور علامت جزاء کا اجتماع لازم نہ آئے، لہٰذا فاء جزائیہ کو نقل کر کے جزء ثانی کو دیا گیا اور جزء اول کو **اَمّا** اور فاء کے درمیان فعل محذوف کے عوض رکھا گیا، پس **اَمّا زیدٌ فمنطلقٌ** ہوا۔

ذٰلِكَ الْجُزْءُ جزء اول یعنی وہ اسم جو **اَمّا** حرف شرط کے بعد واقع ہے، اگر مبتداء بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو مبتداء بنا لیا جائے گا جیسے **اَمّا زیدٌ فمنطلقٌ** اور اگر وہ جزء مبتداء ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، بایں طور کہ وہ ظرف ہے تو اس جزء کا عامل وہ ہوگا جو فاء کے بعد ہے جیسے **اَمّا یوم الجمعةِ فزیدٌ منطلقٌ** میں **منطلق**۔ **یوم الجمعةِ** میں ظرفیت کی بناء پر ناصب ہے، اس کی اصل **مهما یکن من شیئ فزیدٌ منطلقٌ یوم الجمعة** ہے لیکن شرط (**یکن**) اور جار و مجرور (**من شیئ**) کو حذف کر کے **اَمّا** کو قائم مقام **مهما** کے کیا گیا اور جزاء کے معمول (**یوم الجمعة**) کو **اَمّا** اور فاء کے درمیان بعوض محذوف کے لایا گیا۔

فصل: حَرْفُ الرَّدْعِ كَلَّا وُضِعَتْ لِزَجْرِ الْمُتَكَلِّمِ وَرَدْعِهِ عَمَّا يَتَكَلَّمُ بِهِ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَهَانَنِ كَلَّا اَيْ لَا يَتَكَلَّمُ بِهٰذَا فَاِنَّهُ لَيْسَ كَذٰلِكَ هٰذَا بَعْدَ الْخَبَرِ وَقَدْ تَجِيْءُ بَعْدَ الْاَمْرِ اَيْضًا كَمَا اِذَا قِيْلَ لَكَ اِضْرِبْ زَيْدًا فَقُلْتَ كَلَّا اَيْ لَا اَفْعَلُ هٰذَا قَطُّ وَقَدْ تَجِيْءُ بِمَعْنٰى حَقًّا كَقَوْلِهِ تَعَالٰى كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ وَحِيْنَئِذٍ تَكُوْنُ اِسْمًا يُبْنٰى لِكَوْنِهِ مُشَابِهًا لِكَلَّا حَرْفًا وَقِيْلَ تَكُوْنُ حَرْفًا اَيْضًا بِمَعْنٰى اِنَّ لِتَحْقِيْقِ الْجُمْلَةِ نَحْوُ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى بِمَعْنٰى اِنَّ۔

ترجمہ: یہ فصل ہے حرف ردع کے بیان میں، وہ **کلّا** ہے جو متکلم کو زجر اور اس کو جھڑکنے کیلئے وضع کیا گیا ہے، اس چیز سے کہ جس سے کلام کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **فیقول ربی اھانن کلّا** یعنی کہتا ہے انسان کہ میرا پروردگار ذلیل کیا اس نے مجھ کو ہرگز نہیں یعنی اس کے ساتھ کلام نہیں کرتا، پس وہ اس طرح نہیں ہے۔ یہ خبر کے بعد ہے اور کبھی وہ امر کے بعد بھی آتا ہے جیسا کہ کہا جائے آپ کیلئے **اِضربْ زیدًا** یعنی ماریں آپ زید کو، تو کہیں گے: ہرگز نہیں! یعنی میں یہ کبھی نہیں کروں گا اور کبھی **حقًا** کے معنی میں آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **کلا سوف تعلمون** یعنی یقیناً آپ جان لیں گے اور اس وقت وہ اسم مبنی قرار دیا جاتا ہے بوجہ ہونے اس کے مشابہ **کلّا** کیلئے دراں حالیکہ وہ حرف ہے اور کہا گیا ہے: وہ حرف بھی ہوتا ہے **اِنَّ** کے معنی میں دراں حالیکہ وہ جملہ کی تحقیق کیلئے ہے جیسے **کلّا انّ الانسان لیطغی** یعنی انسان البتہ سرکشی کرتا ہے۔ اس میں **کلّا** بمعنی **اَنّ** ہے۔

تشریح: **حَرْفُ الرَّدْعِ** ردع لغت میں بمعنی جزر و منع ہے اور اس حرف سے بھی چونکہ جزر و منع کیا جاتا ہے، اس لئے اس کو

حرف ردع کہا جاتا ہے اور وہ صرف **کلّا** ہے جو بسیط ہے، بعض نے اس کو کاف تشبیہ اور لائے نفی سے مرکب مانا ہے۔ لام میں تشدید محض تشبیہ سے احتراز کیلئے ہے۔

کَلَّا وُضِعَتْ یعنی **کلا** وہ حرف ہے جو متکلم کو جھڑکنے اور روکنے کیلئے وضع کیا گیا ہے اس چیز سے جس کے ساتھ متکلم نے کلام کیا ہے، چنانچہ آیت کریمہ ہے: **ربی اھانن کلا** یعنی اس کے ساتھ کلام مت کر کیونکہ معاملہ ایسا نہیں اور یہ معنی اس وقت ہے جبکہ خبر کے بعد آئے اور اس معنی میں کبھی امر کے بعد بھی آتا ہے، جیسے **اِضْرِبْ زیدًا فقلت کلا** یعنی کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور یہ کبھی بمعنی **حقًّا** آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **کلا سوف تعلمون** سے مقصود جملہ کے معنی کی تحقیق ہے، جس طرح اِنّ سے ہوتی ہے۔

حِیْنَئِذٍ تَکُوْنُ یعنی **کلّا** جبکہ **حقًّا** کے معنی میں ہو، اس میں یہ اختلاف ہے، آیا وہ اسم ہو جاتا ہے یا حرف ہی رہ جاتا ہے، کسائی اور اس کے تابعین نے کہا کہ **کلّا** اگرچہ بمعنی **حقًّا** ہو لیکن وہ حرف ہی رہتا ہے، اس لئے کہ وہ بمعنی **اِنّ** ہے جس سے جملہ کی تحقیق مقصود ہوتی ہے چنانچہ آیت کریمہ **کلّا اِنّ الانسانَ لیطغٰی** میں **کلا** بمعنی **حقًّا** یعنی **اِنّ** کے معنی میں ہے، نحویوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس معنی میں چونکہ اسم ہونے کی صلاحیت موجود ہے اور اسم میں اصل اعراب ہے، اس لئے اس کو معرب ہونا چاہیے لیکن مصنف نے کہا کہ وہ معرب نہیں بلکہ مبنی ہوگا کیونکہ یہ اس **کلّا** کے مشابہ ہے جو حرف ہے اور حرف مبنی ہوتا ہے اور ظاہر ہے جو مشابہ مبنی ہو وہ مبنی ہوتا ہے لہٰذا **کلّا** معرب نہیں بلکہ مبنی ہے۔

فصل: تَاءُ التَّانِیْثِ السَّاکِنَۃُ تَلْحَقُ الْمَاضِیَ لِتَدُلَّ عَلٰی تَانِیْثِ مَا اُسْنِدَ اِلَیْہِ الْفِعْلُ نَحْوُ ضَرَبَتْ ھِنْدٌ وَقَدْ عَرَفْتَ مَوَاضِعَ وُجُوْبِ اِلْحَاقِھَا وَاِذَا لَقِیَھَا سَاکِنٌ بَعْدَھَا وَجَبَ تَحْرِیْکُھَا بِالْکَسْرِ لِاَنَّ السَّاکِنَ اِذَا حُرِّکَ حُرِّکَ بِالْکَسْرِ نَحْوُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ وَحَرَکَتُھَا لَا تُوْجِبُ رَدَّ مَا حُذِفَ لِاَجْلِ سُکُوْنِھَا فَلَا یُقَالُ رَمَاتِ الْمَرْاَۃُ لِاَنَّ حَرَکَتَھَا عَارِضَۃٌ وَاقِعَۃٌ لِرَفْعِ الْتِقَاءِ السَّاکِنَیْنِ فَقَوْلُھُمْ اَلْمَرْاَتَانِ رَمَاتَا ضَعِیْفٌ

ترجمہ: یہ فصل ہے تاء تانیث ساکنہ ماضی کو لاحق ہوتی ہے تاکہ وہ اس کی تانیث پر دلالت کرے جس کی طرف فعل کی اسناد کی جائے جیسے **ضربت ھندٌ** اور تحقیق کہ آپ جان چکے اس کے الحاق کے وجوب کی جگہیں اور جب اس کے بعد اس سے ساکن ملے تو اس کو کسرہ کے ساتھ متحرک کرنا واجب ہوتا ہے اس لئے کہ ساکن جب کہ حرکت دیا جائے تو کسرہ کے ساتھ حرکت دیا جائے، جیسے **قد قامتِ الصلوٰۃُ** اور اس کی حرکت واجب نہیں کرتی، اس کے لوٹانے کو جو حذف کیا گیا بوجہ اس کے ساکن ہونے، پس کہا نہیں جائے گا: **رمات المراۃ** کیونکہ اس کی حرکت عارضی ہے جو التقاء ساکنین کو دور کرنے کیلئے واقع ہے تو ان کا قول **المرأتان رماتا** ضعیف ہے۔

تشریح: **تَاءُ التَّانِیْثِ السَّاکِنَۃُ** یعنی تاء تانیث ساکنہ فعل ماضی کے اخیر میں لاحق ہوتی ہے تاکہ وہ اس چیز کے مؤنث ہونے پر دلالت کرے جس کی طرف فعل کی اسناد کی جائے یعنی فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرے، ساکنہ کی قید سے تاء متحرکہ سے

احتراز مقصود ہے اس لئے کہ تاء متحرکہ اسم کے ساتھ خاص ہے اور ساکنہ سے مراد وہ ہے کہ اصل میں ساکن ہو، اگرچہ بعض مقام میں کسی وجہ سے متحرک ہو جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے قامتْ میں دو ساکن کے اجتماع کی وجہ سے تاء متحرک ہوگئی۔

قَدْ عَرَفْتَ یعنی تاء تانیث فعل ماضی کے ساتھ کہاں کہاں لاحق ہوتی ہے، اس کی تفصیل چونکہ بحث فاعل میں گزر چکی ہے، اس لئے یہاں اس کو دوبارہ بیان نہیں کیا جاتا۔ مواضع سے مراد جمع نہیں بلکہ ما فوق الواحد ہے کیونکہ جہاں تاء لگانا ضروری ہے وہ صرف دو مقام ہیں، ایک وہ جبکہ فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو جیسے قامتْ ھند اور دوسرا وہ جبکہ فاعل ضمیر مؤنث ہو خواہ حقیقی ہو یا لفظی جیسے ھند قامتْ۔

اِذَا لَقِیَھَا یعنی تاء تانیث ساکنہ کے بعد اگر ساکن آئے تو دو ساکن کا اجتماع لازم آتا ہے، اس لئے اس کو کسرہ دینا ضروری ہے کیونکہ ساکن کو جب بھی حرکت دیا جائے تو کسرہ سے دیا جاتا ہے، اس لئے کہ کسرہ اپنی قلت کی وجہ سے عدم یعنی سکون کے مشابہ ہے جیسے قد قامتِ الصلوٰۃ میں قام فعل ماضی کے ساتھ چونکہ تاء تانیث لاحق ہے اور اس کے بعد الصلوٰۃ کا الف لام بھی ساکن! اس لئے تاء تانیث کو کسرہ سے حرکت دی گئی۔

حَرْکَتُھَا لَا تُوْجِبُ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ رمی کا واحد مؤنث رمات ہوتا ہے اجتماع ساکنین کی وجہ سے الف ساقط ہو کر رمت ہو جاتا ہے لیکن جب تاء ساکن کو حرکت دی جائے تو حذف شدہ الف لوٹ آنا چاہیے اس لئے کہ سبب جو اجتماع ساکنین ہے وہ حرکت کی وجہ سے زائل ہو گیا۔ جواب یہ کہ تاء تانیث ساکنہ کی حرکت عارضی ہے اور حرکت عارضی حذف شدہ الف کے عود کا سبب نہیں ہوتی، البتہ حرکت اصلی اُس کا سبب بن سکتی ہے جو یہاں مفقود ہے، چنانچہ رمات المرأۃ کہنا جائز نہیں۔

فَقَوْلُھُمْ یہ بھی جواب ہے اس سوال کا کہ حذف شدہ الف اگر لوٹ آنا ممنوع ہے تو اہل عرب کا یہ قول المرأتان رماتا کیسے منقول ہے؟ جواب یہ کہ اُن کا یہ قول ضعف پر مبنی ہے جو قابل اعتبار نہیں، اس لئے کہ وہ قاعدہ مذکورہ کے خلاف واقع ہے۔

وَاَمَّا اِلْحَاقُ عَلَامَةِ التَّثْنِیَةِ وَجَمْعِ الْمُذَکَّرِ وَجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ فَضَعِیْفٌ فَلَا یُقَالُ قَامَا الزَّیْدَانِ وَقَامُوا الزَّیْدُوْنَ وَقُمْنَ النِّسَاءُ وَبِتَقْدِیْرِ الْاِلْحَاقِ لَا تَکُوْنُ الضَّمَائِرُ لِئَلَّا یَلْزَمَ الْاِضْمَارُ قَبْلَ الذِّکْرِ بَلْ عَلَامَاتٌ دَالَّۃٌ عَلٰی اَحْوَالِ الْفَاعِلِ کَتَاءِ التَّانِیْثِ۔

ترجمہ: اور لیکن تثنیہ و جمع مذکر و جمع مؤنث کی علامت کو لاحق کرنا تو ضعیف ہے، پس کہا نہیں جائے گا: قاما الزیدان اور قاموا الزیدون و قمن النساء اور الحاق کی تقدیر کے ساتھ ضمائر نہ ہوں گی تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے بلکہ ایسی علامتیں ہوں گی جو فاعل کے احوال پر دلالت کرنے والی ہیں جیسے تانیث کی تاء۔

تشریح: وَاَمَّا اِلْحَاقُ عَلَامَةِ یعنی تثنیہ اور جمع مذکر اور جمع مؤنث کی علامت کو فعل کے ساتھ لاحق کرنا جبکہ فاعل اسم ظاہر ہو، ضعیف ہے اس لئے کہ وہ فاعل کی تکرار کو لازم کرتا ہے، چنانچہ تثنیہ میں الف کو لاحق کر کے قاما الزیدان نہیں کہا جائے گا اسی طرح جمع مذکر میں واؤ کو لاحق کر کے قاموا الزیدون اور جمع مؤنث میں نون کو لاحق کر کے قمن النساء نہیں کہا جائے گا

لیکن جب کہ فاعل مضمر ہوتو تثنیہ وجمع مذکر وجمع مؤنث کی علامت کو فعل کے ساتھ لاحق کرنا ضعیف نہیں ہے، چنانچہ الزیدان قاما اور الزیدون قاموا اور النساء قمن جائز ہے کیونکہ اس تقدیر پر وہ علامتیں ضمائر نہ ہوں گی ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا بلکہ وہ علامتیں ہیں جو فاعل کے احوال پر دلالت کرتی ہیں جس طرح تاء تانیث ساکنہ علامت تانیث ہے ضمیر نہیں۔

فصل: اَلتَّنْوِيْنُ نُوْنٌ سَاكِنَةٌ تَتْبَعُ حَرَكَةَ اٰخِرِ الْكَلِمَةِ لَا لِتَاكِيْدِ الْفِعْلِ وَهِيَ خَمْسَةُ اَقْسَامٍ اَلْاَوَّلُ لِلتَّمَكُّنِ وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاِسْمَ مُتَمَكِّنٌ فِيْ مُقْتَضَى الْاِسْمِيَّةِ اَيْ اَنَّهُ مُنْصَرِفٌ نَحْوُ زَيْدٌ وَرَجُلٌ وَالثَّانِيْ لِلتَّنْكِيْرِ وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاِسْمَ نَكِرَةٌ نَحْوُ صَهٍ اَيْ اُسْكُتْ سُكُوْتًا مَّا فِيْ وَقْتٍ مَّا وَاَمَّا صَهْ بِالسُّكُوْنِ فَمَعْنَاهُ اُسْكُتِ السُّكُوْتَ الْاٰنَ وَالثَّالِثُ لِلْعِوَضِ وَهُوَ مَا يَكُوْنُ عِوَضًا عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ نَحْوُ حِيْنَئِذٍ وَسَاعَتَئِذٍ وَيَوْمَئِذٍ اَيْ حِيْنَ اِذَا كَانَ كَذَا وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ وَهُوَ التَّنْوِيْنُ الَّذِيْ فِيْ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ نَحْوُ مُسْلِمَاتٍ وَهٰذِهِ الْاَرْبَعَةُ تَخْتَصُّ بِالْاِسْمِ

ترجمہ: یہ فصل ہے، تنوین نون ساکن ہے، تابع ہوتا ہے آخر کلمہ کی حرکت کے نہ کہ فعل کی تاکید کیلئے اور وہ پانچ قسمیں ہیں، اول تمکن کیلئے ہے اور وہ ایسی تنوین ہے جو ایسے امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسم متمکن ہے اسمیت کے مقتضی میں، یعنی بے شک وہ منصرف ہے جیسے زید اور رجل اور دوسری قسم تنکیر کیلئے ہے اور وہ تنوین ہے جو ایسے امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسم نکرہ ہے جیسے صہٍ یعنی چپ رہیں چپ رہنا کسی وقت میں اور لیکن صہْ دراں حالیکہ وہ سکون کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے: چپ رہیں، اب چپ رہنا اور تیسری قسم تنوین عوض کیلئے ہے اور وہ ایسی تنوین ہے جو مضاف الیہ کے عوض ہے جیسے حینئذٍ اور ساعتئذٍ اور یومئذٍ یعنی جس وقت جب کہ ایسا ہو اور چوتھی قسم تنوین مقابلہ کیلئے ہے اور وہ ایسی تنوین ہے کہ ثابت ہے وہ جمع مؤنث سالم میں جیسے مسلماتٌ اور تنوین کی یہ چاروں قسمیں اسم کے ساتھ خاص ہوتی ہیں۔

تشریح: اَلتَّنْوِيْنُ تنوین مصدر ہے باب تفعیل کا جو لغت میں بمعنی نون داخل کرنا ہے اور یہاں مراد نون ہے۔ نحویوں کی اصطلاح میں تنوین وہ نون ساکن ہے جو کلمہ کے آخری حرکت کے تابع ہوتا ہے نہ کہ فعل کی تاکید کیلئے اور وہ تلفظ میں اگرچہ نون ساکن ہوتا ہے لیکن کتابت میں نون نہیں بلکہ نون کے بجائے دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوتے ہیں، لالتاکید الفعلِ سے نون خفیفہ مثلاً اضربن کے نون سے احتراز مقصود ہے کیونکہ وہ بھی نون ساکن ہے جو کلمہ کی آخری حرکت کے تابع ہوتا ہے لیکن فعل کی تاکید کیلئے آتا ہے۔

وَهِيَ خَمْسَةُ اَقْسَامٍ یعنی تنوین کی پانچ قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) تنوین تمکن (۲) تنوین تنکیر (۳) تنوین عوض (۴) تنوین مقابلہ (۵) تنوین ترنم۔ لیکن تنوین تمکن وہ تنوین ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اسم جس پر داخل ہوگی وہ متمکن یعنی مقتضی اسمیت میں راسخ ہے، یعنی وہ اُس امر پر دلالت کرے کہ وہ اسم منصرف ہے جیسے زید ورجل میں یہ ان تمام اسماء معربہ پر داخل ہوتی ہے جو منصرف ہے اس کو تنوین تمکین وتنوین صرف بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ منصرف وغیر منصرف کے

درمیان فرق پیدا کرتی ہے۔

وَالثَّانِيْ لِلتَّنْكِيْرِ تنوین کی دوسری قسم تنوین تنکیر ہے اور وہ تنوین ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ جس پر داخل ہے نکرہ ہے معرفہ نہیں اور وہ تنوین اسم مبنی پر معرفہ ونکرہ کے درمیان فرق پیدا کرنے کیلئے آتی ہے جیسے صہٍ تنوین کے ساتھ اور صَہْ سکون کے ساتھ۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول نکرہ ہے اور دوم معرفہ، اول کا معنی ہے: اسکت سکوتاً مّا فی وقتٍ مّا اور دوم کا معنی ہے: اسکت السکوتَ الآنَ۔

وَالثَّالِثُ یعنی تنوین کی تیسری قسم تنوین عوض ہے اور وہ تنوین ہے جو مضاف الیہ کے عوض ہو یعنی وہ تنوین ہے جو اذ کے اخیر میں جملہ کے عوض آئے جو جملہ اذ کے بعد ہوتا ہے اس کو حذف کر کے یہ تنوین لائی جاتی ہے اور وہ جملہ اِذْکا مضاف الیہ ہوا کرتا ہے جیسے حینئذٍ وساعتئذٍ ویومئذٍ وغیرہ حینئذٍ اصل میں حین اذا کان کذا ہے۔ حین مضاف ہے اذ کی طرف اور اذ جملہ کی طرف پھر جملہ کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر کے اس کے عوض اِذْ میں تنوین لگا دی گئی، اسی طرح ساعتئذٍ اصل میں ساعة اذا کان کذا اور یومئذٍ میں یوم اذا کان کذا ہے۔

وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ تنوین کی چوتھی قسم تنوین مقابلہ ہے اور وہ تنوین ہے جو جمع مؤنث سالم پر داخل ہوتی ہے جیسے مسلماتٌ میں تنوین اس نون کے مقابلہ میں ہے جو مسلمون یا مسلمین میں ہے اور مسلماتٌ میں الف وتاء علامت جمع ہے جس طرح مسلمون میں واؤ اور مسلمین میں یاء علامت جمع ہے۔

وَهٰذِهِ الْاَرْبَعَةُ یعنی تنوین کی مذکورہ بالا چاروں قسمیں اسم کے ساتھ خاص ہیں جس کی وجہ علامت اسم کے بیان میں تفصیل سے گزر چکی ہے لیکن پانچویں قسم جو تنوین ترنم ہے وہ اسم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسم وفعل دونوں میں پائی جاتی ہے۔

وَالْخَامِسُ لِلتَّرَنُّمِ وَهُوَ الَّذِيْ يَلْحَقُ آخِرَ الْاَبْيَاتِ وَالْمَصَارِيْعِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ شعر: اَقِلِّي اللَّوْمَ عَاذِلَ وَالْعِتَابَنْ۔ وَقُوْلِيْ اِنْ اَصَبْتُ لَقَدْ اَصَابَنْ۔ وَ كَقَوْلِهٖ ع: يَا اَبَتَا عَلَّكَ اَوْ عَسَاكَنْ۔ وَقَدْ يُحْذَفُ مِنَ الْعَلَمِ اِذَا كَانَ مَوْصُوْفًا بِابْنٍ اَوْ اِبْنَةٍ مُضَافًا اِلٰى عَلَمٍ آخَرَ نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدُ بْنُ عَمْرٍو وَهِنْدُ ابْنَةُ بَكْرٍ۔

ترجمہ: اور پانچویں قسم تنوین ترنم کیلئے ہے اور وہ تنوین ہے جو بیتوں اور مصرعوں کے آخر میں لاحق ہوتی ہے جیسے شاعر کا قول: اقلی اللوم الخ یعنی ملامت کو تم کم کرو۔ اے ملامت کرنے والی اور ناراضی کو اور کہیں اگر میں صواب کو پہنچوں، البتہ تحقیق کہ وہ صواب کو پہنچا اور جیسے اس کا قول یا ابتا علک یعنی اے میرے باپ! شاید کہ آپ او عسا کن یعنی یا اُمید کہ آپ اور وہ تنوین کبھی علم سے حذف کی جاتی ہے۔ جب کہ وہ موصوف ہو ابن یا ابنة کے ساتھ دراں حالیکہ وہ مضاف ہو دوسرے علم کی طرف جیسے جاءنی زید بن عمرو اور ھند ابنة بکر۔

تشریح: **وَالْخَامِسُ لِلتَّرَنُّمِ** یعنی تنوین کی پانچویں قسم تنوین ترنم ہے اور وہ تنوین ہے جو شعروں اور مصرعوں کے اخیر میں آئے۔ ترنم لغت میں بمعنی آواز اور گانا ہے اور یہ تنوین چونکہ شعروں اور مصرعوں کے اخیر میں شعر خوانی کی تحسین کیلئے آتی ہے،

اس لئے اس کو تنوین ترنم کہا جاتا ہے۔

أَقِلِّي اللَّوْمَ یہ شعر عرب کے مشہور شاعر جریر کا ہے جس میں العتابن اسم ہے اور اصابن فعل ہے، دونوں کے اندر تنوین ترنم ہے جس کو وزن شعری کی وجہ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ شعر کی وضاحت یہ کہ اقلی امر حاضر واحد مؤنث کا صیغہ ہے جو ماخوذ ہے اقلال بمعنی چھوڑنے اور کم کرنے سے اور اللوم مفعول ہے اقلی کا اور عاذل اسم فاعل ماخوذ ہے عذل سے اور عتابن اصل میں عتاب تینوں یعنی لوم اور عذل اور عتاب مترادف الفاظ ہیں، سب کا معنی ایک ہے یعنی عذاب دینا اور ملامت کرنا۔ عاذل منادیٰ مبنی علی الضم ہے جس کا حرف نداء یا محذوف ہے اور عتابن معطوف ہے لوم پر اور لوم چونکہ منصوب ہے اس لئے وہ بھی منصوب واقع ہے اور قولی بھی امر کا صیغہ ہے جو معطوف ہے اقلی پر، وہ ماخوذ ہے قول بمعنی کہنے سے اور اصبتُ صیغہ واحد متکلم بمعنی صواب کو پہنچنا ہے۔ ترجمہ شعر کا یہ ہے کہ اے عاذلہ! ملامت اور ناراضگی کو تم کم کرو! اور کہو: اگر میں صواب ودرستگی کو پہنچوں، البتہ تحقیق کہ وہ درستگی کو پہنچا۔

وَ كَقَوْلِهٖ ضمیر مجرور کا مرجع شاعر ہے یا ابتا میں ابتا منادیٰ مضاف ہے یاء متکلم کی طرف! اس لئے کہ ابتا میں الف یاء متکلم کے عوض ہے اور علك بمعنی لعلك ہے اور عساك اس پر معطوف ہے اور لعل و عسٰی کی خبر محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: علك تجد رزقًا اور عساك تجد محل استشہاد عسا کن ہے جو عسٰی فعل کے اخیر میں تنوین ترنم لاحق ہے۔

وَقَدْ يُحْذَفُ مِنَ الْعَلَمِ یعنی علم سے وجوبی طور پر حذف کیا جاتا ہے جب کہ علم موصوف ہو اور صفت اس کی ابن یا ابنة ہو اور وہ مضاف ہو دوسرے علم کی طرف جیسے جاء زيد بن عمرو اور جاء تني هند ابنة بكر میں زید اور ہند موصوف ہے، اس کی صفت ابن و ابنة ہے جو عمرو بکر کی طرف مضاف ہے، علم سے تنوین کا حذف اس لئے ضروری ہے کہ علم کا استعمال بکثرت ہوتا ہے جو تخفیف کا مقتضی ہے اور تنوین سے ثقل کے علاوہ طول لازم آتا ہے اور ابن و ابنة میں ابن کے الف کو کتابت میں حذف کر دیا جاتا ہے اس وجہ سے کہ خط میں تخفیف ہو جائے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ حذف اس امر پر دلالت کرے کہ موصوف کا اتصال صفت کے ساتھ بہت زیادہ ہے، ابنة کے الف کو خط میں اس لئے حذف نہیں کیا جاتا کہ حذف سے ابنة کا بنت سے التباس لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔

فصل: نُوْنُ التَّاكِيْدِ وَهِيَ وُضِعَتْ لِتَاكِيْدِ الْاَمْرِ وَالْمُضَارِعِ اِذَا كَانَ فِيْهِ طَلَبٌ بِاِزَاءِ قَدْ لِتَاكِيْدِ الْمَاضِيْ وَهِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ خَفِيْفَةٌ اَيْ سَاكِنَةٌ اَبَدًا نَحْوُ اِضْرِبَنْ وَثَقِيْلَةٌ اَيْ مُشَدَّدَةٌ مَفْتُوْحَةٌ اَبَدًا اِنْ لَمْ يَكُنْ قَبْلَهَا اَلِفٌ نَحْوُ اِضْرِبَنَّ وَمَكْسُوْرَةٌ اِنْ كَانَ قَبْلَهَا اَلِفٌ نَحْوُ اِضْرِبَانِّ وَاِضْرِبْنَانِّ

ترجمہ: یہ فصل ہے نون تاکید کے بیان میں۔ اور وہ امر و مضارع کی تاکید کیلئے وضع کیا گیا ہے جبکہ اس میں طلب ہو اور وہ قد کے مقابل ہو دراں حالیکہ وہ ماضی کی تاکید کیلئے ہو اور وہ دو قسموں پر ہے۔ مخففہ یعنی ہمیشہ ساکن جیسے اضربن اور ثقیلہ یعنی ہمیشہ مفتوح مشدد، اگر اس سے قبل الف نہ ہو جیسے اضربنّ اور مکسور اگر اس سے قبل الف ہو جیسے اضربانِّ واضربنانِّ۔

تشریح: نُوْنُ التَّاکِیْدِ نون تاکید یعنی وہ نون جو تاکید کا فائدہ دیتا ہے، وہ ہے جو امر ومضارع میں تاکید کیلئے وضع کیا گیا ہے جب کہ مضارع میں طلب ہو، اس لئے کہ اس نون کے ساتھ وہی چیز تاکید کی جاتی ہے جو مطلوب ہوتی ہے اور وہ نون تاکید مضارع میں اس قد کے مقابلہ میں ہے جو تاکید ماضی کیلئے موضوع ہو یعنی جس طرح قد ماضی کی تاکید کیلئے وضع کیا گیا ہے، اسی طرح نون مضارع کی تاکید کیلئے وضع کیا گیا ہے، بشرطیکہ مضارع میں طلب کا معنی ہو۔ یہ شرط صرف مضارع میں اس لئے ہے کہ امر کے معنی میں طلب ہی مقصود ہوتی ہے۔

وَهِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ: ھی کا مرجع نون تاکید ہے یعنی نون تاکید دو قسموں پر ہے ایک خفیفہ اور دوسرا ثقیلہ۔ نون خفیفہ نون ساکن کو کہا جاتا ہے اور وہ اپنی اصل یعنی سکون پر ہے، اسی وجہ سے اس کو ثقیلہ پر مقدم کیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ نون خفیفہ جزء ہے نون ثقیلہ کا اور جزء ظاہر ہے کل پر مقدم ہوتا ہے اور نون ثقیلہ نون مشدد کو کہا جاتا ہے اور وہ تاکید میں نون خفیفہ سے زائد ہوتا ہے اور وہ متحرک ہوتا ہے فتحہ کے ساتھ، اگر اس سے قبل الف ہو خواہ الف ضمیر ہو جیسے تثنیہ میں ہوتا ہے، مثلاً اضربانِّ میں یا الف زائد ہو جیسے جمع مؤنث میں مثلاً اضربنانِّ۔

وَتَدْخُلُ فِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالْإِسْتِفْهَامِ وَالتَّمَنِّيْ وَالْعَرْضِ جَوَازًا لِأَنَّ فِيْ كُلٍّ مِّنْهَا طَلَبًا نَحْوُ اِضْرِبَنَّ وَلَا تَضْرِبَنَّ وَهَلْ تَضْرِبَنَّ وَلَيْتَكَ تَضْرِبَنَّ وَاَلَا تَنْزِلَنَّ بِنَا فَتُصِيْبَ خَيْرًا وَقَدْ تَدْخُلُ فِي الْقَسَمِ وُجُوْبًا لِوُقُوْعِهٖ عَلٰى مَا يَكُوْنُ مَطْلُوْبًا لِلْمُتَكَلِّمِ غَالِبًا فَاَرَادُوْا اَنْ لَّا يَكُوْنَ آخِرُ الْقَسَمِ خَالِيًا عَنْ مَعْنَى التَّاكِيْدِ كَمَا لَا يَخْلُوْ اَوَّلُهٗ مِنْهُ نَحْوُ وَاللهِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا

ترجمہ: اور وہ امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض میں جوازاً داخل ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک میں طلب ہے جیسے اضربنّ اور لا تضربنّ اور هل تضربنّ اور ليتك تضربنّ اور الا تنزلن بنا فتصيب خيرًا اور کبھی قسم میں وجوبی طور پر داخل ہوتا ہے بوجہ واقع ہونے اس کے اس شئی پر کہ وہ شئی متکلم کیلئے اکثر مطلوب ہوتی ہے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ قسم کا آخر تاکید کے معنی سے خالی نہ ہو جیسا کہ اس کا اول خالی نہیں ہوتا جیسے والله لافعلن كذا یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم ضرور ایسا کروں گا۔

تشریح: تَدْخُلُ فِي الْأَمْرِ نون تاکید خواہ خفیفہ ہو یا ثقیلہ مطلق امر کے اخیر میں داخل ہوتا ہے خواہ امر معروف ہو یا مجہول، حاضر ہو یا غائب۔ نون تاکید امر کے اخیر میں اس لئے داخل ہوتا ہے کہ اگر شروع میں داخل ہو تو ابتداء بالسکون لازم آئے گا۔ جو ممنوع ہے اور اس لئے بھی کہ وہ تنوین کے مشابہ ہے اور ظاہر ہے تنوین کا محل آخر کلمہ ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ نون تاکید مؤکد بالکسر ہے اور مؤکد بالکسر ہمیشہ مؤکد بالفتح سے مؤخر ہوتا ہے، اسی طرح نون تاکید، نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض عام کے اخیر میں بھی داخل ہوتا ہے، چنانچہ امر میں جیسے اضربنّ اور نہی میں جیسے لا تضربنّ اور استفہام میں جیسے هل تضربنّ اور تمنی میں جیسے ليتك تضربنّ اور عرض عام میں جیسے الا تنزلن بنا فصيب خيرًا ان پانچوں قسموں میں سے ہر ایک میں چونکہ طلب کا معنی موجود ہے اور نون تاکید طلب کی تاکید کیلئے آتا ہے لیکن طلب کا معنی امر و نہی و استفہام میں تو ظاہر ہے لیکن

تمنی وعرض عام میں اس لئے کہ وہ دونوں بمنزلہ امر کے ہیں۔
فِی الْقَسَمِ یعنی نون تاکید کا دخول جواب قسم میں ضروری ہوتا ہے جب کہ جواب قسم مثبت ہو اور نون تاکید کا دخول اس وجہ سے ضروری ہوتا ہے کہ متکلم اکثر قسم اس چیز سے کھاتا ہے جو متکلم کو زیادہ مطلوب ہو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ قسم کا آخر تاکید کے معنی سے خالی نہ ہو جس طرح قسم کا اول تاکید کے معنی سے خالی نہیں ہوتا جیسے واللہ لافعلن کذا میں۔

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ يَجِبُ ضَمُّ مَا قَبْلَهَا فِيْ جَمْعِ الْمُذَكَّرِ نَحْوُ اِضْرِبُنَّ لِيَدُلَّ عَلَى الْوَاوِ الْمَحْذُوْفَةِ وَكَسْرُهَا مَا قَبْلَهَا فِي الْمُخَاطَبَةِ نَحْوُ اِضْرِبِنَّ لِيَدُلَّ عَلَى الْيَاءِ الْمَحْذُوْفَةِ وَفَتْحُ مَا قَبْلَهَا فِيْ مَا عَدَاهُمَا اَمَّا فِي الْمُفْرَدِ فَلِاَنَّهٗ لَوْ ضُمَّ لَالْتَبَسَ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ وَلَوْ كُسِرَ لَالْتَبَسَ بِالْمُخَاطَبَةِ وَاَمَّا فِي الْمُثَنّٰى وَجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ فَلِاَنَّ مَا قَبْلَهَا اَلِفٌ نَحْوُ اِضْرِبَانِّ وَاِضْرِبْنَانِّ وَزِيْدَتْ اَلِفٌ قَبْلَ النُّوْنِ فِيْ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ لِكَرَاهَةِ اِجْتِمَاعِ ثَلَاثِ نُوْنَاتٍ نُوْنِ الضَّمِيْرِ وَنُوْنَيِ التَّاكِيْدِ

ترجمہ: اور آپ جانیں بے شک شان یہ ہے کہ واجب ہوتا ہے اس شئی کو ضمہ جو اس کے پہلے جمع مذکر میں ثابت ہے جیسے اضربُنّ تاکہ وہ ضمہ محذوف واؤ پر دلالت کرے اور واجب ہوتا ہے اس شئی کو کسرہ جو ثابت ہے اس نون تاکید سے پہلے واحد مؤنث حاضر میں جیسے اضربِنّ تاکہ وہ کسرہ محذوف یاء پر دلالت کرے اور واجب ہوتا ہے اس شئی کو فتحہ جو ثابت ہے اس نون تاکید سے پہلے ان صیغوں میں جو ان دونوں کے علاوہ ہیں لیکن مفرد میں اس لئے کہ شان وہ ہے کہ اگر ضمہ دیا جائے تو جمع مذکر کے ساتھ اشتباہ ہو جائے گا۔ اور اگر کسرہ دیا جائے تو واحد مؤنث حاضر کے ساتھ اشتباہ ہو جائے گا اور لیکن مثنیٰ و جمع مؤنث میں اس لئے کہ ایسا حرف کہ ثابت ہے اس کے پہلا الف، جیسے اضربانِّ اور اضربنانِّ اور الف کو جمع مؤنث میں نون تاکید سے پہلے زیادہ کیا گیا بوجہ ناپسندیدہ ہونے، جمع ہونا تین نونوں کا۔ ضمیر کا نون اور تاکید کے دونون۔

تشریح: اِعْلَمْ اَنَّهٗ يَجِبُ نون تاکید کے بعد اب اس کے ماقبل کی حالت کو بیان کیا جاتا ہے کہ نون تاکید خواہ خفیفہ ہو یا ثقیلہ جمع مذکر میں، اس کے ماقبل مضموم ہونا ضروری ہے۔ جمع مذکر عام ہے کہ حاضر ہو یا غائب جیسے اضربُنّ اور یضربُنّ اور تضربُنّ وغیرہ۔ ماقبل کا مضموم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ضمہ واؤ کے حذف پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً اضربُنّ کہ وہ اصل میں اِضربون تھا۔ اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ محذوف ہو گیا ہے اور وہ دو ساکن ایک واؤ حرف علت ہے اور دوسرا نون تاکید ہے۔

كَسْرُهَا مَا قَبْلَهَا وہ معطوف ہے ضم ما قبلها پر، اصل عبارت یہ ہے: يجب كسر ما قبلها یعنی واحد مؤنث حاضر میں نون تاکید کے ماقبل کو کسرہ دینا ضروری ہے جیسے اضربِنّ میں تاکہ وہ کسرہ یاء محذوفہ پر دلالت کرے جو یاء کہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے محذوف ہو گیا ہے اور دو ساکن ایک حرف علت یاء اور دوسرا نون تاکید ہے۔

فَتْحُ مَا قَبْلَهَا وہ بھی معطوف ہے ضم ما قبلها پر، اصل عبارت یہ ہے: يجب الفتح فيما عداهما مذکورہ دونوں صورتوں یعنی جمع مذکر اور واحد مؤنث حاضر کے علاوہ نون تاکید کے ماقبل کا فتحہ ضروری ہوتا ہے اور وہ عام ہے کہ مفرد میں ہو یا

مثنیٰ وجمع مؤنث میں اور مفرد بھی عام ہے کہ غائب مذکر ہو یا غائب مؤنث یا حاضر اور مثنیٰ میں مطلقاً اور جمع مؤنث میں مطلقاً اور متکلم میں مطلقاً، ان تمام صورتوں میں نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے لیکن مفرد میں اس لئے کہ اگر ضمہ دیا جائے تو اس کا اشتباہ جمع مذکر سے لازم آئے گا اور اگر کسرہ دیا جائے تو واحد مؤنث حاضر کے ساتھ التباس لازم آئے گا اور اگر ساکن رکھا جائے تو دو ساکن کا اجتماع لازم آئے گا اس لئے فتحہ متعین ہو گیا۔

وَاَمَّا فِي الْمُثَنّٰى وَجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ یعنی مثنیٰ اور جمع مؤنث میں نون تاکید کے ماقبل کو فتحہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان دونوں میں نون تاکید سے پہلے الف ہوتا ہے اور الف دو فتحہ کے حکم میں ہوتا ہے جیسے اضربانِّ اور اضربنانّ اور جمع مؤنث میں الف کو نون تاکید سے پہلے اس لئے زیادہ کیا گیا کہ اس میں تین نونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور ایک نون ضمیر اور دو نون ثقیلہ کہ نون ثقیلہ بمنزلہ دو نون کے ہوتا ہے اور تین نون کا اجتماع ثقل کو لازم کرتا ہے جو ادغام کو مستلزم ہے، اس لئے الف کو زیادہ کیا گیا تاکہ ثقل زائل ہو جائے۔

وَنُوْنُ الْخَفِيْفَةِ لَا تَدْخُلُ فِي التَّثْنِيَةِ اَصْلًا وَلَا فِيْ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ لِاَنَّهٗ لَوْ حَرَّكْتَ النُّوْنَ لَمْ تَبْقَ خَفِيْفَةً فَلَمْ تَكُنْ عَلَى الْاَصْلِ وَاِنْ اَبْقَيْتَهَا سَاكِنَةً يَلْزَمُ اِلْتِقَاءُ السَّاكِنَيْنِ عَلٰى غَيْرِ حَدِّهٖ وَهُوَ غَيْرُ حَسَنٍ۔

ترجمہ: اور نون خفیفہ تثنیہ میں قطعاً داخل نہیں ہوتا اور نہ جمع مؤنث میں، اس لئے شان وہ ہے کہ اگر نون کو حرکت دیا جائے تو خفیفہ باقی نہ رہے گا، پس وہ اصل پر نہ ہو گا اور اگر آپ اس کو ساکن باقی رکھیں تو دو ساکنوں کا ملنا اپنی حد کے غیر پر لازم آئے گا اور وہ اچھا نہیں۔

تشریح: **وَنُوْنُ الْخَفِيْفَةِ** یعنی نون خفیفہ تثنیہ میں قطعاً داخل نہیں ہوتا۔ نہ تثنیہ مذکر میں اور نہ تثنیہ مؤنث میں اور نہ وہ جمع مؤنث میں داخل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں نون خفیفہ کو اگر حرکت دیا جائے تو وہ خفیفہ نہ رہے گا اور نہ اپنے اصل پر قائم رہے گا اور اگر اس کو ساکن رکھا جائے تو اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ لازم آئے گا کہ اگرچہ پہلا ساکن مدہ ہے لیکن دوسرا ساکن مدغم نہیں اور یہ اجتماع ساکنین ہے جو جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ نون خفیفہ اگر تثنیہ وجمع مؤنث میں داخل ہو تو دو خرابی میں سے ایک ضرور لازم آئے گی اور وہ ایک نون خفیفہ کو حرکت دینا اور دوسرا اس کو سکون پر باقی رکھنا، اول اس لئے ممنوع ہے کہ نون خفیفہ کی وضع سکون پر ہے اور اس کو حرکت دینے سے وضع اصلی سے خروج لازم آئے گا، اس کے علاوہ التباس کا خطرہ بھی ہے، دوم اس لئے ممنوع ہے کہ غیر محل میں دو ساکن کا اجتماع لازم آئے گا جو درست نہیں اور یہاں غیر حسن کہا گیا ہے ادنیٰ ما یکتفی پر عمل کرتے ہوئے، ورنہ اصل یہ ہے کہ اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ ممنوع ہے غیر حسن نہیں۔

هذا ما تيسر للعبد الاحقر محمد المدعو محمد شبير الفورنوی الرشیدی الاشرفی قد شرعهٗ فی یوم الاربعة المبارکة من شهر جمادی الاولٰی سنة ثمانية عشر واربعة مائة والف (جمادی الاول ۱۴۱۸ھ) وکان الفراغ فی یوم الجمعة المبارکة من شهر ربيع الثانی سنة تسعة عشر واربعة والف (ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ) من هجرة النبی الکريم عليه الصلوٰة والتسليم۔ اللّٰهم اجعله بين الشروح کالشمس بين النجوم۔ آمين يارب العالمين واغفرلی ولوالدی ولاساتذتی ولجميع المسلمين۔